

الامام احمد علم الحديث

عن محمد بن حاتم بن حاتم



الشيخ محمد بن حاتم بن حاتم

امام اعظمؒ

اور

علم الحدیث

حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ



مکتبۃ الحسن
33- حق شریعت
اردو بازار لاہور

انتساب

عالی جناب عباس حسین ملک رئیس اعظم شہریہ لکھنؤ
کے نام

جن کی دینی حمیت اور محبت اسلام میں ڈوبی ہوئی مخلصانہ
دریادلی اور ہمدردانہ عنایت کی انجمن دارالعلوم الشہابیہ
رہن منت ہے اور جو اپنے دل میں آئندہ بھی انجمن کے
فلاحی، تعلیمی اور تبلیغی کاموں کو پروان چڑھانے کا
خاص جذبہ رکھتے ہیں۔

انجمن دارالعلوم الشہابیہ شہریہ لکھنؤ



جملہ حقوق محفوظ ہیں

امام اعظم اور علم الحدیث	● نام کتاب:
حضرت مولانا محمد علی صدیقی کابریہ طوقی	● نام مصنف:
حافظ زاہد علی	● باہتمام:
796	● صفحات:
رجب المرجب ۱۴۳۶ھ / اگست ۲۰۰۵	● تاریخ اشاعت:
مسعودیہ، محمودیہ 0333-4331105	● کمپوزرز:
1100	● تعداد:
مکتبہ الحسن 33- حق شریعت، اردو بازار لاہور	● ناشر:
فون: 042-7241355	● قیمت:
450/-	



علمی طلب

حافظ ذہبی الامام الحافظ مسعر بن کدام سے جو
زمانہ طالب علمی میں کوفہ کے اندر امام صاحب
کے رفیق ہیں نقل کرتے ہیں:

”میں امام اعظم کا رفیق مدرسہ تھا
وہ علم حدیث کے طالب علم بنے
تو حدیث میں ہم سے آگے نکل
گئے۔ یہی حال زہد و تقویٰ
میں ہوا۔ اور فقہ کا معاملہ تو
تمہارے سامنے ہے۔“

علمی نسب نامہ

امام اعظمؒ نے سربراہ حکومت عباسیہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے سامنے برسر دربار بتایا ہے۔

”ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امیر المؤمنین ابو جعفر منصور کے پاس آئے اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے۔ عیسیٰ نے امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے کہا اے امیر المؤمنین! ہذا عالم الدنیا الیوم۔ یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں۔ ابو جعفر منصور نے امام اعظمؒ سے دریافت کیا کہ اے نعمان! تم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! میں نے فاروق اعظمؓ، علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا علم حاصل کیا ہے۔ ابو جعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔“

(تاریخ بغداد، جامع المسانید)

علمی شہرت

”امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظمؒ کی شہرت سنتا تھا۔ ملنے کا بیحد مشتاق تھا۔ حسن اتفاق سے مکہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں۔ مجمع میں میں نے ایک شخص کی زبان سے کلمہ سنا کہ اے ابو حنیفہ! میں نے جی میں کہا کہ تو تمنا بر آئی۔ یہی امام ابو حنیفہ ہیں۔“

(مناقب ابی حنیفہ للذہبی: ص ۲۲)

علمی جامعیت

امام ابو جعفر طحاوی نے بکار بن قتیبہ کے حوالہ سے امام ابو عاصم کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

”ہم مکہ میں امام اعظمؒ کے پاس رہتے تھے آپ کے پاس ارباب فقہ اور اصحاب حدیث کا ہجوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔ جو صاحب خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوائے۔“

(مقدمہ اعلاء السنن: ص ۷۲)

علمی کمال

حافظ ابن عبدالبر نے مشہور محدث یزید بن ہارون کا امام اعظمؒ کے بارے میں یہ تاثر نقل کیا ہے:

”میں نے ہزار محدثین کے سامنے زانوائے ادب تہہ کیا ہے اور ان میں اکثر سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان سب میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ پارسا اور سب سے زیادہ عالم صرف پانچ ہیں۔ ان میں اولین مقام ابو حنیفہ کا ہے۔“

(جامع بیان العلم و فضلہ۔ الانتقاء: ص ۱۶۲)

آیت کے چہرہ اجمال سے نقاب کشائی
حضرت ابو موسیٰ اشعرنی اور ان کا مختصر چہرہ
امت دعوت اور امت اجابت
امام بخاری کا حدیث ابی موسیٰ سے استدلال
حدیث ابی موسیٰ کی رہنمائی
زمین کی بارش سے استفادہ میں تین قسمیں
انسانی قلوب کی علم و ہدایت سے استفادہ میں تین قسمیں

114 پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین یعنی محدثین

حدیث ابی موسیٰ میں محدثین اور اباب روايت
علامہ سندھی کا تشریحی نوٹ

محدثین کے بارے میں حضور انورؐ کا ایک اور ارشاد

116 پانی سے پیداوار کرنے والی زمین یعنی مجتہدین

حدیث ابی موسیٰ ۵ مجتہدین اور فقہاء

علامہ سندھی کی رہنمائی

فقہاء مجتہدین کے متعلق حضور انورؐ کا ارشاد

محدثین اور مجتہدین اسلام کا عملی سرمایہ ہیں

حدیث من برد اللہ بہ عہد اکی تخرج

حافظ ابن القیم کا تفصیلی بیان

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کا بیان

احکام دعا و دعا اور احکام دعا و دعا کا منطوق ہیں

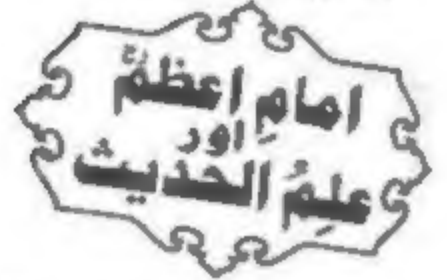
118 ائمہ اجتہاد کی طاعت ضروری ہے

امت محمدیہ میں علماء کی دو قسمیں

فقہائے اسلام کا حافظ ابن القیم کی زبانی تعارف

آیت اطاعت میں اولی الامر سے فقہاء مراد ہیں

فہرست



کے بہت سے ضمنی مضامین کو فہرست میں باقاعدہ عنوان دیا گیا ہے، جبکہ متن میں
اس سے ایک عام قاری اس سے الجھن محسوس کرتا ہے، فہرست چونکہ مصنف کی
ہے، اس لیے ہم نے فہرست میں کسی قسم رد و بدل کیے بغیر اس الجھن کو یوں دور کیا
رات کو بڑے فونٹ میں اور ضمنی مضامین کے عنوانات کو چھوٹے فونٹ میں لکھا گیا
کے نمبر اور مضامین کا نمبر شمار مستقل عنوانات کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔ زائد علی

43

46

57

68

106

111

ملکات تشکر

گرامی قدر آراء

سوانح حیات

مقدمہ

پیش لفظ

آیت دعوت اور اس کی تفسیر

حافظ ابن کثیر اور ان کا مختصر تعارف

دعوت نبی اور امت دونوں کا کام ہے

اتباع محبت کی نشانی ہے

اتباع کے موضوع پر قرآن کا دعویٰ

اتباع کی سرشاریوں کا نتیجہ

113 آیت دعوت کا اجمال اور اس کی حدیث سے تشریح

□ صاف اور سنگلاخ زمین یعنی مقلدین 118

□ مقلدین کی طرف ارشاد میں اشارہ

□ علامہ قسطلانی کی تشریح

□ تقلید کی حقیقت

□ ابن ماجہ کے حوالے سے صحابہ کے پانچ طبقے

□ صحابہ کے اختلاف مدارج پر شاہ ولی اللہ کا بیان

□ علم تحقیقی اور تقلیدی دونوں علم ہیں

□ منصب امامت میں مولانا شہید کا بیان

□ علما کی شامی کی بیان کردہ علماء کی قسمیں

□ اہل السنۃ کے تقلیدی موقف پر امام ذہبی کا بیان

□ شاہ ولی اللہ کی اختیار کردہ تقلید کی تعریف

□ امام اعظم کی فضاہت میں شہرت کی وجہ

□ مجتہد ہونے کی ضروری شرطیں

□ مجتہد کون ہوتا ہے؟ اس کا جواب علامہ شامی کی زبانی

□ محدثین علم حدیث و روایت میں فنکار ہیں

□ انصار بعد کا حدیث میں مقام اور شامی کا بیان

□ حدیث کیا ہے؟ 124

□ قرآن میں نبوت کا مقام اور منصب اور اس کی تشریح

□ قرآن و واقع کے تحت نازل ہوا 125

□ بتدریج نزول قرآن کی توجیہ اور اس سے استدلال

□ قرآن اور واقع میں باہم تعلق

□ قرآن میں حضور انور کو اور قرآن کو نور کہنے کی وجہ

□ قرآن اور سنت میں چراغ اور روشنی کی نسبت ہے

□ حدیث تاریخ سنت کا نام ہے 126

□ السنۃ کے ایک سے زیادہ اصطلاحی معنے

□ فقہاء کی اصطلاحی زبان میں السنۃ

□ قرآن کے قراء سجد اور السنۃ کے لیے محدثین کی روایت

□ سنت کا سنت ہونا روایات محدثین کا محتاج نہیں ہے

□ اس موضوع پر حافظ ابن تیمیہ کا لطیف بیان

□ قرآن کی حفاظت کے دو طریقے سینہ اور محیفہ

□ سنت کی حفاظت بھی دو طرح ہوئی سینہ اور عمل کا بیان

□ حفاظت سنت اور حفاظت قرآن میں فرق کی وجہ

□ تاریخ سنت کے لیے حدیث کا لفظ 129

□ لفظ حدیث کا قرآن میں استعمال

□ قرآن میں دین کی نعمت کے اظہار کا نام حدیث ہے

□ تاریخ سنت کے لیے نام تجویز کرنے میں امت کی دیانت

□ حدیث کا صحیح مقام 130

□ دین میں قرآن و سنت کی بحیثیت

□ منکرین حدیث کا اسلام میں مقام

□ قرآن اور سنت میں فرق 131

□ امام الحرمین کا نظریہ 132

□ قرآن و سنت دونوں وحی ہیں

□ قرآنی وحی کی شان اعجاز اور اس کا مقام تعبدی

□ قرآن کی تلاوت اور سنت کے اتباع پر زور

□ قرآن و سنت میں نامساوی کا فرق ہے

□ نامساوی کا فرق پر امام ابو محمد الجوزی کی تصریح

□ حافظ جلال الدین السیوطی کی تائید 133

□ قرآن مجزوء ہے سنت مجزوء نہیں ہے

سنت کا آغاز روایت بالمعنی سے ہوا ہے

نامہ اور پیام کا تفصیلی فرق

134

سنت بھی اللہ کی وحی ہے

قرآن لفظ دینے والوں کے مجموعہ کا نام ہے

قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں ہے

نزول قرآن کے قرآن کا پیام بھی اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے

قرآن کی بتائی ہوئی وحی کی تین صورتیں

نزول قرآن کے لیے وحی کے اقسام سہ گانہ میں سے

ایک کی تعیین

علامہ آلوسی اور علامہ مہی کے بیانات

تلف فی الروح بدویا اور الہام کو قرآن نے وحی کہا ہے

امام شافعی کی الرسائل میں تشریح

137

قرآن میں حکمت سے مراد سنت ہے

حکمت سے سنت مراد ہونے پر قرآنی آیات سے استدلال

حکمت سے کیا مراد ہے اس کا امام شافعی کی جانب سے

تفصیلی جواب

حکمت کی آیتیں بھی قرآن کی آیات کی طرح تلاوت

ہوتی تھیں

سنت کی وحی الہی ہونے پر حافظ ابن القیم کا جامع تجربہ

کتاب کے ساتھ نبوت آنے کی ضرورت پر امام احمد کا بیان

کتاب و سنت کے باہمی رشتہ پر امام ابو حنیفہ کے بیانات

قرآن میں حضور انور کی اتباع کا غیر مشروط طالعہ ہے بقید علم ہے

مختبر قرآن کے شارح ہیں

سنت میں روایت بالمعنی جائز ہونے کی عقلی توجیہ

حافظ جلال الدین السیوطی کا مختصر اور اجمالی تعارف

السنة میں تو اثر لفظی نہ ہونے پر الجوزائری کا بیان

تواتر سے بحث کرنا محدثین کے دائرہ کار سے باہر ہے

حافظ ابن تیمیہ کی بتائی ہوئی دو اصولی باتیں

کلام کے کاشف اور افضل ہونے کا معیار اور امام خطابی

144

اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق

ماہوتی میں الکتاب کی قید تلاوت کے ساتھ مخصوص ہے

145

صحیح مسلم کی حدیث ابی سعید کا منشاء

حدیث ابی سعید خدری مطول ہے

حافظ ابن حجر کا اجمالی تذکرہ

لا تمسکوا بحسنی وھو القرآن میں غیر کا موصوف

مخدوف ہے

کتابت کی ممانعت پر ڈاکٹر یحییٰ صالح کی رائے

ممانعت کے عملی مصداق پر امام خطابی کا بیان

الحديث الفاصل میں رامہد حزی کی رائے

حضرت ابو ہریرہ کی مسند احمد کی حدیث سے استدلال

ڈاکٹر عبداللہ کی حدیث ابی سعید کے مصداق کے متعلق

رائے

حدیث ابی سعید کتاب کی حدیثوں کے سوا ضعیف نہیں ہے۔

حضور انور کی جانب سے اجازت اور اس پر احادیث سے

استدلال

حدیث ابی سعید کا فتح اور علامہ احمد محمد شاہر کا اصرار

تا قائل انکار حقیقت

152

دور نبوت میں حدیث کا کتابی ذخیرہ

- احکام و سنن کی کتابیں
- عمر بن حزم کی تالیف کی تاریخی حیثیت
- قاضی ابوبکر کے پاس عمرو بن حزم کی دستاویز
- دستاویز عمرو بن حزم سے اسلام میں متداول ہے
- کتاب الصدقہ نبوت کا تحریر سرمایہ ہے
- خلفائے راشدین کا کتاب الصدقہ پر عمل
- سالم بن عبداللہ سے کتاب الصدقہ کی روایت
- کتاب الصدقہ کی تاریخی اور روایتی حیثیت
- صحابہ کرام اور کتابت حدیث 158 □
- صحیفہ صادقہ 158 □
- صحیفہ صادقہ کا تواتر
- صحیفہ علی مرتضیٰ 161 □
- صحیفہ صدیقی 161 □
- صحیفہ جابر 163 □
- صحیفہ سمرہ 164 □
- صحیفہ سمرہ کی روایت
- امام حسن بصری کا اجمالی تذکرہ
- صحیفہ محمد اور اس کا پورا نام
- الصحیفۃ الصغیرہ 164 □
- ایک غلط فہمی کا ازالہ 165 □
- اہل عرب میں طے سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے ذرائع
- حدیث بیان کرنے والے صحابہ کرام 166 □
- حدیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد

- اس قدر قلیل تعداد صحابہ کی روایت کی تعداد
- شاہ ولی اللہ کا تاریخی انکشاف
- تعداد حدیث کے لحاظ سے صحابہ کی قسمیں
- صحابہ کرام کے امام حاکم کے بتائے ہوئے بارہ طبقے
- صحابہ کرام میں حفاظ و فقہاء 169 □
- فقہاء صحابہ کی حفاظ صحابہ پر تنقید
- صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ کا مقام
- حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کا موازنہ
- ترجیح روایت کے لیے فقہاوی کی شرط
- حفظ و ضبط اور فقہاء اجتہاد میں موازنہ
- حضرت عائشہ کے صحابہ پر تحقیقات
- حضرت عمرؓ کی جانب منسوب بیانات کا صحیح فناء
- امام ہداری اور حکیم الامت کی رائے
- موقف عمرؓ کی عمل عمرؓ سے تقسیم
- حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک ہزار چھتیس محدث
- اعزہ بلاد فقہاء اور محدثین ہوتے تھے
- صدر اول میں سنت سے فقہ مراد ہوتا تھا
- خلافت راشدہ اور مدوین حدیث 176 □
- حافظ ابوبکر بن عقیل کا توسیعی بیان
- دور خلافت میں حدیث کے مدون نہ ہونے کے وجوہ
- نبوت کا امتیازی مقام خلافت ہے
- آیت شیخ کی شاہ ولی اللہ کی بیان فرمودہ تفسیر
- اسلام میں خلافت راشدہ کے اعمال کی بحیثیت

- امام اعظمؒ کی محبت سنی ہونے کی علامت ہے 197
- عبدالعزیز بن میمون امام اعظمؒ کے معاصر ہیں
- دکھ بن الجراح قزوینی میں امام اعظمؒ کے اقوال کو اپناتے تھے
- امام یحییٰ بن سعید امام اعظمؒ کے فتویٰ میں مقلد تھے
- امام اعظمؒ کی تقلید ۱۹۵ھ سے پہلے شروع ہو چکی تھی
- یحییٰ بن سعید امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں
- رخ انور اور سر پائے امامت 199
- امام اعظمؒ کی تاریخ ولادت میں اختلاف
- امام اعظمؒ تابعی ہیں 199
- اسلام میں صحابہ کا مقام 200
- صحابہ کی عدالت قرآن سے ثابت ہے
- عدالت صحابہ پر ملاحظہ فرمائی اور ابن عبد السلام کی تصریح
- تابعین کی بزرگی 200
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے استدلال
- حدیث عائشہؓ کی روایت سے استدلال
- خیر القرون کی محدثین کی پیش کردہ تفسیر
- صدر اول اور سلف صالح کی تشریح
- کمال علم اور کمال ایمان میں صحابہ کا مقام
- دور نبوت میں امام اعظمؒ کی ولادت
- محدثین کی زبان میں تابعی 205
- صحابی کی تحریف امام بخاری کی زبانی
- ارشادات نبوت سے امام بخاری کی تائید
- امام اعظمؒ کو صحابہ کی دید کا شرف بے غبار ہے

- امام اعظمؒ کی تابیت اور محدثین کرام 208
- حافظ ابن حجر عسقلانی
- امام اعظمؒ کی تابیت پر حافظ ولی الدین عراقی کا فیصلہ 210
- حافظ زین الدین عراقی کا تبصرہ
- حافظ عراقی کی بیان کردہ تابعین کی فہرست 211
- علامہ قسطلانی کی رائے
- حافظ ابن عبدالبر کا تابیت امام کے بارے میں انکشاف
- عبداللہ بن الحارث سے امام اعظمؒ کو شرف دید
- حافظ ابو بکر الجعفی اور عبداللہ بن الحارث کی تاریخی وقایع
- حافظ ابو بکر الجعفی اور ان کی تاریخ رجال سے واقفیت
- دید کی شہادت ایک مثبت دعویٰ ہے
- اثبات دلی میں تنازع پر محدثین کا فیصلہ
- جز مدنیہ میں امام بخاری کا زین فیصلہ
- امام اعظمؒ کا حضرت انسؓ کو دیکھنا متفق علیہ ہے
- صحابہ تابعین کے لیے قرآن میں چار درجے
- امام اعظمؒ کا زمانہ طلب علم 214
- ولید بن عبدالملک کو تین کارآمد سہ سالار
- زمانہ ولید میں اسلامی حکومت کا جغرافیہ
- امام اعظمؒ کے چھپنے اور لا کہین کا دور
- کوفہ کی مرز کی حیثیت 215
- کوفہ کا جغرافیائی مقام
- زمانہ فاروق اعظمؒ میں کوفہ کی آبادی اور اس کی وجوہ
- کوفہ کی آباد کاری کے لیے کھیتی کی تشکیل
- کوفہ میں آباد کاروں کی اولین تعداد ۴ ہزار ہے

کوفہ کی جدید تشکیل اور ابولہیاج الاسدی کا سروے

کوفہ کا نقشہ اور اس کی تمدنی و تہذیبی مرکزیت

کوفہ میں زمانہ قاروق میں مسلمانوں کا تسول

۴۰ ہزار آباد کاروں میں صحابہ کی تعداد

صحابہ کی تعداد میں محدثین و مورخین کا اختلاف

احمد امین کی زبانی کوفہ کا علمی نسب نامہ

علامہ کوفہ کے شوق طلب علم پر حافظہ ابن تیمیہ کا انکشاف

فن قرأت تجوید کے امام اور کوفہ

علم التفسیر اور کوفہ

عربیت اور نحو صرف کی تدوین اور کوفہ

علامہ لغت کے یہاں کوفہ کی لسانی اہمیت

220 امام اعظمؒ کی علمی طلب گاریوں کا زمانہ

علمی طلب گاریوں کے لیے نقطہ آغاز

آغاز طلب میں امام اعظمؒ کی علم الکلام سے دلچسپی

علم الکلام میں امام اعظمؒ کی مہارت

نظریاتی احکام کے لیے امام فہمی کا مشورہ

الشرائع کی طرف متوجہ کرنے میں امام فہمی کا کردار

آغاز طلب علم کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ

221 امام اعظمؒ اور فنون عصریہ

علم الشرائع سے پہلے امام اعظمؒ نے فنون حاصل کیے

علم الکلام میں امامت پر یحییٰ ابن شیبانہ کا بیان

زمانہ امام اعظمؒ میں مروجہ علوم اور ان کی تقسیم

امام اعظمؒ کی علمی طلب علم کی تاریخی ترتیب

امام اعظمؒ نے لڑکپن میں علوم عصریہ میں بحیثیت فرامانی تھی

224 امام اعظمؒ اور علوم عقلیہ

علوم عقلیہ میں مہارت پر عبداللہ بن ابی حفص کا بیان

امام اعظمؒ کی کلامی اور عقلی علوم میں شہرت

تحقیق مدارس اور مکاتیب سے امام اعظمؒ کے مناظرے

امام اعظمؒ کے مذاہب میں علمی مسائل

حافظ ابن رجب حنبلی کا اختلاف پر تاسف

مسئلہ ایمان میں اختلاف اور جیم بن مغفان کا موقف

226 مسئلہ ایمان اور امام اعظمؒ

ایمان میں تصدیق اقرار اور اعمال کا باہمی ربط

ارشاد نبوت سے ربط کی تائید

زبان کا اقرار ایمان میں کیوں شرط ہے؟

ایمان میں امام اعظمؒ کے نزدیک اقرار کی اہمیت

ایمان کے موضوع پر امام اعظمؒ کا قانونی موقف

230 امام اعظمؒ کی علم کلام میں تصانیف

معتزلہ کا غلط پروپیگنڈا

البیاضی طاش کبریٰ، بزاززی اور بزدوی کی تصریحات

امام اعظمؒ کی کلامی کتابوں کی تاریخی حیثیت

232 علم کلام اور اس کا حکم

امام اعظمؒ کے نزدیک اسلامیات میں علم کلام کی حیثیت

دفاعی سرمایہ کی ہے

امام الحرمین اور امام فرائی کی تائید

علم کلام کے موضوع پر اولیت کا شرف امام اعظمؒ کو حاصل

۵۵۹ء سے ۱۰۴۰ء تک کا وقت امام اعظمؒ نے حدیث پر

صرف کیا

□ امام اعظمؒ طالب علم حدیث کی حیثیت سے 237

□ امام فہمی کا امام اعظمؒ کے کا بر شیعہ میں شمار

□ امام فہمی کی حدیث میں شان جامعیت

□ امام اعظمؒ کے طلب علم کی تاریخی داستان کا اجمالی خاکہ

□ بیس سال کی عمر میں حدیث پڑھنے کی وجہ 239

□ علم حدیث میں زمانہ طالب علمی میں امام اعظمؒ کی سبقت 240

□ امام مسور بن کدام کی شہادت

□ علم حدیث میں امام مسور بن کدام کا مقام

□ امام یحییٰ کی زبانی امام اعظمؒ کی اہلیت کا اعتراف

□ امام اعظمؒ کے حدیث میں اساتذہ 242

□ امام اعظمؒ کے اساتذہ حدیث کی عظمت 243

□ اساتذہ کی عظمت سے علاوہ کی عظمت کا اندازہ

□ امام اعظمؒ کی برتری کی ادنیٰ شہادت

□ مملکت اسلامی میں حدیث کی درجہ گاہیں

□ علم حدیث کی صحیح صادق کا طلوع

□ امام اعظمؒ کے اساتذہ میں پہلا طبقہ 247

□ محدثین کے نزدیک عدم صحت موضوع ہونے کو مستلزم

نہیں ہے

□ حدیث کے صحیح نہ ہونے کا مطلب

□ حدیث ضعیف کی بھی دو قسمیں ہیں

□ حدیث افتراق کے بارے میں فیروز آبادی کا دعویٰ

□ صحابہ سے شرف روایت

□ صحابہ سے روایت کے بارے میں ثبوت معتد ہے

□ امام اعظمؒ کا حضرت انس بن مالک سے تلمذ 251

□ حضرت انس بن مالک کا اجمالی سوانحی چہرہ

□ حضرت انس سے امام اعظمؒ کی روایت طلب علم

□ امام اعظمؒ کا حضرت عبداللہ بن الحارث سے تلمذ 254

□ امام اعظمؒ کی زبانی عبداللہ سے ملاقات کا واقعہ

□ عبداللہ سے امام اعظمؒ کے سماع کی تصریح

□ عبداللہ بن الحارث کی تاریخی وقایع

□ حافظ ابو بکر البجالی ظل حدیث اور تاریخ رجال کے امام ہیں

□ عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظمؒ کا تلمذ 256

□ تحمل روایت کی عمر اور محدثین 257

□ اتصال روایت کی شرط 258

□ کوفہ میں علم حدیث 259

□ کوفہ میں صحابہ کرام

□ بخاری شریف میں کوفہ کے محدثین کے راویوں کی تعداد

□ کوفہ کے محدثین کی تذکرہ الخطاط سے فہرست

□ علامۃ التابعین امام فہمی سے تلمذ 267

□ حدیث کی زبانی یادداشت کا دور

□ امام حماد بن سلیمان سے تلمذ 271

□ میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر 273

□ تاریخ کا المناک حادثہ 274

□ امام حماد پر ار جاء کی تہمت 275

- حافظ سیوطی کی زبانی ار جاء کی حقیقت □
 281 ابواسحاق السبسی سے تلمذ □
 283 الامام الحافظ شیبان سے امام اعظم کا تلمذ □
 285 الحکم بن عتیبہ سے امام اعظم کا تلمذ □
 286 امام اعظم کا طلب علم کے لیے سفر □
 287 علم کی خاطر اسلام میں سفر کی اہمیت □
 289 حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق □
 فقہ حدیث کا تعلق شاہ ولی اللہ کی زبانی □
 فقہ حدیث کا تعلق علامہ غلابی کی زبانی □
 296 رحلت علیہ کی تاریخ □
 امام اعظم کے اسفار حج کی تعداد □
 لیف بن سعد کی امام اعظم سے پہلی ملاقات □
 مکہ میں امام اعظم کے ارگرداہل فقہ اور محدثین کا ہجوم □
 مکہ میں امام اعظم کا چار سال نو ماہ قیام □
 299 حجاز میں امام اعظم کے مشاغل □
 300 محدث اور فقیہ میں فرق □
 302 حدیث اور روایت حدیث □
 روایت و اسناد سے پہلے حدیث کا مقام □
 اسناد و روایت کے فن میں وسعت □
 جو حدیث ابو حنیفہ کو ایک یا دو واسطوں سے ملی ہے □
 وہ امام بخاری و مسلم کو چھ واسطوں سے ملی □
 صحابہ اور کبار تابعین میں کوئی ضعیف نہ تھا □
 307 مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت □

- حرمین کے عمل پر احادیث اور امام بخاری کا مسلک □
 309 امام اعظم کا عطاء بن ابی رباح سے تلمذ □
 عطاء بن ابی رباح کی علمی وسعت پر ایک ضروری تنبیہ □
 312 ایک ضروری تنبیہ □
 313 حافظ عمرو بن دینار سے امام اعظم کا تلمذ □
 313 حکومت اور عدالت □
 315 عمرو بن دینار کی اور عمرو بن دینار بصری □
 316 حافظ ابوالزبیر محمد بن مسلم سے امام اعظم کا تلمذ □
 317 المدینہ المکرمہ □
 318 مدینہ کے فقہاء و سبب □
 عمر بن عبدالعزیز کی مدینہ میں مشاورتی کونسل □
 فقہاء و سبب پر ابن ہشام و حنبلی کا نوٹ □
 320 مدینہ کے علم و عمل پر اعتماد □
 324 خواب گاہ نبوت کی زیارت اور مسجد نبویؐ میں عبادت □
 326 الحافظ ابو عبد اللہ تافع الہدی ۱۱۸ھ □
 328 روایت میں راویں کا تعبیری اختلاف □
 330 احادیث فقہ اور روایات حدیث □
 332 الحافظ ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ۱۴۳ھ □
 333 سب سے صحیح سند ہے □
 334 ایک لطیف نکتہ □
 334 قاسم بن محمد کی شان علمی □

- 380 امام اعظمؒ کی احادیات □
- 381 اسناد عالی کی دوسری قسمیں □
- 385 امام اعظمؒ کی ثنائیات □
- 386 امام اعظمؒ کی ثلاثیات □
- امام بخاری کی ثلاثیات اور ان کے ذرائع
- 387 امام کی بن ابراہیم □
- 388 الفضاک بن مخلد □
- 390 امام اعظمؒ کی رباعیات □
- 391 تاریخ تدوین حدیث □
- 392 طرق و اسانید حدیث کی تعداد □
- 393 احادیث صحیحہ کی اصلی تعداد □
- 394 قرآن کی ۶۲۳۶ آیتیں اور ۴۴۰۰ حدیثیں □
- احادیث یاد کرنے کا سلف میں رواج
- 397 تدوین حدیث اور عمر بن عبد العزیز □
- 398 جمع قرآن اور صحابہ □
- 399 جامع القرآن کا حضرت عثمان غنیؓ کے لیے لقب □
- 401 ۹۸۰ تک حدیث پر علمی سرمایہ □
- عمر بن عبد العزیز کا تدوین حدیث کے لیے سرگرم
- اسلام کے علمی سرمایہ پر حافظ ابن حزم کا بیان
- 407 فرمان خلافت میں حدیث عمر کا اضافہ □
- اسلام میں خلفائے راشدین کی سہ

- عمر و بنت عبد الرحمن کا علمی مقام
- 338 امام اعظمؒ نے امام مالک سے روایت لی ہے □
- 341 اشہب کی روایت سے غلط فہمی □
- 343 حافظ مغدطائی کی تحقیق □
- 345 امام مالک کی نظر میں امام اعظمؒ کا مقام □
- بھرہ اور اس کی علمی حیثیت
- 349 الامام ابو بکر ایوب بن ابی تیمیہ السخانی □
- 351 حدیث میں امام اعظمؒ کا نمایاں مقام □
- 354 مجہول اور ضعیف راویوں سے روایت □
- 356 علم اسناد و روایت میں مجہول کا مسئلہ □
- 357 مجہول کی دو قسمیں □
- 358 اختلافی عصر و زمان □
- 359 امام اعظمؒ کی ضعفاء سے روایت ان کی تعدیل ہے □
- 361 ضعیف روایات کا درجہ شواہد اور توابع کا ہے □
- 364 خطاء اور غلطی سے کوئی پاک نہیں ہے □
- موضع اوہام مجمع و التفریق میں امام بخاری کے اوہام
- تذکرۃ الخطاء میں امام اعظمؒ کے مشائخ
- تذکرۃ الخطاء کا علمی مقام
- 371 امام اعظمؒ کا حفاظ حدیث میں مقام □
- 374 امام اعظمؒ اور اسناد عالی □
- اسناد عالی کی تلاش سلف کی سنت ہے
- اسناد عالی کی انتخاب پر حدیث سے استدلال

- 412 جمع قرآن بیان قرآن پر ایک اہم تفسیری نکتہ □
 ۛ آیت جمع کی تفسیر ابن عباس اور شاہ ولی اللہ کی تحقید □
 ۛ ابن علیہا جمع کی شاہ ولی اللہ کی بیان کردہ تشریح □
 417 عمر اول اور عمر ثانی کے عمل میں ہم آہنگی □
 418 تدوین حدیث کی اولیت کا شرف □
 419 دوسری صدی ہجری میں علم حدیث □
 421 امام اعظم شراہ کے مدون اول ہیں □
 423 حدیث میں امام اعظم کی تصنیف □
 424 کتاب الاثار کا طریق تالیف □
 ۛ املائی طریق میں علاوہ کے لیے محدثین کی تعبیری بیان □
 426 کتاب الاثار کے نسخے □
 426 کتاب الاثار بروایت امام محمد □
 430 کتاب الاثار بروایت ابی یوسف □
 431 کتاب الاثار بروایت امام زفر □
 433 کتاب الاثار بروایت حسن بن زیاد □
 435 ناموں کی تصحیف پر ایک ضروری توضیح □
 436 کتاب الاثار کی روایتی صحت □
 438 کتاب الاثار کی علمی حیثیت □
 439 کتاب الاثار کا تاریخی مقام □
 442 کتاب الاثار کی امتیازی حیثیت □
 444 کتاب الاثار کی مقبولیت □

- 446 کتاب الاثار کا محدثین پر اثر □
 448 کتاب الاثار کی علمی خدمت □
 450 ابواب اور مسانید میں فرق □
 452 حافظ محمد بن مخلد دوری □
 453 حافظ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید □
 455 حافظ عبد اللہ الحارثی □
 457 حافظ محمد بن ابراہیم الاصفہانی □
 458 حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر □
 459 حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد □
 460 حافظ ابو نعیم الاصفہانی □
 461 حافظ ابن ابی العوام □
 462 حافظ ابن عدی □
 462 حافظ ابوالحسن اشعانی □
 463 حافظ ابوبکر بن عبد الباقی □
 464 حافظ طلحہ بن محمد □
 464 حافظ ابن عساکر دمشقی محدث □
 465 حافظ امام عیسیٰ جعفری مغربی □
 ۛ محدث خوارزمی کا ترتیب ملوہ جامع المسانید □
 468 المحراف حافظ ابن القیسرانی □
 469 مسانید امام اعظم کی شرحیں □
 470 حدیث کا دوسرا مجموعہ موطا امام مالک □

- کتب حدیث میں موطاء کا مقام □
 موطاء کی وجہ ترجیح □
 موطاء کے روایتی سلسلے کی مرکزی شخصیتیں □
 جامع معمر بن راشد 476 □
 جامع سفیان الثوری 479 □
 اس دور کی اور کتابیں 482 □
 کتاب السنن ابن جریج 483 □
 کتاب الفرائض لابن مقسم ۱۸۶ھ 484 □
 کتاب السنن لزامد بن قدامہ 484 □
 کتاب السنن یحییٰ بن زکریا ۱۸۴ھ 485 □
 کتاب السنن وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ 486 □
 کتاب السنن سعید بن ابی عروبہ ۱۹۵ھ 487 □
 کتاب التفسیر ہشیم بن بشیر ۱۸۳ھ 488 □
 کتاب الترمذی عبد اللہ بن المبارک 488 □
 سیرت و مغازی 489 □
 فقہ و شرائع 490 □
 فقہ و شرائع میں امام اعظم کی تصانیف 496 □
 دور صحابہؓ ۱۰۲ھ سے ۲۲۰ھ تک حدیث 498 □
 دوسری صدی کے مصنفین اور ان کی کتابیں □
 مصنفین اور تلامذہ امام اعظمؒ 501 □
 تیسری صدی میں علم حدیث 504 □

- علم حدیث میں کثرت طرق 504 □
 محدثین و حفاظ کے مراتب 505 □
 حدیث میں مولفیات کا توسع 507 □
 علم حدیث میں مسانید کی تالیف 507 □
 مصنفین مسانید کا پیش نهاد □
 تیسری صدی کے مسانید کی فہرست اجمالی □
 مسانید میں اولیت 511 □
 عبید اللہ بن موسیٰ کا تشیع اور محدثین کے یہاں اس کا مطلب □
 مسند امام احمد بن حنبل کی عظمت 512 □
 کیا مسند امام احمد میں موضوع حدیثیں بھی ہیں؟ □
 مسند امام جعفر بن محمد کی وسعت □
 علم حدیث میں مصنفات 518 □
 مصنف عبد الرزاق ۲۱۱ھ 519 □
 امام عبد الرزاق کو امام اعظم سے شرف تکذ □
 مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۰ھ 521 □
 مصنف ابن ابی شیبہ کی خصوصیات □
 امام مالک اور امام حلیف بن سعد کی خط و کتابت □
 امام ابو حنیفہ کی کتاب السیر پر امام اوزاعی کی تنقید □
 تیسری صدی ہجری میں صحاح کی تدوین □
 ابن ماجہ، سنن دارمی یا موطا کا صحاح ستہ میں شمار 530 □
 صحیح بخاری اور صحیح مسلم 532 □
 محدثین کے نزدیک صحیحین کا مقام 535 □

- 536 صحیحین میں صحت کا معیار □
- 537 التزام صحت اور اس کا مطلب □
- 537 بخاری و مسلم کی شرطیں □
- 541 تلقی امتثال قبول اور صحیحین □
- بخاری و مسلم کا صحیحہ میں مقابلہ بعد میں آنے والوں سے ہے □
- صحیح بخاری کا پورا نام اور اس کی سب سے بڑی خوبی □
- 549 صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں موازنہ □
- 552 حدیث میں امام مسلم کا بیان □
- 554 سنن نسائی اور صحاح میں اس کا مقام □
- 557 سنن ابی داؤد کا صحاح میں مقام □
- سنن ابی داؤد کی فقہ میں اونچی ہونے کی وجہ □
- 561 سنن ترمذی کا صحاح ستہ میں درجہ □
- 563 صحیح کے ساتھ حسن اور غریب کی اصطلاح □
- 565 ترمذی کے بارے میں ایک اہم سوال □
- 568 صحاح ستہ میں ابن ماجہ کا مقام □
- 570 مؤلفین صحاح کے نقطہ نظر کا اختلاف □
- 571 امام بخاری کا نقطہ نظر □
- 572 امام مسلم کا صحیح نظر □
- 573 امام ابوداؤد کا تالیف میں مقصد □
- 574 امام ابویسیٰ ترمذی کا پیش نہاد □

- 575 امام نسائی کا کتاب کی تالیف میں مسلک □
- 575 امام ابن ماجہ کا صحیح نظر □
- 576 صحاح ستہ کی علمی خدمت □
- 576 مستخرجات صحیحین اور استخراج کے فوائد □
- 578 احادیث صحیحین کے طرق و اسانید کی تعداد □
- 579 صحیحین اور دوسری کتابوں کے اطراف □
- 580 دوسری اور تیسری صدی کے مؤلفین حدیث □
- تیسری صدی کے محدثین کا چہرہ شاہ ولی اللہ کی زبانی □
- چہرہ شاہ ولی اللہ میں بیان کردہ دوسری صدی کے محدثین کا حال □
- 585 دوسری اور تیسری صدی میں صحت حدیث کا معیار □
- 587 حدیث مرسل اور دوسری صدی کے ائمہ حدیث □
- 592 افراد و غرائب اور تیسری صدی کے محدثین □
- 593 ابوداؤد ترمذی کی حدیث قلین □
- 595 سنن ابی داؤد کی حدیث تائین □
- 596 صحیحین کی حدیث خیاب مجلس □
- 599 امام اعظمؒ اور حدیث کی صحت □
- راوی کے خطبہ صدر کی اہمیت اور اس کی شرط □
- خطبہ کا مفہوم اور اس کی حدیث کی نظر میں اہمیت □
- 603 امام اعظمؒ اور دو قبول روایت □
- آئینی و قانونی لحاظ سے احادیث کی شہرت □
- 608 امام اعظمؒ اور اہل ہونی سے روایت □

جرمسلہ کے بارے میں حافظ دہلوی کا خالص مہرمانہ
نقطہ نظر

614 جرح و تعدیل رواقہ حدیث اور امام اعظم

علامہ ستاد کی جرح و تعدیل پر ایک مورخانہ ستاد

جرح و تعدیل کے موضوع پر امام ترمذی کا امام اعظم سے

استدلال

امام اعظم اور جامعہ دہلی کی تصنیف

زید بن عیاش اور امام مالک اور ابو حنیفہ کا اختلاف

621 اسماء الرجال اور امام اعظم

626 تحمل روایت حدیث اور امام اعظم

تحمل روایت کے طرق

سماع و عرض

631 تحمل روایت اور اجازت

632 تحمل روایت اور مناد

634 حدیث شاذ اور امام اعظم

639 روایت بالمعنی اور امام اعظم

حفظ الفاظ سے اور معرفت کا معانی سے تعلق ہے

روایت بالمعنی کی اجازت اور اس کی ضروری شرطیں

روایت بالمعنی کے جواز کے لیے علماء کے بیان کردہ نتائج

روایت بالمعنی کا دائرہ کار وسیع ہونے سے علماء کی پریشانی

652 مراتب حدیث اور امام اعظم

653 تواتر اسناد

655 تواتر عمل

حدیث ضعیف کو امر تواتر عمل کی تائید ہو تو دو گنج قرار پاتی ہے

656 تواتر قدر مشترک

659 اخبار آحاد اور امام اعظم

660 اخبار آحاد کا معیار احتجاج

معیار احتجاج میں صحابہ روایت اور باب حدیث کا مسلک

سنہ سے متعلق تحقیق محدثین کا اور متن سے متعلق تنقیح

فقہاء کا کام ہے

صحت حدیث کے ساتھ قبولیت حدیث کی شرطیں

قبولیت حدیث کی پہلی شرط کہ مسلمہ اصولوں کے خلاف

نہ ہو

665 مسلمہ اصولوں کے خلاف روایت

کیا ہر حدیث بجائے خود ایک اصول ہے؟

حدیث کذبہ بات ابراہیم اور اس پر الجھڑائی کی تنقید

670 معانی قرآن سے متصادم حدیث

حدیث کے ضعیف ہونے کی وجوہ متعدد اور تہاکن ہوتی ہیں

حدیث المعنی بیان کی محدثانہ اور ظہرانہ تفسیل

حدیث کی قبولیت میں معانی قرآن سے تصادم علت

قادر ہے

حدیث معراۃ اور معانی قرآن سے اس کا معارضہ

سنت مشہورہ سے معارضہ حدیث

حدیث معراۃ اور امام اعظم کے موقف کی غلط ترجمانی

سنت مشہورہ سے معارضہ حدیث

سنت مشہورہ سے معارضہ اور حدیث عمر و بن سلمہ

685 اخبار آحاد کا تواتر سے معارضہ

حدیث مسلم کی تعلیل اور حافظ ابن تیمیہ کا جواب

احادیث رفع یدین کا تواتر سے معارضہ

علامہ مصیبن الدین سندگی کا خدشہ اور اس کا جواب

693 اعمال و اقوال صحابہ کا اسلام میں مقام □

696 اخبار آحاد میں مفاہمت اور امام اعظم □

702 رفع یدین کی صورت □

703 ہبہ کی واپسی پر احادیث میں مفاہمت □

705 ارشاد نبوت اور صیابی کے فتویٰ میں مفاہمت □

احمد حسین کراچی پر فکری اختلاف کی بنا پر جرح

دلوغ کلب پر ابو ہریرہ کا فتویٰ اور امام ربیع کی معذرت

نصیم بن حماد پر وضع حدیث کا الزام

710 جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں پڑھنا □

تکلف اوقات میں سنتوں کی ادائیگی پر آثار صحابہ

صبح کی سنتوں کی ادائیگی پر آثار صحابہ

قیس بن فہد کے واقعہ کا غلط استعمال

716 وجوہ ترجیح اور امام اعظم □

کیا تکلف احادیث میں فقہات وجہ ترجیح ہے؟

فقہات صحت روایت کی نہیں بلکہ ترجیح کی شرط ہے

رفع یدین کے موضوع پر امام ابو حنیفہ اور امام ابو زہری کی گفتگو

واقعہ کی روایتی حیثیت اور علامہ سندگی کا نتیجہ

طلو اسناد سے ہٹ کر فقہات کیوں وجہ ترجیح ہے؟

حنیفہ کے نزدیک وجہ ترجیح اہمیت ہے کثرت نہیں ہے

726 حدیث ضعیف اور امام اعظم □

حدیث میں امام ترمذی سے پہلے حدیث کی تقسیم ثنائی تھی

حدیث میں اور متاخرین کی حسن میں فرق

رائے کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر عمل حنیفہ کا مذہب ہے

ضعیف پر عمل میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد میں ہم آہنگی

ضعیف سے حدیث میں کی اصطلاحی ضعیف مراد ہے

731 حدیث قہقہہ سے وضو ٹوٹنے پر استدلال □

732 نیز ترمذی سے وضو کی حدیث □

حدیث مقدار

ضعیف پر عمل کے بارے میں ابواب روایت کے مسالک

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی نین شرطیں

736 علامہ دوانی کا شبہ اور اس کا جواب □

دوانی کے شبہ پر علامہ خفائی کا جواب

علامہ خفائی کے جواب پر مولانا عبدالحی کی تنقید

دوانی کے شبہ کا خود دوانی کا دیا ہوا جواب

740 حدیث و قیاس میں تعارض اور امام اعظم □

قیاس کی شریعت پر طحاوی کی آراء

خبر واحد اور قیاس میں تعارض پر امام اعظم کے موقف کی توضیح

فخر الاسلام کی جانب سے امام اعظم کے مسلک کی غلط

ترجمانی

صدر الاسلام کی جانب سے امام اعظم کے مسلک کی صحیح

ترجمانی

شیخ ابوالحسن کرمی کی جانب سے صدر الاسلام کی یہ

748 حدیث میں امام اعظم کے اصول □

صحت حدیث کے اصول اور قبولیت حدیث کے ضوابط

کلمات تشکر

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی بلندی اور برتری کے لئے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنة پیدا فرمائے، انہی اخلاق حسنة اور صفات عالیہ کی وجہ سے انسانیت آج گرہوتی ہے اور جو مؤمن بندے ان سے متصف ہوتے ہیں ایسے افراد اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کے بندوں کے یہاں بھی انہیں مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے، ان صفات عالیہ میں صفت تواضع اور انکساری بڑی اہمیت رکھتی ہے، اکابر و پوہند کو اللہ تعالیٰ نے علوم وافرہ کثیرہ سے بھی نوازا اور افعال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے بھی متصف فرمایا، ان حضرات نے تواضع اور انکساری کو ایسا اپنایا اور حرز جاں بنایا کہ قرن ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز ان حضرات میں زہد و استقامت بھی بڑے درجے کا تھا، تحریر و تقریر، شریعت و طریقت کی خدمات سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے تھیں، مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ تھے، کسی شخص نے خواہ کتنا ہی بڑا ہو، مال دار صاحب اقتدار ہو، ذرا سا بھی لالچ نہیں رکھتے تھے، اہل مال جو ان حضرات کے معتقد تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ پیش کریں، لیکن ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ قول و فعل سے یہ غلام فرما دیتے تھے کہ ہماری خوشی اس میں ہے کہ جس وجہ سے ہم سے تعلق ہے یعنی علم یکتا اور عملی زندگی کو اپناتا، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔

اس کی ایک نظیر ضلع سیالکوٹ میں حضرت مولانا محمد علی صدیقی کا نہ صوفی کی ذات اقدس قہمی کا نہ حلقہ میں پیدا ہونے والا بچہ اور تعلیم و تربیت کا سفر مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم

جیسے صحت کے موضوع پر قوانین تحریر کی ہیں ایسے ی
قبولیت کے موضوع پر اصول تحریر کی ہیں
دوسرے علوم کی طرح حدیث بھی ایک علم ہے
شاہ ولی اللہ کا بے مثل سہارا اور اس پر تفصیلی بحث

- 754 ☐ شاہ صاحب کا منشاء
اصول وضو با صحت و قبولیت حدیث
مجتہدین کے پیش نظر شریعت کا پورا نظام ہوتا ہے
مجتہدین اس حیثیت میں انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں
760 ☐ تلامذہ حدیث اور امام اعظم
الحافظ نجی بن زکریا بن ابی زائدہ
768 ☐ امام ابو عبد الرحمن المقرئ
769 ☐ ابن ابی حاتم کا مغالطہ
امام عبد اللہ بن المبارک
حجیم فی الحدیث کا مطلب
777 ☐ الامام ابراہیم بن طہمان
محمد ثنین کی اصطلاحی زبان میں ارہاء کی حقیقت
780 ☐ الامام الحافظ مکی بن ابراہیم
783 ☐ الامام الضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل
786 ☐ الامام الحافظ یزید بن ہارون
788 ☐ الامام الحافظ وکیع بن الجراح
791 ☐ الامام الحافظ علی بن مسمر
792 ☐ الامام الحافظ حفص بن غیاث
794 ☐ الامام الحافظ ہشیم بن بشیر
محمد ثنین کا امام اعظم سے علمی رشتہ

دیوبند سے ملے کرتا ہوا صرف اشاعت دین اور توحید و سنت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرتا ہوا
سیالکوٹ میں آ بسا اور اپنی زندگی کے ستون سال گزار کر سرخرو اپنے مالک حقیقی سے ج ملا۔
مولانا کے علمی تحقیق اور وسعت علمی، اقدس و للیبت کا اندازہ ان کے اساتذہ کرام
اور تحریرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے اور کسی اہل علم و دانش پر یہ پوشیدہ نہیں۔

میرے لیے یہ امر انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ آج سے تقریباً دو سال قبل میرے
محبی و محترمی جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا کی ایک انتہائی علمی کاوش
”امام اعظم اور علم الہدیت“ کی از سر نو پیموزنگ اور ترتیب جدید کے ساتھ طباعت کا ذمہ مجھے
سونپا جو اشغال کثیرہ کی وجہ سے بظاہر میرے لیے ممکن نہ تھا۔ مگر کتاب کی افادیت ملحوظ خاطر
رکھتے ہوئے کام شروع کر دیا۔ جو الحمد للہ مختلف منازل طے کرتا ہوا پایہ تکمیل کو پہنچا جو میں سمجھتا
ہوں کہ جتنا مولانا کی توجہ و فیض جاری ہی کا حصہ ہے۔

یہ کتاب کس درجے کی ہے اس کا اندازہ مشہور عالم اور نابغہ روزگار شخصیات کے
ان تاثرات سے لگایا جاسکتا ہے جو کتاب کے شروع میں منسلک ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کتاب کی سترہ دن میں تالیف و تالیف کرامت
فرمادیا اور میرے ناقص علم کے مطابق اس قدر علمی اور ضخیم کتاب جس کے تمام مصادر و مراجع
امہات المکتب ہیں اتنی قلیل مدت میں تالیف کی گئی ہے جس کی مثال شاید اس سے پہلے نہیں
نہیں ملتی۔

اس کتاب کی ایک خاصیت جس کو میں نے نئی ترتیب و تدوین کے ساتھ پیموز کر دیا
اس کے شروع میں جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب مدظلہ کا انتہائی علمی اور شرح و بسط کے ساتھ
مقدمہ ہے جو اس قدر تحقیق و رجحان سے لکھا گیا ہے کہ وہ کتاب کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا
ہے۔ دیکھو کہ وہ اس کتاب ہی کا ایک حصہ تھا جو روایا و حکیم صاحب نے اسے تھما لیا۔ یا جس
نے اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

چونکہ حضرت مولانا محمد علی صدیقی ہمارے درمیان نہیں ہیں اس لیے میری خواہش
تھی کہ مولانا کی مختصر سوانح حیات بھی محدوی جائے تاکہ قاری صاحب کتاب سے متعارف ہو
جائے۔ تو میں شکر گزار ہوں جناب انعام الحق خاڑی صاحب کا کہ انہوں نے یہ کام سربمجامد
ہے اور تقریباً مولانا مرحوم کے متعلق تمام ضروری معلومات احاطہ قلم کر دی ہیں۔

اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ ہم نے اس کتاب کی صحت و درستگی کا انتہائی اہتمام کیا
ہے پھر بھی انسان کمزور ہے کہیں غلطی ہو سکتی ہے آپ کا غلطی کا نشانہ ہی کرنا عمدہ دینی کا ثبوت
ہوگا۔ اور جس کی آنکھ و ایذیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے
اور اس کتاب کو عوام خواص کے لیے نفع بخش بنائے آمین۔ درمیان مرحوم کے لیے باقیات
الصلوات بنائے۔ آمین

آخر میں میری مولانا مرحوم کے سیکڑوں تلامذہ اور قبعین سے اتنا اس ہے کہ مولانا
مرحوم کے علمی ذخیرہ کو جمع کیا جائے اور زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے۔ تاکہ عوام و خواص
مولانا کے علوم اور فیوض و برکات سے مستفید ہو سکیں یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے اور مولانا مرحوم
کا حق بھی ہے، اللہ جل شانہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے لیے ہر قسم کے اسباب
اور وسائل مہیا فرمائیں۔ آمین

طالب دعا

حافظ زاہد علی

استاذ الفنون جامعہ اشرفیہ لاہور

لیکچرار شعبہ عربی گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

امام اعظمؒ اور علم الحدیث
کے متعلق
گرامی قدر آراء

حضرت مولانا علامہ
ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ
احیاء الماریات لیسانس
حیدرآباد (دکن بھارت)

ماشاء اللہ تعالیٰ آپ نے بڑی جدوجہد کے بعد ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا کہ قوم کو مستغنی کر دیا۔ کتاب کی تحقیقات اور اس کی خوبیاں تو فوراً اس پر بھی واضح ہو جائیں گی جس نے اس کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے۔ جیکے اصحاب و قعش سے دیکھا ہو، جزاک اللہ تعالیٰ خیر اہل تحقیق کی اور تفصیل سے بیان کیا۔ کاش یہ کتاب عربی میں ہوتی تو اس کی منفعت عام ہوتی۔ اب اس کا قائدہ صرف ان کے لیے ہے جو اردو سے واقف ہیں۔ میں کتاب پر تنصیلاً تو اس وقت پھر لکھ سکوں گا کہ اس کا پورا مطالعہ کر سکوں۔ اشغال و امراض غور سے پوری کتاب کے مطالعہ کی اجازت کہاں دیتے ہیں۔ تاہم میں ضرور اس کے مطالعہ سے فائدہ ہونے کی کوشش کروں گا بشرط زندگی، والموت ادنیٰ من شراک نعلی، تبدیل آب و ہوا کیلئے افغانستان جانے کا قصد ہے دو ماہ بعد اربیسر ہو تو شاید دیکھ سکوں۔ اب تو کتاب الحجہ جز ثانی کی جہت میں مشغول ہوں، اکثر حصہ کی طبعیت ہو چکی ہے، بحمدہ، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اس قسم کی خدمتوں کی توفیق دے اور حیات طیبہ نصیب فرمائے و نعمم اللہ کل خیر، آپ کے تعارف کا مشتاق ہوں والسلام و متم باخیر والہافیہ۔

.....

حضرت مولانا
خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ
مدرسہ خیر المدارس
ملتان

حدیث اور امام اعظم، پوچھی، ماشاء اللہ، اس کا راز تو آید و مردان چنین کنند۔

.....

حضرت مولانا
نعمت اللہ شاہ صاحب
حیدرآباد
(دکن بھارت)

کتاب امام اعظم اور علم الہدیٰ کے ابواب و فصول ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر چاروں ائمہ کے فقہ کی تدوین کی جائے اور مختلف معروضات پر مضمون اور تہ کیل اور ترتیب، تہذیب نگارش جو علم الہدیٰ نبوی خاطر جمع کیے گئے ہیں، کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے، میں اس کتاب کو ہر مسلم جو نورانی اور ہر دارالعلوم کے لیے لازم و ملزوم سمجھتا ہوں۔ میں نے سوا عظمت اور اپنے خطبات کے لیے اس کتاب کو نہایت اہم اور ضروری سمجھا ہے۔ سینکڑوں اسماء الرجال، انسائیکلو پیڈیا یا دیگر کتب نہ لکھی جائیں اس کتاب کی اہمیت پیدا نہیں کر سکتیں۔

.....

دیرینہ قناعتی کہ حضرت امام اعظم کی مہارت علم حدیث اور ان کے اساتذہ و تلامذہ فی اللہ حدیث پر کوئی کتاب لکھی جائے۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے خود احقر نے محدثین خفیہ کے نام سے ایک مقالہ ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند میں شروع کیا تھا مگر اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔

حال میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مدنی کا ندھلوی کی تصنیف جدیدہ امام اعظم اور علم الہدیت، نظر نواز ہوئی تو دیرینہ قناعت پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ کتاب کو جوں جوں دیکھتا گیا مسرت بڑھتی گئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ پوری شرح وسط کے ساتھ اس موضوع پر بہترین اور مستند مواد جمع فرمادیا، اور اس کی افادیت اس سے اور بڑھ گئی کہ ہر جگہ اصل ماخذ کا حوالہ پوری وضاحت کے ساتھ دے دیا ہے۔ اور جب کتاب کے مقدمہ میں یہ پڑھا کہ اس کی تالیف کا زمانہ صرف وہ سترہ دن ہیں جن میں پاکستان ہندوستان کے حملہ پر دفاعی جہاد میں مصروف تھا اور مولانا مدظلہ کامل قیام سیکڑہ خصوصیت سے اس جنگ کا سخت ترین محاذ تھا انہی دنوں میں اس کتاب کی تالیف ہوئی تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ یہ ایک کرامت ہے۔ اب کتاب چھپی ہوئی سامنے ہے سترہ دن میں کوئی متوسط آدمی اس کو اطمینان سے پڑھ کر بھی ہرا نہیں کر سکتا۔ لکھا اور وہ بھی سیکڑوں کتابوں کے حوالوں اور ان کی تشریحات کے ساتھ لکھا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

بہر حال کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھ کر یہ اعجاز ہوا کہ الحمد للہ اس موضوع پر کافی، شافی اور بڑا قابل قدر ذخیرہ مولانا نے پیش فرمادیا ہے الحمد للہ خیر الجراء۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
صدر دارالعلوم (کراچی)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی جدلت، شان اور علمی کمالات، دور و تقویٰ، عبادت و زہادت انکی چیز نہیں جس سے کوئی تک پڑھا مسلمان ناواقف ہو، اپنوں اور غیروں میں موافق اور مخالف سبھی ہیں۔ یہ چیز ناقابل اختلاف کبھی گئی ہے لیکن ہر امام اور ہر عام مقتداہ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک شعبہ کو بحیثیت فن کے اپنے سعی و عمل کے لیے مخصوص کر لیتا ہے یا منجانب اللہ ایسے اسباب ہو جاتے ہیں کہ یہ فن ان کی خصوصیت بن جاتی ہے۔ وہ دنیا میں عام طور پر اسی فن کے ماہر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے علوم و فنون کا ماہر نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام علوم اسلامیہ، نقلیہ، تفسیر، حدیث وغیرہ میں بلکہ عقلیہ کلام وغیرہ میں بھی اعلیٰ مال عطا فرمایا تھا۔ مگر ان تمام علوم و فنون میں سے جس چیز کو اپنے لیے خاص فن کی حیثیت سے انہوں نے اختیار فرمایا وہ فقہ فی الدین ہے، اس لیے دنیا میں ان کی عام شہرت فقہ کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ اہل بصیرت سے تو یہ بات مخفی نہیں کہ فقہ میں کوئی شخص مہارت و امامت کا درجہ اس وقت تک حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک قرآن و سنت میں مہارت تامہ حاصل نہ کرے۔ مگر بعض سطحی نظر والوں نے امام اعظم کی جدلت شان فی علم الہدیت پر کچھ شبہات کیے، کچھ دوسرے لوگوں نے اسے عوام میں پھیلا یا اور بہت سے عوام غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو دیکھ کر میری

حضرت مولانا
شمس الحق افغانی صاحب
صدر شعبہ تفسیر
اسلامی یونیورسٹی
بہاولپور

حضرت مولانا
محمد سرفراز خان صاحب
شیخ الحدیث
جامعہ نصرۃ العلوم
گجرات

آپ کا ارسال کردہ گرامی قدر علمی تحفہ موصول ہوا، کچھ حصہ پڑھا اور سیر نہ ہوا، یہی خیال اور ارادہ تھا کہ ساری کتاب کو وقت پڑھ کر اپنے تاثر کا اظہار بھی، وصولی کے عریضہ میں بھیج دوں گا مگر فحسوس کہ اچانک تین چار چار پانچ عجلہ آدھ ہوئیں جن میں ایک عارضہ قلب بھی ہے چند دن صاحب فراموش رہا اور نماز کے لیے بھی گھر سے باہر نہ جاسکا، اب خدا خدا کر کے کل سے مسجد اور مدرسہ میں حاضری دیتا ہوں لیکن نظر بڑھا کر مطالعہ مشکل ہے۔ جتنا حصہ کتاب کا پڑھا ہے بلا مبالغہ دل کی د سے دعائیں نکلتی رہی ہیں کہ ایسی دلیل، قصور، اور لاجواب کتاب اپنے باب میں آگئی ہے جس کے بعد انشاء اللہ اس سلسلہ میں حوین تو بدل سکتا ہے لیکن تحقیق حد آخر کو پہنچی چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کو تمام اہل اسلام کی طرف سے مودت اور حضرات احناف کی طرف سے خصوصاً جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

راقم کی صحت کے لیے خصوصی اوقات میں دعا فرمائیں۔

یہ کتاب حضرت مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی کا تصنیفی شاہکار ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع الکملات تھی۔ آپ بیک وقت فقیہ اعظم اور مجتہد بھی تھے، عارف، زاہد، عابد اور متقی بھی تھے مفسر، مکتبہ اور سیاسی مبصر بھی تھے، اس کے ساتھ قضاء و افتاء کا سرچشمہ بھی تھے اور یہ کہ عظیم محدث اور ناقد حدیث بھی تھے، آخری وصف کے علاوہ باقی اوصاف امام کی تاریخی حیثیت اس قدر واضح تھی کہ ان پر کسی مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان میں کسی موافق مخالف کو تردد نہ تھا، البتہ آپ کا آخری کمال کہ آپ ایک عظیم محدث اور ناقد حدیث تھے۔ بعض حضرات کی نظروں سے پوشیدہ تھا اگرچہ آپ کا یہ کمال بھی واقعات اور تاریخی شواہد کی بنیاد پر بالکل صحیح تھا لیکن اس کے دلائل، کتب رجال، تاریخ و طبقات کے وسیع ذخیروں میں منتشر ہونے کی وجہ سے ناظرین کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ حضرت مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ آپ نے ان ذخائر منتشرہ کو غطان بعیدہ سے فراہم کر کے نہایت عمدہ ترتیب، مختلفہ تعبیر اور موزوں اسلوب استدلال کی شکل میں پیش کیا اور ساتھ ہی جدید معیاری فہرست بھی منسلک کر دی۔ یہ کتاب صرف ایک تاریخی کتاب نہیں بلکہ دلائل حجیت حدیث، مقامات و اجتہاد، شرائط و خصوصیات، کتب حدیث و احوال محدثین، علم اصول الحدیث، علم الرجال کے قیمتی مباحث کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کا مطالعہ نہ صرف طلب بلکہ علماء اور مدرسین کے لیے بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

حضرت مولانا
محمد چراغ صاحب



شیخ الحدیث
مدرسہ عربیہ
کراچی

حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی کی تصنیف ”امام اعظم اور علم الہدیت“ کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا، میرے خیال میں حضرت مؤلف کی یہ علمی کاوش دادِ حسین حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

مولانا نے یہ کتاب تصنیف کر کے ملت اسلامیہ کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ امام اعظم کے علم حدیث سے استفادے اور تعلق کے بارے میں بعض لوگ جن غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اگر انہوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر اس کتاب کو پڑھنے کی کوشش کی تو امید ہے کہ یہ تصنیف لطیف ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو جائے گی۔

مصنف محترم نے کتاب کے پیش لفظ میں جن تین امور کا ذکر کیا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف محترم کے قلم نے ان کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور ابتدائی دونوں امور پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور مصنف محترم کو دنیا و آخرت میں بہتر صلہ عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



حضرت مولانا
محمد بشیر صدیقی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے محترم مولانا الحاج محمد علی صدیقی کاندھلوی نے اپنی ”یہ ناز تصنیف“ امام اعظم اور علم الہدیت“ کو بڑی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے جس کا متن ۷۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ممدوح نے اس میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف علم فقہ میں ہی امام الائمہ نہیں بلکہ علم حدیث میں بھی ایک برترین اور کامل فخر مقام رکھتے ہیں۔ اگر کسی کی کم علمی یا حاسدانہ نگاہ اسے معلوم نہ کر سکے تو ”بشرۃ آفتاب راجہ گناہ۔“

موضوع کتاب کا دائرہ تحقیق اگرچہ صرف امام اعظم کی محدثانہ شان کا اظہار ہے مگر طعنات بڑے بڑے مفید بحث زیر قلم آگئے ہیں، چنانچہ کہیں تو مقام حدیث کی اہمیت ہے اور کہیں قرآن و سنت کا باہمی تعلق نہایت لطیف و واضح کیا ہے۔ کہیں اس بات کی تشریح و توضیح ہے کہ ابتداء میں کتابت حدیث کی ممانعت کیوں تھی پھر اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ حدیث کی تدوین وصالِ نبوی کے ایک سو سال بعد ہوئی اور اس کے ثبوت میں دورِ نبوت میں حدیث کے کتابی ذخیرے کی نشاندہی کر کے ثابت کر دکھایا ہے کہ تحریر حدیث کی ابتداء دورِ نبوت میں ہی شروع ہو چکی تھی اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اشاعت حدیث کی سب سے زیادہ کوشش فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کی۔

امام اعظم کے نام اور کنیت پر بحث کرتے ہوئے بعض لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ آپ کے جد امجد غلام تھے۔ اور اس کی تائید میں خود امام موصوف کی تشریح پیش کی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے متعلق کہ (اُمّایان یا علم) شریا میں بھی ہوگا تو بھی فارس میں سے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ سیر حاصل بحث کے بعد

ثابت یہ ہے کہ امام اعظم اس بشارت میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں بلکہ اس کا اولین مصداق آپ ہی ہیں۔

امام موصوف کی تابعیت کے ثبوت میں آپ کی روایت عن الصحابہ کو بھی بدلائل ثابت کیا ہے پھر آپ کی تعلیم و تربیت کے بحث میں علم حدیث میں آپ کے شیوخ کی علمی عظمت و برتری ثابت کر کے کوفہ کی علمی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں ان دنوں حدیث و فقہ کی تعلیم کا کس قدر چرچا تھا اور امام موصوف نے کتنے جلیل القدر شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔

امام اعظم کا حفظ حدیث میں برترین مقام واضح کرتے ہوئے یہ بھی بتادیا کہ ناقدین نے راویوں کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں امام موصوف کی رائے کو خاص طور پر پیش کیا ہے۔ گویا آپ علم جرح و تعدیل اور سہ انرجال سے فن میں بھی یکتے روکار تھے۔ آپ کے تراجم حدیث کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ جلیل القدر ائمہ حدیث و فقہ کو آپ سے تلمذ کی نسبت ہے اور اصحاب صحیح ستہ بھی بالواسطہ آپ کی شاگردی کے دائرہ سے خارج نہیں۔

”حدیث میں امام اعظم کے اصول“ اور حدیث و قیاس کے باہمی تعارض کے بحث اہل نظر کی خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ الغرض زیر تبصرہ کتاب گونا گوں بحث کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو صرف طلبہ حدیث کے لیے ہی نہیں بلکہ فقہاء کے لیے بھی بے حد مفید اور کارآمد ہے۔ اگر مولانا بعض علمی مباحث کو حذف کر کے صرف اس مواد کو شائع کر دیں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی محدثانہ شان کے اظہار پر مشتمل ہے تو عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

مولانا کا طرز بیان ثقافت اور دلی آویز ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہر کتاب فکر کے حوالہ فضاء کے نام پر بے ادب و احترام سے لیے ہیں اور یہ ایسی خوبی ہے جس سے ہمارے اکثر علماء قبی و ست نظر آتے ہیں۔

دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے مواد اور عناوین کی ترتیب اور ان کے باہمی تعلق میں زیادہ وقت نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر بحث ایک خاص دائرہ میں محدود ہو اور یہ بکھرے ہوئے درگراں مایہ ایک مسلسل مسلک نوادہ نظر آئیں۔

-----●●●●●-----

سوانح حیات

حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی قدس سرہ

جناب
انعام الحق عازی
ایم ایل (عربی)
اسٹنڈنٹ پروفیسر
بین الاقوامی یونیورسٹی
اسلام آباد

مولانا محمد علی صدیقی کی ولادت:

حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی صدیقی قدس سرہ یکم ربیع الاول ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۱۰ء بروز جمعہ طلع مظفر نگر کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ کے محلہ مولویان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کا نام احمد علی رکھا جب کہ لوگوں نے بعد میں محمد علی کہنا شروع کر دیا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔

حضرت مولانا کے والد ماجد کا نام مولانا حکیم احمد تھا۔ آپ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ یعنی علم ظاہری اور علم باطنی دونوں میں حضرت گنگوہی سے فیض یاب تھے۔ آپ نہایت سیدنا ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے ”صدیقی“ کہلاتے تھے۔ زمینداری اور طبابت کے ساتھ ساتھ آپ کے والد ماجد شیخ طریقت بھی تھے اور آپ کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا۔ جمعہ کے روز خصوصی طور پر ارادت مندوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ حکیم صدیق احمد صاحب نے طبابت کا پیشہ اپنے شیخ طریقت حضرت گنگوہی کی ہدایت پر اختیار کیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ علم طبابت آپ نے کس سے حاصل کیا تھا۔ حکیم صاحب کے دادا حکیم رحیم اللہ ایک جید اور خازق طبیب تھے اور ۱۹۰۰ء

تک آپ کی شہرت تھی۔ آپ ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت سید احمد شہید بریلوی کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں شریک تھے۔ انہی حکیم رحیم اللہ کے والد حکیم عزیز اللہ اور دادا حکیم حنیف اللہ بھی طلباء کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب کے والد مولانا صدیق احمد صاحب نہ صرف طبیب خاذاق تھے بلکہ آپ نوادہ میں بھی ایک خاص ملک حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے تمام ہم عصر علماء ان کی فتاہت کے قائل تھے۔ فقہ حنفی پر ان کی نظر صرف مقلدانہ نہیں تھی بلکہ محققانہ تھی۔ انہوں نے فقہ حنفی کا بڑا علمی اور تحقیقی مطالعہ کیا تھا اور دلائل کو عنوان بنا کر ایک مبسوط کتاب بھی لکھی تھی جو اثر تو محفوظ نہ رہ سکی تاہم حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کاوش سے بچے کچھ اور اوراق اکٹھے کیے گئے تو پوری کتاب اظہارۃ بن گئی جو کہ دو سو (۲۰۰) صفحات پر مشتمل تھی اور اس کتاب اظہارۃ کی ترتیب میں انہوں نے کم و بیش ساٹھ حدیث کی کتابوں سے اور تین فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ گویا آپ کے والد ماجد ایک جامعہ شخصیت تھے۔ وہ مفسر قرآن تھے، محدث نئے، فقیہ تھے۔ روحانی امراض کے لیے مرشد کامل اور جسمانی بیماریوں کے لیے ایک طبیب خاذاق تھے۔ جب حضرت مولانا محمد علی صاحب کی عمر گیارہ سال تھی تو آپ کے والد ۱۹۲۱ء میں اس دار فانی سے دار باقی کو انتقال فرما گئے۔

حضرت مولانا چار بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں حکیم حافظ محمد عمر، حکیم محمد عثمان، مولانا حافظ محمد علی اور مولانا شبیر احمد حضرت مولانا کا خاندان ایک نہایت علمی خاندان تھا۔ چنانچہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے معروف عالم دین قاضی ضیاء الدین سنائی جو کہ سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں مکتب کے منصب پر فائز رہے اور وہ برصغیر پاک و ہند میں احتساب کے ادارے کے بانی تھے۔ قاضی صاحب زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کی انہی خصوصیات کی وجہ سے حکومت کی جانب سے احتساب کا کام ان کے سپرد تھا۔ قاضی صاحب نور شیخ نظام الدین ہولپنہ میں ساری زندگی چپقلش رہی کیونکہ شیخ سماع کے قائل تھے اور قاضی صاحب سخت مخالف، لیکن قاضی صاحب کی وفات پر شیخ نظام الدین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا "ایک ہی ذاتِ برائی شریعت کی حمایت کرنے والی تھی، افسوس! وہ بھی نہ رہی۔"

حضرت قاضی صاحب ایک مرتبہ احتساب کی غرض سے حضرت بوعلی قلندر کے پاس بھی گئے۔ قلندر صاحب نے دو تین بار تیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب مولانا سنائی چلے گئے تو لوگوں نے قلندر صاحب سے کہا کہ آج تو قاضی ضیاء الدین سنائی نے آپ پر بڑی سختی کی۔ فرمایا:

"دو تین بار میں نے چاہا کہ اس پر حملہ کروں لیکن اس نے شریعت کی رو بہن رکھی تھی، میرے حیرنے اس پر اثر نہیں کیا۔"

قاضی سنائی صاحب نے دہلی میں ایک ہفتہ وار درس قرآن حکیم کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا جس میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور مؤلف تاریخ فیروز شاہی کے مطابق اس میں شرکاء کی تعداد تین ہزار تک ہوتی تھی۔

بچپن:

اسنے علمی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود حضرت مولانا کا بچپن عام بچوں کی طرح فضولیات میں کیسے گزر سکتا تھا۔ گھر اور باہر کا ماحول سارا علمی نور و چراغ تھا، اس وجہ سے شروع میں علم اور دین کی طرف آپ کو رغبت تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے پہلا روزہ رکھا جس پر گھر میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ عمر کے اسی حصہ میں آپ حضرت مولانا محمد اور لیس کاغذ صوفی کی ہارات میں تھا نہ بھون گئے۔ نماز عصر کے لیے خافہ ادا دیے گئے تو وہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی پہلی بار زیارت ہوئی۔

۱۹۲۰ء میں جب حضرت مولانا کی عمر دس سال تھی، آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی زیارت کے لیے گئے جو کہ اسی سال مالٹا کی اسیری سے رہا ہو کر واپس پہنچے تھے۔ اس ملاقات میں حضرت شیخ الہند نے آپ کو عربی زبان دی تھیں۔ یہ ذہن میں رہے کہ حضرت مولانا کے والد اور حضرت شیخ الہند دونوں ہی حضرت گیسوی کے شاگرد، مرید اور خلفاء میں سے تھے۔

گیارہ سال کی عمر میں حضرت مولانا کے سر سے والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد کا دور نہایت غربت اور معاشی تنگی کا دور تھا۔ ایک روز گھر میں دو روز سے فاقہ تھا

اور والدہ نے اپنے بچوں کو گھر سے باہر جانے سے منع کر دیا۔ کسی ذریعہ سے حضرت مولانا کی تالی صلب کو پتہ چل گیا۔ وہ خورد و نوش کا سامان لے کر گھر آ گئیں لیکن حضرت مولانا کی والدہ نے دو سامان لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "یہ سامان میں ہرگز نہیں لوں گی۔ دنیا کہے گی کہ اولاد کو بھی بیوں کی مدد سے پالا ہے۔ میں اپنی اولاد کی بچائیں بچی نہیں کرنا چاہتی۔ اتفاق سے دو کرتے سلائی کے لیے آ گئے۔ والدہ نے ظہر کی نماز تک دونوں ہاتھ سے کی کر دے دیئے اور یوں شام تک کھانے کا انتظام ہو گیا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت بڑے پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ حفظ قرآن پاک اپنی دلد سے شروع کیا اور تیسویں پارہ کی سورہ (۱۶) سورتیں ان سے حفظ کیں۔ اس کے علاوہ قاعدہ بغدادی بھی اپنی والدہ محترمہ ہی سے پڑھا۔ بعد میں حافظ رحیم بخش صاحب کے ہاں اس برس کی عمر میں کمال قرآن حکیم حفظ کیا۔ پھر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۲ء تک بڑوت میں اپنے بڑے بھائی حمید محمد عمر کی سرپرستی میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ اپنے ماموں حضرت مولانا شفاق الرحمن صاحب کا ندھلوی شارح نسائی و موطا امام مالک کی زیر تربیت رہے۔ پھر ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۷ء تک مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں زیر تعلیم رہے۔ وہاں ان کے اساتذہ میں مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، قاری محمد داؤد اور حضرت مولانا مسعود احمد صاحب کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ پھر ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں حصول تعلیم کے لیے چلے گئے۔ پھر یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک جاری رہا جب کہ مولانا مرحوم کی عمر ۱۹ سال تھی۔ پھر ۱۹۳۷ء میں آپ نے مولوی فاضل ۱۹۳۸ء میں مفتی فاضل اور ۱۹۳۹ء میں عربی فاضل کی اہمیت حاصل کیں۔

جن دنوں حضرت مولانا بڑوت میں تھے ان دنوں تیسرا امت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ براستہ بڑوت دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ مولانا مرحوم اپنے بڑے بھائی حمید محمد عمر کے ساتھ حضرت تھانوی کی زیارت کے لیے ریوے انشیں گئے۔ حضرت تھانوی نے دونوں بھائیوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ بچھا دیے۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی نے سر پر ہاتھ بچھرنے کے کیف کو میں ایک مرتبہ تک محسوس کرتا رہا۔

حضرت مولانا مرحوم کے اکابر و مشائخ:

حضرت مولانا محمد علی صاحب کا ندھلوی قدس سرہ کے اکابر و مشائخ دو جلیل القدر اور تاریخ ساز شخصیات ہیں جنہوں نے دین اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمہ الحق کے لیے اپنی ساری زندگیوں لگا دیں۔ ان کے بارہ میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی وصیت میں لکھا ہے "حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور شیخ الہدیٰ حضرت مولانا زکریا صاحب سے بیعت ہوں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے پاس تو کم رہا ہوں، لیکن حضرت مولانا حسین احمد دہلی اور حضرت مولانا زکریا صاحب کے پاس لگا تار دو دو ماہ شب و روز گزارے ہیں، اور ان بزرگوں کی غلوٹ و جلوت کا چشم دید گواہ ہوں۔ ان کے علاوہ جن بزرگوں کا فیضان نظر مجھے ملا ہے، جن کی صحبت سے مجھے دین کی صحیح فہم اور قلب کی صحت نصیب ہوئی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

- (۱) حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری ان سے میں دہلی میں مدرسہ امینہ کے کتب خانہ میں ۱۹۳۱ء میں ملا ہوں اور دیر تک پاس بیٹھا ہوں۔
- (۲) حضرت مولانا ضیل احمد سہارنپوری ان کی زیارت میں نے ان کی ہجرت مدینہ سے پہلے کا ندھلہ کے ریوے انشیں پر کی ہے۔ آپ ظہر کی نماز کے لیے وضو فرما رہے تھے۔ جس سال انہوں نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اسی سال میں مظاہر العلوم میں داخل ہوا تھا۔
- (۳) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی زیارت اور صحبت سے الحمد للہ کافی مستفید ہوا ہوں۔ سہارنپور سے بھی زیارت کے لیے تھانہ بھون جاتا رہا، اور ایک بار تو دیوبند سے تن تھاپیدل چل کر صرف زیارت کے لیے تھانہ بھون گیا تھا۔
- (۴) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیارت کا پہلا شرف مجھے قیام دیوبند ہی میں ہوا۔ مولانا عثمانی نے میرا پہلا نکاح پڑھایا تھا۔ مولانا اشفاق الرحمن صاحب کی دعوت پر مولانا اور میں کا ندھلوی لے کر انہیں کا ندھلہ آئے تھے۔ نکاح کے دوسرے دن میں نے اور مولوی موسیٰ نے مولانا سے حدیث کا برکت کے لیے استفادہ کیا۔

(۵) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کی زیارت میں نے ۱۹۲۹ء میں کی جس چھ ماہوں میں رہا۔ پھر ۱۹۳۸ء میں بھی ان کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالصمد بہارٹی اور مولانا نور الدین بہارٹی سے ۱۹۳۰ء میں شرف ملاقات نصیب ہوا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پورٹی کی زیارت بہار پور میں حضرت شیخ الہدیت قدس سرہ کے ہاں ہوئی۔ کھانا بھی کئی بار ساتھ کھایا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زیارت تو مجھے پہنچنے ہی سے رہی۔ دہلی کے قیام میں نظام الدین جاتا۔ جس جہزات کو مانگے ہو جاتا تو حضرت جی ترابا بہرام خان دہلی میں جمعہ کے روز آ جاتے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی زیارت بھی ہوئی اور خط و کتابت بھی کافی عرصہ رہی تین سب سے اچھی اور طویل زیارت فیصل آباد میں ایک تہیانی اجتماع میں ہوئی۔ مولانا نے نماز جمعہ میری امامت میں ادا کی۔ ایسے ہی دوسرے بزرگوں جیسے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ، حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گو جرنالوی سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

سیالکوٹ میں ورود:

حضرت مولانا مرحوم کا سیالکوٹ میں تشریف آنا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ جانا اس کا ایک پس منظر ہے۔ جو انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات "میرامادو سال" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کی مختصر اور اجمالی داستان کچھ یوں ہے۔

۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا دیوبند میں تھے کہ جمعیت ہدائے ہند نے کانگریس کے ساتھ مل کر سول نافرمانی کی تحریک کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا مسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ جامع مسجد دیوبند میں ایک جلسہ عام میں پر جوش تقریر کی جسے سن کر حضرت مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس تحریک میں ضرور حصہ لیں گے۔ چنانچہ وہ حضرت مدنی کے اس سی سی سفر میں قریباً ایک ماہ آپ کے ہم رکاب رہے۔ پھر والدہ سے اجازت لے کر ۱۹۳۰ء میں دہلی آ گئے۔ اور دفعہ ۱۳۴ کی موجودگی کے باوجود کھنٹی باغ میں جلسہ منعقد کیا، جس کے نتیجہ میں رفقہ ہو کر دہلی، ملتان اور لاہور کی جیلوں میں رہے۔ مارچ ۱۹۳۱ء میں رہا

ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت مولانا کو پنجاب کے علماء اور سیاسی زعماء سے ملاقات کا موقع ملا اور آپ کے ذہن میں اس علاقے میں دین کا کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء جمعہ کے روز حضرت مولانا مرحوم مجلس احرار کی کشمیر انکوائسٹیشن کے سلسلہ میں دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ سیالکوٹ آ کر ایک جلسہ میں تقریر کی جس کی صدارت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کر رہے تھے۔ پھر سیالکوٹ کے مختلف مقامات پر تقریریں کیں۔ رام پانی میں آپ نے مختلف اوقات میں بارہ تقریریں کیں۔ چنانچہ یہاں آپ رفقہ ہو گئے اور آپ کو از حائل سال کی قید سنائی گئی۔ سیالکوٹ جیل میں آپ کو مقامی لوگوں، علماء، سیاسی ورکروں اور دانشوروں سے حرید میل جول کا موقع ملا اور یہاں کے مذہبی اور فکری رویوں سے آشنائی اور آگہی ہوئی۔ جس سے یہ بات دل کی اقلہ گہرائیوں تک پہنچی کہ اس علاقہ میں دین کا کام کیا جائے۔

مارچ ۱۹۳۳ء کو جب حضرت مولانا جیل سے رہا ہو کر واپس کاندھلہ پہنچے تو والدہ ماجدہ کی حالت دیکھ کر یہ سوچ غالب آنے لگی کہ فکر معاش کی طرف توجہ کی جائے تاکہ والدہ کی خدمت کی جائے۔ انہی دنوں حضرت مولانا کے ایک مداح اور قریبی ساتھی ڈاکٹر حاجی فیروز الدین دہلی آئے اور انہوں نے حضرت مولانا کو بذریعہ خط اطلاع کر کے کاندھلہ سے دہلی بلا لیا اور پھر ایک دلچسپ ترکیب سے مولانا کو سیالکوٹ لے آئے۔ اس بارہ میں حضرت مولانا نے خود لکھا ہے

"(ڈاکٹر فیروز دین) کا چار روز کا قیام تھا۔ میں چار روز ان کے ساتھ رہا۔ ۲۹ تاریخ کو ان کی روانگی تھی۔ رات کو وہ بیسے ایکسپریس میں جانے والے تھے۔ میں ان کو اسٹیشن روانہ کرنے گیا۔ اسٹیشن پر میں نے پلیٹ فارم لے لیا۔ ان کی مشابہت کی خاطر گاڑی چلنے تک بیٹھ گیا۔ گاڑی نے چلنے کا دسل کیا۔ میں نے اتر نیکی کوشش کی۔ مجھے یہ کہہ کر بٹھا لیا کہ ابھی گاڑی کے چلنے میں دیر ہے۔ بلا غرمیں اترنے کا کہنے لگے فحیر، فحیرو گاڑی تیز ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ چلو اگلے اسٹیشن پر اتر جاؤں گا۔ اسٹیشن آیا، میں نے اترنے کی کوشش کی لیکن مجھے یہ کہہ کر روک لیا کہ فحیرو جی گاڑی کافی فحیرے گی۔ گاڑی پھر چل دی۔ اب انہوں نے راز کھولا کہ میں نے آپ کا کٹ لے لیا۔ اب میں پریشان ہوا۔ میں نے کہا کہ میں

پھر آؤں گا۔ اب میرے حالات اچھے نہیں ہیں۔ بولے کہ کیا حالات ہیں اور کیا چیز رکاوٹ ہے؟ میں نے کہا کہ میری والدہ بڑی عسرت اور تنگی سے زندگی گزار رہی ہیں۔ بولے فکر نہ کیجیے کہ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ بالفضل میں ان کو دوسروں پر یہ کامی آرزو آپ کی جانب سے روانہ کرتا ہوں۔ اب میں چپ ہو گیا۔

سیالکوٹ میں قیام اور خدمت دین۔

سیالکوٹ آنے کے بعد کچھ عرصہ تو ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کے گھر قیام رہا جس کے دوران مطالعہ کے علاوہ یہاں کے مختلف مسالک کے علماء سے ملاقاتیں رہیں جن میں مولانا غلام فرید، مولانا محمد ابراہیم میر، مولانا احمد دین اور مولانا محمد یوسف سرفہرست ہیں۔

۱۲ اگست ۱۹۳۳ء کو مولانا محمد علی صاحب نے مولانا غلام فرید کے مشورہ سے اندر مساجد کے بچوں کے لیے قصبہ چنی شیخاں میں ”فلاح دین ودنیا“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ حضرت مولانا یہاں کے روایتی طریقوں سے چندہ جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، اس لیے یہ وقت نہایت تنگی میں گزرا۔ حضرت مولانا اور پندرہ طلبہ کا گذارا ایک آنہ سیر کے حساب سے خریدی گئی سوکھی روٹیوں کو چھاپہ میں بھگو کر کھانے پر تھا۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر فیروز دین نے خادم علی روڈ پر ۲/۱ زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کے لیے عارضی طور پر چار کمرے بنادے اور مدرسہ فلاح دین ودنیا کو چنی شیخاں سے یہاں منتقل کر دیا گیا۔ شہر میں آنے جانے کی وجہ سے حاجی محمد علی انگیز کینو انجینئر کی مسجد واقع ایبٹ روڈ میں جمعہ پڑھانے کی وجہ سے مولانا کا یہاں تعارف اور شہرت بڑھنے لگی اور عام تعلیم یافتہ طبقہ مولانا کے قریب ہونے لگا۔

سیالکوٹ شہر میں اس وقت کی مشہور کاروباری اور سماجی شخصیت حاجی شہاب الدین صاحب نے ایک دینی درس گاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ حاجی شہاب الدین کے حاجی محمد علی صاحب انگیز کینو انجینئر سے بہت تعلقات تھے۔ چنانچہ حاجی محمد علی مولانا مرحوم کو ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کو اپنے ساتھ لے کر حاجی شہاب الدین کے گھر گئے جہاں حضرت مولانا اور حاجی شہاب الدین کے درمیان مدرسہ میں کام کرنے کے سلسلہ میں بڑی پرمغز اور دلچسپ گفتگو ہوئی جس میں دہلی سے

آئے ہوئے حاجی شہاب الدین کے ایک سہیلی بھی شامل ہو گئے۔ اس گفتگو اور حاجی شہاب الدین کی مردم شناسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد علی کا نہ حصولی اسی روز یعنی ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کورٹ دس بجے تک جمع سامان دارالعلوم الشہابیہ تشریف لے آئے اور پھر اس سے دنیا سے عام آخرت کے انتقال تک یعنی ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء تک یعنی ستاون (۵۷) سال یہیں قیام فرمایا۔

حضرت مولانا کے اندر خدمت دین کا جذبہ اور اخلاص اور دین کی امن پہچان قدر رچ بس گئی تھی کہ ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کورٹ دس بجے دارالعلوم الشہابیہ میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اگلے ہی روز یعنی ۱۵ فروری کو درس قرآن پاک کا سلسلہ شروع فرمادیتے ہیں جس میں ہر مکتبہ فکر کے حضرات دور دور سے آکر شامل ہوتے تھے۔ ماہ و سال کے لحاظ سے اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۶ سال تھی، لیکن آپ ہر مکتبہ فکر کے حضرات کے مسائل سے نہایت علمی جوابات دیتے اور انہیں مطمئن کرتے۔

دارالعلوم الشہابیہ میں اپنے اس ستاون سالہ قیام میں آپ نے ہر سیاسی اور مذہبی تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلی تھی حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس میں بھی بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ ان چھ ماہ میں بھی آپ نے اپنی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔

جنرل ضیاء الحق صاحب نے آپ کو مجلس شوریٰ میں لینے کی بڑی کوشش کی لیکن آپ نے انکار کیا۔ آپ حکام سے بہت کم ملا کرتے تھے کیونکہ طبیعت میں ان لوگوں کے بارہ میں بہت بے نیازی پائی جاتی تھی۔ پوری زندگی علماء کے وقار کو قائم رکھا۔ کبھی کسی سے اپنی کسی حاجت کا اظہار نہیں کیا لیکن سب کی حاجتوں کو پورا کرنے والی ذات نے ان کی ہر حاجت کو پورا کیا۔ دارالعلوم الشہابیہ کو دو منزلہ کیا۔ قدیم مسجد کو شہید کر کے اتنی بڑی مسجد اور مدرسہ بنادیا لیکن کسی کے ہاں جا کر چندہ نہیں مانگا۔ لوگ خود آکر چندہ دیتے اور کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا کہ کون چندہ دے کر گیا ہے۔

تصانیف:

حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مطلوبہ اور غیر مطلوبہ۔ یہاں صرف ان کی تصانیف کا مختصر ذکر کرنا مقصود ہے۔

مطبوعہ تصانیف:

(۱) معالم القرآن:

حضرت مولانا کی تحریر کردہ تفسیر قرآن کریم ہے جس کی تصنیف کا سلسلہ آپ نے ۱۹۷۳ء میں شروع کیا اور تا دم واپس اس پر کام جاری تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کی ۱۲ جلدیں شائع ہو گئی تھیں۔ معالم القرآن کی ہر جلد ایک پارہ پر مشتمل ہے۔ مولانا ہر جلد کے آغاز میں اصطلاحات قرآن اور شرعی اور قانونی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ معالم القرآن کی چیدہ چیدہ خصوصیات میں اس کا موضوعات اسلوب، شرعی مسائل کی تنقیح، استنباط کے طریقوں کی تشریح، جدید قانونی مسائل کا شریعت کی روشنی میں تجزیہ قابل ذکر ہے۔

بعض حضرات نے ایچ فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی مقالات لکھے ہیں جو پنجاب یونیورسٹی اور علامہ اقبال یونیورسٹی کے علوم اسلامیہ کے شعبوں کے زیر نگرانی تیار کئے گئے یا کئے جا رہے ہیں۔

(۲) امام اعظم اور علم الہدیت:

یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ کے علم الہدیت میں حقیقی مقام کی تعیین میں معرکہ راہ کتب کی فرست میں ہے حدیثیں ہیں جو اردو زبان میں اس نوعیت کی تحقیقی کاوش شاید ہی کوئی اور ہو۔ حضرت مولانا نے اس کتاب کی تکمیل صرف ۷ روز میں کی۔ اس عمل میں غیر معمولی تیزی اس وقت دیکھی جاتی ہے جب مصنف ذہین، مخلص، صحبت یافتہ اور جذبہ قربانی سے معمور ہو۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران مولانا کو یہ فرصت ملی تو انہوں نے اس کتاب کی تکمیل صرف ۷ دنوں میں کر ڈالی۔

ان دو ضخیم کتابوں کے علاوہ رمضان ایمان، نقوش زنداں، اسلام کا نظام اذکار اور دوسری کئی کتابیں اور مضامین آپ کی قلم سے نکلے۔

غیر مطبوعہ تصانیف:

غیر مطبوعہ تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) میرے ماہ و سال:

یہ حضرت مولانا کی خودنوشت سوانح حیات ہے، لیکن اس مسودہ میں ۱۹۴۳ء تک کے واقعات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے واقعات کا مسودہ نہیں ضائع ہو گیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوب نہایت چاشنی دار ہے اور اس کے مطالعہ سے حضرت کی زندگی کے ایسے گوشے نمایاں ہوتے ہیں جن کا ان کے قریبی اصحاب کو بھی شاید علم نہ ہو۔ یہ کتاب حضرت مولانا نے غالباً ۱۹۸۰ء کو لکھنی شروع کی تھی۔

(۲) قاضی ضیاء الدین سنائی اور ان کا عہد:

برصغیر پاک و ہند میں شریعت کے احتساب کی جدوجہد کرنے والوں میں قاضی ضیاء الدین سنائی کی شخصیت ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ علاء الدین غلٹی نے آپ کو تختہ مقرر کیا۔ آپ نے ”نظام الاحتساب“ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ حریر برآں آپ کے قادی کو بعد میں ”الفتاویٰ الضیائیہ“ کے نام سے مرتب کیا گیا۔ قاضی صاحب حضرت مولانا کے جد امجد بھی ہیں۔ مولانا مرحوم نے قاضی صاحب کی شخصیت، افکار، جدوجہد، علمی مرتبے اور راجدات میں جرأت و ندانہ کے متعلق جو بے سارے اپنے ہاتھ سے قریباً ۱۵۰ صفحات لکھے جو کتابی شکل میں قریباً تین سارے میں موصفات ہو جائیں گے۔

مولانا محمد علی صدیقی کی وفات:

مختصر یہ کہ حضرت مولانا محمد علی صدیقی کا موصوفی اپنی زندگی کی قریباً پوری منزل طے کر کے ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور اپنے خیمین کے دلوں میں اپنی جدائی کا غم چھوڑ گئے اور ان کے بارہ میں ہر شخص سہی کہتا ہے۔

مرنے والے تمہیں روئے کا زمانہ برسوں

بلا ریب حضرت مولانا سلف کی ایک یادگار تھے۔ ان کو دیکھ کر ملنے والے دلوں کے اخلاص و للیت کے واقعات یاد آتے تھے کیونکہ مولانا مرحوم نے بھی ستاون سال سیالکوٹ میں گزارنے کے بعد کوئی جائیداد چھوڑی اور نہ ہی کوئی مکان۔

کئی دماغوں کا ایک انسان، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، نہاں سے زور عیاں گیا ہے

مقدمہ

سیدنا علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مصائب کی بارش شروع ہو جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ پندرہ خصلتیں کیا ہیں؟ فرمایا: ”جب خیمت کا مال دولت کا مال سمجھا جائے۔ (باشاہ اور حکومتی عہدیداران کا ان کوئی و صوبائی اسمبلی اس مال کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب و نادار لوگوں میں تقسیم نہ کریں) اور امانت کے مال کو لوٹ کا مال سمجھیں (یعنی اس کو بغیر ذکر اسے کھا جائے جیسے سرکاری خزانہ اور بینکوں کا مال کھایا گیا ہے) اور رکوۃ کو نادان اور ڈنڈہ سمجھیں اور آدمی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور جب آدمی دوست کے ساتھ تکی اور باپ کے ساتھ ظلم و ستم اور برائی کرنے لگے اور مسجدوں میں (بات چیت یا درود و وظائف کی شکل میں) آوازیں اٹھائی ہونے لگیں اور یہ قوم کا سردار اس کا ذلیل ترین آدمی ہو اور ایک انسان کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے ہونے لگے اور لڑائیں لپی جائے تھیں اور ریشم (جس کو شریعت نے مسلمان مردوں کے لیے حرام قرار دیا ہے) پہنا جانے لگے۔ جب گانے والی عورتوں اور باجوں (آیات عزائم) کو محبت کی جانے لگے اور امت کے چھپے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں (یعنی سلف صالحین اور محدثین و فقہاء جیسے امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ پر لعن طعن کیا جانے لگے) جب ایسا ہونا شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو زمین میں اھنسا کر یا پھر ان کی صورتیں مسخ کر کے قذاب دیں گے۔“ (ترمذی حلیہ نمبر ۲۲۱ کتاب الفتن)

اس حدیث میں جتنی خدمات قیامت میں کی گئی ہیں وہ صرف سب پوری ہو گئی ہیں۔ اور یہ علامت ”چھپے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے“ یہ علامت بھی اس صورت میں ظاہر ہو چکی ہے کہ ائمہ اسلام اور محدثین کرام کے بارہ میں طعن طعن کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور ان کی شان میں ستائشیں کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب امام ابو حنیفہ کے غیر نقد ہونے کے بارہ میں لکھتے ہیں

”ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے کئی معاصر اہل علم اور محدثوں نے امام صاحب کو مطلقاً غیر شیعہ (ناقابل اعتبار) قرار دیا ہے۔“ (المصحات جلد ۲ ص ۱۶۶)

”امام صاحب نے اپنی باتوں کو خط یا باطل یا شر سے تعبیر کیا ہے۔ انہیں ان کے خلاف ہونے کا شک یا یقین تھا۔“ (المصحات جلد ۲ ص ۱۳۴)

ایک اور صاحب جو محقق ہونے کے دعویدار ہیں انہوں نے رقم طراز ہیں

”اس خصوص میں امام ابو حنیفہ کا معاملہ بھی اچھا ایسا ہے۔ امام صاحب بھی ہی سے انہوں نے اپنا ایک مزاج بنایا تھا۔ نہ قرآن حفظ کیا نہ علوم قرآنیہ سے بہرہ ور ہوئے نہ علم حدیث سیکھا نہ حافظ حدیث بنائے نہ نحو و صرف میں درک نہ عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کی نہ شعر و نثر کا علم نہ علم کلام اور منطق و فلسفہ میں دسترس تھی بلکہ محض عوام کا انعام میں صدر نشینی کے مقصد سے رائے اور قیاس میں خوب مہارت پیدا کر لی۔“ (نقصیت حک از بر نظام عبدالعظیم سنی طبع دار المطابع حلیہ منو بھارت)

ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ

”امام ابو حنیفہ پر ایک سے زائد مرتبہ کفر عائد ہوا جس سے توبہ کرانے کی بھی فوجت آئی۔“ (المصحات جلد ۳ ص ۱۶۷)

ایک اور صاحب امام اعظم ابو حنیفہ کے بارہ میں اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

”کیونکہ یہ مسلمہ امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نام نے ساتھ محدث و امام فن حدیث کا لفظ برائے نام بھی سب تاریخ اسلام اور اہل اہل و طہات میں نہیں لگے بلکہ امام صاحب کے معاصرین اور بعد والوں نے جس درجہ اشد ترین اور صمد حد ترین حضرت امام پر ان کے دو نام و تسمی کے ضعیف ہونے سے امت ریا واری سے نصیحت

واقعہ یہ ہے کہ قرنِ حدیث و رجال میں نہ ہی تو حضرت امام ابوحنیفہ کو کوئی مہارت و کمال ہے اور نہ ہی کسی حنفی کو اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کی توفیق میسر ہوئی۔ (سابقہ صفحہ ص ۱۸۹) حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے خلاف شائع ہوئی۔ اس کتاب کی زبانِ بازاری اور نہایت گھٹیا ہے۔ اس کتاب میں امرِ حدیث پر بھی نہایت کمرہ اور دل آزار الفاظ میں جرح کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ایک عنوان ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مثالب (زخم جو انہوں نے امت کو دیے)

امام ابوحنیفہ کے فضول اور فحش اقوال کے بیان میں وغیرہ وغیرہ۔

یہ تو صرف چند ایک حوالے ہم نے نقل کیے در نہ ایک فرقہ کے آٹھ حضرات اس مرض کے مریض ہیں اور ان کے جاہل ترین لوگ جو مولوی عربی کی کتاب بھی سمجھ نہیں پڑھ سکتے جب تک امام ابوحنیفہ کے بارہ میں گستاخانہ کلمات نہ کہیں ان کے پیٹ کی سوسنی خارش نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی انہی گستاخانہ کارروائیوں کی وجہ سے ان کے تلامذہ ان کے جہلاء سے سخت نا ابر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا داؤد غزنوی کے تذکرہ میں مذکور نہیں مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی (حضرت مولانا داؤد غزنوی) کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہل حدیث کی تحقیر سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے بڑے دردناک لہجے میں فرمایا

”مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ کی روحانی مدد والے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو دوسرے (۱۷) احادیث کا علم بردار بنتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارہ میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے۔ باعزیز العلمہ العما الشکور بنی و حزنی الی اللہ۔“ (حضرت مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶) ایک اور جگہ فرمایا۔

”دوسرے لوگوں کو یہ شکایت کہ اہل حدیث احسانت اور اہل توحین کرتے ہیں بلاوہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے عقد میں عوام اس امر ای میں مبتلا ہو رہے ہیں اور امام ابوہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ بھی کر جاتے ہیں۔ یہ درمجان

سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ (حضرت مولانا داؤد غزنوی ص ۸۷) اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میریالکھوی نے اپنا ایک ذاتی واقعہ اپنی کتاب ”تاریخ اہل حدیث“ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے دماغ میں بھی امام ابوحنیفہ کے خلاف کچھ لکھنے کا تصور پیدا ہوا لیکن حضرت مولانا میر مرحوم نیک متقی اور بزرگان دین سے محبت کرنے والے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کارِ بد سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس واقعہ کو حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں:

”اس مقام پر اس کی صورت یوں ہوئی کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ارق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا۔ اس کا اثر روحانی طور پر یوں ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج چوڑی طرح روشن تھا یا یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھایا۔ گویا طلسمات بعضہا فوق بعض کا مظاہرہ ہو گیا۔ معاذ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار پڑھنے شروع کیے وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے ”انصارونہ علی علی علی“ میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھا یا اس میں مجھ سے چھڑا کرنا ہے سو ہے۔“ (تاریخ اہل حدیث ص ۷۲)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ صرف اس لیے نقل فرمایا کہ حضرت امام صاحب کی شان میں گستاخیاں کرنے والے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور ان بزرگان دین کے بارہ میں مازیا اور گستاخانہ الفاظ منہ سے نہ نکالیں۔

تمی داستان قسمت راجہ سودا ز رہبر کامل
چو خضر از آب حیاں نشہ می آرد سکندر را

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے

”مولانا ثناء اللہ مرحوم امیر سنی نے مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں میں کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے ہم منطق کی تحصیل کرتا تھا اختلاف مذہب و مشرب کے سبب احناف سے میری گفتگو رتی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ پر یہ الزام قویا کہ تم اہل حدیث و ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتے ہو۔ میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی بھی شیخ اکل حضرت سید ندیم حسین صاحب مرحوم سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے ”چھوڑا“ جانتے ہیں۔ علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام صاحب کا ذکر ان اغلاط میں کرتے ہیں ”اصاصا وسیدنا ابو حنیفہ العمام افاض اللہ علیہ ضایب العفو والعمران“ (ص ۲) نیز فرماتے ہیں ”ان کا مجتہد ہونا اور قیاس سنت اور عقلی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں یہ ”یہ بریر“ ان اکرمکم عبد اللہ اتفاقاً کم“ زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔“ (ص ۵) (تاریخ اہل حدیث ص ۷۲ تعبیضہ)

امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی وجہ:

یہ صرف چند حوالہ جات ہم نے پیش کیے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ کی توجہ اور ان کی شان میں ستائش کا لفظ مستعمل کیے گئے ہیں۔ ایسا کیوں کیا گیا اور کیوں کہا جاتا ہے ”اور کیوں نہ روزانہ کے بارہ میں ایسی کتابیں ملتی جاتی ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ مان ہے کہ میں حدیث آتی ہے اور امام ابو حنیفہ کو حدیث نہیں آتی تھی وہ فقیر فی الحدیث تھے یا بقول حضرت مولانا داود غزنوی ”ان کو تین یا ست حدیثیں آتی تھیں۔ چنانچہ حضرت مولانا داود غزنوی نے ”امد الفتاویٰ“ میں مولانا مبارک غزنوی سے ایک خط صاحب علم نے مشکوٰۃ پر بھیجی۔ جس روز حدیث کی یہ کتاب تھوڑی تو اس نے ترتیب میں آکر کہا (یونکہ اس نے اپنے جاملی حوالے سے یہی سنا تھا کہ امام ابو حنیفہ صرف ست (۷) حدیثیں جانتے تھے) کہ مجھے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث آتی ہیں۔ کی طیب علم نے اس کی یہ بات حضرت مولانا مبارک صاحب سے جا کر کہہ دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طیب علم تمہارے گھر سے گا، چنانچہ وہ تین روز کے بعد قادیان ہو گیا اور مینے فیروزہ مینے میں ماریا۔ آپ نے اس کی سچائی دیکھ کر کہہ دی کہ یہ شخص مہتمم ہو کر رہے

گا۔ فرمایا کہ جو ان امر کی توجہ کرتا ہے جن کی ساری زندگیاں خدمت دین میں گذریں ان کو بقول حدیث اللہ تعالیٰ جنگ کا الٹی میٹم دے دیتا ہے (من عادى لي وليا فقد اعدى الله بالحرب) اور جس کو اللہ تعالیٰ جنگ کا الٹی میٹم دیں اس کا ایمان کبھی بھی سلامت نہیں رہ سکتا۔

تو امام ابو حنیفہ کے بارہ میں اس قسم کے غلط کہنے کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ امام صاحب کو حدیث نہیں آتی تھی اور ہمیں آتی ہے ہم حاصل بالحدیث ہیں اور وہ حدیث نہ آنے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت کرتے تھے یا اندازاً یہاں ہوتا تو ان کے معاصرین ان کی مخالفت کرتے۔ جب پوچھا جائے کہ ان کو حدیث نہ آنے کی وجہ کیا تھی حالانکہ وہ تابعی تھے اور تابعین کے دور میں تو حدیث کا عام چرچا تھا اور اتنا بڑا امام اور حدیث سے ناواقف تو جواب یہ ملتا ہے کہ وہ تابعی نہ تھے اور دوسرے جس شہر و قوف میں دور رہتے تھے وہاں حدیث کا چلن اور چرچا نہیں تھا۔

امام ابو حنیفہ تابعی تھے:

یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ امام ابو حنیفہ تابعی تھے چنانچہ ابن عمر نے لکھا ہے۔
وكان من التابعين لفي عدة من الصحابة وكان من الورع الزاهدين۔
(مہرست ابن ندیم جلد ۱ ص ۲۹۸)
امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے کیونکہ آپ نے کئی ایک صحابہ سے ملاقات کی اور وہ (امت کے) پرہیزگار اور زاہد لوگوں میں سے تھے۔

ہمارے خیال میں حضرت امام ابو حنیفہ کی تابعیت کا مسئلہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت جو عمر سیدنا عبداللہ بن عباس کی تھی قریباً وہی عمر سیدنا امام ابو حنیفہ کی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ موجود تھے۔ آپ کے صحابی سیدنا عبداللہ بن ابی اوی (م ۸۷ھ) تو رہتے ہی کوفہ میں تھے۔ سیدنا عامر بن واظہ الاسقع (م ۱۰۲ھ) بھی اس وقت زندہ تھے جب امام ابو حنیفہ کی عمر ۳۳ سال تھی کیونکہ آپ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی۔ بل بن سعد ساعدی کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی اور سیدنا عبداللہ بن میر المازنی کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی۔ اس وقت امام صاحب کی عمر بالترتیب ۱۱ اور ۱۶ سال تھی۔ اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے

حافظ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حقیقہ حدیث میں کیا ہے۔ یہ بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف سترہ حدیثیں نہیں جانتے بلکہ حفظ حدیث تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مشہور محدث عبد الرحمن المقرئ جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے کہ مجھ سے اس شخص نے حدیث بیان کی جو فن حدیث میں ہاشاہوں کا ہاشاہ (شہنشاہ) ہے۔ چنانچہ قطیب بخاری نے اسے یہ حدیث بیان کی اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاہشاہ۔

(تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۲۱۵)

علامہ ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں کہ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرنے والے سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، کبج بن جراح، حماد بن عوام اور جعفر بن عون ہیں۔ امام ابو حنیفہ فقہ تھے اور ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شعبہ امام ابو حنیفہ کے بارہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۱) بلکہ حماد بن زید کے بارہ میں تو لکھا ہے

روی حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرہ۔ (الاستقاء ص ۱۳۰)

"حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔"

امام صدر الامم کی لکھتے ہیں کہ

"امام ابو حنیفہ المقرئ عبد اللہ بن زید نے جو خود بھی حفاظ حدیث اور حدیث کے بڑے ائمہ میں سے تھے امام ابو حنیفہ سے حدیث کی بہت سی روایات لی ہیں۔" (مناقب موفق جلد ۲ ص ۳۶)

مسعود بن کدامہ محدثین کرام میں اپنی حالت قدرے باعث ایک خاص مقام سے حاصل ہیں۔ یحییٰ بن محمد لقتان فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث میں ان سے زیادہ ثابت اور سی نہیں پایا۔ اور ماہ ذی الحجہ ۱۸۰ھ میں کدامہ مسعود بن کدامہ امام ابو حنیفہ کے ہم سفر تھے فرماتے ہیں کہ

"میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ کئی حدیثیں پڑھنی شروع کی لیکن وہ ہم پر غائب رہے اور پھر زہد میں مشغول ہوئے اس میں بھی وہ ہم پر سبقت لے گئے۔ پھر ہم

نے ان کے ساتھ فقہ پڑھنی شروع کی تو اس میں بھی وہ اس مقام پر پہنچے جو ہم کو رہے ہو۔" (مناقب ابی حنیفہ للدهی ص ۲۷)

ملا علی قاری امام محمد بن سمان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے بارہ میں فرمایا

"امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔"

(مناقب ملا علی قاری بدیل الجواهر جلد ۲ ص ۱۷۴)

صدر الامم نے عقود الجمان میں بھی لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔" (مناقب الموفق جلد ۱ ص ۹۵) امام ابو داؤد صاحب السنن فرماتے ہیں

"رحمہ اللہ مالکاً کان اماماً رحمہ اللہ الشافعی کان اماماً رحمہ اللہ اماماً حنیفہ کان اماماً" (الاستقاء ص ۳۳)

اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے امام مالکؒ پر کیونکہ وہ امام تھے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے امام شافعیؒ پر کیونکہ وہ امام تھے اور حق تعالیٰ شانہ رحمت فرمائیں امام ابو حنیفہؒ پر کیونکہ وہ امام تھے۔ صاحب عقود الجمان نے لکھا ہے کہ

کان ابو حنیفۃ من کبار حفاظ الحدیث واعیانہم ولولا کثرة اعتناہ بالحدیث ماتہیا لہ استنباط مسائل الفقہ۔

(عقود العمان بحوالہ تالیف العصب ص ۱۵۶)

امام ابو حنیفہؒ بڑے حفاظ حدیث اور ان کے فضلاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ اگر وہ حدیث نہ جانتے ہوتے تو مسائل فقہ میں ان کا استنباط کا حکم کیسے حاصل ہوتا؟

علامہ ابن خلدون اندلسی اپنے مقدمہ تاریخ میں امام صاحب کے بارہ میں فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہ کے علم حدیث میں کبار مجتہدین میں سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر رد و قبول مجرور کیا گیا ہے۔" (مقدمہ ۱۱۵)

علم حدیث جاننے والا کون شخص ہے جو امام سفیان بن عیینہ سے واقف نہ ہو وہ فرماتے ہیں

فرماتے ہیں

اول من مہونی محدثاً ابو حنیفہ۔

(الحوار نقلاً عن ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۰۳)

”سب سے پہلے جس نے مجھے محدث بنایا وہ امام ابو حنیفہ تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ نہ صرف خواہاں مالک الحدیث تھے بلکہ دوسروں کو بھی محدث بناتے تھے اور سفیان مینہ جیسے بہار محدثین و نویسوں نے محدث بنایا جس کا اقرار وہ خود کرتے ہیں۔

امام وکیع بن الجراح محدث عراق نے ہشام بن عروہ، جعفر بن یزید، اعمش، سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے حدیث سنی۔ اور آپ سے حماد بن عمار، یحییٰ بن عیینہ اور امام احمد نے روایت لی۔ ان کے بارہ میں ابن عساکر کہتے ہیں

”امام وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور بڑا محدث کوئی نہ تھا۔“

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸۳)

ان وکیع بن الجراح کے بارہ میں حافظ ابن عساکر نے امام یحییٰ بن عیینہ، جو امام

الجراح و اتحد علی تھے فرماتے ہیں۔

”وکیل امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے۔ اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی احادیث کی سماعت کی تھی۔“ (وکان قد سمع من امی حنیفۃ حدیثاً کثیراً)

(کتاب الاسماء جلد ۲ ص ۱۵۰ جامع بیہ۔ عمدہ جلد ۲ ص ۱۴۹)

امام وکیع کا امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دینے کا ذکر امام ذہبی نے بھی کیا

ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸۲)

محمد بن عبد اللہ کریم شاہی شہرستانی نے ایک بحث کے ضمن میں امام ابو حنیفہ کا جس انداز میں ذکر فرمایا ہے وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے قابل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو کسی نے احمد حدیث میں شمار نہیں کیا۔ فرماتے ہیں

”حسن بن محمد بن ابی طاب، سعد بن نبیر، طلح بن حبیب، عمرو بن مرة، بخاری بن وقار، قتیل بن سلیمان، ذرہ، عمرو بن درہ، حماد بن سلیمان، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن، قدیر بن جعفر یہ سب احمد حدیث ہیں۔ اسی ب کھار کو سنو نبیرہ کی وجہ

سے کافر نہیں کہتے ہیں۔ اور یہ قسم نہیں دیتے ہیں کہ اسی ب بہر ہمیشہ کے ہے جنہم میں ہوں گے اور خوارج اور قہر یہ ان کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ اسی ب بہر ہمیشہ جنہم میں ہوں گے۔“

(کتاب لسان و لسان لشہر سنن جلد ۱ ص ۱۹۵ رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ و اللہ و اللہ)

اس سلسلہ میں علامۃ النظر محمد ابن ابراہیم یحییٰ کا بیان آج کل کے ان تمام اعتراضات کے اعتراضات کو ختم کر دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ضرور تھے یا محدثین کی فہرست میں ان کا نام نہیں آتا۔ و ذہبی یحییٰ ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

”امام ابو حنیفہ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ آپ کا علم حدیث کامل نہیں تھا اس لیے آپ

نے ضعیف روایات سے روایت لی ہے۔ اس کہنے والے کی غرض صرف امام ابو حنیفہ کے

علم حدیث میں شک ڈالنا ہے مگر امام ابو حنیفہ کا فضل و عدالت، تقویٰ و امانت تو اثر

سے ثابت ہے۔ اگر کسی نے علم اور تامل کے بغیر فتویٰ دیا ہے تو یہ اس کی عدالت میں

جرح اور دیانت و امانت میں قدرح اور اس کی عقل و مروت میں سبک سری ہے۔ اس

لیے جس شی کو انسان نہیں جانتا یا اچھی طرح نہیں جانتا اس کے جاننے اور اس میں

حافظ ہونے کا دعویٰ کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کی عادت ہے۔ اہل خدایت و دیانت

میں حیاء اور مروت نہیں ہوتی۔ وہ ایسا دعویٰ اور ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ

کے مناقب اور مناقب کی وجہ میں ایسے قبیح عیب کی سیاحت نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ

کے علم کی روایت و روایت کی کتابوں کو مدون کر کے سامنے خزانہ علمی میں داخل کیا

گیا۔ اور اس کا سنی یہ ہے کہ علماء نے امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کو اچھا جانا اور پیچھا ہے

اس لیے کہ علماء کے لیے ابو حنیفہ کے مذہب کی روایت ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد کے

جاننے کے بعد ہی جائز ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد پر امت مسلمہ کا

اجماع ہے اور میری مراد اس بات سے یہ ہے کہ کبار علماء کے مابین امام ابو حنیفہ کے

اقوال متداول ہیں۔ یمن، شام، مکہ، شرق و غرب میں تابعین کے زمانہ ۱۵۰ھ سے

لے کر آج کے دن تک لوگوں میں اور تمام محکموں میں امام ابو حنیفہ کے اقوال پھیلے

ہوئے ہیں۔ اور اس وقت سے لے کر آج نوں صدی کے شروع تک امام ابو حنیفہ

کے اقوال پر اعتماد کیا ہے، ان پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ مسلمان یا تو امام ابو حنیفہ کے

اقوال پر عمل کرتے ہیں یا ان کے اقوال پر انکار کرنے سے خاموش ہیں۔ اور اس قسم کے مباحث میں اکثر مواضع پر اس طریقہ سے اجماع کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اہل سنت اور غیہ اہل سنت ہر دو فریق کو امام ابو حنیفہ کی تعظیم و احترام اور تقلید پر اتفاق ہے۔ اہل اعتزال میں ابو علی ابو ہاشم ابو اسحاق بصری اور زہری اس وقت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے باہر ہو گئے ہیں جب انہوں نے طلب علم کے بعد اپنے فکر و نظر بدل دیا مگر پھر بھی ان کو حنیفہ کے اقتساب میں عار نہ تھا۔ اگر امام ابو حنیفہ علم حدیث سے واقف اور علم حدیث میں کمال کے رپور سے آراستہ نہ ہوتے تو ہم کے کوہ تراں علماء امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ہرگز شامل نہ ہوتے جیسے قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن، امام علی بن ابی اسحاق کوفی اور ان کے امثال و اصناف ہند میں شام میں مصر میں یمن میں جزیرہ میں حرمین شریفین اور عراق عرب اور عراق عجم میں ۱۵۰ھ سے لے کر آج تک چھ صدی سے زیادہ عرصہ میں ہزار ہا احاطہ نہیں کیے جاسکتے۔ جہاں جہاں ہیں مٹے نہیں جاتے۔ اہل علم، فتویٰ اور ارباب ورع و تقویٰ علماء احناف میں موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا ضعف، سے حدیث کی روایت کرنے کی وجہ علم حدیث کی معرفت کی کمی بتلانا فاش و ہم ہے بلکہ اس کی وجہ اور ہیں۔ امام ابو حنیفہ مجہول کی روایت کو بھی قبول کرتے ہیں۔ اور یہ امام ابو حنیفہ ہی کا مسلک نہیں ہے بلکہ دوسرے بھی کئی علماء کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس میں شرط یہ ہے کہ ثقہ اور معلوم العدالت راوی کی روایت اس مجہول روایت کے معارض نہ ہو اس لیے کہ جب معلوم العدالت روایت اور مجہول روایت کا معارض ہوتا ہے تو اس وقت ثقہ اور محفوظ پہلو کو ترجیح دینا متفق علیہ امر ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام احمد ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے تھے بشرطیکہ اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث اس کا معارض نہ ہوتی۔ اس وجہ سے امام احمد اپنی مسند میں بہت سی ضعیف احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور احتیاط کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس روایت میں ضعف روایت کا علم نہیں ہوتا ہے یا ان وجوہات کا علم نہیں ہوتا جن کے سبب سے وہ حدیث قابل احتجاج اور اتقن قبول نہیں ہوتی ہے یا اس کے قبول اور رد کرنے میں محدثین کو اختلاف ہے۔ حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ ابو داؤد ضعیف سند سے بھی حدیث کو روایت کرتے ہیں

جب کہ اس ضعیف حدیث سے بہتر دوسری سند سے اس باب میں دوسری روایت نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ ضعیف حدیث بھی رائے سے بہتر ہے اور یہ ایک صریح شہادت ہے کہ ضعیف حدیث کو روایت کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کا ضعف اور اس کے ضعف کے اسباب کو وہ محدث نہیں جانتے تھے جس نے اس کو روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ابو داؤد اس علم کے امام ہیں اور اس میدان کے شہسوار ہیں اور وہ ضعیف روایت جس کو ان حضرات نے روایت کیا ہے اس قسم کی ضعیف روایت نہیں ہے جس کے راویوں میں کوئی بھی مجہول راوی اور معروف فاسق راوی ہو۔ ایسی روایت کو یہ حضرات جس میں مجہول اور مشہور فاسق راوی ہے باطل یا موضوع یا ساقط یا متروک جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اور ایسی ضعیف روایت جس میں صرف اس قدر ضعف ہے کہ اس کا راوی سچ تو ہے مگر حافظ نہیں ہے یا اس حدیث کے رفع یا اسناد میں اختلاف ہے یا مثل اس کے مثلاً اس حدیث کے نقل یا راوی پر جرح کرنے میں علماء کو اختلاف ہے اور اس کے رد کرنے اور قبول کرنے کے لیے دونوں طرف قوی دلیل نہیں ہے ایسی ضعیف حدیث کو اگر امام ابو حنیفہ نے لیا ہے جسے امام احمد اور امام ابو داؤد بھی امام ابو حنیفہ کے اس میں ہم نوا ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قیاس اور اجتہاد کے مقابلہ پر ضعیف حدیث کو بھی امام ابو حنیفہ مقدم رکھتے ہیں اور دوسرے محدثین کا بھی یہی معمول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ معمول اس وجہ سے نہیں ہے کہ آپ کو علم حدیث کی معرفت نہیں ہے ورنہ امام احمد اور امام ابو داؤد اس سبب میں ابو حنیفہ سے دو قدم آگے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ابو حنیفہ کے علم و نظر میں اس کا ضعف قابل اعتدائ نہیں ہے بلکہ اس کی روایت کو قبول کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اس معمول سے بڑے بڑے حفاظ حدیث بھی نہیں بچے ہیں۔ بخاری اور مسلم نے بھی ایسا کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اس علم کے اندر میں امام شافعی اکثر ابراہیم بن ابی یحییٰ سے روایت لیتے ہیں اور امام شافعی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور دوسرے محدثین نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی توثیق کرنے میں امام شافعی کی مخالفت کی ہے۔ حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ابن ابی یحییٰ پر جرح کرنے میں محدثین کا اجماع

ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن امر شوافع کے ہاں وہ صحیح ہے۔ اسی طرح امر شافعی ابو خالد الزنجی سے روایت جیتے ہیں لیکن اس کی توثیق میں محدثین کو اختلاف ہے۔ علماء رجال نے اس بحث کو طوں دیا ہے اور اپنی جہاد ایسے حضرات روایت معلوم کیے جاسکتے ہیں۔“ (مردصہ الباسم ص ۱۵۸ تا ۱۶۳)

یہ اتنا طویل اقتباس صرف اس لیے نقل کیا گیا ہے تاکہ پتہ چلے وزیرِ ایمانی کا امام ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد اور روایت حدیث کے بارہ میں کیا نظریہ ہے۔ اور امام صاحب کی علمی عظمت و جلالت نے اسلام کے بھی خزانہ میں کیا کچھ اضافہ کیا۔

امام شعرانی شافعی ہونے کے باوجود اس بارہ میں امام ابو حنیفہ کا دفاع ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جس نے یہ کہا کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کمزور اور ضعیف ہیں تو میں اس کو جواب دیتا ہوں کہ اے میرے بھائی! میں نے مذہبِ اربعہ کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کو خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میں نے زیلعی کی کتاب ”تخریج ہدایہ“ پڑھی ہے۔ میں نے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے دلائل کو دیکھا ہے۔ یا تو وہ صحیح احادیث ہیں یا حسن ہیں یا ایسی ضعیف احادیث ہیں جن کے طرق کثیرہ ہیں اور بارہ حسن سے جاملتے ہیں یا صحیح احادیث سے ملتے ہیں۔ اور جمہور محدثین نے ایسی ضعیف احادیث سے احتجاج کیا ہے جس کے طرق کثیر ہوں اور اس قسم کی ضعیف احادیث بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ میں بہت پائی جاتی ہیں۔ جب امام بیہقی کے پاس احتجاج کے لیے صحیح حدیث نہیں ہوتی ہے تو وہ ایسی ضعیف حدیث سے اپنے امام اور اپنے امام کے مقصدین کے لیے احتجاج کرتے ہیں۔ اور میں نے پہلے کہا ہے کہ میں حسن عن بابن کے علم و اعتقاد سے امام ابو حنیفہ کی طرف سے جواب نہیں دیتا ہوں بلکہ امام ابو حنیفہ کے اقوال اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے تتبع اور گہرے مطالعہ کے بعد امام ابو حنیفہ کی طرف سے میں نے جواب دیا ہے میں نے نجاشی فی بیان اولۃ مذاہب المجتہدین نامی کتاب لکھی ہے اور میری یہ کتاب اس بات کی پوری ضمانت دیتی ہے کہ میں نے پوری تلاش اور دلائل کے جانچنے کے بعد امام ابو

حنیفہ کی طرف سے جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے تین مسندوں کے صحیح نسخوں کو پڑھا ہے۔ جن پر حفاظ کے خطوط ہیں اور آخر میں حفاظِ دیلمی کا خط ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ ایسے عدول و ثقات تابعین سے حدیث کو روایت کرتے ہیں جن کے عہد کے خبر ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔ امام ابو حنیفہ ان مسندوں میں اسود، عقیل، عطاء، مکرّم، مجاہد، کھول اور حسن بصری جیسے حضرات سے حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین یہ کل روایۃ عدول ثقتہ اعلام اخبار ہیں۔ ان میں کوئی جھوٹا یا معتم بالکذب نہیں ہے اور خصوصاً ان حضرات تابعین کے بارہ میں خوب غور و فکر کرو جن کو امام حنیفہ نے روایت کے لیے پسند فرمایا ہے اور جن سے امام ابو حنیفہ شدتِ ورع و تقویٰ اور امت محمدیہ پر غایتِ شفقت کے ساتھ دین کے احکام کو لیتے ہیں۔ محدثین امر مجتہدین کے روایۃ میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جو تعدیل و جرح سے بالاتر ہو اس لیے کہ وہ معصوم تو نہیں ہیں لیکن علمائے شریعت محمدیہ کے امین ہیں۔ جنہوں نے جرح یا تعدیل کو مقدم کر دیا ہے اس کے باوجود بھی اس میں جانب مخالف کا احتمال ہے تو اس پر عمل کیا گیا اور کیا جائے گا۔“

امام عبد الوہاب شعرانی اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں کہ:

”ہدایت اور نیکی چاہنے والے تمام امر اربعہ کا ادب و احترام رکھو اور جن لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے ان پر دھیان نہ دو سوائے اس صورت کے کہ جب ان کے خلاف واضح برہان اور دلیل موجود ہو۔ تم لوگوں کو برا کہنے اور نکتہ چینی کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ تم اس لیے پیدا کیے گئے ہو کہ دین کے ضروری اور لازمی امور میں مشغول رہو۔ میرے پاس ایک اچھا خاصا فقہی طالب علم امر کے آپس کے اختلاف میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی سزا میں اس پر ایک عبرت ناک مصیبت پڑی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔“

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی فرمایا کرتے تھے کہ: شخص امر اربعہ کا اور خصوصی طور پر امام ابو حنیفہ کا گستاخ ہے اس کا حاکم و مجرب نہیں ہوتا چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا میر صاحب نے مجھے تین چار مثالیں بھی دیں (اس کا ذکر یہاں)۔

نہیں۔ ظفر کا بنی (بعد لہ) اور ثوری میں امام مالک اور ابن ابی ذئب میں احمد بن صالح اور شعبی میں امام احمد بن حنبل اور حارث مخابی میں یحییٰ بن یحییٰ ہے۔ اور قاضی شافعی کا تو مجھے تیری تباہی کا ڈر ہے۔ یہ جماعت ائمہ اعلیٰ کی جماعت ہے اور ان کے اقوال کے محال ہیں۔ ان کے آپس کے واقعات سے ہمیں اس طرح پہنچا دے جیسا کہ صحیحہ کرام کے آپس کے واقعات سن کر ہم خاموش ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض حفاظ نے امام ابو حنیفہ کے دل پر جرح کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی جرح امام صاحب کے بعد اور نیچے کے رواقہ پر ہے اس لیے کہ میں نے تینوں مسندوں میں جتنی حدیثیں پڑھیں ہیں وہ صحیح ہیں اور اس لیے صحیح ہیں کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں تو امام ابو حنیفہ ان سے استدلال نہ کرتے۔ اور اگر امام ابو حنیفہ کے نیچے کے رواقہ میں کوئی کاذب یا متعمم بالکذب ہے تو اس پر جرح و قدح کرنا اس روایت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہ کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی صحت کے لیے کفایت کرتا ہے اس لیے کہ امام ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد میں وہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ اسے میرے بھائی امام ابو حنیفہ کے اول میں جرحی نہ کرو جب تک مسند ثلاثہ مذکورہ کا مطالعہ نہ کرو اور اس حدیث کو تم اس میں نہ پاؤ جس میں تمہیں ضعف کا شبہ ہے۔ اور جس نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کو ضعیف کہا ہے تو وہ سن لے کہ وہ ان کے تلامذہ کے دلائل ہیں جو امام صاحب کے جد ہوئے ہیں اور لوگوں نے حماقت سے ان دلائل کو امام ابو حنیفہ کے بیان کیے ہوئے دلائل جانا ہے۔ اس جاہل نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔ ابو حنیفہ کا مذہب وہ ہے جو امام صاحب نے آخری وقت تک اس کو قائم رکھا ہے۔ اور جس کو لوگوں نے امام ابو حنیفہ کے کلام سے خود سمجھا ہے وہ امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ یہ جہل اور حماقت اکثر طالبان علم میں ہے تو دوسروں کا کیا کہنا ہے؟ امام ابو حنیفہ نے خیار تابعین سے حدیث کو روایت کیا ہے جن میں کوئی کذاب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے ساتھ تعصب کو چھوڑ دو اور امام صاحب کی برائی میں ان جاہلوں کی تقلید نہ کرو۔ یہ جاہل امام ابو حنیفہ کے حالات اور ان کے علم و اجتہاد کی رفعت و بلندی کو نہیں جانتے ہیں۔ اگر تم لوگ امام ابو حنیفہ کے مذہب کا تتبع کرو جیسا کہ میں نے

کیا ہے تو تم جان لو گے کہ باقی مجتہدین کے مذاہب میں امام ابو حنیفہ کا مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اگر تم چاہے ہو کہ آفتاب نصف النہار کی طرف امام ابو حنیفہ کے مذہب کا زیادہ صحیح ہوتا تم پر ظاہر ہو جائے تو تم علم و عمل میں اخلاص اور عقیدے کے ساتھ مل کر اور بزرگان دین کے دست پر چلو۔ (مصدقہ کبریٰ: اعلام شریعی ص ۶۳ تا ۶۶) امام شمرانی کے اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی مسند کی تمام روایات صحیح ہیں اور ان مساند پر حفاظ حدیث کی تصدیق ہے۔ درجن تابعین سے امام صاحب سے احادیث کو روایت کیا ہے وہ تمام حفاظ محدثین تھے اور خیر ائمہ دن کے علم تھے اور کوئی بھی ان میں سے کاذب یا متعمم بالکذب نہ تھا۔ اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل دوسرے تمام ائمہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ اور یہ بھی چلا امام ابو حنیفہ کی شان میں کست فنی کرنے والا بلا خرد لیل اور رو سیاہ ہوتا ہے۔ اور امام صاحب کے دلائل پر جرح نہ کرو اور تعصب اور جاہل ہے۔

امام شمرانی نے اس بارہ میں اپنی اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ "میں نے جب مذاہب کے اول میں "شیخ المہین فی بیان اولیٰ المذاہب" المجتہدین نامی کتاب کی تالیف کی تو اس وقت میں نے مجدد امام ابو حنیفہ کے اقوال اور ان کے اصحاب کے اقوال کا پورا تتبع کیا تھا۔ میں نے امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے اقوال میں جو قول بھی دیکھا اس کی مستند اور متصل یا تو قرآن حکیم کی آیت تھی یا حدیث یا کسی صحابہ کا اثر یا پھر قرآن حکیم یا حدیث یا اثر کا مفہوم اس کی سند ہے۔ یا ایسی ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہیں یا صحیح قیاس جو صحیح اصل پر ہے یہ سب امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے دلائل ہیں۔ اور جو بھی اس کو خود معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ کرے۔ اور جس نے بھی تعصب کو چھوڑا ہے اور مجتہدین کے اقوال کو غور و فکر اور انصاف سے دیکھا ہے تو اس کو معلوم ہو گا کہ ائمہ مجتہدین آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور سب پر اعتراض کرنے والا پانی کی سطح پر ان ستاروں کی عکس صورت دیکھتا ہے۔ اس کی تقلید نہ کرو۔ انھیں جاننا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ائمہ مجتہدین کے ادب کی تائید دے۔"

"میں امام ابو حنیفہ کے مناقب لکھ رہا تھا اور ایک ایسا شخص میرے پاس آیا جس نے مجھ

کا زعم تھا (جیسے آج کل بعض جہاد کو زعم ہے۔ ظفر) اور جب اس نے دیکھا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں تو اس نے اپنی آستین سے کچھ اوراق نکالے اور مجھے یہاں کہ ان اوراق کو پڑھ لیں۔ میں نے جب انہیں پڑھا تو اس میں امام ابوحنیفہؒ کے خلاف اعتراضات لکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کو کہا کیا تو بھی اس قابل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص پر اعتراض کر سکے۔ اس نے کہا "میں نے فخر الدین رازی کے مؤلفات سے یہ اعتراضات لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ رازیؒ کی امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ میں ایک طالب علم سے زیادہ حیثیت نہیں۔ یا رازی (امام ابوحنیفہؒ جیسے) سلطان اعظم کے سامنے رعایا کے ایک آدمی کی مانند ہے یا پھر جو نسبت ستارے کو آفتاب سے ہوتی ہے اسی طرح کی نسبت رازیؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔ اور جس طرح اہل علم نے بادشاہ کے خلاف طعن کرنا رعایا پر حرام قرار دیا ہے لیکن جب آفتاب کی طرح واضح دلیل موجود ہو اسی طرح ائمہ دین پر طعن کرنا اور اعتراض کرنا مقلدین پر حرام ہے مگر جب نص صریح موجود ہو۔ اور میرے پاس بعض شوافع طلبہ آجایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کی بات کو نہیں سننا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو اس بات سے منع کیا لیکن وہ اس سے باز نہیں آتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہی طلبہ ایک اونچی جگہ سے کُڑے اور دہلی کی بڑی ٹوٹ گئی اور کچھ عرصہ اسی مقبور حالت میں رہ کر آخر مر گئے اور مجھ سے ایک روز دعا کی درخواست کی لیکن میں نے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کے ادب کے مارے انکار کر دیا تھا۔ اور یاد رکھو کہ جس نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں ایسا شخص امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں متعصب اور دین میں ہلاک ہونے والا ہے اور دین پر تہمت لگانے والا ہے اور اپنی بات میں جھوٹ بولنے سے بھی نہیں بچتا ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت سے غافل ہے کہ "بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔" اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ رامی کو بھی غلط فہم نہ بنایا ہے کہ زبان کے حصانہ سے لوگ جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔"

"امام ابوحنیفہؒ رازیؒ کی منجی متصل سند سے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ امام

صاحب نے فرمایا اللہ کی قسم! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں کہ میں نے قیاس کو نص پر مقدم کر دیا ہے۔ اگر نص موجود ہے تو قیاس کی تو ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے تو میں قیاس کرنے پر کیوں مجبور ہوتا ہوں۔ ہم اس وقت قیاس سے کام لیتے ہیں جب نص موجود نہیں ہوتی ہے اور شدید ضرورت کے وقت قیاس کرتے ہیں۔ ہم پہلے اللہ کی کتاب میں اور اس کے بعد حدیث رسول میں اور پھر صحابہ کرام کے آثار میں غور و فکر کرتے ہیں اور دلیل کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر ان میں کسی ایک میں بھی دلیل نہیں ملتی ہے تو پھر ہم علتِ جامعہ کی وجہ سے نص کے مطلق پر نص کے مسکوت عند کو قیاس کرتے ہیں اور ایک حکم کو دوسرے حکم پر علت کے تحت اور جامع کے اشتراک سے قیاس کرتے ہیں۔"

"ابو مطیعؒ بھی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ اگر آپ کی ایک رائے ہے اور ابو یوسفؒ کی دوسری رائے ہے یا آپ کی اور عمرؒ کی رائے میں اختلاف ہے تو کیا آپ اپنی رائے کو ابو یوسفؒ اور عمرؒ کی رائے پر مقدم کر سکتے ہیں یا ابو یوسفؒ اور عمرؒ کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم کر سکتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اپنی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو مطیعؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سفیان ثوریؒ، مقداد بن حیثانؒ، محمد بن سلیمانؒ، جعفر صادقؒ وغیرہ حضرات فقہاء امام ابوحنیفہؒ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو پتہ چلا ہے کہ آپ دین میں زیادہ تر قیاس کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان سے صبح سے لے کر ذوال تک بحث کی اور اپنا مسلک ان کے سامنے واضح کیا اور پڑھ کر سنایا اور فرمایا: "میں پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں اس کے بعد سنت رسول کو لیتا ہوں اس کے بعد صحابہ کرام کے آثار کو لیتا ہوں اور صحابہ کرام کے ان آثار کو مقدم کرتا ہوں جن پر صحابہ کو اتفاق ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی دلیل میرے پاس نہ ہو تو پھر قیاس کرتا ہوں۔ امام صاحبؒ کے اس موقف کو سن کر یہ سب حضرات اٹھے اور آپ کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسہ دیا (وَقَبَّلُوا أَيْدِيَهُ وَرُكْبَتَهُ) اور فرمایا آپ صلوات اللہ علیہ کے سردار ہیں۔ (انت سيد العلماء) اور ہم نے آپ سے معلوم کیے بغیر جو آپ کے بارہ

میں پہلے غلطی کی ہے اس کو معاف کرو، سمجھئے۔ امام ابوحنیفہؒ فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ حضرات کو معاف فرمائے سفین ثوری نے پہلے اگر امام ابوحنیفہؒ کے بارہو میں کچھ کہا بھی تھا تو اب اپنی غلطی مان لی اور معذرت چاہی۔ اور ان حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کی سیادت ہم کا اعتراف کر لیا۔ شقیق بنی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ الماس، العبد الماس اور مکرم الماس ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ دین میں احتیاط کرنے والے اور دین میں رائے اور قیاس سے سب سے زیادہ احتراز کرنے والے ہیں۔ آپ کی مجلس میں ایک ایک مسئلہ پر پوری طرح بحث ہوتی تھی اور جب اہل مجلس کو اتفاق ہو جاتا تھا کہ وہ مسئلہ شریعت اسلامیہ کے موافق اور مطابق ہے تو اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کو آپ اس کے لکھنے کو فرماتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے دریافت کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اور جب پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ متقی اور عابد و زاہد کون ہے؟ اور جب پوچھا کہ علم میں سب سے زیادہ مشغول رہنے والا کون ہے؟ تو وہ لوگ ہر ایک سوال کا یہی جواب دیتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے عالم سب سے زیادہ زاہد و عبادت گذار اور سب سے زیادہ علم دین میں مشغول رہنے والے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ جیسے امام اعظم پر اعتراض کرنے کا ہونی حق نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے علم و جلال اور عزم و زہد اور عفت و عبادت کی کثرت اور اللہ تعالیٰ عوام کے حضور مراقبہ پر قدموں کو اتفاق ہے۔ امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنے والا اللہ کی قسم بصیرت میں اندھا ہے۔ جس نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تحقیق کی ہے اس نے دین میں امام صاحب کو بڑا احتیاط پایا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ امام صاحب دین میں مذہب و رائے سے پاک اور بیزار ہیں۔ اور جس نے ایسا کہا ہے وہ اپنے عقیدہ و مذہب کا رقص سے ائمہ حدیث پر انکار کرنے والا جاہل اور متعصب ہے۔ (عبدلہ علی شہرانی: میزان کبریٰ ص ۶۰-۶۹)

امام عبدلہ باب شہرانی کی کتاب کا یہ اقتباس ان لوگوں کے لیے غور و فکر کا سامان مہیا کرتا ہے جو امام صاحب اور ان کے مسلک کو اپنی تقلید کا نشانہ بناتے ہیں اور ان پر قلت حدیث کا الزام مالد کرتے ہیں۔ امام شہرانی شافعی ہونے کے باوجود امام

ابوحنیفہؒ کا ان متعصب اور جاہل لوگوں کے اعتراضات کا دفاع فرماتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے کہ ان کی تحسین و تعریف فضائل و مناقب اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ان دونوں نے کتابیں لکھیں جو غیر حنفی تھے۔ چنانچہ محمد بن یوسف اصطخانی الشافعی نے عقود الیمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ العمان حافظ ابن عبد البر امسلی نے استقاء فی فضائل الثمات الامام علامہ ابن حجر کی شافعی کی کتاب مہیض البصیرہ فی مناقب ابی حنیفہ نے امام ابوحنیفہؒ کے فضائل و مناقب پر مستقل کتابیں لکھیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے آپ کے اقوال پر فتویٰ دیے اور آپ کے علم حدیث کو تسلیم کیا لیکن آج کل کے بعض جبلاء جو حدیث کی کتاب صحیح طریقہ سے پڑھ بھی سکتے اور اصول حدیث سے تو کلیتہً ناواقف ہیں وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو حدیث نہیں آتی تھی بلکہ وہ حنیم فی الحدیث تھے۔ کسی نے جی کہا ہے۔

اہل کھشن کے لیے بھی باب کھشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

محدث اور فقیہ کا فرق:

اصل بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کو چونکہ فقہاء کے زمرہ میں شمار کیا ہے اس وجہ سے یہ جبلاء لوگوں کو یہ مخالفہ دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فقیہ تھے محدث نہیں تھے۔ فقیہ اور محدث کے فرق کو ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص شخص صرف قرآن کے الفاظ کا حافظ ہے اور دوسرا شخص قرآن حکیم کے الفاظ کا حافظ بھی ہے اور معانی اور اس کی تفسیر سے بھی اس کو پوری آشنائی ہے۔ اب جو شخص صرف قرآن کے الفاظ کا حافظ ہے اس کو صرف حافظ کہتے ہیں اور جو قرآن حکیم کے معانی اور اس کی تفسیر بھی جانتا ہے اس کو "عالم" کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص عالم ہے لیکن قرآن حکیم کے الفاظ سے ناواقف ہے تو لوگ اس کی اس بات و معتمد خیر کہیں گے کیونکہ عالم ہونا ہی وہ ہے جو قرآن حکیم سے واقف ہو۔ بالکل اسی طرح ایک محدث صرف حدیث کے الفاظ اور اس کی سند کا حافظ ہوتا ہے۔ حدیث کے معانی سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن ایک فقیہ حدیث کے الفاظ کا حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے

معانی کا بھی حافظ ہوتا ہے اور اس کے معانی کی گہرائی میں ذوق کر مختلف مسائل کا استنباط کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل فتویٰ فقہاء ہوتے ہیں نہ کہ محدثین۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے عبید اللہ عمرو کا بیان نقل کیا ہے کہ

”میں امام اعظمؒ (جو کہ امام ابو حنیفہؒ کے استاذ حدیث تھے اور ایک بہت بڑے محدث تھے) کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے ان سے آکر ایک مسئلہ پوچھا لیکن امام اعظمؒ اس کو وہ مسئلہ نہ بتا سکتے اور حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مجلس میں امام ابو حنیفہؒ بھی موجود تھے۔ آخر امام اعظمؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے فرمایا کہ اس شخص کو یہ مسئلہ بتائیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے سائل کو مسئلہ بتا دیا جس سے اس کی تسلی ہو گئی۔ امام اعظمؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے جواب پر تعجب ہوا اور فرمایا ”یہ مسئلہ آپ نے کس حدیث سے استنباط کیا ہے؟“ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ”حدیثنا اعمش عن فلان عن فلان“ یعنی امام اعظمؒ ہی کی بیان کردہ حدیث سنائی۔ یہ حدیث سن کر امام اعظمؒ نے فرمایا ”در اصل آپ لوگ اہل علم ہیں اور ہم محض عطار ہیں۔“

(انہم الاطباء و نحن الصبادلہ) (جامع بيان العلم و حدیثہ ۱ ص ۱۳۱)

امام اعظمؒ نے اپنے اس بیان میں محدث اور فقیہ کے فرق کو بیان فرما دیا۔ محدث عطار ہوتا ہے جو مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں اپنی دکان پر سجائے رکھتا ہے لیکن اس کو ان جڑی بوٹیوں کے خواص اور ان کی تاثیرات کا علم نہیں ہوتا۔ ان کو صرف ایک طبیب ہی جان سکتا ہے اور وہ ان کو ملا کر ایک ایسا نسخہ تیار کرتا ہے جس سے مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ بیماری کا نسخہ لوگ طبیب ہی سے حاصل کرتے ہیں البتہ ان میں جو جڑی بوٹیاں استعمال ہوتی ہیں وہ ایک عطار کی دکان سے مہیا ہوتی ہیں لیکن طبیب ان جڑی بوٹیوں سے نا آشنا نہیں ہوتا۔ اگر نا آشنا ہو تو وہ نسخہ ترتیب ہی نہیں دے سکتا۔ حکیم الامت مولانا تھانویؒ فقہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ ہے کیا؟ فرمایا

”کتابوں کو پڑھ لینے کا نام فقہ نہیں ہے۔ فقہ ایک نور ہے جو فقیہ کے دل میں ہوتا ہے۔ اس کی برکت سے اس کو دین کی سمجھ حاصل ہوتی ہے اور اس کے نور کو حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں وہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اب تم کہہ سکتے ہو پڑھتے پڑھاتے رہو مگر چونکہ دین کی سمجھ نہیں رہی تم فقہ نہیں ہو سکتے۔ اور وہ نور

فقہ طاعات سے بڑھتا ہے اور معاصی سے سبب ہو جاتا ہے۔ جو فقیہ مطہر اور متقی نہ ہو وہ صرف کتابوں کا فقیہ ہے حقیقی فقیہ نہیں اور نہ ہی اس کے واسطے وہ بشارت ہے جو فقیہ کے واسطے حدیث میں مذکور ہے اس لیے خاتمہ سے اطمینان کسی حال میں فقیہ کو بھی نہیں ہو سکتا۔“ (انسیع صحیح سرورہ جلد ۲ ص ۱۳۸)

یہیں سے حضرت تھانویؒ کی زبان سے محدث اور فقیہ کا فرق بھی سن سکتے ہیں۔ فرمایا ”محدثین کا مسلح نظر روایت ہوتی ہے اور فقہاء روایت سے کام لیتے ہیں جیسے غنا محدثین کے نزدیک بلا حرامیر جائز ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ”معارض“ کا آیا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک بلا حرامیر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ علت کو سمجھتے ہیں اور وہ (مطلوع) خوف فقہ ہے اور وہ جیسے حرامیر میں ہے صرف غنا میں بھی موجود ہے۔ محدثین نص سے تجاوز نہیں کرتے اور فقہاء اصل مٹ، حکم کو معلوم کر کے دیگر مواقع تک حکم کو مستعدی کرتے ہیں۔“ (حسن المعروض جلد ۴ ص ۳۴۵)

اسی وجہ سے میاں سید نذیر حسین صاحب اپنی کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں فرماتے ہیں

”ان (یعنی امام ابو حنیفہؒ) کا مجتہد ہونا اور قیاسی طبع ہونا اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں۔“ (مصارف الحق ص ۵)

اس عبارت میں حضرت میاں صاحبؒ نے امام صاحبؒ کو مجتہد تسلیم کیا ہے اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کی کم از کم تین لاکھ احادیث پر نظر ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو شخص مجتہد ہے وہ نہ صرف ہزاروں بلکہ لاکھوں احادیث کا علم رکھتا ہے ورنہ وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا۔ تو ایک طرف کسی شخص کو مجتہد تسلیم کرنا اور دوسری طرف اس کو علم حدیث میں ۵۰۰۰۰ بہت کرنا جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر آپ حدیث سے باواقف ہوتے یا گلیل اللہ حدیث ہوتے تو عبداللہ بن مبارک محدث امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ”تفسیر اللہ حدیث“ نہ کہتا۔ (دلیل المعروض جلد ۲ ص ۱۶۰)

اور نہ ہی اتنے بڑے بڑے محدثین آپ کی اتباع اور تقلید کرتے۔ یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ مجتہد وہ ہوتا ہے جو فقیہ ہو غیہ فقیہ مجتہد نہیں ہوتا۔ اور فقہ اور فہم میں بھی فرق ہے جس کو حافظ ابن قیمؒ نے بیان کیا ہے

”حدیث اور کتاب میں فقہ خاص ہے اور فہم عام ہے۔ حکم کی مراد اس کے کلام سے

سمجھ لینے کا نام فقہ ہے اور وضع سے نکتہ میں جو بھی مفہوم ہوتا ہے فقہ اس پر تدریس اور ہے۔ اور متکلم کے کلام سے اس کی مراد سمجھنے میں لوگوں کے مراتب متفاوت ہیں اور اس تفاوت کی وجہ سے فقہ اور علم میں لوگوں کے مراتب متفاوت ہو جاتے ہیں۔ سمجھ کر ائمہ کے فقہ اور فقہ کا رتبہ بہت اعلیٰ تھا اس لیے وہ کسی امر کے اذن و راجح پر وقت سے استدلال کرتے تھے۔ چونکہ وہ امر ایسے وقت کیا جا رہا ہے کہ وہ زمانہ وہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کے کرنے پر انکار نہیں فرمایا اس لیے وہ امر مباح و درجہ سے۔ صریح کرامت کا یہ استدلال اس کی مراد پر استدلال ہے کہ اس امر کو مباح سمجھا گیا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ باطل پر ثابت نہیں رکھتا ہے۔ اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ سیدہ خدیجہؓ اللہ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا کہ آپ کو اللہ بھی رسوا نہ کرے گا اس لیے کہ آپ صدیقی مرتے ہیں تو میں نے وہ جو تھے ہیں مہمانوں کی میافت تاتے اور مرتے ہیں اور حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ مدد کرتے ہیں اور جس کی یہ شان ہے اس کو اللہ عزیز و رحیم اور اتمہ ان کمین بھی رسوا اور شیطاں کو اس پر مسلط نہیں کرے گا۔ سیدہ خدیجہؓ کا یہ استدلال حضورؐ کی نبوت پر حضورؐ کی بعثت سے پیشتر ہے اور سیدہ خدیجہؓ نے یوں سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت محسنین کے جزو ضائع نہیں کرتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اساء و صفات سے مذکور و شامل معاف اور فضل و سامنے رہ کر سیدہ خدیجہؓ نے حضورؐ کی صحت نبوت پر استدلال کیا ہے اور اس کی مراد سمجھا ہے۔ صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حضورؐ کی مراد کو جانتے تھے۔ آپؐ کی اتباع کرتے تھے اور آپؐ کی مراد اور مقصود کی معرفت کے سرور جتے تھے متکلم کی مراد کا علم بھی عموم غلط سے ہوتا ہے اور بھی عموم علت سے۔ باب الغلط صوف عموم لفظ سے متکلم کی مراد کو سمجھتے ہیں اور باب معانی فقہ تدریس اور عموم علت سے بھی متکلم کی مراد کو سمجھ لیتے ہیں۔

(علاء اللہ علیہ جلد ۱ ص ۱۶۱-۱۶۲)

قرآن و حدیث میں فقہ کی فضیلت

فقہ چونکہ قرآن و حدیث کے احادیث کی مبنی کاغوش اور اس کے محال کا متاشی ہوتا ہے اس لیے قرآن و حدیث میں فقہ اور فقہاء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُعْرِضُوا كَافَّةً فَلَوْلَا لَهْرٌ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ لِيُعْقِبُوا آلَ الْيَتِيمِ وَلِيُذَرِّعُوا إِذَا رَحِمُوا الْيَتِيمَ لَعَلَّهُمْ يَحْسُدُونَ۔ (سورہ بقرہ ۱۷۵)

”اور ایسے تو نہیں کہ جہاد میں سب مسلمان نکل کھڑے ہوں سوکھوں نہ ہو طبقہ سے ایک گروہ نکلے جو دین میں فقہ پیدا کریں (یعنی فقہ سنت سیکھیں) اور پھر جب وہ اپنے لوگوں کے پاس پہنچیں تو انہیں بتائیں تاکہ وہ بھیجیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امت میں ایک گروہ فقہ کا ضرور ہونا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کو دین کی باتیں بتائے۔ اسی طرح سورۃ النساء میں فرمایا کہ

وَإِذَا حُيِّئَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَالْحَوْفُ إِذَا عَاوَاهُ وَلَوْ رَدُّوا إِلَى الرَّسُولِ وَالْأُولَى الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّهُمْ يَسْتَغْنَوْنَ مِنْهُمْ۔ (النساء: ۸۳)

”اور ان کے پاس جب امن اور خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیرا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو جو لوگ ان میں اہل اشتباہ ہیں وہ بات سمجھ پاتے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالیؒ نے کئی مسائل کا اشتباہ کیا ہے بعض احکام حوادث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا حکم نصوص میں نظر نہیں آتا۔ ان کا حکم اشتباہ سے جانا جاتا ہے۔

اس آیت سے اشتباہ کا محبت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ عامی پر علماء کی تقلید احکام حوادث میں واجب ہے۔

جب قرآن حکیم سے یہ ثابت ہو گیا کہ فقہ فی الدین نہایت ضروری ہے اور کہا کہ ایک جماعت تحصیل فقہ میں لگی رہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ فقہ کتاب و سنت سے الگ نہیں بلکہ فقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی گہرائی میں پہنچے ہوئے مضامین کو تلاش کرنا اور ان کا سامنے آنا فقہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں مختلف مقامات میں فقہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف احادیث میں فقہ اور فقہ کی تعریف و تحسین فرمائی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ يَرِدُ اللَّهَ بِهِ عَمِيرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ

(ترمذی جلد ۲ ص ۸۹، مسلم جلد ۱ ص ۱۱۹، دارمی جلد ۱ ص ۸۵)

”حق تعالیٰ شانہ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں فقیہ بنا دیتے ہیں۔“

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانوی نے لکھا ہے
 ”لما سمعنا منہ کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے مگر فقیہ کو معلوم ہے کہ خدا کو ان کے ساتھ بھلائی منظور ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے ”مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ اللَّهِ هَبْهُ حَيْرًا بِفَقْهِهِ لِي الدِّينِ“ جس کے ساتھ خدا کو بھلائی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اس کو دین کی بھلائی عطا کرتے ہیں۔“

”اما محمدؐ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا ”اے محمدؐ! تجھ کو بخش دیتے ہیں“ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت فرمادیجئے۔ جواب ملا کہ اگر ہم تم کو بخش نہ دیتے تو فتنہ عطا نہ کرتے۔ ہم نے تم کو فتنہ اسی لیے عطا کیا تھا کہ تم کو بخش منظور تھا لیکن اس سے مامون العاقبت ہونا لازم نہیں آتا یعنی یہ نہ سمجھ جائے کہ فقیہ پر سو خاتمہ کا اندیشہ بالکل نہیں اس لیے مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں کیونکہ اگر حق تعالیٰ فقیہ کو عذاب دینا چاہیں گے تو فتنہ کو اس سے سب کر لیں گے۔“

(الشیخ: الحج المبرور جلد ۲ ص ۱۳۸)

ایک اور حدیث میں رشاد فرمایا اور یہ حدیث بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد“

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲ ابن ماجہ ص ۲۲)

”ایک فقیہ ہزار شیطانوں پر بھاری ہوتا ہے۔“

سیدنا ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ

صحابہ کرامؓ سے فرمایا

”ان رجلاً باتو منکم من اقطار الارض یعقہون فی الدین واداً توکم

فاسو صوا بہم غیراً۔“ (ترمذی جلد ۲ ص ۸۹ ابن ماجہ ص ۲۲)

”بے شک احرافِ عالم سے تمہارے پاس وہ آئیں گے تاکہ وہ دین میں فتنہ

حاصل کریں اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی نصیحت کرنا۔“
 بخاری میں جرجج راہب کا واقعہ مذکور ہے جس میں ہے کہ وہ اپنی عبادت میں مشغول تھا کہ اس کی والدہ نے اسے تین دفعہ آواز دی اس نے والدہ کو کوئی جواب نہ دیا اور اپنی عبادت میں مصروف رہا۔ ماں نے اسے بدعادی۔ وہ عبادت میں لگا رہا اور والدہ کی آواز کی اہمیت کو نہ سمجھ سکا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لو کان جرجج راہب فقیہاً عالمناً لعلم ان احابۃ امہ خیر من عبادۃ ربہ۔“

(بخاری جلد ۱ ص ۱۶۱)

”اگر جرجج راہب فقیہ عالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ماں کی آواز کا جواب دینا خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے پتہ چلا کہ ہر عالم فقیہ نہیں ہوتا اور جو فقیہ ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں عالم ہوتا ہے کیونکہ وہ کلام کی گہرائی میں پہنچ کر اس کے معانی کو تلاش کرتا ہے۔

سیدنا جابر بن مطعمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”مَنْ سَمِعَ عِدًّا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاظَنِي اِذَا هَا اِلَيَّ مِنْ لَمْ يَسْمَعْهَا فَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ لَا فِقْهَ لَهُ وَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ اِلَيَّ مِنْ هُوَ الْفَقْهَ مَعَهُ۔“

(دارمی جلد ۱ ص ۷۵ ابن ماجہ ص ۳۱)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و غم رکھے جس نے میری بات سنی اور اس کو خوب یاد کیا پھر وہ بات ان لوگوں کو سنائی جنہوں نے وہ بات مجھ سے نہیں سنی تھی کیونکہ بہ اوقات حاملِ فتنہ (راوی حدیث) تو ہیں لیکن انہیں فقاہت حاصل نہیں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاملِ فتنہ امی وجہ کا فقیہ نہیں ہوتا اور وہ روایت اس شخص تک پہنچا دے گا جو اس سے فتنہ نہ لے گا۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت کا اصل مقصد ان سے فتنہ حاصل کرنا ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ راوی حدیث کے پاس وہ حدیث ہو جس میں فتنہ ہو اور خود راوی صاحبِ فتنہ نہ ہو۔ اس لیے وہ حدیث دوسروں

کو پہنچا دے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسرے بھی اس سے استفادہ کریں۔ اور اگر وہ خود فقیہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقیہ ہو اور وہ اس حدیث سے زیادہ مسائل استنباط کر سکے جس سے دوسروں کو زیادہ فائدہ ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ فقہ فی الدین ایک بہت بڑی خوبی ہے اور یہ خوبی حق تعالیٰ شانہ خاص خاص لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہو پاتیں۔ ایک حسن سیرت اور دوسری تھقف فی الدین۔ (حسن سمت ولا فقہ فی الدین) (ترمذی جلد ۱ ص ۹۳)

اور شاید اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے لیے جو دعائیہ روایت حدیث کی نہیں تھی بلکہ تھقف فی الدین کی تھی۔ فرمایا

اللھم فقھ فی الدین و علم التاویل۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۲۸)

”اے اللہ! (امین عباس کو) تھقف فی الدین اور علم تفسیر عطا فرما۔“

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی شخص نے مجھ سے مسئلہ پوچھا تو میں نے جان لیا کہ وہ فقیہ ہے یا غیر فقیہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵ ص ۳۱۲)

فقہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدنا عمر بن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے

تلفھوا قبل ان تسودوا قال ابو عبداللہ و بعد ان تسودوا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۷)

”تم سردار بننے سے قبل فقہ حاصل کرو“ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سردار بننے کے بعد بھی فقہ کو حاصل کرو۔

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں فقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور جو لوگ فقہ کے منکر ہیں وہ صحیح معنوں میں قرآن و حدیث کو نہیں سمجھ سکتے اور روایت حدیث کا اصل مقصد بھی تھقف فی الدین ہی ہے۔

لفظ اہل حدیث کا غلط استعمال:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ متقی تھے پرہیزگار تھے فقیہ تھے اہل ورع میں سے تھے مجتہد تھے سب کچھ تھے لیکن علم حدیث سے

ناواقف تھے اگرچہ بڑے بڑے محدثین آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے لیکن خود امام ابوحنیفہؒ حدیث نہ جانتے تھے اور بقول حضرت مولانا داؤد غزنویؒ اگر کوئی بڑا احسان کرے صرف اتنا تسلیم کرتا ہے کہ امام صاحب کو صرف سترہ احادیث آتی تھیں۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ سے کون سا صاحب علم ہے جو واقف نہیں۔ ان کے بارہ میں علی بن الدینؒ فرماتے ہیں ”عارایت احداً اعلم بالرحال منہ“ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۷۵) میں نے اسامہ الرجال میں ان سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا لیکن حافظ ذہبیؒ ہی فرماتے ہیں کہ

کان یحییٰ القطان یعنی بقول ابی حنیفہ۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۲)

”یحییٰ بن سعید القطان امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔“

پھر یحییٰ بن معین جو عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن ابی زائدہؒ اور معمر بن سلیمانؒ جیسے ائمہ حدیث کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابی داؤدؒ اور امام ابوذرہؒ جیسے محدثین کے استاذ تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ”یحییٰ بن معین ہم میں سب سے زیادہ علم اسامہ الرجال کے ماہر تھے۔“ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو کسی صاحب علم کے سامنے حقیر نہیں سمجھا سوائے یحییٰ بن معین کے۔ ان یحییٰ بن معین کے بارہ میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ فقیہی لحاظ سے خفی تھے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور بہت سے علم حدیث کے جہادہ فقیہ پہلو سے خفی المذہب تھے اور کیا وہ بھی اہل حدیث اور محدثین میں شمار نہ ہوتے تھے؟

لفظ اہل حدیث کا آج کل یہ کتنا غلط استعمال ہو رہا ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی شہدہ سے بھی ناواقف ہیں وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہہ رہے۔ اور بتایا یہ جاتا ہے کہ ہم چونکہ حدیث پر عمل کرتے ہیں اس وجہ سے ہم اہل حدیث ہیں حالانکہ آج تک کسی نے حدیث پر عمل کرنے والوں کو اہل حدیث نہیں کہا۔ دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو حدیث پر عمل نہیں کرتا۔ کیا شوافع حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ کیا امام مالکؒ کے پیروکار حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ کیا سعودی عرب کے حنبلہ جو حرم کی اور مسجد نبویؐ میں بیس تراویح پڑھتے ہیں بسم اللہ بالجہر کے قائل نہیں ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں کو تین ہی شمار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ حدیث پر عمل کرنے والے کو ”اہل حدیث“ کہنا یہ کوئی جدید اصطلاح ہے

کیونکہ قدیم اصطلاح میں تو اہل حدیث ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو علم حدیث میں ماہر ہوتے تھے نہ کہ حدیث پر عمل کرنے والوں کو چنانچہ حافظ وزیر یحیائی لکھتے ہیں:

ومن المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عني به وانقطع في طلبه
فهؤلاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا۔

(الروض الباسم جلد ۱ ص ۱۶۲)

”یہ بات مسلمہ ہے کہ اہل حدیث اس طبقہ کا نام ہے جو اس فن کے ورثے ہو اور ہر وقت اس کی طلب میں مشغول رہے۔ ایسے سب لوگ اہل الحدیث ہیں اگرچہ وہ کسی مسلک اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔“

لیکن آج کل اہل حدیث محدثین کا جھگڑنا نہیں بلکہ دو گٹ ہیں جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی نہیں کرتے صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں ان میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور چنے ان پڑھے بھی ہیں جو قرآن حکیم کا ظروہ بھی نہیں پڑھ سکتے حدیث کا جاننا اور سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ ان حضرات نے حریت فکر کے نام سے ایک تحریک جاری کی اور ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک قرار دے کر ایک مستقل مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری فرماتے ہیں:

”پچیسے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال سے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آتے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر غریب فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا دہائی یا ائمہ سب لیا جاتا ہے۔“ (الارشاد فی سبیل الرشاد: ص ۱۳)

مختصر یہ کہ آزادی فکر کی جو تحریک چلائی گئی تھی اس سے بڑے بڑے شکوے نکلنے شروع ہوئے۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ یہ فکر و نظر کی آزادی صرف علماء تک نہ رہی بلکہ اس کا دائرہ غیر علماء تک بھی پھیل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ مجتہدین کے دامن تک دست درازیاں ہونے لگیں۔ ان کے اجتہاد میں کیزے نکالے جانے لگے اور یہاں تک کہا جانے لگا کہ امام ابوحنیفہ کا دامن حدیث سے خالی تھا۔ ان کے قیامات خلاف اسلام تھے اور ان کے مقصدین محمدی اسلام کے

فائل نہیں بلکہ خفی اسلام کو مانتے ہیں۔ گویا۔ امام ابوحنیفہ کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مد مقابل جانا جانے لگا۔ یہ روش بڑی غلط تھی اور اس کے نتائج بڑے زہر آلود تھے۔ اس بات کو سب سے پہلے مولانا محمد حسین بنالوی نے محسوس کیا۔ کیونکہ فکر و نظر کی اس آزادی کی وجہ سے وہ اس سے پہلے اپنے دوست مرزا غلام احمد قادیانی کا انجام دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ، پور میں ایک مجلس اہل حدیث قائم ہوئی جس کا صدر مولانا محمد حسین بنالوی و نامزد کیا گیا۔ انہوں نے صدر المجمعین کی حیثیت سے یہ تجویز پیش کی کہ مجلس اہل حدیث کے ساتھ بریکٹ میں حنفیہ کا لفظ بڑھا دیا جائے۔ (ماہنامہ الہدیٰ، ماہ دی قعدہ ۱۳۲۷ھ)

چنانچہ مولانا محمد حسین بنالوی لکھتے ہیں

”صدر المجمعین خاکسار چونکہ باوجود اہل حدیث ہونے کے خفی بھی کہلاتا چار زرع تھا لہذا اس امر کا اظہار اپنے ماہوار رسالہ (اشاعت الہدیٰ) اور سراج الاخبار کے ذریعہ کر دیا۔ یہ امر ۱۳۲۷ھ سے روحانی فرزند (مولانا ثناء اللہ امرتسری) کو جوانوں کو جو صرف اہل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ خفی وغیرہ کہلاتا پسند نہیں کرتے تا گوار گذار اور انہوں نے خاکسار کے اس اظہار کے خلاف اپنے اخبار اہل حدیث میں یہ نوٹ شائع کر دیا۔“

مولانا محمد حسین بنالوی نے کی بات کا مطلب یہ تھا کہ تقلید کی بندش کی نہ کسی حد تک ہونی چاہیے فکر و نظر کی یہ آزادی جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی دینی جاسی کا باعث بنی اس طرح دوسرے علماء کی مبادی کا باعث نہ بن جائے لیکن مولانا ثناء اللہ نے ان کی اس بات کی مخالفت کی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مولوی عبد اللہ چکرا لوی اہل حدیث امام مسجد چینیان، بونہ نے اسی ترک تقلید کے باعث انکار حدیث کر دیا تو پھر مولانا ثناء اللہ صاحب میں بھی قمری تبدیلی رونما ہوئی۔ چنانچہ اپنی اس قمری تبدیلی کو مولوی عبد اللہ چکرا لوی کے بارہ میں ان الفاظ کا جامہ پہنایا۔

”جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحد بھی طے ہو جانے کا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رہنے نکالنا شروع کر دیں گے۔ اور جب تک لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ کو تادمہ کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔“ (صدی ثانیہ جلد ۱ ص ۲۸۰)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی ایک علمی شخصیت تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ترک تہذیب نے لوگوں کے حرا جوں کو خراب اور رہنوں کو دراز کر دیا ہے اور چند فردی اختلافات نے ائمہ مجتہدین کے بارہ میں بعض لوگ رہبان و رازنی کر رہے ہیں اور انہی فردی مسائل کو سارا دین سمجھنے لگے ہیں اور مقلدین کو برا سمجھ جانے لگا ہے اور عبدالحق بنارس اور ابو الحسن محی الدین جیسے نو مسلموں نے (جو اصلاً ہندو تھے) مسلمانوں کی صفوں میں تشدد و انتشار پھیلا کر شروع کر دیا ہے اور تحریک حریت فکر خط شاہراہ پر چل نکلی ہے تو انہوں نے بڑی حسرت اور نہایت افسوس سے لکھا:

”اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور رہا کار فرق زمین سے نکلا ہے۔ (نواب صاحب نے ”نبشت“ کا غلط استعمال کیا ہے) جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لیے قرآن و حدیث کا علم اور اس پر عامل ہونے کا دعویدار ہے حالانکہ اہل علم و عمل اور اہل عرفان سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ فرق ”علوم آریہ“ سے جا مل اور نا آشنا ہے جن سے آشنائی ایک طالب حدیث کے لیے اس فن کی تکمیل کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فرق ”علوم عالیہ“ سے بھی جا مل ہے جن کے بغیر سنت کی شاہراہ پر چلنے کی کوئی گنجائش نہیں مثلاً صرف ”خوافت“ معانی اور بیان چہ جائیکہ دوسرے کمالات ان میں پائے جائیں اسی لیے تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ یہ محض الفاظ حدیث کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں اور حدیث کے فہم اور اس کے معانی و مفہیم میں غور و فکر کرنے کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ ان کا خیال یہ ہے کہ محض الفاظ حدیث کو نقل کر لینا ہی کافی ہے حالانکہ یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے کیونکہ حدیث سے مقصود تو حدیث کے فہم اور اس کے معانی میں غور و فکر کرنا ہے۔ نہ صرف الفاظ حدیث کی نقل پر اکتفا کر لینا۔ پس سب سے پہلے تو حدیث میں اس کا سننا ہے پھر اس کو زبانی یاد رکھنا ہے پھر اس کو سمجھنا ہے پھر اس پر عمل کرنا ہے اور پھر اس کی نشر و اشاعت ہے۔ اور ان لوگوں نے فقط حدیث کو سن لینے اور اس کی نشر و اشاعت پر اکتفا کر لیا ہے حدیث کے یاد کرنے اور سمجھنے کے بغیر۔ حالانکہ اس پر

اکتفاء و اختصار کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس حدیث اس زمانہ میں بچوں کو پڑھنا پڑھانا ہو گیا ہے نہ کہ اصحاب یقین کا وہ اپنی غفلتوں میں بہکتے پھر رہے ہیں۔ امام غزالی نے ابوسفیان سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ زائد بن احمد کی مجلس میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلی حدیث جو ان سے سنی دوسرے کا رد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ آدمی کے اسلام کی اچھائی اور اس کے حسن میں سے ہے اس کا بے کار کاموں کو چھوڑ دینا۔ آپ یہ حدیث سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا مجھے یہی حدیث کافی ہے۔ جب میں اس سے فارغ ہوں گا تو دوسری حدیث سنوں گا۔ عقل مند لوگوں کا سامع ایسا ہوتا تھا۔ وہ یہ جا مل تو ان کا حدیث کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک صرف یہ ہے کہ یہ لوگ چند ایسے مسائل کو اختیار کر لیتے ہیں جو عبادات کے اندر مجتہدین اور محدثین کے مابین اختلافی ہیں (جیسے رفع الیدین آمین بالجہر فاتحہ ظلف الامام و غیرہ۔ ظفر) معاملات سے متعلق مسائل جو کہ روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور ان کے سارے کا سارا اتباع حدیث فقط یہ ہے کہ یہ اس اختلاف کو نقل کرتے رہتے ہیں جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے درمیان عبادات کے اندر واقع ہوا ہے نہ کہ معاملات کے اندر آئی لیے یہ لوگ اس باب میں ائمہ حدیث کی جانچی پرکھ سے بے بہرہ اور معاملات کے بارہ میں حدیث کی کچھ بوجھ سے واقف ہیں۔ ایسے ہی سنن اور اصحاب سنن کے اسلوب اور طریقہ کے مطابق کسی ایک مسئلہ کے استخراج اور کسی ایک حکم کے استنباط پر بھی قادر نہیں ہیں۔ اور انہیں اس کی توفیق بھی کیسے ہو کہ یہ حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع خرق پر اور سنت کی اتباع کے بجائے شیعہ کی توسیلات پر اکتفاء کرتے ہیں اور پھر اس کے مین دین ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور وہ اس بات پر خوش ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔ اور یہ ان میں سے ہر ایک کی عادت ہے۔ امیر ہویا فریب تہمت ہو یا پیادہ میں نے ان کو بار بار آزمایا لیکن میں نے ان میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جسے صالحین کے طریقہ پر چلنے کی کوئی رغبت ہو یا وہ اہل ایمان کی سیرت کے مطابق چل نہ سکے۔ میں نے تو ان میں سے ایک کو مبینی

دنیا میں منہک اور اس کے رومی ساز و سامان میں مستغرق، جہ و جلال کو جمع کرنے والا، حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال کا حریص پایا۔ اسلام کی مناس اور شیرینی سے خان الذہن اور عام مسلمانوں کی نسبت شریر اور کینے لوگوں کی طرح بہت سنگدل پایا۔

نواب صاحب چند سطروں کے بعد پھر یوں فرماتے ہیں:

”بجدا یہ بات انتہائی تعجب خیز اور تحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موحّد مہر دانستے ہیں اور اپنے علاوہ دوسرے سب مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کا دیکھنا آنکھوں کی چھین اور گلوں کی ٹھنن جانوں کے کرب اور دکھ روجوں کے بخار سینوں کا غم اور دلوں کی بیماری کا باعث ہے۔ اگر تم ان سے انصاف کی بات کرو تو ان کی طبیعتیں انصاف کو قبول کرنے سے اجا کرتی ہیں۔ اس فرقے کی یہ سب صفات بیان کرنے کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں

فما هذا دين ان هذا الا فتنة في الارض و فساد كبير۔

”یہ کوئی دین نہیں ہے بلکہ یہ تو زمین میں ایک فتنہ اور فساد کبیر ہے۔“

(المحلہ ص ۱۵۲-۱۵۵)

اسی جماعت اہل حدیث کے ایک اور عالم اور صحاح ستہ کے مترجم مولانا وحید الرحمن صاحب حیدر آبادی نے فکر و نظر کی اس بے راہ روی کو محسوس کیا اور تقلید کے بندھن سے آزاد اور فکر و رائے کے اس انتشار کے نتائج سے آشنا ہونے کے بعد غم اور تاسف کے طے جلے جذبات سے یہ لکھا

”غیر مقلدین کا رواد جو اپنے تئیں اہل حدیث کہلاتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پروا نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہؓ اور تابعینؓ کی قرآن شریف کی تفسیر صرف لغت ہے۔ اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔“

(وحد اللغات و حیات و وحد الرمال ص ۱۰۲)

اس زمانہ کے ایک اور جید اہل حدیث عالم مولانا عبدالحامد غازی پورنی نے بھی اس

تحریک آزادی فکر کے نتائج بد کو محسوس کرتے ہوئے لکھا

”اس زمانہ کے جموں نے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقتاً جاہل بہ الرسول سے جا مل ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے شیعہ اور روافض کے جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دبیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دبیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ مخالفین کے عینہ مثل اہل تشیع کے۔“

(کتاب التوحید والسنہ فی رد اهل الاحاد والبدعہ ص ۲۶۲)

اس بارہ میں کہیں تک لکھا جائے کیونکہ جب فکر و رائے اس قدر آزاد ہو جائے تو پھر نہ صرف سلف صالحین پر تاہز توڑ چلے ہوتے ہیں بلکہ پھر انہوں کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں بھی برداشت نہیں ہوتیں اور ہر آدمی خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم اپنی رائے کے خلاف کوئی کام ہوتے دیکھتا ہے تو حد ادب کی تمام سرحدیں پھلانگ کر ہر شخص کی پگڑی اچھائی شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر کسی کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ سلف صالحین کے دامن علم و عمل پر جو دست درازی ہوئی تو اب انہوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ شروع ہوا اور ہر بلا کا دامن عزت و عظمت تار تار ہونے لگا۔ غزنوی خاندان نے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے خلاف ”اربعین علی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب ائمہ شیعہ“ لکھی جس میں یہ ثابت کیا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مذہب شیعہ کے مذہب سے مٹ گئے ہیں بلکہ مولانا عبدالحامد غازی پورنی نے تو ”اظہار کفر ثناء اللہ جمیع اصول آمنت باللہ“ کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ اول الذکر کتاب میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کے علاوہ دوسرے بھی کئی علماء اہل حدیث نے تائیدی دستخط کیے جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ علاوہ انہیں مولوی محمد جونا گڑھی نے مولانا عبد اللہ روپڑی کے بارہ میں ایک کتاب لکھی جس میں انہیں بدعتیہ، علم دین بلکہ دین سے ناواقف قرار دیا۔ حضرت مہاشن محمد حسین صاحب کے ایک شاگرد اور مولوی محمد جونا گڑھی کے استاذ مولانا عبدالباقی ملتان کے خلاف بانوے اہل حدیث علماء نے دستخط کر کے کہا کہ یہ بدعتی امامت گمراہ ہے اور مسلک اہل حدیث سے خارج ہے۔ باقی

مذہب کی رہی کسی سرسبز کھوٹ کے خیمہ محمد صادق نے اپنے استاد محترم جناب مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے خلاف "ایک مدعی امارت سے شرعی استفتاء" لکھ کر پوری کردی جس میں انہوں نے دنیا کی ہر برائی اپنے اس استاد محترم میں ثابت کر دی۔ اس قسم کا پمفلٹ مولانا میر کے کسی مخالف کو نکالنے کی بھی جرأت نہ ہوئی جو جرأت ان کے شاعر نے کی۔ قلم کو وہ تمام عیوب لکھنے کی بھی تاب نہیں جو ایک شاعر نے اپنے استاد میں نکالے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی شیعہ کے رؤساء اور علماء میں سے تھے۔ ان کی زندگی ہر شخص کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھی اس پمفلٹ (ایک مدعی امارت سے شرعی استفتاء) سے ان کی شان میں تو کوئی کمی واقع نہ ہوئی لیکن خیمہ صادق کی اس گستاخانہ جرأت سے ہر شخص نے یہ اندازہ لگایا کہ نصف صدی پیشتر ترک تقلید اور فکر و نظر کی آزادی کے نام سے جو ختم ریزی کی گئی تھی یہ سب اسی کے برہ و بار ہیں جس سے نہ صرف سلف صالحین کے دامانوں کو طعن و تشنیع کے تیروں سے خون آلود کیا گیا بلکہ اب ان کے اپنے بڑوں نے دامن بھی ان زہر آلود اعتراضات سے تار تار ہو گئے ہیں۔

تن ہم داغ داغ شد چہ کجا کجا خیم

اس تحریک آزادی فکر اور ترک تقلید نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھلا دی کہ اب ہمیں حریت فکر کی ماوراء پر آزادی حاصل ہو گئی ہے لہذا اصحاب کرام، سلف صالحین اور خود اس تحریک کے داعی حضرات پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ آپ حیران ہو گئے ہوں گے کہ ایک شاعر نے جو بمنزلہ بیٹے کے ہوتا ہے اپنے استاد پر جو بمنزلہ باپ ہوتا ہے ایسے گستاخانہ الزامات لگائے جن کو کان سننے اور آنکھیں پڑھنے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن یہ سب نتیجہ ہے ترک تقلید کا جو مولانا محمد اسماعیل صاحب سنی کے نزدیک تحریک آزادی فکر ہے۔ گویا تقلید مقلدین کو فکر و نظر کی پابندیوں میں جبرتی ہے جب کہ ترک تقلید اسلاف کی پابندیوں سے یک قلم آزاد کرتی ہے اور بزرگوں اور سلف صالحین کی عزتوں سے جو صیاد کیا وہ ترک تقلید کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔

بات چچھ بھی ہوتی جا رہی ہے اور میں اس کو زیادہ طویل نہیں دینا چاہتا لیکن صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ پر جو بعض حلقوں کی طرف سے حدیث رسوں سے تائیدی اور قلت حدیث کا جواز اہم کیا گیا تھا وہ بھی اسی ترک تقلید یا تحریک حریت فکر کا نتیجہ

تھا۔ اور یہ الزام لگا کر حضرت امام صاحب کی شخصیت کو چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جس کے علم و دور رس اور زہد و تقویٰ اور تقاہت و اجتہاد کی شہادت سلف کے علمی جبابذہ نے دی ہو موجودہ دور کے علمی بائیسے ان کی شخصیت کو کس طرح چھوٹا ثابت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی کو انہوں نے "امام اعظم اور علم الہدیت" لکھ کر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے یہ ثابت کر دیا کہ امام اعظم کا علم الہدیت میں ایک خاص مقام تھا اور اس مقام کا حصول دوسرے محدثین کے لیے ناممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بیشتر آبادی امام ابو حنیفہ کی مقلد رہی ہے اور آج بھی ہے۔ بڑے بڑے محدثین نے آپ کے قول کے مطابق فتوے دیئے بلکہ امام ابو حنیفہ سے اپنی نسبت کو وہ باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے کارمین کرام پر تاریخ کے کئی ایسے جہروں کے کلیں سے اور امام ابو حنیفہ کی شخصیت کے کئی ایسے واقعات ان کے علم میں آئیں گے جن سے وہ آج تک ہوا واقف و آشنا تھے۔ اور حضرت مولانا کاندھلوی کی تحقیق کی داد دیے بغیر وہ نہیں رہ سکیں گے۔

محتاج دعا

حکیم محمود احمد ظفر

مبارک پورہ، سیالکوٹ

ایک نورانی صورت بزرگ ہستی پیدا ہوا جس میں جلوہ افروز ہے۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ میں نے مؤدبانہ انداز میں دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم اشہار بیہ میں کتنے عرصے سے قیام پذیر ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے غالباً اٹھارواں سال ہے۔

میں نے یہ جواب سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا دو روز تک اسی پریشانی میں وقت گزرا۔ تیسرے دن میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ اس خواب کے بعد میرے قلب میں امام اعظم کی محدثانہ شان اور علم حدیث میں ان کی عظمت کے موضوع پر کام کرنے کا اہمیت رونما ہوا اور اس داعیہ کا اپنے دوستوں میں اظہار بھی کر دیا۔ جب میں نے اپنے احباب کو یہ بات بتائی تو میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو تیرہ برس تک التوا میں گزارا ہے گا۔ لیکن حالات و واقعات کچھ اس طرح بن گئے۔

ارمغان ایمان:

جیل سے باہر آتے ہی دوستوں کے اصرار سے ارمغان ایمان پر نظر ثانی کی۔ مکتبہ قاسمہ سیالکوٹ نے اس کی طاعت کا اہتمام کیا۔ اس سے فراغت ہوئی تو دارالعلوم کی انتظامیہ اور انتہائی مصروفیت سدرا ہو گئیں۔ نئے انداز پر نئے طرز کے اسکول کا آغاز کیا۔ پرائمری پھر مل۔

اسلام کا نظام اذکار:

اسکول کی انتظامیہ مصروفیات ہی میں اسلام کا نظام اذکار نامی کتاب کی طاعت کا مرحلہ بھی پیش آ گیا۔ اس کے لیے جب مکتبہ قاسمہ سیالکوٹ نے کمر بستہ باندھی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ پوری کتاب پر نظر ثانی کی جائے۔ اصل کتاب صرف ۸۷ صفحات پر مشتمل تھی۔ نظر ثانی میں کتاب کی ضخامت ساڑھے تین سو صفحات سے زائد ہو گئی۔

نقوش زنداں:

جیل کی زندگی میں کچھ وقت خود ہی تفریح طبع کے لیے مقرر کر رکھا تھا ورتق یہ ہوتی تھی کہ روزانہ قلم کی زبان سے کسی عزیز کسی دوست اور کسی بزرگ کو خط لکھ کرے جو چھ مئی میں آتا تھا لکھ دیتا۔ مختلف بزرگوں عزیزوں اور دوستوں کے نام لکھے ہوئے یہ خط میرے



باسمہ سبحانہ:-

۱۹۵۳ء میں جب مرزا نیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک میں نظر بندی کے ایام سیالکوٹ جیل میں گزارا رہا تھا۔ میرا جی چاہا کہ علم حدیث میں امام اعظم کی جلالت قدر اور اس میں ان کی عظمت کو شاہراہ عام پر لادوں اور یہ تمنا اس لیے ہوئی کہ جیل ہی کی زندگی میں ایک روز صبح کی نماز کے بعد اذکار مسنونہ میں مشغول تھا کہ اچانک میری جیل کی زندگی کے دو فیٹ میرے کمرے میں آئے۔ ان میں سے ایک کو میرے سے عقیدت اور دوسرے کو عقیدت نہیں مگر کمند کی نسبت حاصل تھی۔ بغیر کسی تمہید کے دونوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم اشہار بیہ میں کس قدر عرصہ سے رہتے ہیں؟

میں نے جواب بتایا کہ

۱۵ فروری ۱۹۳۷ء میں دارالعلوم اشہار بیہ سے وابستگی ہے اور اب ۱۹۵۳ء ہے حساب کر لو غالباً اٹھارواں سال ہے۔

اٹھارہ کا لفظ سنتے ہی دونوں کچھ چونک سے گئے اور باہم آنکھوں آنکھوں میں تپنے کرنے لگے میں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ

میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ میں دارالعلوم گیا ہوں۔ دارالعلوم کا کتب خانہ بڑا شاندار ہے۔ شیشہ لگی ہوئی خوبصورت اماریاں ہیں۔ کتب خانے میں

مکس میں محفوظ تھے۔ میرا معمول تھا کہ جو کچھ بھی نکلتا تاریخی ترتیب کے ساتھ مکس میں رکھ دیتا۔ بیل سے آنے کے بعد کافی عرصہ یہ خطوط رکھے رہے۔ ایک روز میں نے یہ خطوط نکال کر مولوی محمد شریف قاسمی کو نقل کرنے کے لیے دیے۔ مولوی صاحب نے ان کو اس طرح نقل کیا کہ ان کا حسن و جمال دوبال ہو گیا۔ احباب نے پڑھے تو ان کی طبیعت کے لیے متقاضی ہو گئے۔ بلاخر قاسمیہ سائنسوں نے اس کی طبیعت کا بھی انتظام کیا۔

ان کاموں سے فراغت ہوئی تو انجمن دارالعلوم اشباہیہ نے اپنی مگرنی میں مختلف ادارے کھول دیے۔ پرائمری اسکول، نڈل اسکول، شعبہ حفظ قرآن، شعبہ علوم اسلامی، شعبہ تبلیغ، شعبہ نشر و اشاعت اور دارالافتاء۔ انتظامی و اجتماعی مشغولیتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ فرصت میرے لیے معدومات میں سے ہو گئی اور اس پر یہ سرکاری کراخراجات سے آہ کے وسائل ساتھ نہ دیتے تھے۔ یہ میرے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں پورا اثر ہے۔ انتظامی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمیختیں یک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ امام اعظم پر کچھ بھروسہ نہ تھا، بغیر ممکن نہ تھا اور زندگی کا سکون میرے لیے ملتا تھا۔ بار بار ایسا ہوا کہ کچھ سرمدیہ جمع کیا جو نئی ترتیب کے لیے تیار ہوتا تو انجمن دارالعلوم اشباہیہ کے مختلف اداروں کی پہلی ہوئی پریشانیوں سے طبیعت میں انقباض آ جاتا اور دوچار صغیر گھمبیر ہو جاتا۔

ستمبر ۱۹۵۵ء کی چھ تاریخ تھی کہ بھارتی حکمرانوں نے پاکستان پر ناپاک ارادوں سے حملہ کر دیا دارالعلوم کے تمام ادارے بند ہو گئے اور۔

حدود شرعے پر انگیز کہ خیر ماداں باشد

کے مطابق میں جس سکون کی تلاش میں تھا الحمد للہ مل گیا۔ تہائی اور ہاکل تہائی۔ میں اور میری رفقاء کت کا کام دارالعلوم کے کتب خانے کی کتابیں کر رہی تھیں۔ الحمد للہ ۱۹۵۷ء کی شب و روز محنت سے بعد امام اعظم اور امام الحدیث کی ہستی وجود میں آ گئی ضروری ہے کہ امام اعظم و امام الحدیث کے متعلق چند امور کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

کتاب کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ امام اعظم کی محدثانہ شان کو خود محدثین کی زبانی شہدہ دیا جائے۔ لیکن محدثانہ شان کو بتانے سے یہ موعظ نے محسوس کیا کہ حدیث سے تاریخی تعارف کے بغیر یہ بحث اصولی حیثیت سے ناقص رہے گا۔ اس لیے

اولا علم حدیث کا تاریخی چہرہ پیش کیا گیا ہے۔

مقدمہ کے پیش نظر جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے

اول کوشش کی گئی ہے کہ حدیث میں امام اعظم کی علمی زندگی کا کوئی گوشہ بغیر اشارہ و تشبیح کے نہ رہ جائے اور جن جن مقامات کے لیے تفصیلی بحث کی ضرورت محسوس ہوئی ان پر مستقل مباحث لکھے گئے۔ یہ مباحث بعض مقامات پر قدرے طویل ہو گئے۔ مثلاً حدیث میں امام اعظم کے اساتذہ پر پورے موصحات کا بحث ہے۔

جہول اور ضعیف دلوں سے روایت پر میں سطحوں میں تبصرہ ہے۔

تاریخ تدوین حدیث کا چونکہ امام اعظم سے خاص تعلق ہے اس لیے یہ بحث ۲۹۳ سے شروع ہو کر ۳۲۶ تک آگئی ہے۔ تصانیف کی تاریخ کے تذکرے میں کتاب الآثار پر مختلف حیثیتوں سے صفحہ ۳۲۷ سے ۳۷۶ تک بحث کی گئی ہے اور اس کے ساتھ حدیث کی دوسری کتابوں مثلاً مؤلف جامع معمر جامع سفیان کے ساتھ اس دور کی تصانیف کا پورا تاریخی خاکہ صفحہ ۳۱۲ تک پیش کیا گیا ہے۔

علم حدیث میں مسانید کی حیثیت اور تاریخ لکھ کر مسند امام احمد اور مصنف عبدالرزاق کی تاریخی اور علمی حیثیت کی نشاندہی کی ہے۔ تیسری صدی میں صحاح کی تالیف پر ایک تفصیلی نوٹ ہے۔

الفرض تمام موضوعات میں تفصیل و تکرار کا بھی انداز رہا ہے۔ بلاشبہ یہ تصنیف تاریخی کے لیے بار خاطر ہوں گی۔ مگر مولف اپنی افتاد طبع سے کچھ مجبور ہے۔ زبان قلم پر بات آنے کے بعد روکن مولف کے بس کی بات نہیں ہے۔

کتاب میں جو علمی مواد فراہم کیا گیا ہے اس میں مولف نے حوالہ کا التزام کیا ہے اور کتاب کے آخر میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست بھی شامل ہے۔ کام کی علمی نوعیت کے پیش نظر کتابوں کی نمایاں مولف کے لیے پریشان کن رہی ہے۔ اس پریشانی میں جس گرامی قدر شخصیت کی علمی محنتوں سے میں نے استفادہ کیا ہے اور جن کے لیے میرے روئیں روئیں سے دعائیں نکل رہی ہیں وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور ہیں۔ موصوف کی تصانیف مانس چ

الی بیت امام ابن ماجہ اور علم حدیث تعلیقات و راست تعلیقات ذب و ذب بات میری قدم قدم پر رہنمائی ہیں۔

مجھے اعتراض ہے کہ کتاب میں طبع انہماک کافی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کھینے کے بعد طباعت کے وقت دارالعلوم کے قلمی ادارے کھل چکے تھے۔ نہ میں تصحیح کر سکا ہوں اور نہ پروف پڑھ سکا ہوں اور نہ اس پر سمجھنے میں نظر کافی کر سکا ہوں۔ حتیٰ کہ کتاب کی فہرستیں مرتب کرنے کا بھی میرے پاس وقت نہیں تھا۔

فہرستوں کی ترتیب کے لیے میں عزیز امین اللہ دیوانی۔ اے پیکرِ بہار یونور شی کے لیے خصوص قلب سے دعا گو ہوں۔ انہوں نے بڑی تندی اور عرق ریزی سے کتاب کی فہرستیں مرتب کیں۔

آخر میں میں اپنے ان احباب کا بھی صمیم قلب سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میری سرف ایک آواز پر مصارف طباعت کے لیے مطلوب رقم پیش کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ جو اہم اللہ۔

معذرت :-

تمام خامیوں کے باوجود وقت کی تنگی اور مدیم الفرضی قدم قدم پر میرے خیانت کو میری خواہش کے مطابق عمل جامہ پہنانے میں مانع رہی ہے۔

چونکہ ۱۹۶۶ء میں اس کتاب کو پیش کرنے کا اعلان ہو چکا تھا اس لیے کام کی رفتار تیز رکھنی پڑی سو دے کو میرے ایک عزیز مولوی محمد شریف قاسمی صاف کرتے تھے میں اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالتا تھا ورنہ کتاب کے حوالہ کرنے کو بہرہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ اسکی حالت میں گزشتہ کا استحصار رہن مشکل تھا۔ اس لیے عنوانات میں جس قدر ترتیب کا حسن قائم رہنا چاہیے تھا۔ قائم نہیں ہو سکا۔ ارباب علم سے استدعا ہے کہ وہ اپنی منعفات علمی تنقید سے مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں اس کا خیال رکھا جائے۔ اللہم تقبل منا امک انت السميع العليم۔



الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفى سب سے پہلے ایک ارشادِ بانی اور ایک حدیث سن لیجئے۔ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں:

قل هذه مبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعي وسبحان الله وما انا من المشركين۔ (۱)

”کہہ دو میری راہ تو یہ ہے کہ میں روشنی کی بنا پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی وہ بھی اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی پاکی ہو میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔“

ارشادِ بانی کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے۔ کہ اے ظہیر کہہ دو۔ کہ میری راہ تو یہ ہے کہ میں اسی روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے۔ اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ حافظ (۲) ابن کثیر فرماتے ہیں:

كل من اتبع يدعوا الى مادعاه صلى الله عليه وسلم۔ (۳)

”جو شخص بھی حضور کا پیروکار ہے اس کا کام اسی بات کی دعوت دینا ہے۔ جس کی حضور انورؐ نے دعوت دی ہے۔“

(۱) پارہ ۳ آیت ۱۰۸۔ (۲) ابوالفداء کنیت عبداللہ بن لقب اسامی بن عمر بن کثیر نام ہے۔ سب قرشی وطن دمشق ہے۔ ولادت ۱۰۷۰ء میں بمقام کھل ہوئی حافظ جمال الدین الحزلی ۴۳۰ھ حافظ ابن تیمیہ ۴۶۸ھ حافظ شمس الدین ۴۸۸ھ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے۔ ابن امیر حبشی حافظ ابن حجر حافظ سیوطی حافظ ابن ترقی اور شیخ ابن ناصر نے ان کے مناقب لکھے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۴۷۰ھ میں وفات ہوئی۔ مسلک کے لحاظ سے شافعی ہیں۔ (۳) تفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ج ۳۔

اس آیت میں دعوت کو دونوں کا کام بتایا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جیسے آپ کی پیروی کرنے والے آپ کے ساتھ دعوت میں شریک ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ دعوت دینا نبی کا کام اللہ کا نبی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور مومن کا صرف اتنی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نبی کا قبیح اور پیرکار ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایسے ہی اطاعت میں بھی دونوں شریک ہیں۔ لیکن نبی کی طاعت نبی ہونے اور اس کے معصوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اتنی کی طاعت قبیح رسول اور مجتہد ہونے کی وجہ سے ہے۔ شاطبی نے الموائقات میں لافانی نے احکام میں اسے عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

اجتماع محبت کی نشانی ہے:

بات بڑی معنی خیز ہے۔ اور اس کی معنویت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب اس پر غور کیا جائے کہ نبوت کے اس کام میں نبوت کی اجتماع کرنے والے شریک ہیں۔ صرف ایمان لانے والے نہیں۔

اجتماع کے موضوع پر قرآن نے یہ بات کھول کر بتائی ہے کہ اللہ سبحانہ کی محبت کی نشانی نبوت کا اجتماع ہے۔ اور جو اس نشانی کو قائم کرنے میں پورا اترتے ہیں اللہ سبحانہ ان کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ سبحانہ ان کی گناہوں سے حفاظت فرماتے ہیں ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم۔

”کہہ دو تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو محبوب بنا لے گا اللہ تعالیٰ تم کو اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اللہ بڑا بخشنہار اور رحم کار ہے۔“ (۱)

(۱) اس آیت میں محبوب الہی کے دعویٰ کی جانچ کے لیے کیا اچھا معیار بتایا ہے۔ یعنی اجتماع رسول۔ جو جتنا قبیح رسول ہوگا۔ اسی قدر اس کی محبت الہی کا دعویٰ زیادہ مجبور و مسلم ہوگا۔ اس کو اسی بنا پر آیت امتحان کہتے ہیں۔ ابوسلمان الدربنی کہتے ہیں جب لوگوں نے محبت کے بلند بانگ دعوے کیے تو اللہ سبحانہ نے ﴿باقی ص ۱۱۳﴾

جو بات یہاں شرط و جزا کے پیرائے میں کہی گئی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ اجتماع کی سرشاریاں دیکھ کر یہی بات مقام مدح میں بولی گئی ہے۔ بحبہم و بحسبہم اور تمہیں رحمتی اللہ عنہم و رضوانہ۔

آیت دعوت کا اجمال اور اس کی حدیث سے تشریح:

آیت دعوت نے یہ بات کھول دی ہے کہ نبوت کی پیروی کرنے والوں کا کام نبوت کے کام میں ہاتھ ملاتا ہے۔ لیکن آیت ہاتھ ملانے کی نوعیت میں مجمل ہے اس اجمال کے چرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقاب اٹھائی ہے۔

”حضرت ابوموسیٰ اشعری (۱) کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہدایت اور دین اللہ سبحانہ نے مجھے دے کر روانہ فرمایا ہے۔ اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی زمین کے ایک حصے نے جو بہت عمدہ تھا خوب پانی پیا گھاس اور سبزہ اچھا اگایا۔ اور ایک حصہ جو بخر تھا اس نے پانی کو سمیٹ لیا۔ اس کے ذریعے اللہ سبحانہ نے دوسروں کو قائم و پھنپایا خود پانی پیا دوسروں کو پلایا۔ لیکن زمین کا ایک حصہ جو چمیل تھا اس نے نہ پانی روکا۔ اور نہ گھاس اگایا۔

﴿بقیہ ص ۱۱۲﴾ آیت محبت مازل کی اس آیت میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ دلیل محبت اور فائدہ محبت۔ محبت الہی کی علامت اگر اجتماع رسول کو قرار دیا۔ تو محبت کا فائدہ یہ بتایا کہ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

(۱) امام عبد اللہ بن قیس کہتے ابوموسیٰ ہے۔ فتح خیبر کے زمانے میں مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے۔ حضور انورؐ نے ان کو حضرت معاذ کے ساتھ یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر ہے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ۔ بصرہ کے شہریوں کے قرأت اور فقہ میں استاد ہیں۔ امام قسری فرماتے ہیں کہ علم کا ماحذ صحابہ میں چھ بزرگ ہیں۔ عمرؓ علیؓ ابی بن مسعودؓ زیدؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔ صفوان بن سلیم فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوت میں یہ چار فتویٰ دیتے تھے۔ عمرؓ علیؓ معاذؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔ آوار اتنی اچھی تھی کہ قرآن پڑھتے تو سماں بند جاتا حضور انورؐ نے ایک دفعہ قرآن سنا تو فرمایا تقداتی حرا من حرا میرال داؤد سے ۳۳ ہادی الحجۃ کے مہینے میں انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الخلفاء ص ۳۳ ن ۱)

یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ سبحانہ کے دین میں تغلق کیا اور اللہ سبحانہ نے اسے دین سے فائدہ دیا۔ اس نے خود سیکھا۔ اور دوسروں کو سکھایا۔ اور اس شخص کی مثال ہے۔ جس نے دھرم سرائی کر نہیں دیکھا اور ہدایت ہی کو قبول نہیں کیا جسے مجھے دے کر روانہ کیا گیا ہے۔"

اس حدیث کی مخریج امت اجابت یعنی مسلمان ہیں نہ کہ امت دعوت یعنی عام انسان اسی بنا پر حضرت امام بخاری نے کتاب العلم میں عالم بننے اور عالم بنانے کی فضیلت کا عنوان قائم کر کے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم ہونے اور علم سکھانے کی فضیلت کا مقام ایمان سے پہلے نہیں بلکہ ایمان کے بعد ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ حق و باطل کی آویزش میں حق کے بقا کا کیا قانون ہے۔ اور نبوت کی لائی ہوئی ہدایت کیسے ہوتی رہ سکتی ہے۔ اس نازک اور دقیق حقیقت کے لیے ایسی صاف اور علامت الورد مثال پیش کی ہے۔ جس کے معنی سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں۔ فرمایا جب پانی برستا ہے۔ اور زمین کے لیے شادابی اور گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے۔ تو تم دیکھتے ہو کہ زمین بارش کے پانی سے فائدہ اٹھانے میں تین حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔

(الف) پانی کو چس کر پیداوار کرنے والی زمین۔

(ب) پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین۔

(ج) ناقابل کاشت اور ناقابل ذخیرہ۔

ٹھیک ایسے ہی علم و ہدایت کی بارش کے لیے انسانی قلوب کی زمین بھی تین حصوں میں منقسم ہے۔

(الف) وہ جو قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔

(ب) وہ جو قرآن و سنت کے مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔

(ج) وہ جو نہ ذخیرہ رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی استنباط و استخراج کرنے والوں میں سے ہیں۔

پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین یعنی محدثین:

جو لوگ قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہیں یہ زمین کی وہ قسم ہے۔ جسے زبان نبوت نے

کہتے ہیں احادیث فصلت الماء فصع الله به الناس فشر بوا وسقوا ودرعوا۔

"زمین کا ایک حصہ جو بخر تھا اس نے پانی کو روکا اللہ نے اس سے لوگوں کو فائدہ دیا

لوگوں نے پانی پیا اور زمین سیراب کی۔"

سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قرآن و سنت کی بالذات گمرانی کرنے والے اور ان کے احاطہ

کو اس طرح سمیٹے ہوئے ہیں کہ ان میں بال برابر فرق نہیں آنے دیتے۔ یہ ہیں اصحاب

حدیث اور محدثین۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

قسم بستع بعین علمه دالک کاهل الحفظ والروایۃ۔ (۱)

"یہ وہ قسم ہے جس میں بالذات علم ہی سے فائدہ ہوتا ہے۔ جیسے محدثین اور اصحاب

روایت۔"

اس قسم کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها ووعاها وادها فرب حامل فقه الى

من هو الفقه منه۔ (رواہ الشافعی) (۲)

"خوش و غم رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات سنی اسے محفوظ رکھا اور پوری

حفاظت سے آگے روانہ کیا۔ بہت سے سمجھ کی بات رکھنے والے بات کو اپنے سے

زیادہ سمجھ دار تک پہنچاتے ہیں۔"

(۱) سندھی علی البخاری: ص ۳۶ ج ۱

(۲) یہ حدیث ان لفظوں میں بحوالہ ابن مسعود پہنچی میں ہے۔ بود واد ودرعوا میں الفاظ یہ ہیں

نضر الله امرأ سمع ما شئنا كما سمع فرب مبلغ ادعى من سامع۔ یہی حدیث سند بزاز

میں بحوالہ ابوسعید خدری صحیح ابن کحوال زید بن ثابت آئی ہے۔ نیز دوسرے صحابہ مثلاً معاذ بن جبل

نعمان بن بشیر جبیر بن مطعم اور ابوالدرداء کے حوالے سے بھی یہی حدیث مختلف الفاظ میں مختلف کتابوں

میں آئی ہے۔ یہ حدیث بھی خود بخاری ہے کہ علامہ دوسم کے ہیں۔ حفاظ اور فقہاء ہر حافظ حدیث فقیر نہیں

ہوتا۔ چنانچہ امام شافعی نے اس حدیث پر یہ خاص نوٹ لکھا ہے ول علی امہ فله حمل لفظہ غیر فقہ

یکون له حفظ ولا یکون له لفظہ۔ (الرسول ص ۵۵)

پانی سے پیداوار کرنے والی زمین یعنی مجتہدین۔

کچھ لوگ صرف پانی کی حفاظت ہی کا کام نہیں۔ بلکہ اس سے مسائل کے استخراج اور استنباط کا کام بھی کرتے ہیں اس کے ثمرات سے رائے عامہ کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ نتائج کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ یہ تمثیل میں زمین کی دو قسم ہے جسے زمین نبوت نے۔

نفیة قلبت الماء فانبت الکلا والعشب الکثیر۔

”صاف زمین جس نے پانی کو چوس لیا۔ اور پانی کے ذریعے گھاس اور زیادہ سے زیادہ میوہ اُگایا۔“

سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ قرآن و سنت کے پانی سے اپنی قوت اجتہاد کے ذریعے مسائل کے موتی نکالنے والے اور پانی کو نہیں بلکہ پانی کے نتائج کو شاہراہ عام پر لانے والے ہیں یہی ارباب اجتہاد و فقہاء کرام۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں: (۱)

قسم یستفیع بشمرات علمہ وتناجیہ کاہل الاجتہاد والا مستحراج۔ (۲)
”یہ وہ قسم ہے جس میں علم کے ثمرات اور نتائج سے فائدہ ہوتا ہے جیسے مجتہدین اور فقہاء۔“

اسی قسم کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من ہر اللہ بہ غیراً یفہمہ فی الدین۔ (۳)

”جس کے ساتھ اللہ سبحانہ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین میں فقاہت عطا فرماتے ہیں۔“

(۱) پر امام ابو الحسن نور الدین محمد بن مہدی ہے۔ سندھ میں مقام خضہ کے رہنے والے ہیں۔ اس کی نشوونما پانی قسیم تسم میں حاصل کی حدیث منوجہ جرت کر گئی۔ حرم نبوی میں ان کا درس حدیث خاص شہرت رکھتا تھا۔ (۲) ۳۳۳ھ میں وفات پائی اور بیعت میں دفن ہوئے۔ حدیث کی چھ کتابوں پر ان کے حدیثے ہیں۔ (۳) سندھی علی شہری میں ۲۶۹ھ میں۔ (۴) ۳۳۳ھ میں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے۔ ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ثمان سے۔ ترمذی نے معاذ بن جبل سے۔ ابوہریرہ سے۔ ابن ماجہ سے۔ ابن ابی شیبہ سے۔

کہتا یہ چاہتا ہوں کہ ارشاد نبوت کی روشنی میں ارشادات نبوت کا ذخیرہ رکھنے والے ہوں یعنی محدثین یا ارشادات نبوت اور قرآن سے مسائل نکالنے والے ہوں یعنی فقہاء دونوں اسلام کا سرمایہ علمی ہیں۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

ایک قسم وہ حفاظ ہیں۔ جن کا کام صرف روایات کو یاد رکھنا اور جیسی سنی ہیں۔ دوسری قسم آگے پہنچا دینا ہے۔ ان کا کام مسائل معلوم کرنا اور استنباط کرنا نہیں ہے۔ دوسری قسم ان علماء کی ہے جن کا کام محفوظ سرمایہ سے مسائل نکالنا اور احکام مستنبط کرنا ہے۔ پہلی قسم جیسے حافظ ابو زرعہ اور ابو حاتم۔ اور دوسری قسم جیسے امام مالک امام شافعی وغیرہ۔ خود سنی بہ میں بھی حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہ تقسیم موجود تھی۔ خود فرمائیے عبد اللہ بن عباس حرمت اور قرآن کے ترجمان ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ کی ان حدیثوں کی تعداد میں سے زیادہ نہیں ہے۔ جن میں ذاتی سماع اور دید کی تصریح ہو۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کے صرف فتاویٰ ضخیم جلدوں میں جمع کیے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی ان کے دریائے فقاہت کا ایک چلو ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ان کے مقابلے میں ابو ہریرہ ہیں۔ حفظ روایت میں علی الاطلاق حافظ امت تو ہیں۔ مگر حفظ اور استنباط میں ابن عباس کے پاسنگ بھی نہیں۔ حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہی تقسیم امت کو صحابہ سے وراثت میں ملی ہے۔ (۱)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

الفخر بیج علی کلام الفقہاء ونصب لفظ الحدیث لکل مہمہا اصل
اصیل فی الدین۔ (۲)

”فقہاء کے انداز پر حدیث سے مسئلہ نکالنا اور الفاظ حدیث کا تتبع و تلاش دونوں کی دین میں بنیادی حیثیت ہے۔“

دونوں اس ارشاد نبوی کا منطوق ہیں۔ محدثین بھی اور فقہاء بھی۔ یہ الفاظ دیگر اصحاب روایت بھی اور اصحاب روایت بھی۔

ائمہ اجتہاد کی طاعت ضروری ہے:

اسی بنا پر حافظ ابن قیم جوزی نے اعلام میں دونوں کو الفاظ نبوت کو آگے پہنچانے والے ہوں یا الفاظ نبوت کو سمجھنے والے ہوں یہ کہہ کر کہ

حضور انور کی جانب سے تبلیغ دو طرح کی ہے الفاظ نبوت کی تبلیغ اور معانی کی تبلیغ۔ بتایا ہے کہ امت محمدیہ کے علماء دو قسموں میں منحصر ہیں۔ ایک حفاظ حدیث۔ یہ امت سے راہنما اور مخلوق کے پیشوا ہیں۔ جنہوں نے امت کے لیے دین کو محفوظ رکھا ہے۔ اور اس کی ہر قسم کے رد و بدل سے حفاظت فرمائی ہے۔ آگے فرماتے ہیں

دوسری قسم ان فقہائے اسلام کی ہے۔ جن کے مسائل نکالنے کی نعت اور رانی ہوئی اور جو حلال و حرام کے ضابطے بنانے کے لیے متوجہ ہوئے ان فقہاء کا مقام زمین میں ایسا ہے۔ جیسے ستارے آسمان میں۔ ان کے ذریعے ہی تاریکیوں میں سرگرداں راستہ معلوم کرتے ہیں لوگوں کو ان کی ضرورت کھانے اور پینے سے زیادہ ہے۔ اور ان کی طاعت والدین سے بھی زیادہ از روئے قرآن فرض ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیم نے قرآن کی یہ آیت لکھی ہے

يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔

”اے ایمان والو! تم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اولی الامر کا جو تم میں سے ہوں۔“ اور بتایا ہے کہ

اس آیت کی رو سے فقہاء اور مجتہدین کی اطاعت فرض ہے اور اس آیت میں عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، حسن بصریؓ، ابوالعالیہ عطاء بن ابی رباحؓ، صلیک اور مجاہد کے خیال میں اولی الامر سے حکام نہیں بلکہ فقہاء اسلام مراد ہیں۔ (۱)

صاف اور مستطابح زمین یعنی مقلدین:

جو لوگ نہ قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہوں اور نہ قرآن و سنت سے مسائل نکالنے پر قدرت رکھتے ہوں اس ارشاد نبوت میں زمین کی وہ قسم ہیں جسے زبان نبوت نے اس قبیل

میں انما ہی قلعان لاکم سک ماء ولا تبت کلاً سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی امت کا وہ طبقہ جو مسلمان ہونے کے باوجود علم نبوت سے بہرہ ور نہیں۔

علماء قسطلانی فرماتے ہیں: هو من دخل فی الدین ولم یسمع العلم۔ یعنی وہ مسلمان ہو دین سیکھنے کے لیے زندگی بھر کچھ وقت بھی دین سیکھنے پر صرف نہیں کرتے۔ اور کوئی موقع بھی دین کی طرف سرانٹھا کر دیکھنے کے لیے نہیں نکالتے۔ وہ من لم یرفع ید الک راساً کا مصداق ہیں۔ امت اسلام میں ان کی اکثریت ہے اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں جو جانتے ہیں۔ ان سے پوچھ پوچھ کر گزارہ کریں۔ اسی کو تقلید کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ تقلید پر چونکیں اس لیے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے۔ کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علم صرف تحقیق کا نام ہے اور صدور اول میں صرف تحقیق تھی۔ تقلید کا نام وٹن نہ تھا۔ وہ سخت غلط فہمی میں ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے سنن ابن ماجہ کی حدیث انس بن مالکؓ

امتی علی خمس طبقات فاربعون سنة اهل برو۔

فقوی ثم الذہبی بلوہم الی عشرين ومائة سنة اهل نواہل ثم الذہبی

بلوہم الی مئتين ومائة اهل قضا برو و قضاہ ثم الہرج الہرج النجا النجا۔

”سیری امت پانچ طبقوں پر ہے۔ چالیس برس تک تو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں

گئے پھر ان کے بعد ایک سو بیس برس تک آپس میں رحم کرنے والے اور حق قربت

ادا کرنے والے ہوں گے۔ پھر ان کے بعد والے لوگ ایک سو ساٹھ تک یا ہم ترک

صحبت اور قطع تعلقات کرنے والے ہوں گے۔ پھر (ان طبقوں کے بعد) قتل ہی

قتل ہے (اس زمانے سے) نجات طلب کرو نجات طلب کرو۔“

میں آئے ہوئے پانچ طبقوں کی تفصیل بتاتے ہوئے رکھا ہے۔ کہ سب کرامت میں

تلف مراتب اور مدارج تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وآں جماعہ سلیم الفطرت بر منزل شتی بوزہ اندطائف خلق بر استعدادے کہ شبیر
باستعداد انبیاء بود و نمونہ از نبوت در جوہر طبیعت ایشان مودع۔ ایشان سر دفتر امت
آندہ شہادت دل آں داعیہ و آں علوم را تلقی نموده اند و پارہ از تحقیق نصیب ایشان
شد۔ و طائفہ استعداد تقلید تمام داشتند و قبول انوکاس آں داعیہ و آں علوم نمودند و
حصہ از سعادت یافتند و کلاً وعدہ اللہ الحسنی۔ (۱)

پھر یہ فطرت سلیمہ والے بھی مختلف مراتب پر تھے۔ جیسے تو ایسے استعداد کے ساتھ
خلق ہوئے تھے۔ کہ وہ (استعداد) انبیاء کی استعداد سے مشابہ تھی۔ اور ان کے
جوہر طبیعت کے اندر نبوت کا نمونہ امانت رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ امت کے سر دفتر
ہوئے ان لوگوں نے اپنے دل کی شہادت سے اس داعیہ کو اور ان علوم کو (آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے) لیا اور تحقیق کا ایک حصہ ان کو نصیب ہوا اور حصے تقلید کی
استعداد کامل رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس داعیہ اور ان علوم کے عکس کو قبول کیا اور
سعادت سے ایک حصہ پایا اور سب کے لیے اللہ نے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔
یہاں سے یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ علم تحقیقی ہو یا تقلیدی دونوں علم ہیں۔ اور دونوں
امت کو صحابہ سے وراثت میں ملے ہیں۔ مولانا اسماعیل شہید نے منصب امامت میں یہ بات
کھول کر سمجھائی ہے کہ:

علم با احکام شرعیہ بہ دو طریق حاصل میشود تقلید و تحقیق و علم انبیاء از جنس علم تقلیدی اصلاً
نیست بلکہ آنچہ ایشان را از ین علم بدست آمد ہمہ بطریق تحقیق حاصل شد و تحقیق را
دو طریق است اجتہاد بشرطیکہ معقول ذوی العقول باشد و الہام بشرطیکہ از مدخلت
نفسانی محفوظ باشد پس مشابہ بانبیاء در علم احکام یا مجتہدین مقبولین باشند یا مہتممین
محققین و از ہرکہ استناد احکام بسوئے کشف و الہام در اوائل امت معروف نہ
و پس مشابہ بانبیاء در ین فن مجتہدین مقبولین اند پس ایشان را از امر فن باید شمرہ

مثل امر اربعہ ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار مذہبت اند و مقبول در میان جمہور امت ہمیں
چند اشخاص اند جس کو یا کہ مشابہت تمامہ در ین فن نصیب ایشان گردید و بنا علیہ در میان
جماعہ اہل اسلام از خواص و عوام بقلب امام معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف۔ (۱)
علم بہ احکام شرعیہ دو طریق پر حاصل ہوتا ہے۔ تقلید اور تحقیق۔ اور علم انبیاء مجملہ علم
تقلیدی بالکل نہیں بلکہ جو چمن و علم حاصل ہوا تمام بطریق تحقیق حاصل ہوا۔ اور
تحقیق کے دو طریق ہیں۔ اول اجتہاد بشرطیکہ معقول ذوی العقول ہو۔ دوم الہام
بشرطیکہ مدخلت سے محفوظ ہو۔ پس انبیاء علیہم السلام کے مشابہ علم احکام میں یا
مجتہدین مقبولین ہیں۔ یا مہتممین محققین اور چونکہ کشف و الہام کی طرف احکام کی
نسبت اوائل امت میں معروف و مشہور نہ تھی پس مشابہ بانبیاء اس فن میں مجتہدین
مقبولین ہیں۔ سو ان کو امر فن سے معلوم کرنا چاہیے۔ مثلاً امر اربعہ۔ ہر چند کہ
مجتہدین بہت کچھ گزرے ہیں۔ لیکن مقبول در میان جمہور امت میں چند اشخاص
ہیں۔ پس گویا کہ مشابہت تمامہ اس فن میں انہیں کے نصیب ہوئی۔ نظر براں تمام
اہل اسلام خواص و عوام میں بقلب امام معروف ہوئے اور بقوت اجتہاد موصوف۔
علامہ شاطبی نے الموافقات میں لکھا ہے کہ شریعت میں قابل اعتماد اور اعتبار وہ علم

ہے جس کے ذریعے انسان میں عمل پر آمادگی ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ اہل علم تین قسم کے ہیں

● ایک وہ جن کا علم تقلیدی ہے۔ اور درجہ کمال حاصل نہیں ہے۔

● دوسرے وہ جن کا علم استدلالی ہے۔ اور اوائل و براہین سے واقف ہیں۔

● تیسرے وہ جن کا علم تحقیقی ہے۔ خود علم ان کے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر یہ واقعہ ہے کہ شریعت میں علم معتبر وہی ہے۔ جس کے ذریعے انسان عمل پر آمادہ

ہو جائے تو پھر علم تقلیدی کے علم نہ ہونے کی وجہ کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ مقدمہ اپنی عملی زندگی میں جن

کی تقلید کرتا ہے۔ صرف اس لیے کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ قرآن و سنت کے ترجمان ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ نے اہل سنت کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے اہل سنت کے تقلید کی ممانعت کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

الساس لم یأخذوا قول مالك والشافعي وأحمد وغيرهم إلا لكونهم
يسندون أقوالهم إلى ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم فإن هؤلاء
من أعلم الناس بما جاء به واتبعهم لئلا يكفوا واشتد اجتهادنا في معرفة
ذالك واتباع (۱)

”لوگوں نے امام مالک، شافعی اور احمد کی باتوں کو صرف اس لیے اتنی ریا ہے کہ یہ
اکابر اپنی باتوں کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہوئی ہدایت کی خلاف نسبت
کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر تمام لوگوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کی ہوئی
باتوں یعنی احادیث کے سب سے زیادہ عالم ہیں اور سب سے زیادہ احادیث کی
پیروی کرنے والے اور احادیث کی معرفت اور اتباع میں سب سے اچھی قوت
اجتہاد رکھنے والے ہیں۔“

اس بناء پر شہداء اللہ نے اصولیین کی بتائی ہوئی عام شاہراہ سے ہٹ کر تقلید کی یہ
تعریف کی ہے۔ ان سکون اتباع الروایۃ دلالة (۲) یعنی بات نبوت کی ہوا اور الفاظ امام
مجتہد کے ہوں اسے مان لینے کا نام تقلید ہے۔

الفرض ارشاد نبوت کی رو سے دونوں محدثین سوں یا فقہاء۔ اسلام کا پیش قیمت
سرمایہ ہیں۔ منطوق میں محدثین سے خذ کرنا اور مفہوم میں فقہاء کی تقلید کرنا اسلاف کا مسلک
اور اکابر کا مذہب ہے۔

یہی س تحریر کا منشا یہ ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ امام اعظم کی ذاتِ رائی صرف
امام فقہانیت ہی نہیں بلکہ امام حدیث بھی ہے۔ چونکہ امام اعظم کی زیادہ شہرت فقہانیت میں ہوئی
اس لیے چند لوگوں کی نظروں سے امام اعظم کی محدثانہ شان و جلال سو گئی اور فقہانیت میں شہرت

کی وجہ میں جو کچھ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام موصوف نے بطور فن جس چیز کو تمام علوم میں کمال
پیدا کرنے کے بعد اپنا یادہ علم فقط تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص جس فن کو پنتا ہے۔ شہرت
اسی میں ہوتی ہے امام بخاری اور مسلم فقہی مسائل میں صاحب رائے تھے۔ مگر ان کو محدثین سے
کمال کر فقہاء میں کسی نے شہر نہیں کیا کیونکہ فقہ کو انہوں نے بطور فن نہیں اپنایا تھا۔ تاریخ تو فن
کے اپنانے کے لحاظ سے کسی شخص کا تعارف کراتی ہے۔ یہ بات ایک درجہ میں صحیح ہے کہ ایک
فخص محدث ہو۔ مگر فقہ نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ ایک فخص فقہ اور مجتہد ہو مگر محدث نہ
ہو۔ کیونکہ مجتہد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً اس کی نظر شریعت حق کے پورے کے
پورے سسٹم قرآن حکیم اسوۂ نبوت اور اعمال صحابہ پر ہو اور اس کی نظر سے شریعت کا کوئی گوشہ
اوچھل نہ ہو۔ اور پھر ان سے مسائل نکالنے کا سلیقہ رکھنا ہو۔

چنانچہ شافعی لکھتے ہیں:

انما نحصل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفین احد هما فهم مفاصد
الشریعة علی کمالها والثانی من الاستنباط (۱)

”درجہ اجتہاد صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ جو دو صفوں سے موصوف ہو۔ ایک
یہ کہ پوری کی پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو دوسرے یہ کہ مسائل نکالنے کی
قدرت رکھتا ہو۔“

یاد رہے کہ شریعت کے پورے سسٹم میں بصیرت ہونے اور اس سسٹم کے کسی ایک
گوشے میں فنکار کی حیثیت سے نام آوری پیدا کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ محدثین نے
ایک فنکار کی حیثیت سے حدیث میں نام پیدا کیا ہے۔ لیکن انکار ابو کی حیثیت اس سے بالکل
مختلف ہے۔ ان کا فن علم حدیث میں یہ نہیں کہ حدیث کس کس سند سے آئی ہے۔ بلکہ ان کا
مقام علم حدیث میں وہ ہے۔ جو علامہ شافعی نے المواقف میں لکھا ہے

وان كان متكسباً من الاطلاع علی مقاصد ما كما قالوا فی الشافعی
وابی حنیفة فی علم الحدیث (۲)

”اثر شریعت کے مقصد پر اطلاق رکھتا ہوں۔ جیسا کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے متعلق علم الحدیث کے بارے میں سب کی رائے ہے۔“

اور اجتہاد میں بھی وہ اسوۂ ہے جو صحابہ نے چھوڑا تھا۔ الغرض میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی ذات گرامی صرف امام فقہت نہیں بلکہ امام حدیث بھی ہے۔

حدیث کیا ہے

امام اعظم کی محدثانہ شان اور حدیث میں ان کی جلالت قدر کے تذکرے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ حدیث کے بارے میں بتایا جائے۔ اتنی بات تو کم و بیش سب ہی جانتے ہیں کہ قرآن میں اللہ پاک نے لوگوں کو صرف حضور انور کی نبوت و رسالت سے روشناس نہیں کیا۔ بلکہ نبوت ایک عہدہ اور منصب ہونے کی وجہ سے ایمانیات سے متعلق یعنی ماننے اور باور کرنے کی چیز ہے۔ مگر قرآن نے منصب کے ساتھ نبی کے مقام کا بھی ذکر کیا ہے۔

منصب تو یہی ہے کہ جناب سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب البہاشی الحکم فی الدینی نبی اور رسول ہیں جو قرآن کی صورت میں خدا کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اور مقام یہ ہے کہ آپ رسول ہونے کے ساتھ اس پیغام الہی یعنی قرآن کے مبلغ، داعی، معلم اور مبین بھی ہیں۔ آپ حبیبات کے مکمل اور خباثت کے محرم ہیں۔ آپ کے ذریعے آپ باہمی تنازعات کے حکم، قاضی اور معاشرے کی اسلامی زندگی کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ نبی و رسول ہونے کی حیثیت میں امت سے آپ کے ماننے کا اور مقامات والی شخصیت ہونے کی وجہ سے امت سے آپ کی طاعت، اتباع، توقیر، تعظیم اور محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

منصب اور مقام دونوں کو سمجھ لینے کے بعد حضور کو نبی مانتے ہوئے آپ کے کاموں باتوں، عادتوں اور حالتوں کی قانونی حیثیت کو نہ ماننے کا مطلب آپ ہامانی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ منصب کو مان کر مقام نبوت کا انکار ہے۔ کیونکہ اگر نبی کی باتوں کاموں اور عادتوں کی قانونی حیثیت نہیں مانی جاتی تو پھر نبی کا نبی ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

قرآن وقائع کے تحت نازل ہوا ہے

رسول کے مقامات ہی کو انسانیت میں اجاگر کرنے کے لیے قرآن کا نزول بتدریج اور آہستہ آہستہ ہوا۔ اگر یہ حقیقت ہے۔ اور حقیقت یہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے۔ جبکہ سب قرآن سے انہی ہوئی صدا یہی ہے۔

وَقَرَأْنَا لَهُمْ آيَاتٍ لِّطَرَفٍ عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكْثٍ وَلَوْلَا تَتَّبِعُنَا (۱)
”اور پڑھنے کا دلیفہ کیا ہم نے جدا جدا کر کے پڑھے تو اس کو لوگوں پر غلبہ ظہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔“

گویا آہستہ آہستہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جیسے جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق ہدایات حاصل ہوتی رہیں۔ اور اس کے نتیجے میں وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بنا ہے۔ قرآن کی ہر بات اور موقع و محل کو چھی طرح ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکتے۔ اور آنے والی نسلوں کے لیے کبھی بھی قرآنی بات کے لیے بے موقع اور بے جا استعمال کی گنجائش نہ رہے۔ اس طرح ان پچیس سالہ نزول قرآن کے وقت میں پیش پا افتادہ حالات و وقائع کا نام یا صاحب قرآن کی تیس سالہ شب و روز میں قرآن ہی کی پہلی پڑائی ہوئی عادتوں باتوں کاموں اور حالتوں کا نام لیتے ہیں۔ دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک قرآن۔ دوسرے وہ وقائع جن کے تحت قرآن اترتا ہے۔ ان دونوں میں وہ ہی تعلق ہے۔ جو نقش اور نقش میں۔ حکمت اور حکیم میں۔ پروردگاری میں۔ معمار اور عمارت میں۔ نظم اور ناظم میں ہوتا ہے۔ اگر آپ چراغ کی روشنی کو چراغ سے یا چراغ کو اس کی روشنی سے الگ نہیں کر سکتے۔ تو پھر اللہ کو قرآن سے یا قرآن کو اللہ سے کیسے جدا کر سکتے ہیں۔ قرآن کو چراغ اور اللہ کو اس کی روشنی یا اللہ کو چراغ اور قرآن کو اس کی روشنی کہہ دیجئے۔ قرآن میں دونوں تعبیریں موجود ہیں۔ ایک مقام پر قرآن میں نبوت کو روشنی کہا گیا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۲)

”بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔“

اور دوسری جگہ خود قرآن کو مدثنیٰ قرار دیا ہے۔

قد جاءكم بهان من ربكم واتوا اليكم نورا مبيناً۔ (۱)

”تمہارے پاس پہنچی جگہ تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔“

دونوں نور ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ وحی کے ذریعے آئی ہوئی ہدایات کا نام کتاب یا قرآن اور اسی وحی کی رہنمائی میں بنے ہوئے نقشِ عمل کا نام اسوۂ حسنہ یا النبی ہے۔

حدیث تاریخ سنت کا نام ہے

آخرچہ متاخرین نے اصلاحی طور پر اپنے اپنے موضوع کے لحاظ سے لفظ اساتذہ کو ایک سے زیادہ معانی کا جامہ پہنا دیا ہے۔ مثلاً

حضورِ نور کے افعال و اقوال اور آپ کی موجودگی میں ہونے والے کاموں باتوں کو اسلئے کہا گیا ہے۔ بدعت کے مقابلے پر لفظ سنت استعمال ہوا ہے۔

حضور کے کاموں باتوں عادتوں اور حالتوں کو بھی سنت کہا گیا ہے۔

لیکن فقہاء اور اسلامی قانونی کے علماء کی زبان میں نبوت کے اس محسوس جادہ عمل کو سنت کہتے ہیں۔ جو ذات نبوت نے اسلامی معاشرے کی دینی زندگی کے لیے بطور پیمانہ عمل پیش کیا ہو اور جسے جماعت صحابہ نے دین بنا کر اختیار کیا ہو۔ چاہے یہ افعال اعمال ہوں یا اخلاق و معاملات اسی بنا پر صحابہ کے معمولات کو بھی سنت کہا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جیسے قرآن کے لیے قراء سبعہ کی روایات ہیں۔ ایسے ہی سنت کے لیے محدثین کی روایات ہیں۔ نہ تو قرآن کا قرآن ہونا قراء سبعہ (۷) کی روایات پر موقوف ہے۔

பெரியகாசியில் (1)

(۲) قرء سید قرآن پاک کے وہ سات قاری جن کی قرأت کے مطابق ساری دنیا میں تلاوت قرآن کی جاتی ہے۔ حافظہ عبدالقادر قرشی الجواہر امصیہ میں فرماتے ہیں۔ سات ماہتاب قرء یہ ہیں (باقی صفحہ ۱۴ پر)

《1949-1956》

(۱) عبداللہ بن کثیر بن المطلب القرشی مولانا بم بومعدتا بعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے قرآن کا سماع کیا ہے۔ ۱۲۰ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ۱۲۶ھ بتایا ہے۔

(۲) تاج بن عبدالرحمن بن ابی نعیم السعفی مدنی۔ ان کے بزرگ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ابو
رویم کہتے ہیں۔ ۱۶۱ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۳) ابن عامر یہ عبداللہ بن عامر بن یرید بن حمیر بن یرید الجعفی العدنی ہیں۔ دمشق کے قاضی تھے۔ کہار تاربعین سے ہیں۔ ۱۶ھ کے آغاز میں واداء ہوئی اور عاشوراء کے دن ۱۱ھ کو وفات پائی۔ کچھ کی رائے میں تاریخ واداء ۱۷ھ ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر ایک سو دس برس کی ہوتی ہے۔

(۴) ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبد اللہ المقرئ البصری۔ ان کا نام کسی نے ریان کسی نے یحییٰ کسی نے عثمان کسی نے محبوب اور کسی نے کچھ اور بتایا ہے۔ ۱۵۳ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔

(۵) عاصم بن ابی النعمان ابو بکر الاسدی۔ ۱۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ چھوٹی راہ میں من دعوت ۱۲ھ ہے۔ امام سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ بہتر ابو النعمان کا نام ہے۔ اور عمر دین علی الفلاس کہتے ہیں کہ یہ ان کی ماں کا نام ہے۔ مگر ابو بکر ابن ابی داؤد نے اسے غلط کہا ہے۔

(۶) حمزہ بن حبیب بن حمزہ بن اسماعیل الثریات القحطی مولانا بہم الکوفی ابو حمزہ بمقام طوٹ ۱۵۸ھ
میں وفات پائی

(۷) کسائی ابوالحسن علی بن حمزہ الاسدی مولانا الکونی۔ ۱۸۹۹ء میں وفات پائی۔ انہوں نے حمزہ اسدی کے پاس قرأت کی تھی ان ساتوں میں بجز ابن عامر اور یومرہ کے کوئی عرب نہیں ہے۔

(الجواهر المضية: ص ۴۴۲-۴۴۳ ج ۲)

اور نہ سنت کا سنت ہونا روایات محدثین پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کے نام سے اسناد و روایت کا کوئی بھی سلسلہ موجود نہ ہوتا۔ تو پھر بھی سنت اپنی جگہ ایسے ہی موجود ہوتی۔ حدیث تو دراصل تاریخ سنت اور اس کی روایت کا نام ہے۔ اس تاریخی اور روایتی سلسلہ سے پہلے بھی حدیث موجود تھی۔ اور اس کے بعد بھی موجود ہے۔ قرآن ہوا سنت دونوں روایتی اور تاریخی سلسلے سے لگ بھگ متواتر ہیں۔ قرآن چونکہ ایک فکری و عقلی شاہکار ہے اس لیے دو متقابل طور پر ہی متواتر ہے۔ اور سنت چونکہ ایک عملی چیز ہے۔ اس لیے وہ عملی ہی متواتر ہے۔ بلاشبہ اگر قرآن کا قرآن ہونا روایات قراء کا حق نہیں ہے تو سنت کا سنت ہونا بھی روایات محدثین کا محتاج نہیں ہے۔

اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ قرآن کے لیے ائمہ قرأت کی روایات بعد میں منصفہ وجود پر تکی ہیں۔ تو پھر یہ کیوں نہیں مانتے کہ سنت کے لیے بھی ائمہ حدیث کی روایات بعد میں خاہر ہوئی ہیں۔ وہ تاریخ قرآن ہے۔ اور یہ تاریخ سنت ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے یہی بات کیسے لطیف انداز میں بیان فرمائی ہے۔

اسما قولنا رواہ البخاری كقولنا رواه الفراء السبعة والقول
بمقل الموثر۔ (۱)

”ہمارا یہ کہنا کہ اسے بخاری سے روایت کیا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا ہر کسی سے اسے ائمہ سہ قراء نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ قرآن جو اثر مقبول ہے۔“
اور یہاں تک فرما گئے

لو لم يخلق البخاري و مسلم لم ينقص من الدين شئ۔ (۲)

”اگر بخاری اور مسلم پیدا نہ ہوتے تو دین میں کچھ بھی کمی نہ ہوتی۔“

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دین میں جو چیز قرآن کے بعد حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ

سنت ہے حدیث نہیں ہے۔ حدیث تو تاریخ سنت کا نام ہے۔

معاذ کے اس پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ

قرآن کی حفاظت کے لیے جیسے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں ایک سینہ دوسرے صحیفہ۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح سنت کی حفاظت بھی دو طرح سے ہوئی ہے۔ ایک سینہ دوسرے عمل کا محسوس پیمانہ۔

چونکہ قرآن نازل ہی علم بن کر ہوا تھا۔ اس لیے اس کی حفاظت بھی علم ہی کی طرح سینہ اور صحیفہ سے ہوئی۔ اور سنت چونکہ اسی علم کے پر تو عکس کا نام تھا۔ اس لیے اس کی حفاظت عمل کی طرح سینہ کے ساتھ صحیفہ سے نہیں بلکہ رائے عامہ کی محسوس عملی زندگی کے ذریعے ہوئی صرف نوعیت کا فرق ہوا نہ نفس حفاظت تو قرآن و سنت دونوں کی ہوئی۔ اور نوعیت کا یہ فرق بھی خود قرآن و سنت کے باہمی فرق کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ قرآن سراسر علم کا نام ہے۔ اور سنت سراسر عمل اور کردار کا نام ہے۔ سنت سن سے ہے۔ سن الطریقہ کے معنی راست چلنے کے ہیں۔ الی عرب بولتے ہیں۔ سن فلان طریقاً من المعبر ”فلاں نے نیکی کا کام کیا۔“ اسی سے غلط سنت طریقہ اور سیرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جب یہ انسانی اعمال کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو اس کے معنی شاہراہ عمل طریق کار کے ہوتے ہیں۔ اسی سے ہے۔ مسواہم سنۃ اهل الکتاب۔ ”موسیوں سے الی کتاب کا پیمانہ کر۔“

تاریخ سنت کے لیے حدیث کا لفظ

اگرچہ لغت میں لفظ حدیث کا قریب قریب وہی مفہوم ہے۔ جو اردو میں بات کا ہے۔ مگر تاریخ سنت کے لیے یہ لفظ محدثین کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ قرآن ہی سے لیا گیا ہے۔ انبیاء کے کاموں عادتوں باتوں اور حالتوں کے لیے قرآن میں اللہ پاک نے ایک سے زیادہ مقامات پر حدیث ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورہ ذاریات میں حضرت ابراہیم کے متعلق ایک واقعہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔

هل الاك حديث حنیف ابراهيم المکرمین۔

کیا بچہ تھو کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔“

حضرت موسیٰ کے حالات میں ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ فرمایا ہے۔

ہل الناک حدیث موسیٰ۔

”کیا پہلی ہے تمہ کو بات موسیٰ کی۔“

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے لیے بھی قرآن میں لفظ حدیث آیا ہے۔

واذا امرنا النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً

اور جب چھپا کر کہی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات

مزید براں یہ کہ اللہ پاک نے قرآن میں ایک مقام پر حضور انور کو حکم دیا۔

اما بنعمة ربک فحدث

جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ قرآن کی زبان میں دین کی نعمت کو پیش کرنے

کا نام حدیث ہے۔ اللہ اکبر! امت کی علمی دیانت کو کن لفظوں میں سراہا جائے۔ جس نے اپنے

رسول کی سنت کی تاریخی اور تعمیری زندگی کے وقائع کے لیے قرآن سے لگ ہو کر نام بھی تجویز

کرنا گوارا نہیں کیا۔

حدیث کا صحیح مقام

تشریحات بالا سے یہ امور واضح ہو گئے کہ:

❖ دین میں قرآن و سنت دونوں حجت ہیں۔ دونوں قطعی اور یقینی ہیں۔ دونوں کی حفاظت

ہوئی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو علم اور دوسرے کو عمل کی صورت میں

امت کے پاس چھوڑا ہے۔ اور پورا پورا اطمینان کر لیا کہ دونوں محفوظ ہو چکے ہیں۔ حضور

انورؐ کے بعد خلفائے راشدین نے دونوں کی حفاظت کی اور دونوں کی نشر و اشاعت کو اپنا

اہم دینی فریضہ قرار دیا۔

❖ حدیث تاریخ سنت کا نام ہے اور سنت شنائی کا ذریعہ ہے۔ اس کے فنکاروں کو محدثین

کہتے ہیں اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کا مقام دین کی زندگی میں کیا ہے؟

جنہوں نے منصب رسالت کی عظمت و عزت کو گھٹانے اور نبی کی سنت سے امت کا رشتہ

توزنے اور سنت کی حیثیت کو لوگوں کی نگاہوں میں مشتبہ بنانے کے لیے یہ بات گہری

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف ایک ہی قسم کی وحی نازل ہوئی ہے۔ جو قرآن کی

صورت میں موجود ہے۔ اور اس سے الگ کسی قسم کی وحی کو ماننا یہودیت ہے۔ صرف یہی

نہیں بلکہ اسی بنیاد پر سنت کی تقدیس کو داغدار بنانے کے لیے یہ عمارت بھی بنائی ہے کہ

سنت چونکہ وحی نہیں ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ایک اجتہادی رائے

ہے جسے قانونی لحاظ سے واجب الاتباع نہیں کہا جاسکتا۔ اس انداز فکر کی لغویت بالکل

واضح ہے۔ کیونکہ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ وحی متلو کے علاوہ بھی بکثرت نہ صرف

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ خدا کے ہر پیغمبر پر وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ جس

پر خود عمل کرنا اور جس کی تعمیل پوری امت سے کرنا انبیاء علیہم السلام کے مقصد بعثت میں

شامل تھا۔

قرآن اور سنت میں فرق

لیکن وحی ہونے کے لحاظ سے قرآن و سنت میں طء نے جو جوہری فرق بتایا ہے۔

وہ بھی گوش گزار فرما لیجئے۔ اور قرآن کی بیان کردہ وحی کی قسموں میں قرآن و سنت دونوں کا

مقام معلوم کر لیجئے۔

در اصل قرآن ہو یا سنت دونوں اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل شدہ وحی ہیں۔ لیکن

چونکہ قرآن حکیم وحی ہونے کے ساتھ اپنے اندر شانِ اعجاز بھی رکھتا ہے۔ اس بناء پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا اہتمام فرمایا۔ برخلاف اس کے سنت چونکہ

مجزہ نہ تھی۔ اس کے الفاظ نہیں بلکہ معانی و مطالب آپ پر نازل ہوئے تھے اور اس کو آپ

اپنے لفظوں میں ادا فرماتے تھے۔ اور یہ الفاظ بھی حسب ضرورت مختلف ہوتے تھے۔ کیونکہ

آپ کو مختلف طبائع اور مختلف مزاج کے لوگوں کو سمجھنا پڑتا تھا۔ اس لیے اس کے لفظوں کی بعینہ

تلاوت کا حکم نہ تھا۔ بلکہ دیکر قرآن و سنت میں وہی فرق ہے۔ جو دو زبان میں نامہ و پیام

میں ہوتا ہے۔

امام الحرمین کا نظریہ

یہ فرق حافظ جلال الدین السیوطی نے الاقان فی علوم القرآن میں امام الحرمین (۱) کے والد امام ابو محمد الجوبی سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل شدہ کلام دوم کا ہے ایک قسم یہ کہ اللہ سبحانہ حضرت جبریل سے فرمائیں کہ ہمارے رسول کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ سبحانہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں کام کرو۔ ایسے کرو۔ حضرت جبریل رب العزت کا پیغام سننے میں اور سمجھتے ہیں۔ بعد ازیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ قال له عاقل ربه ولم تكن العبادة تلك العبادة یعنی بات اللہ سبحانہ کی ہوتی ہے۔ اور عبادت حضرت جبریل کی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے معتمد سے کہے کہ فلاں شخص سے کہو کہ بادشاہ کہتا ہے کام ٹھیک کیا کرو۔ فوج تیار رکھو۔ اس پیغام کو اگر قاصد اپنے الفاظ میں یوں پہنچا دے کہ ست مت ہو۔ محنت کرو اور فوجی نظام کو پامال نہ ہونے دو تو تعبیر کے اس اختلاف سے ادائے پیغام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور اسے فرض رسالت کی ادائیگی میں کوئی کام نہیں دیا جائے گا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حضرت جبریل سے کہیں کہ یہ خط ہمارے رسول کو جا کر سناؤ اور اس کے سامنے پڑھو۔ حضرت جبریل تشریف لاتے ہیں۔ اور بلا آم و کاست اور بغیر رد و بدل خط آ کر سنا دیتے ہیں اور ان کے سامنے پڑھ دیتے ہیں۔ (۲)

(۱)

(۲) حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں کہ امام الحرمین دو عظیم المرتبت شخصیتوں کا مقب ہے۔ ایک حنفی اور دوسرے شافعی۔ حنفی تو ابو المنظر يوسف القاضي بحر جہل۔ اور دوسرے شافعی حنفی ابو المعانی عبد الملک ابن الامام ابو محمد عبد اللہ بن الجوبی التونی ۳۷۸ھ میں چمکے آپ کا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ قیام رہا۔ اور آپ نے دونوں جگہ درس و افتاء کا کام کیا۔ اس لیے آپ کو امام الحرمین کہتے ہیں۔ امام غزالی خیشاپور میں تشریف لائے تو امام الحرمین ہی کے پاس رہے۔ اور ان کی ہی محنت سے امام قرآن ہر فن مومن بن گئے۔ اسی سے انداز لگائیے کہ جن کے غزالی شاعر ہوں خود ان کی جدالت مہی کا کیا حال ہوگا۔

حافظ جلال الدین السیوطی کی تائید

حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ دوسری قسم قرآن اور پہلی قسم سنت ہے۔ اور امام جوینی کے نظریہ کی تائید میں لکھتے ہیں۔

وقد رایت من السلف ما یضد کلام الجوبی (۱)

”میں نے سلف سے ایسی چیز دیکھی ہے جس سے جوینی کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔“

گویا قرآن یعنی نامہ اپنے الفاظ و معانی دونوں کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ سنت معجزہ نہیں ہے۔ قرآن میں ایک لفظ بلکہ ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔ لیکن سنت یعنی پیام روایت ہوتے ہیں۔ یعنی اصل مقصود مولیٰ سبحانہ کا ہے۔ اور الفاظ کا جاہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ چونکہ سنت کا آزمایہ روایت بالمعنی سے ہوا ہے اس لیے اس میں روایت بالمعنی جائز ہے۔ اور قرآن پہلے ہی چونکہ روایت باللفظ میں وحی ہوا ہے۔ اس لیے اس میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پیام میں امر بیانی آپ کا خطا اور مافی الضمیر صحیح طور پر مرسل الیہ تک پہنچا دیتا ہے تو پیام رسائی کا مقصد حاصل ہو گیا خواہ پیغام رساں اسے آپ کے الفاظ میں نہ پہنچائے بلکہ اکثر اوقات اس کے لیے الفاظ میں تبدل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن نامہ (۲) کی صورت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ان ہی الفاظ کو مکتوب الیہ تک پہنچانا ضروری ہے۔ اگر قاصد نے سچ میں خط کو جا کر کڑا اور اسی مضمون کا دوسرا خط تحریر کر دیا یا اس کا مطلب ہی بلا آم و کاست زبانی جا کر بیان کر دیا تو وہ کسی طرح اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تاخیرات کا ملامت ہوا یا نئی کام تکب ظہر ا۔

(۱) الاقان فی علوم القرآن ص ۳۳ ج ۱

(۲) علماء نے تہذیبی و عقلی طریقوں سے جوہر کا نام لیا۔ مابقی صفحہ ۳۴ پر

سنت بھی اللہ سبحانہ کی وحی ہے

سنت بھی اللہ سبحانہ کی وحی ہے مگر اس کی نوعیت پہلی قسم کی ہے جس میں الفاظ کی جتنی ادائیگی ضروری نہیں ہے اور قرآن حکیم کی نوعیت دوسری قسم کی ہے۔ یہاں اصل لفظ ہیں جو روح القدس کے ذریعے حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ کے ذریعے امت تک پہنچے۔ ان میں نہ روایت بالمعنی کی اجازت ہے نہ کسی قسم کے تغیر و تبدل کا اختیار۔ ہاں ترجمہ و تفسیر کی اجازت ہے لیکن اسے کلام الہی نہ کہا جائے گا۔ یہ بات بھی خود قرآن ہی کی بیان کردہ حقیقت ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْمِعُوا لَهٗ اَنْ تَسْمَعُوْا مِنْ رَّبِّهِمْ اَنْ يَخْشَعَ الصَّوْتُ فَتَسْمَعُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ الْاٰيَةُ ۚ

”جب ہم پڑھیں تو ساتھ وہ اس پر سننے کے بلاشبہ ہمارے ذمے ہے اس کا بیان۔“

یہاں دعویٰ یہ ہے کہ نزول قرآن کے بعد کا بیان بھی اللہ سبحانہ کے ذمے ہے۔ اگر قرآن کا یہ بیان خود قرآن سے کوئی علیحدہ چیز ہے اور یقیناً ہے کیونکہ اگر قرآن ہی کو قرآن کا بیان بتایا جائے تو پھر اس کے لیے بھی قرآن ہونے کی وجہ سے بیان کی ضرورت ہوگی اور یہ

﴿بقیہ صفحہ ۱۳۳﴾

درایہ میں ہے۔ ان القرآن اسم للفظ والمعنی جميعاً۔ ابو الحسن مرغینانی رقمطراز ہیں۔ اما امر ما يحفظ اللفظ والمعنی فانه دلالة على السبوة شرح اول میں علامہ عبدالحق بن عبادری لکھتے ہیں۔ القرآن اسم للفظ والمعنی جميعاً۔ ان تصریحات کا مقصد یہی بتانا ہے۔ کہ قرآن کی حیثیت نام کی ہے۔ نہ کہ پیام کی اسی بنا پر ترجمہ قرآن کو ہم نہیں کہہ سکتے۔ آدوی لکھتے ہیں۔ فلانک ان الترحمة ليست بالقرآن۔ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ ترجمہ قرآن کا۔ فلفظه واما ليس من القرآن۔ اور قرآن نام ہے لفظ ومعنی دونوں کا۔

سلسلہ ایک غیر متناہی ہو جائے گا۔ ماننا پڑے گا کہ بین قرآن خود قرآن سے الگ ہے۔ جو قرآن نہیں ہے۔ اگر قرآن سے الگ ہے تو اللہ سبحانہ کی جانب سے ہے۔ اور بذریعہ وحی ہے۔ یہ وحی جس کے ذریعے قرآن کا بیان عمل میں آیا ہے۔ کون سی ہے؟ خود قرآن نے نزول وحی کی تین صورتیں بتائی ہیں۔

ماکان بشیر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب او برسل رسولاً فیه وحی باذنه ما یشاء انہ علی حکیم۔

”کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پرہے کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والے پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو وہ چاہیے۔ تحقیق وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔“

● وحی۔

● من وراء حجاب۔

● برسل رسولاً فیه وحی باذنه ما یشاء۔

نزول قرآن کے لیے جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ تیسری ہے یعنی بواسطہ فرشتہ اللہ سبحانہ وحی فرمائیں مگر فرشتہ آنکھوں سے نظر نہ ملائے بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر فرشتہ کا نزول ہو۔ یہی صورت ہے۔ جسے حدیث میں ہا نفسی مثل صلصلة الجرس سے تعبیر فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ تر وحی اس طرح آتی تھی۔ اسی صورت کو حافظ سیوطی نے اصوب الی لیں بتایا ہے۔ علامہ طبری فرماتے ہیں۔ کہ نزول قرآن اس طرح ہوا ہے۔ کہ فرشتہ اللہ سبحانہ سے روحانی طور پر وحی حاصل کرتا ہے۔ پورا اسے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے۔ پھر آپ کو القاء کرتا ہے اس صورت میں یقیناً بیان قرآن کا نزول نہیں ہوا ہے۔ اسکی وہ صورت نہیں ہے جسے قرآن میں من وراء حجاب کہا ہے۔ نزول بیان کے لیے اگر کوئی صورت ہے تو تیسری ہے جسے قرآن وحیاً کہہ رہا ہے جس میں نفث فی الروح الہام اور روئے صادق سب داخل ہیں۔

حضرت امام شافعی التوفی ۲۰۴ھ نے ارسال (۱) میں اب نہیں بلکہ اب سے بارہ سو سال پہلے بتا دیا ہے کہ نہ صرف سنت قرآن کا بیان ہے۔ اور یہ بیان اللہ سبحانہ کی جانب سے بذریعہ وحی آیا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ کلام الہی کی تین صورتوں میں سے جس صورت میں سنت آپ پر نازل ہوئی ہے۔ وہ وہی ہے جسے قرآن نے وحیاً کہا ہے۔ اور جس میں صفت فی الودع یا اوائت وغیرہ داخل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اللقى فی روعہ کل ماس و مستہ الحکمة الذی القی فی روعہ من اللہ
فکان بما القی فی روعہ مستہ۔

”آپ کی تمام سنت آپ پر اللہ کی مکتی۔ سنت ہی وہ حکمت ہے۔ جو آپ پر القاء ہوئی لہذا سنت نبوی اللہ سبحانہ کی جانب سے القاء شدہ ہے۔“

۱۔ ارسال۔ یہ اصول فقہ میں امام شافعی کی بھی مکتی ہے۔ شاہ ولی اللہ انصاف میں رقمطراز ہیں۔ مختلف نصوص میں مطابقت کرنے کے لیے قواعد تھے۔ اس لیے اجتہادی مسئلوں میں بڑا رخصہ پڑتا تھا۔ حضرت امام شافعی نے اس کے قواعد بنائے اور ان کو کتابی صورت میں مرتب کیا۔ وھذا اول فہمیں کان فی اصول الفقہ۔ (ص: ۲۸)

در اصل یہ کتاب امام شافعی نے امام عبد الرحمن بن مہدی کی فرمائش پر لکھی ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے امام شافعی کے مشہور شاگرد ابو ثور کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہ امام عبد الرحمن بن مہدی نے امام شافعی کو ایک خط لکھا اور درخواست کی کہ اسکی کتاب لکھیں جس میں قرآن کے معانی و مطالب ہوں اور جس میں جہاد و احادیث کی قسم مجتہد جماع و کتاب و سنت کے مارج و منسوخ کا تذکرہ ہو۔ امام ابو ثور فرماتے ہیں۔ فضع۔ رسالۃ۔ من درخواست کے مطابق امام شافعی نے ارسال لکھا۔ (مارج بغداد۔ ص: ۲۵ ج ۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی توالی التالیس میں اس خط کا خلاصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

کتب عبد الرحمن بن مہدی۔ اشاہد۔ وھو کتاب ان یصح لہ کما ھو وضع لہ کتاب
الرسالۃ۔ (ص: ۸۵)

قرآن میں حکمت سے مراد سنت ہے

یہ صرف امام شافعی کی رائے نہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے بلکہ قرآن کے مطاع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔ قرآن میں آپ کو کسی متعدد آیات میں کی جن سے معلوم ہوگا کہ حکمت بھی قرآن کی طرح اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔ سورہ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

وامر اللہ علیک الكتاب والحکمة وعلمک ما لم تکن تعلم۔
”اور اللہ نے اتاری تھہ پر کتاب اور حکمت اور تھہ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا۔“

سورہ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا ہے۔
واذکرو النعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم من الكتاب والحکمة
یعلّمکم بہ۔
”اور یاد کرو اللہ کا حساب تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ۔“

ان آیات میں اور اس طرح کی دوسری آیات میں کتاب سے قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔ کیونکہ حکمت کا ذکر قرآن کے ساتھ آیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی نے اپنے ایک مناظرے میں اسے دلائل سے ثابت کیا ہے اور جب ان سے پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ اس قسم کی آیات میں حکمت سے کیا مراد ہے آپ نے جواب فرمایا کہ:

حکمت سے مراد سنت ہے۔ سائل نے کہا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ یعلّمکم الكتاب والحکمة کا یہ مطلب ہو کہ رسول کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ اور خصوصی طور پر حکمت سے مراد اللہ کے احکام ہوں۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کی جانب سے لوگوں کے سامنے ایسے ہی بیان کرتا ہے جیسا کہ اس سے ان کے سامنے تمام فرائض نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو پیش کیا ہے اور اس طرح کو یہ خود اللہ

نے کتاب کے ذریعے فرائض کو محکم بنا دیا ہے۔ اور اللہ نے خود ہی بیان کر دیا کہ یہ فرائض زبان نبوت پر کیسے ہیں؟ مخاطب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا اگر یہی مطلب ہے تو پھر اس کا پتہ بغیر خبر نبی کے کیسے ہو سکتا ہے اس صورت میں بھی ارشادات نبوت کی ضرورت ہوگی۔ سائل بول اُتر کتاب و حکمت دونوں سے مراد ایک چیز ہو اور کلام میں صرف تکرار ہی ہو۔ امام شافعی نے فرمایا یہ آپ ہی بتائیے کہ کون سی چیز پسندیدہ ہے کتاب و حکمت دونوں الگ ہوں یا دونوں کا مطلب ایک ہو۔ سائل نے جواب دیا دونوں کا احتمال ہے چاہے تو کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے سنت ہو جیسا کہ آپ کا خیال ہے اور چاہے دونوں سے ایک ہی مراد ہو۔ امام شافعی نے فرمایا زیادہ قرین عقل یہی صورت ہے کہ کتاب سے قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔ جیسا کہ میرا خیال ہے۔ اور اس پر قرآن میں شہادت ہے سائل نے پوچھا کہ قرآن میں کون سی شہادت ہے۔ امام شافعی نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاذْكُرْ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱)

سورۃ احزاب کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح بھی ایک انکی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہرات کے گھروں میں ہوتی تھی۔ اور تلاوت کا مطلب جیسا کہ امام شافعی نے بتایا ہے یہ ہے کہ:

انما معنى التلاوة ان ينطق بالسنة كما ينطق بالقرآن۔

”تلاوت کے معنی یہ ہیں کہ سنت کو بھی ویسے ہی بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن کو۔“

ذرا سوچئے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کے سوا کیا سناتے تھے۔ اس کا حل اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ آپ کی سنت تھی اور چونکہ اس آیت میں حکمت کے تذکرہ کا حکم ہے۔ اس لیے اسی آیت سے سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور یہ

بات بھی بدیہی ہے کہ علم و ذکر خود مقصود بالذات نہیں بلکہ عمل کے لیے مقصود ہیں۔ اس لیے اسی آیت سے سنت پر عمل کا وجوب بھی معلوم ہو گیا۔ اور جب سنت کا دوسرا نام حکمت ہے۔ تو ان آیات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن ہی کی ان تصریحات کی بنا پر تمام ائمہ اور علمائے سلف اس پر متفق ہیں۔ کہ بعلمهم الكتاب والحكمة اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمت کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد سنت ہی ہے۔ اور سنت بھی وحی الہی کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں۔ (۱) اللہ سبحانہ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن و حکمت ہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن قیم نے وہی آیات پیش فرمائی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تزییل و تعلیم کا ذکر ہے۔ ان آیات کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے ہا جماع سلف سنت مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے پا کر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور اعتقادی مسئلہ ہے۔ اس کا انکار وحی کرے گا۔ جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی یعنی سنت۔ (۲)

پھر یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ سبحانہ نے قرآن کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا اور قرآن کے بیان کو اپنا بیان بتایا ہے۔ مگر قرآن میں دوسری جگہ قرآن کے پڑھنے اور قرآن کے بیان کو حضور کا کام بتایا ہے۔ لتقراء علی الناس علی مکث یعنی تاکہ آپ پڑھیں لوگوں کے سامنے آہستہ آہستہ اور لتزلزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ بیان کر دے تو لوگوں کے سامنے وہ چیز جو

اتاری گئی ہے۔ ان کی طرف اس آیت میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر روانہ فرمایا تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب کرے۔ ان پر وہ کتاب اتاری جو عمل کرنے والوں کے لیے سراسر نور و ہدایت ہے۔ اور اپنے نبی کو یہ حق دیا ہے۔ کہ وہ قرآن کے ظاہر باطن خاص عام اور ناخ منسوخ بتائیں۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کتاب اللہ کے مفہوم و معنی کے معین تھے۔ اس کام کو صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ جن کو اللہ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے منتخب کیا تھا۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان اور توضیح نقل کی ہے اس مشاہدہ کی وجہ سے وہی سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے والے اور اس بات سے واقف تھے کہ قرآن کی آیت میں اللہ کی مراد کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کی مراد بتانے والے صرف صحابہ کرام ہیں۔ (۱)

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ:

جو حدیثیں صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں۔ نیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس کو پنتے ہیں۔ (۲)

حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام اعظم کا جو رشتہ نقل کیا ہے اس سے بھی حدیث کے قرآن کا بیان ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے جو ثقات کے ذریعے مشہور ہوئی ہوں اور اگر یہاں بھی نہ ملے تو پھر صحابہ میں جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں۔ (۳)

(۱) حقیقات الخلفاء، ص ۳۲۵ (۲) الانتقاء، ص ۱۳۲ (۳) مناقب از حافظ ذہبی، ص ۲۰

صرف یہی نہیں بلکہ کئی دوسرے مواقع پر بھی انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ فقہ اسلام اور قوانین اسلام تک پہنچنے کے لیے سنت ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قرآن میں اللہ سبحانہ نے ایک سے زیادہ ارشادات میں اتباع رسول کا حکم دیا ہے اور حکم بھی اس بارے میں مطلق اور بے قید ہے۔ یعنی اتباع کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی خاص گوشے کی تعمین نہیں کی۔ یہ ایک طرف اگر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذات نبوت زندگی کے ہر گوشہ میں واجب الاتباع ہے تو دوسری طرف اس میں اس بات کی بھی رہنمائی ہے کہ وغیرہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں معصوم ہوتا ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ کی پیروی ضروری تھی۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے ارشادات اخلاق اعمال اور احوال کی روشنی میں زندگی کا نقشہ تیار کرنا ضروری ہے۔ غرض سنت قرآن کا بیان ہے۔ اس کے مجمل کی تعمین ہے۔ اس کے معنی کی توضیح و تائید کرتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:

اول قرآن کی حیثیت متن کی اور سنت کی شرح کی ہے۔ پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہے کہ ایک کا اقرار دالکا دوسرے کے اقرار دالکا کے مترادف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قرآن کی طرح اس کا بیان بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک ماحول اللہ (جو کچھ اللہ نے اتارا) اور دوسرا ماحول اک اللہ (جو کچھ تم کو اللہ نے دکھایا) ہے۔ اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآن کے مفسر تھے۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ آیات قرآن کی تفسیر و تاویل کرے۔ اس لیے صرف سنت ہی قرآن کا بیان ہے اور یہ بیان سنت کے علاوہ کسی دوسری راہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

سوم یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر مروی نہ ہو تو صحابہ تفسیر کا حق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے قرآن اتر رہا ہے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات قرآنی کی تاویل سنی اور جو سنت سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔

بہر حال سنت بھی اللہ پاک کی وحی ہے مگر اس کی حیثیت پیام کی ہے اور قرآن بھی اللہ ہی نے وحی ہے اور اس کی حیثیت نامہ کی ہے۔ سنت میں روایت بالمعنی جائز ہے مگر قرآن میں روایت بالمعنی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں اعجاز کے ساتھ شان تعبد بھی ہے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین (۱) السیوطی فرماتے ہیں:

والسر فی ذالک ان المقصود من التعبد الاعمیاد (۲)

”راز اس میں یہ ہے کہ قرآن سے مقصود تعبد اور اعجاز ہے۔“

(۱) جلال الدین لقب ابو الفضل کنیت عبد الرحمن بن الکدال نام ہے۔ اقوال کے دن یکم رجب ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے ۸ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا بعد ازاں علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی کاشغری نے طبقات میں خود ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ تین سو ستاد سے علمی استفادہ کیا ہے۔ ۷۱ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے نہ صرف فارغ ہو چکے تھے بلکہ میدان تالیف میں بھی قدم رن ہو گئے تھے۔ عربی ادب اور حدیث میں علامہ تقی الدین ثبی ثبی کے شاگرد ہیں۔ چوتھوں میں اجتہاد کی شان رکھتے تھے: تفسیر ۵ حدیث ۵ فقہ ۵ نحو ۵ معانی ۵ بیان۔

ان کی تصانیف کی تعداد تین سو سے زائد تھیں۔ اپنے تئیں اجتہاد سے مدعی تھے۔ مگر فرماتے تھے کہ اجتہاد دو قسم کا ہوتا ہے اجتہاد مطلق ۵ اجتہاد نسبی۔

اجتہاد مطلق انرا بعد پر ختم ہے۔ اور دوم تاقی مت باقی ہے اور مجتہد منسوب ہونے کا ان کو دعویٰ تھا۔ ہمیشہ امام شافعی کے مذہب کے مطابق مسئلہ بتاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ پوچھنے والا مذہب دریافت کرتا ہے میرا اجتہاد نہیں پوچھتا۔ اللہ اکبر اللہ کے دین میں کس قدر احتیاط ہے۔ تھیں اسعید کے نام سے امام اعظم کے منقب پر کتاب لکھی ہے ۹۱۱ھ میں عمر ۸۱ سال دس ماہ تیار دون وقت پائی۔ (تحائف)

(۲) الاقان فی علوم القرآن: ج ۳ ص ۱۱

برخلاف سنت کے کہ اس کے الفاظ میں اعجاز نہیں بلکہ اس کے معانی میں شان تعبد ہے۔ اور سنت معنی ہی کے لحاظ سے متواتر بھی ہے۔ چنانچہ علامہ الجزائری رقمطراز ہیں۔

المرجع انہ لیس فی السنة معوہر الا التواتر فی المعنی دون اللفظ۔ (۱)

”راخ یہی ہے کہ سنت میں تواتر لفظی نہیں بلکہ تواتر معنوی ہے۔“

صرف عمل کے لیے معنی ہی کے متواتر ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں نہ تعبد ہے اور نہ اعجاز۔ اسی بنا پر متواتر سے بحث کرنا محدثین کا کام نہیں ہے۔

ان المعانی لا یجوز عن المعوہر لا سئلہ بالموہر عن احواد سندہ۔ (۲)

”محدثین کے یہاں متواتر سے کوئی بحث نہیں ہوتی کیونکہ تواتر کو سند کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔“

اس موقع پر حافظ ابن تیمیہؒ بڑے بڑے چنے کی بات لکھ گئے فرماتے ہیں۔ کہ اس مقام پر دو اصولی باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

قرآن اپنے الفاظ اور معانی میں ایک ایسی امتیازی شان رکھتا ہے کہ اس میں کوئی کلام بھی کسی طرح اور کسی درجے میں قرآن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ الفاظ میں اور نہ معنی میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی غیر عربی میں قرأت ناجائز ہے۔ کیونکہ غیر عربی میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ ہے مگر قرآن ہرگز نہیں ہے۔ قرآن تو نظم اور معنی دونوں کا نام ہے۔ ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر قرآن کی طرح اس کی قرأت و تلاوت ہرگز جائز نہیں۔

قرآن میں الفاظ کے ساتھ معنی کی بھی ایک ایسی نمایاں حیثیت ہے کہ کوئی کلام بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے معنوی اعجاز میں یادہ قوت ہے۔ قرآن کی اس آیت میں جو توحید کی گئی ہے وہ ہر قسم کے اعجاز کے پیش نظر کی گئی ہے۔ قل لنن اجتماعت الانس والجن علی ان ہاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً۔ (۳)

امام خطاب فرماتے ہیں:

کلام کی جان تین چیزیں ہیں۔ لفظ معنی اور نظم۔ قرآن ان تینوں میں بہت بلند اشرف اور افضل مقام رکھتا ہے۔ قرآن کے الفاظ سے زیادہ فصیح، مختصر اور شیریں الفاظ آپ کو کہیں نہیں ملیں گے۔ قرآن کا نظم اپنی مثال آپ ہے۔ حسن تالیف قرآن کی ذاتی خوبی ہے۔ معانی کے لحاظ سے عقلاء نے ہمیشہ قرآن کا سوا ہونا ہے۔ یہ تینوں خوبیاں الگ الگ تو ایک سے زیادہ مقامات پر موجود ہیں مگر یہ ساری خوبیاں یک جا قرآن کے سوا کہیں موجود نہیں ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ الفاظ کی سطح موتیوں سے لدی ہوئی ہے جس کی نظم کی تہہ میں سوتیں بہہ رہی ہیں اور گہرائی سے معانی اُبل رہے ہیں۔ (۱)

اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق

اسی بنیادی اور جوہری فرق کو بتانے کے لیے قرآن میں وحی کے متعلق دو قسم کی حکم ہیں کہیں وحی الہی کی اتباع پر زور دیا گیا ہے۔ اور کہیں وحی الہی کی تلاوت کا حکم ہے مگر قرآن نے ان دونوں میں ایک جوہری فرق قائم رکھا ہے۔ قرآن میں جہاں وحی کی تلاوت کا حکم ہے۔ وہاں ماواوحی کے ساتھ الکتاب کی قید ضرور لگائی ہے۔ مثلاً اتل ما ووحی الیک من کتاب ربک اور اتل ما ووحی الیک من الکتاب یا اسی قسم کے دوسرے مقامات لیکن جہاں وحی کی اتباع کا مطالبہ ہے وہاں لفظ کتاب کو ہٹا دیا گیا مثلاً اتبع ما ووحی الیک من ربک اور ان اتبع الا ما ووحی الیک واصر اور اتبع ما ووحی الیک من ربک اور ان اتبع الا ما ووحی الی من ربی اور لا اقول لکم عسی خوائس اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم اسی منک ان اتبع الا ما ووحی الی۔ یہ اور اس قسم کی دوسری آیات میں جہاں وحی کی اتباع کا تذکرہ کیا ہے۔ لفظ کتاب نہیں لایا گیا۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں نے اپنے مطالعہ قرآنی میں یہی محسوس کیا ہے کہ قرآن یہ جتنا چاہتا ہے کہ وحی جو ذات نبوت پر آئی ہے۔ وہ کتاب تک محدود نہیں ہے بلکہ کتاب سے باہر بھی وحی ہے۔ کتابی وحی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور اس کے لفظوں میں اعجاز کے ساتھ شان تعبد بھی ہے۔ غیر کتابی وحی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ گویا تلاوت الفاظ میں تعبد کی وجہ سے کتابی وحی کی خصوصیت ہے۔ اور اتباع کا دائرہ کتابی اور غیر کتابی وحی کے لیے عام ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث ابی سعید کا منشاء

اس روشنی میں صحیح مسلم کی حدیث کا منشاء بھی واضح ہو جاتا ہے۔ جس میں حضرت ابوسعید خدری کی زبانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت منقول ہے:

لا تکتبوا عسی ومن کتب عسی غیر القرآن فلیمحہ وحملوا عسی ولا حرج ومن کذب علی متعمد فلیتبعوا مقعده من النار۔

”مجھ سے نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا وہ اسے محو دے۔ مجھ سے حدیث بیان کیا کرے اس میں کوئی حرج نہیں اور جس شخص نے میرے متعلق ارادنا جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ وہ اپنا لکھا نادرغ مٹالے۔“

اگرچہ امام بخاری اور دیگر محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں بلکہ معلول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) فتح الباری میں لکھتے ہیں:

(۱) شہاب الدین قصبہ ابو الفضل کنیت احمد بن علی بن محمد بن علی الکتابی عسقلانی نام ہے۔ تاریخ پیداؤں ۳۷۵ھ ہے ابن حجر سے مشہور ہیں۔ سیوطی طبقات میں رقمطراز ہیں کہ حافظ عراقی سے وفات کے وقت دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہے فرمایا کہ ابن حجر پھر ابو زرہ نے نعم اہلین فی ایمان الامایان میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کیا ہے۔ فربہد زمانہ حال لواء السہ دھبی ہذا المعصر بظاہرہ وجوہرہ الذی ثبت بہ علی کثیر من الاعصار فصارہ امام ہذا الف للمنفذ من و مقدم عساکرا المسلمین و عملہ الوجود فی ہر من والنصح صحیح۔ (باقی صفحہ ۱۴۶ پر)

مسلم من اجل حدیث ابی سعید وقال الصواب وفعه علی ابی سعید
قاله البحاری۔

”کچھ لوگوں نے حدیث ابی سعید کو طوں قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ
موقوف ابی سعید ہے۔“

یعنی ان کی تحقیق میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ خود ابوسعید
خدری کے ہیں۔ جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کر دیا ہے لیکن بالفرض اگر اس روایت کو
موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ممانعت وقتی اس لیے تھی کہ قرآن کے
الفاظ میں تعبد ہے قرآن سے الگ ہو کر کوئی وحی نہیں جس کے الفاظ میں تعبد ہو اور تعبدی طور پر
جس کی تلاوت کی جاتی ہو۔ خود اندازی بیان بول رہا ہے۔ کہ مقصود یہی ہے فرمایا ہے لا
تکتبوا عسی غیر القرآن لفظ فیر عری اسالیب میں اپنا موصوف چاہتا ہے۔ اس لیے مہارت
یوں ہے۔ لا تکتبوا عسی قرآن غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے تلاوت کی چیز قرآن کے علاوہ
کچھ نہ لکھو۔ اس ارشاد میں قرآن کی شان تعبدی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی تائید خود
حضرت ابوسعید خدری کے ان بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ جو حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان
العلم میں درج کیے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں

عن ابی بصیر قل قلت لابی سعید الخدری الا تکتب ما سمع مک
قال التبریدون ان تجملوها مصاحف۔

”ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید سے دریافت کیا کہ کیا ہمیں آپ سے سنی
ہوئی احادیث کو لکھنے کی اجازت ہے فرمایا کیا تم ان کو مصاحف بنانا چاہتے ہو۔“

ذبیہ صفحہ ۱۳۵) حافظ زین العزاقی الشیخ سراج الدین ابوالفتحی الشیخ برہان الدین الدبائی علامہ
عزالدین بن جریر علامہ مجد الدین فیروز آبادی جیسے اسطین علم کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔
ذیہ سو سے زائد تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف میں فتح الباری شرح صحیح بخاری بڑے سرک کی شرف
ہے۔ حافظ سیوطی نے طبقات کذا میں لکھا ہے کہ اولین و آخرین میں اس جیسی کتاب نہیں ہے۔

ابونضرہ ہی نے حضرت ابوسعید خدری کے حوالے سے اس سوال کے جواب میں کہ
ہمیں لکھنے کی اجازت دیجئے یہ بھی نقل کیا ہے۔

قال اريدتم ان تجعلوه انا لا لا (۱)

”فرمایا کیا تم نے اسے قرآن بنانے کا ارادہ کیا ہے نہیں نہیں۔“

یہاں ذاکر سبکی صالح استاذ الملامات دمشق و بخاری کی رائے ہے۔ کہ ابوسعید
خدری کی روایت میں لکھنے کی جس ممانعت کا تذکرہ ہے۔ اس کا پس منظر زمانہ نزول وحی میں
وحی اور اس کی تشریح میں التباس کا اندیشہ ہے۔ (۲)

معالم السنن میں علامہ خطابی نے اس ممانعت کے عملی مصداق کی توضیح کرتے
ہوئے بتایا ہے کہ سنت کو قرآن کے ساتھ ایک ہی محیفہ میں لکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے۔ کہ
اختلاط نہ ہو اور پڑھنے والے کے لیے سامان اشتباہ نہ ہو۔ علامہ خطابی کے اپنے الفاظ یہ ہیں

اسما بھی ان يكتتب الحديث مع القرآن في صحيفة واحدة لتلا يخلط
به وليست به على القاري (۳)

”ایک محیفہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع کیا تاکہ التباس نہ ہو
اور قاری پر مشتبہ نہ ہو۔“

رامبرہڑی نے الحدیث الفاضل میں حدیث ابی سعید خدری کا ذکر کر کے لکھا ہے
فاحسبه انه كان ممنوعاً في اول الهجرة وحسب كان لا يومس الاشتغال
به عن القرآن (۴)

”میرا خیال ہے کہ آغاز ہجرت میں ممنوع تھا۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اس میں لگ
کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت آغاز ہجرت میں ہوئی ہے اور معلوم ہے کہ ابو
سعید خدری ۳ھ میں جنگ احد میں اتنے کم عمر تھے کہ فوج میں بھرتی ہونے کے شوق میں
آئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا۔

(۱) جامع بیان العلم ص ۶۳ ج ۱

(۲) علوم الحدیث ص ۸

(۳) تطبیق علوم الحدیث ص ۹

(۴) معالم السنن ص ۱۸۴ ج ۳

یہاں اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث پیش نظر ہو تو راہ کی ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت تشریف لائے جب ہم حضور انورؐ کی باتیں لکھ رہے تھے۔ فرمایا کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا وہ باتیں جو ہم نے آپ سے سنی ہیں۔ فرمایا کیا تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلے امتوں کو اس کے سوا کسی چیز نے نہیں گمراہ کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ ڈالیں۔ (۱)

ایک اور روایت اسی کے ہم معنی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب؟ کتاب اللہ کو خالص رکھو۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس مناسبت حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیحہ یا اس کے بعد ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بہت ہی عجیب و غریب تقریر فرمائی ہے۔ یمن سے نو مسلموں کی ایک جماعت مدینے آئی ان میں کئی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کو قرآن حکیم کی سورتیں یاد کرنے کے لئے دی گئیں کہ پڑھیں اور یاد کریں۔ جب ان لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سنی تو حسن عقیدت سے یہ تقریر بھی لکھ لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نے قرآن کے ان ہی اوراق پر جو انہیں یاد کرنے کے لیے دیئے گئے تھے لکھ لی۔ (۲)

اس بنا پر حضور انورؐ نے فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب؟ کتاب اللہ کو خالص رکھو۔ اور اسی موقع پر یہ بات فرمادی گئی لا تكتبوا عسى غير القرآن من كتب عسى غير القرآن فليحفظہ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضور انورؐ کا یہی ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا تو اسے بطور ارشاد نبوت بیان فرمادیا۔ شاید اسی علت و قیود کے پیش نظر امام بخاریؒ نے اسے متوقف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں علت و ممانعت صرف اختلاط اور قرآن و غیر قرآن کا التباس ہے۔ اس لیے یہ ان احادیث کے معارض نہیں ہے جن میں احادیث لکھنے کی صریح اجازت ہے۔ مثلاً جامع بیون العلم تھمید العلم اور الحدیث الفاضل میں حضور انورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ

قلبوا العلم بالكتاب۔

”علم کو کتاب سے متقید کرو۔“

یا تدریب الراوی میں یہ واقعہ کہ

عن رافع بن خدیج انه قال قلت يا رسول الله انا نسمع منك اشياء افككتها قال اكتبوا ولا حرج۔ (۱)

”رافع کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے کچھ سنتے رہے ہیں کیا میں لکھنے کی اجازت ہے؟ فرمایا لکھو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

علامہ احمد محمد شاہؒ کا یہ کہن بالکل درست ہے کہ

اگر حدیث ابی سعید ان احادیث کے بعد میں ہوتی تو تمام صحابہؓ کو پتہ ہوتا۔ پوری امت کا اس پر مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور اجماع تو از عمل سے ثابت ہے۔ (۲)

اور پھر جہاں تک حدیث کے بیان کرنے کی اجازت کا تعلق ہے۔ وہ اس میں صاف اور صریح موجود ہے کہ حدیثوا عسى مجھ سے حدیثیں بیان کیا کرو۔ ممانعت تو دراصل قرآن کے سوا کسی دوسری چیز کے لکھنے کی اس بناء پر کی گئی تھی کہ قرآن سے باہر کسی دوسری وحی میں نہ ایجاز ہے اور نہ شانِ تعبد۔ ورنہ نفس حدیث بیان کرنے کی اجازت تو خود ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث بھی دے رہی ہے اور کتاب ہی کے متعلق دوسری احادیث میں صاف اجازت آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے

ایک انصاری صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے مگر یاد نہ رہتیں۔ بلاآخر انہوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت آنحضرتؐ سے کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیثیں سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ مگر میں انہیں یاد نہیں کر سکتا اس پر آپ نے فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے دست مبارک سے ان کو لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ (۱)

سنن ابی داؤد (۲) اور مسند دارمی (۳) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ:

(۱) جامع ترمذی باب ما جاء في الرخصة في كتابة العلم

(۲) سلیمان بن الفضل بن سحاق بن بشر نام ابو داؤد کتبت۔ عرب کے مشہور قبیہ ارد سے نسبی تعلق کی وجہ سے ازدی اور جغتای میں یودو باش کی وجہ سے جغتائی ہیں۔ جغتای دراصل مشہور مقام سیستان کی قریب ہے۔ تاریخ ولادت ۲۰۴ھ ہے۔ امام احمد و بعضی ابو ولید طبرسی مسلم بن ہاشم اور یحییٰ بن یحییٰ کے شاگرد ہیں۔ علامہ شیخ ابواسحاق اشیری نے طبقات میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے ان پر فقہی ذوق بہ نسبت دوسرے محدثین کے زیادہ غالب تھا۔ اسی لیے ان کی کتاب میں صرف احادیث ہیں اور فقہی احادیث کا جتنا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں۔ چنانچہ حافظ ابو جعفر بن زبیر غریابی الترمذی ۵۸۹ھ قیصر طبرستان میں جو بات ابو داؤد کو حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح کو نہیں۔ ان کی وفات جمعہ کے دن ۱۶ شوال المکرم ۲۵۵ھ میں ۳۳ سال ہوئی اور پھر وہیں دفن ہوئے۔

(۳) عبداللہ بن عبد الرحمن نام ابو محمد کتبت عرب کے قبیلہ دارم سے نسبی لگاؤ کی وجہ سے دارمی۔ سرقد میں رہائش کی وجہ سے سرقدی ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۸۱ھ ہے۔ یزید بن ہارون (جو کہ امام اعظم کے شاگرد ہیں) جعفر بن عون وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ امام مسلم ابو داؤد ترمذی اور محمد بن یحییٰ زہبی نے ان کے سامنے رانوائے ادب طے کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ فراساں میں چار شخص حفظ حدیث ہیں۔ ابو داؤد، محمد بن اسماعیل بخاری، دارمی، حسن بن شجاع بخاری۔ عروذ والے دن جمعرات کو بمقام مرد ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا۔ حفظ کرنے کے لیے اس کو لکھ لیتا تھا۔ پھر قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے کہ تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں قصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں۔ اور خوشی میں بھی۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اور آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی آنکشت سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے کہ تم لکھو۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس سے بجز حق کے کچھ نہیں لکھتا۔ (۱)

یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں آمدہ ممانعت خاص تھی اور خصوصیت یہی تھی۔ کہ الفاظ کا قیود ملاوت کی حیثیت میں قرآن سے باہر کسی چیز میں نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث دونوں کی یہ حیثیتیں آج بھی قائم ہیں۔ اس لیے روایت ابی سعید ان روایات سے معارض نہیں جن میں کتابت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کا حکم ہے۔ اگرچہ علماء نے یہ فرض کر کے ابوسعیدؓ کی روایت معارض ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً

● اول یہ کہ حدیث ابی سعید موقوف ہے۔

● دوم یہ کہ ممانعت خاص اس شخص کے لیے تھی جس کے مخالف پر پورا احادیث تھیں۔

● سوم یہ کہ ابوسعیدؓ کی حدیث منسوخ ہے۔

علامہ احمد محمد شاہ کا اصرار ہے کہ آخری جواب درست ہے۔ اور دوسرے علماء نے بھی یہی راہ اختیار کی ہے۔ علامہ امیر ایمانی فرماتے ہیں

آغاز میں ممانعت اختلاف کے اندیشے کے پیش نظر تھی۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں میں قرآن نے ابھی گھر نہیں کیا تھا اور حفاظ خال خال تھے۔ جب قرآن سے رائے عامہ میں بغلی پیدا ہو گئی اور قرآن کے اسالیب کمال باہت اور حسن قلم سے تعلق پیدا ہو کر ایسا امتیازی ٹکڑا پیدا ہو گیا کہ قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز کرنے لگے اور التباس کا اندیشہ جاتا رہا تو ممانعت ختم ہو گئی۔ (۲)

لیکن حدیث ابی سعید کا جو مکمل ہم نے بتایا ہے اس کو ماننے ہوئے تعارض کا سوال ہی درمیان سے ٹھک جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اس سے کراہت کتابت پر استدلال کیا ہے۔ یہ ان کی رائے ہے۔ ارشاد نبوت کا یہ مصداق نہیں ہے۔ اس کی تائید ان واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ جو خود کتابت حدیث کے سلسلے میں ایک سے زیادہ زمانہ نبوت میں پیش آئے ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پورے دین کی حفاظت کے لیے وہی آسان طریقہ اختیار کیا گیا جو اس دور میں اہل عرب کا فطری اور رائج اوقات طریق تھا۔ قرآن حکیم جو دین کی تمام بنیادی اور اساسی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد و احکام کے متعلق کلی ہدایت کا علم بردار ہے۔ اس کا لفظ غلط لوگوں نے نوک زبان کیا۔ مزید احتیاط کے لیے خود حضور اقدسؐ نے معتبر کتابوں سے اس کو نکھوایا حدیث جو شریعت اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات کا نام ہے۔ اس کا قوی حصہ صحابہ نے اپنی عادت کے موافق اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے شاعروں کے قصیدے اور حکما کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے اور اس کے عملی حصے پر فوراً عملدرآمد شروع کر دیا گیا ظاہر ہے کہ اس وقت میں اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن بعد کو جب قرآن حکیم کا کافی حصہ نازل ہو چکا۔ اور مومنات و قرآنی ذوق سے آشنا ہو گئی۔ ادھر غزوہ بدر کے بعد مدینے میں بہت سے لوگوں نے لکھنا سیکھ لیا۔ تو پھر حدیث کے لکھنے کا سلسلہ بھی جستہ زمانہ نبوت ہی میں شروع ہو گیا جہاں تک ان واقعات کی تفصیل کا تعلق ہے۔ یہ ایک بڑی طویل داستان ہے۔ ہم یہاں اشارات کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ کہ ارشادات نبوت کے لکھنے کا مسئلہ خود زمانہ نبوت ہی میں طے ہو گیا تھا۔

دور نبوت میں حدیث کا کتابی ذخیرہ

اسی کے نتیجے میں حدیث کی کتاب کے کام کا آغاز دور نبوت ہی میں ہو چکا تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و سنن کے ساتھ دیوانہ اور فوجداری ضوابط لکھا کر لوگوں کو دینے اور احکام و سنن کی یہ کتابیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے باہر کے

لوگوں کے لیے اسلامی شناسی کا ذریعہ بنیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر (۱) جامع بیان العلم میں رقمطراز ہیں۔

كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب الصدقات والديات والفرائض والسنن (۲)

”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات، خون بہا، فرائض اور سنن پر مشتمل دستاویز لکھی۔“

احکام کی یہ تحریری دستاویزیں سرکار نبوت کی جانب سے مدینہ سے باہر جانے والے گھوڑوں کو ہاتھ دلتی تھیں۔

عمر و بن حزم صحابی کی تالیف:

حافظ مسقانی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی عمر و بن حزم کو نجران کا کشتربنا کر روانہ فرمایا۔

سعمله النبي صلعم على نجران (۳) اور استیعاب میں ہے کہ وذلک مئة عشو۔ یہ واقعہ ۱۱ھ کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ عمر اس وقت صرف سترہ (۴) سال تھی۔ روانگی کے وقت

(۱) یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عمر کنیت اور قرطبہ (اندلس) سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قرطبی ہیں۔ مارہ ربیع الاول ۳۶۸ھ تاریخ ولادت ہے۔ اپنے وطن ہی میں اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔ بہترین تصانیف ان کا علمی کارنامہ ہیں۔ خصوصاً استعید کے بارے میں حافظ ابن حزم کا فیصلہ ہے۔ کہ فقہ حدیث میں میرے علم میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ الاساتذہ کا لہذا ہب علماء المصادر۔ الاستیعاب الاسماء الصبیح۔ ان کے علاوہ اور یہ شمار کرتے ہیں۔ امام، لک۔ امام شافعی اور امام اعظم کے فضائل و مناقب پر بھی الاعتناء کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ جمعہ کے دن ربیع الثانی ۳۶۳ھ کو شہر شاطبہ میں وفات پائی۔

(۲) ابو داؤد باب کتاب العلم، مسند داری: ص ۶۷، جامع بیان العلم: ص ۱۷۱ ج ۱

(۳) اصحاب: ص ۲۹۳ ج ۳ (۴) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دستاویز کتابی شکل میں قلمبند کرا کر دی۔ اس دستاویز میں دیوانی فوجداری ضوابط کے ساتھ فرائض و سنن کی بھی تفصیل تھی۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

وكتب له كتابا فيه الفرائض والسنن والصدقات والديات (۱)

”آپ نے ان کے لیے فرائض، سنن اور صدقات و دیات پر مشتمل کتاب لکھی۔“

حافظ عسقلانی نے تو نہیں مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ بھی انکشاف کیا ہے۔ کہ عمرو بن

حزم کو صرف عامل یعنی کسب اور انتقامی سربراہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کو لیسقہم فی الدین و یعلم القرآن۔ معلم قرآن و فقہ بنا کر بھی روانہ فرمایا (۲) یعنی یہ کسب ہونے کے ساتھ دین کے مفتی اور قرآن کے معلم بھی تھے۔ اور تعلیم و افتاء ہی کے لیے اس دستاویز میں فرائض، السنن قلمبند کیے گئے تھے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ کتاب چمڑے میں تحریر تھی۔ اور عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر حزم کے پاس موجود تھی۔ ابوبکر خود یہ کتاب میرے پاس لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا ہے۔ (۳)

عمرو بن حزم نے اس جتنی دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اکیس دیگر فرائض نبوی بھی فراہم کیے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی؟ زمانہ نبوت کی سیاسی دستاویزوں اور سرکاری پروانوں کا اولین مجموعہ ہے۔

اس کی روایت مشہور محدث ابو جعفر الدیلمی نے لی ہے۔ چنانچہ اعلام السالکین عن کتب سید المرسلین کے نام سے ان طولوں نے جو کتاب لکھی ہے اور جو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت عمرو بن حزم کی یہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کر دی گئی ہے۔ آپ آئندہ پڑھیں گے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے ان ہی عمرو بن حزم کے پوتے قاضی ابوبکر کو تہذیب حدیث کے کام پر مامور کیا تھا۔ نیز امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ ہونے کے بعد جب صدقات کے بارے میں نبوی دستاویز کی تلاش ہوئی تو یہی دستاویز امیر عمر کو عمرو بن حزم کی اوراد کے پاس ملی تھی۔ چنانچہ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں

ان عمرو بن عبدالعزیز حین استخلف ارسل الی المدینة یلتزم عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصدقات فوجدہ عندہ عمرو بن حزم کتاب الی اللہ علیہ وسلم الی عمرو بن حزم فی الصدقات (۱)

”عمرو بن عبدالعزیز نے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ اس مقصد کے لیے قاصد روانہ کیا کہ صدقات کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویز تلاش کرے۔ یہ دستاویز عمرو بن حزم کی اوراد کے پاس ملی۔“

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مالکاتی اور فوجداری حصہ کو ابو داؤد نسائی ابن حبان اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام زہری نے اس کو قاضی ابوبکر بن حزم سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو داؤد نے اپنے مراسل میں اسے درج کیا ہے۔ حافظ جمال الدین زطی نے مراسل ابی داؤد کے حوالے سے یہ دستاویز نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

نسخة کتاب عمرو بن حزم تلغاها الائمة الاربعة بالقبول وحی منوارۃ (۲)

”عمرو بن حزم کی کتاب کو چاروں اہلسنن نے قبول کیا ہے۔ اور یہ حواش ہے۔“

بلکہ صاحب الروض الباسم نے بتایا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے ارشاد میں اس کے سارے طریق پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب ائمہ اسلام میں زمانہ جدید و قدیم دونوں میں برتی جاتی رہی ہے۔ اور اس پر لوگوں کا ۱۵۱۱ء درہا ہے۔

فہذا الكتاب معلق بين ائمة الاسلام قديماً وحديثاً يعملون عليه (۳)

اور حافظ یعقوب بن سفیان یہاں تک فرما گئے۔ میرے علم میں عمرو بن حزم کی کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے۔ صحابہ اور تابعین کا بھی یہ کتاب مسائل میں مرجع تھی۔

كان الصحابة والتابعون يرجعون اليه ويدعون اراہم (۴)

(۱) دارقطنی ص ۲۱۰

(۲) نصب الراية للکافہ الزطی ص ۳۳۲ ج ۲

(۳) الروض الباسم ص ۳۳ ج ۱

(۴) الروض الباسم ص ۳۳ ج ۱

(۱) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۱ (۲) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۲ (۳) نسائی

حافظ محمد بن ابراہیم الوزير لکھتے ہیں کہ یہ امر واقعہ ہے کہ عمرو بن حزم کی کتاب کی مقبولیت پر صدر اول کا اجماع تھا۔

اجماع الصدور الاول علی قبول حدیث عمرو بن حزم (۱)

احادیث کی کتابوں میں اس کتاب کی جتنی حدیثیں منقول ہیں اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حافظ حدیث میں سلیمان بن داؤد الخورنی، امام احمد ابو حاتم ابو زرعہ داری اور ابن عری نے اسے خراج تحسین ادا کیا ہے (۲) اور تنقیح الاکار میں حافظ ابن کثیر کے حوالے سے لکھا ہے

اسی حدیث کو مسند ابی روایت کیا گیا ہے۔ اور مرسل بھی مسند ابن ابی شیبہ نے اس کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔ امام نسائی نے سنن میں امام احمد نے مسند میں امام ابو داؤد نے مراسل میں امام داری نے امام یعقوب بن یوسف بن سفیان امام ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں نیز حسن بن علی بن سفیان عثمان بن سعید عبد اللہ بن عبد العزیز بنوی نے ابو زرعہ دمشقی احمد بن الحسن ابن عبد الجبار صوفی حامد بن شعیب حافظ طبرانی اور ابن مہون نے اپنی تصانیف میں روایت کیا ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موصول الاسناد ہے۔

اور اس حدیث کو جن لوگوں نے مرسل روایت کیا ہے۔ وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ (۳)

کتاب الصدق:

اس تحریری دستاویز کے علاوہ دوسرا تحریری سرمایہ بھی خود نبوت علی کا ساختہ روایت صحابہ کے پاس موجود تھا۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدق تحریر فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس پر عمل کیا اور حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم کا بھی اسی پر عمل رہا۔ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اس نوشتہ کی حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔

(۲) دار قطنی: ص ۲۰۹

(۱) باروخ الہاس: ص ۲۵ ج ۱

(۳) تنقیح الاکار: ص ۲۵۰ ج ۲

اور امام ترمذی (۱) تو یہاں تک لکھ گئے۔

والعمل علی هذا الحدیث عند عامة اهل العلم۔ حضرت عمر کے بعد یہ دستاویز آپ کے خاندان میں ہی رہی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے خود فاروق اعظم کے پوتے حضرت سالم نے یہ تحریر دکھائی ہے۔ میں نے اسے پڑھا ہے۔ اور اسے حرف بحرف زبانی یاد کیا ہے۔ قتال ابن شہاب المرابطہ سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (۲) اس کتاب کی بھی حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینہ میں گورنری کے زمانے میں حضرت سالم سے نقل لی تھی۔ اور زمانہ خلافت میں اسے اپنی قلمرو میں نافذ کیا تھا۔ (۳)

واضح رہے کہ حضرت سالم کو بھی عمر بن عبد العزیز نے مدینہ میں سنن کے کام پر مامور فرمایا تھا۔ حافظ جمال الدین زطلی نے نصب الرای فی تخریج احادیث الہدیہ میں یہ پوری دستاویز نقل کی ہے۔ بہر حال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرسوات کا تحریری سرمایہ خود نبوت علی نے اپنے زمانے میں لوگوں کے لیے فراہم کیا تھا۔ اگرچہ محسوس و مرئی اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اسی بنا پر جو دستاویزیں باہر زمانہ نہیں کی گئیں۔ ان میں صرف صدقات جیسی

(۱) محمد بن یحییٰ بن سوریہ نام ابو یحییٰ کیت: عرب کے قبیلہ سلیم سے کسی لگاؤ کی وجہ سے سلمیٰ اور ترمذی میں بود و باش کی وجہ سے ترمذی ہیں۔ سنن ترمذی: کتاب الاطعمی اور شمائل نبوی انکی مشہور تصانیف ہیں۔ حدیث کے مشہور اساتذہ کے سامنے رائے ادب طے کیا ہے۔ امام بخاری ان کے اساتذہ میں سے ہیں حاکم نے عمر بن خطاب کے حوالے سے بتایا ہے کہ امام بخاری کی وفات کے بعد خراسان میں امام بخاری کا جانشین رہا تقویٰ اور علم و حفظ میں ابو یحییٰ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ روئے روئے آنکھوں کی چٹائی سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ امام ترمذی امام بخاری کے ارشد اساتذہ میں سے ہیں۔ مگر ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود استاد نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ بعض مواقع پر امام ترمذی نے اپنی جامع میں احادیث کی تصحیح کے سلسلہ میں امام بخاری اور مسلم سے اختلاف کیا ہے۔ تاریخ ولادت ۲۰۹ھ

اور وفات ۲۵۵ھ جب ۲۰۹ھ بمقام ترمذی ہوئی۔ (۲) دار قطنی: ص ۲۰۹

(۳) دار قطنی: ص ۲۰۹ (۴) تاریخ اھام (۵) نصب الرای: ص ۳۳۸ ج ۲

چیز پیش پا افتادہ ضرورت کے لیے قید تحریر میں آئی تھی۔ باقی اسلام کے لیے خود اسوۂ حسنہ موجود تھا۔ لیکن جب مدینہ سے جانے والوں کے لیے دستاویزیں لکھی گئیں۔ تو اس میں صرف صدقات نہیں بلکہ الدیات، الفرائض اور السنن تک قلمبند کیے گئے۔ یہ چند نوشتوں کا حال ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ مختلف قبائل کو تحریری ہدایات، خطوط کے جوابات، سلطانین وقت کے نام و دعوت نامے، معاہدات اور صلح نامے۔ اس قسم کا بہت سا تحریری سرمایہ حضور انورؐ نے چھوڑا ہے۔ علماء نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً کتاب الاموال الامام ابو عبیدہ القاسم بن سلام التوفی ۳۳۳ھ اعلام السالکین حافظ ابن طوبون التوفی ۹۵۳ھ اور الوفاق لسیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صحابہ کرام اور کتابت حدیث

حضور ہی کے زمانے میں حضور انورؐ کی اجازت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مجموعے صحابہ کرام نے مرتب کیے۔ مثلاً:

صحیفہ صادق:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے حضورؐ کی اجازت سے آپ کے ارشادات لکھنے شروع کیے۔ کیوں کہ یہ تھے "خوفہ" فرماتے ہیں۔ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ سنتا تھا۔ حفظ کرنے کے ارادے سے قلمبند کرتا تھا۔ یہی لکھی ہوئی دستاویز ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو گئی تھی۔ اسی کا نام انہوں نے صادق رکھا۔ فرماتے تھے۔ مجھے زندگی میں دو چیزیں مرغوب ہیں۔ (ربط و صادق) ربط وہ باغ جوان کے والد نے وقف کیا تھا۔ اور یہ اس کے متولی تھی۔ اور صادق کے متعلق فرماتے ہیں۔ (۱)

اما الصادقة فصحيحة كتبها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (۲)

"صادق یعنی دو صحیفہ جو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھا ہے۔"

حافظ مستقانی فرماتے ہیں کہ یہی صحیفہ ان کی وفات پر ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ و ملا تھا۔ (۳) حدیث کی کتابوں میں اس نام سے روایات کا جس قدر ذخیرہ ملتا ہے۔

(۱) جامع بیان العلم ص ۲ ج ۲ (۲) جامع بیان العلم ص ۲ ج ۲ (۳) تہذیب تہذیب تہذیب تہذیب

وہ اسی صحیفہ کا سرمایہ ہے۔ حافظ زبیلی نے اسے بھی عمرو بن حزم کی کتاب کی طرح متواتر قرار دیا ہے۔ امام ترمذی ایک دوسرے مقام پر قیصر فرماتے ہیں۔ اما اکثر اهل الحديث يمتنعون بحديث عمرو بن شعيب ويمنونه یعنی محدثین کی اکثریت عمرو بن شعیب کی احادیث کو صحیح اور قابل استدلال سمجھتی ہے (۱)۔ عبداللہ کے پڑپوتے یعنی عمرو بن شعیب کی ثقاہت میں کسی کو کوئی کلام نہیں اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ ہی کا نوشتہ ہے۔ لیکن چونکہ ان کے والد کا انتقال اپنے والد کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ اس لیے محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے دادا سے پڑھا ہے کہ نہیں؟ اگر پڑھا ہے تو سماع متصل ہے۔ اگر نہیں پڑھا تو سماع مرسل ہے۔ حافظ مستقانی سید الحافظ یحییٰ بن محسن سے نقل ہیں۔

وحد شعيب كتب عبدالله فكان يرويها عن جده هر سلا وهي صحاح من عبدالله بن عمرو غير انه لم يسمها۔

"شعیب نے عبداللہ کی کتابیں پائی ہیں اس لیے ان کتابوں کے ذریعے اپنے دادا سے ان کی روایات مرسل ہیں۔

یہ تو ایک محدثانہ عرف ہے ورنہ آج بھی ہم حدیثیں جن کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔ تو ایک یکنے کے لیے نہیں سوچتے کہ خود بیان کرنے والے کا کتاب کے مؤلف سے استاد و رشتہ متصل ہے یا نہیں۔

در اصل محدثین کے یہاں بہ نسبت کتابوں کے حافظ پر زیادہ اہتمام کا اسی طرح رواج تھا۔ جیسے ہمارے عرف میں حافظ کے مقابلے میں کتابوں پر اعتماد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس دور میں کتابت گویا اہل علم میں ایک بہت بڑی کمزوری سمجھی جاتی تھی۔ اور ان کا یہ طرز عمل صرف استاد و رشتہ کو متصل کرنے کے لیے ضروری تھا۔ لیکن آج کی دنیا میں بہ نسبت راوی کے خود مؤلف کی ذات پر اہتمام ہے۔ اس لیے اس نظریہ کا مقام محدثانہ اصطلاح سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہ نسخہ حضرت شعیب کو اپنے دادا سے وراثت میں ملا ہے خواہ شعیب نے دادا سے پڑھا یا نہیں

(۱) جامع ترمذی ص ۲۳۲ ج ۱

مصحف کو حدیث کے مشہور امام حماد بن (۱) سلمہ سے روایت کیا ہے۔ جس میں حماد خود تصریح کرتے ہیں کہ میں نے خود ثمامہ سے اس نوشتہ کو حاصل کیا ہے (۲) امام حاکم نے یہ دستاویز نقل کی ہے (۳) حافظ ابو جعفر طحاوی نے بھی یہ دستاویز بحوالہ حماد بن سلمہ بتائی ہے۔ مگر اس میں حماد بن سلمہ کی یہ

﴿بقیہ صفحہ ۱۶۱﴾ ابو حفص کبیر موجود تھے۔ اس وقت ان سے اسامیل نے کہا تھا کہ میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا شبہ کا نہیں پاتا (مقدمہ ص ۴۸) یہ تعلقات اسامیل کی وفات کے بعد بھی دونوں خاندانوں میں برابر استوار رہے۔ چنانچہ امام بخاری اور امام ابو حفص کبیر نے امام بخاری کو اس قدر مال تجارت دیا تھا۔ جس کو کچھ تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے خرید لیا اور کچھ اس سے زائد نفع دے کر خریدنے کو آمادہ تھے۔ لیکن امام بخاری نے اپنے ارادے کو بدلنا پسند نہ کیا۔ (مقدمہ فتح) حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابو حفص کبیر کو (جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں) امام بخاری کے ساتھ میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے حق میں ابو حفص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اس کا شہرہ ہو گیا" امام بخاری جمعہ کے دن ۱۳ شوال ۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے خود فرماتے ہیں کہ میرا وہ سال کی عمر میں نے امام اعظم کے دونوں شاگردوں امام کعب اور امام عبد بن مبارک کی کتابیں نوک زبان کر لی تھیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ صاحب تصنیف ہو چکے تھے۔ آپ کی تصانیف اگرچہ کافی ہیں لیکن ان میں السنہ ابی معالج المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولسنہ وایامہ جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔ سب سے زیادہ معرکہ کی کتاب ہے یہ صرف حدیث ہی کی نہیں بلکہ علوم ہوال کا خلاصہ ہے۔ تاریخ وفات یکم شوال ۲۵۶ھ ہے۔

(۱) امام دہلوی نے ان کا تذکرہ امام ابو حفص شافعی کے پرشکوہ القاب سے کیا ہے۔ کنیت ابو سلمہ اور نام حماد بن سلمہ بصرے کے رہنے والے ہیں۔ حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المصیۃ میں حافظ بزاز نے مناقب میں ان کو امام اعظم کے تذکرہ میں شمار کیا ہے۔ شہاب بن قیس کہتے ہیں کہ امام حماد کو ابدال میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حافظ دہلوی نے انکشاف کیا ہے۔ کہ اسلام میں سعید بن عروبہ کے ساتھ پہلے مصنف ہیں۔ امام عبد الرحمن مہدی نے ان کی پارسائی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے۔ اگر حماد سے کہا جائے کہ تو کوکل مراد ہے تو یہ عمل میں اضافہ نہیں کر سکتے یعنی پہلے سے ہی اس قدر ہمہ گیری ہے۔ معاف بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ عادت دیکھی لیکن ان سے زیادہ خیر قرأت قرآن اور عمل بوجہ اللہ پر میں نے سوا کب کوئی نہیں دیکھا۔ اس ذی الحجہ بعد نماز صبح ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوداؤد ص ۳۳۵ (۳) مستدرک حاکم ص ۳۹۰ ج ۱

تصریح بھی ہے کہ مجھے ثابت البتانی نے یہ دستاویز لینے ثمامہ بن عبد اللہ کے پاس بھیجا انہوں نے مجھے یہ دستاویز دی۔ میں نے دیکھا ہے کہ فاذا علیہ خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تھی۔ (۱)

مصحف جابر:

حافظ ذہبی (۲) نے تذکرے میں حضرت قتادہ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بصرہ میں سب سے زیادہ حافظ تھے ان کے سامنے حضرت جابر کا مصحف پڑھا گیا تو ان کو ازبر ہو گیا۔ قرات علیہ صحیفۃ جابر مرة فحفظها حضرت جابر کا مصحف ایک بار پڑھا گیا تو ان کو ازبر ہو گیا (۳) حافظ عسقلانی نے طلحہ بن باغ کے ترجمہ میں سفیان بن عیینہ اور امام شعبہ دونوں کا بیان لکھا ہے کہ حدیث ابی صعبان عن جابر اصحابی صحیفۃ۔ ابو سفیان جو حضرت جابر کی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ وہ مصحف جابر ہی سے نقل کرتے ہیں۔ (۴)

(۱) شرح معانی الآثار ص ۳۱۶

(۲) کنیت ابو عبد اللہ نام محمد بن احمد بن عثمان الترکانی الاشقی الذہبی ہے۔ علامہ تاج الدین ابی نے محدث العصر خاتم الحفاظ امام احمد لکھا ہے۔ فقہ حدیث تاریخ تجوید رجال میں بے مثال تھے۔ ان مکتبہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ امام اعظم کی میرت پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ایک مقام پر علم الحدیث اور طلب الحدیث پر ایک بڑا مفید نوٹ لکھا ہے۔ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور تاریخ وفات ۲۵۶ھ ہے۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۶ ج ۱

(۴) تہذیب ترجمہ طلحہ بن باغ

محیفہ سرہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام حسن (۱) بصری کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت سرہ بن جندب سے ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے جس کی بیشتر حدیثیں سنن اربعہ میں موجود ہیں امام علی بن المدینی اور امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں انہوں نے سنی ہیں۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں اسی نوشتہ کی ہیں۔ اسی نسخہ کو امام حسن بصری کے علاوہ خود حضرت سرہ کے صاحبزادے نے بھی ان سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔ سلیمان روی عن ابیہ نسخة کبيرة (۲)

محیفہ صحیحہ:

یہ اصل میں حضرت ابو ہریرہ کی تالیف ہے۔ جو انہوں نے اپنے شاعر ہمام بن منہب کے لیے ترتیب دی تھی۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہ سے اس محیفہ کے راوی ہمام ہیں۔ اس لیے محیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہو گیا۔ دراصل اس کا نام محیفہ ابی ہریرہ ہمام بن منہب ہونا چاہیے۔

(۱) الحسن بن ابی الحسن نام۔ ابو سعید کنیت مدنیہ میں نشوونما پائی۔ شہادت عثمان کے وقت چودہ سال عمر تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ، عمران بن حصین، مغیرہ بن شعبہ اور ان کے علاوہ چند در چند صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ مرسل حدیثیں پیش فرماتے یعنی تابعی ہونے کے باوجود ارشاد کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے اپنے اور حضور کے درمیان واسطہ کا ذکر نہ کرتے جیسا کہ عموماً سعید بن المسیب، کھول دمشقی، ابراہیم نخعی اور دیگر اکابر تابعین کا معمول تھا۔ امام محمد بن جریر فرماتے ہیں۔ ان الساس بأسرہم علی قبول المرسل فابین سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں۔ کہ امام حسن بصری کے مراسلات صحیح ہیں (خلاصہ) ان کے متعلق امام اعظم کی کتاب لا ہمار میں فرماتے ہیں کہ میں نے امام باقر سے سنا ہے کہ عراق میں حسن بصری جیسا کوئی نہیں۔ ص ۲۰۹ تاریخ وفات ۱۱۰ھ۔

(۲) تہذیب: ص ۹۳ ج ۲

آپ پہلے سن چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے اگر کسی کی حدیث دانی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے تو وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص تھے۔ موصوف نے اصحیۃ الصادق کے نام سے احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ شاید حضرت ابو ہریرہؓ نے ان ہی کی تقلید میں اپنی تالیف کا نام اصحیۃ العجمیہ رکھا ہے۔ بہر حال یہ تالیف عہد صحابہ کی یادگار ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو دمشق اور یمن میں اس کے دو قلمی نسخے ملے ہیں۔ بڑی تحقیق و جستجو کے بعد انہوں نے پہلی صدی ہجری کی اس گراں مایہ تالیف کو شائع کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مقابلہ کرنے پر نظر آتا ہے کہ بعد کے مولفوں نے مفہوم تو کیا کوئی لفظ تک نہیں بدلا۔ اس محیفہ کی ہر حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے ملتی ہے بلکہ مسند احمد میں آج بھی یہ پورے کا پورا رسالہ بلا حذف و اضافہ موجود ہے۔ اس سے متعلق تفصیلات کے لیے محیفہ ہمام بن منہب کا مقدمہ دیکھئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم نے زمانہ صحابہ میں حدیث کی تدوین پر ان تالیفات کا تذکرہ لوگوں کی پھیلائی ہوئی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کیا ہے کہ حدیث کی تدوین ایک سو سال بعد ہوئی ہے۔ یاد رکھئے یہ بہت بڑا سنگین مغالطہ ہے۔ حدیث کے موضوع پر تالیف و تصنیف کے اس قدر سرمایہ ہونے کے باوجود یہ سمجھنا تاریخ سے بہت بڑی بے انصافی ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر مکی صالح نے علوم الحدیث میں تفصیلی بحث کی ہے۔

یہ صی پ کرام کے چند نوشتے ہیں جو بہت سی احادیث پر مشتمل ہیں یا جو مستقل کتاب یا میخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر صحابہ کی ان تمام تحریروں کو یک جا کیا جائے۔ جس میں انہوں نے کسی حدیث کا تذکرہ کیا ہے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تدوین حدیث کے کام کا آغاز دور نبوت ہی میں ہو چکا تھا اور پھر دور صحابہ میں بھی یہ کام ہوتا رہا تحریری بھی تقریری بھی۔ لیکن زیادہ تر توجہ تقریری طور پر کام کرنے کی طرف مبذول تھی کیونکہ عرب والوں کی تاریخ اور ان کی معاشرت میں علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کا پہلے سے یہی طریقہ رائج تھا۔ وہ اپنے تمام شجرہ و بائے نسب اہم تاریخی واقعات

جنگی کارنامے بڑے بڑے خطبے لیے قصیدے اور نظمیں سب زبانی یاد رکھتے تھے۔ قرآن پاک نازل ہوا تو اس نے اپنے لیے اسی طریقے کو سراہا اور خود نبوت اور صحابہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔

ہل ہوا مات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

”بلکہ وہ آیتیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم ملا ہے۔“ (۱)

یہی طریقہ ارشاد نبوت کو محفوظ رکھنے کے لیے صحابہ نے اختیار کیا ہے اور خود ذات نبوت نے بھی ان کو ایسا ہی کرنے کو کہا تھا۔ چنانچہ وفد عبد القیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو آپ نے وفد کو زبانی ہدایات سے نوازا تو یہ خصوصی ہدایت بھی فرمائی کہ

اسفظوہن ”ان کو زبانی یاد کر لو۔“ (۲)

حدیث کا بیان کرنے والے صحابہ کرام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام کے ذریعے احادیث کا ذخیرہ امت کو ملا ہے اور تاریخ احکام یا تاریخ سنت کی معلومات کا سرمایہ جن اکابر کی وساطت سے کتابوں میں آیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف چار ہزار مرد و زن ہیں۔

چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں:

(۱) یعنی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پڑھا نہیں ایسے یہ دین جو وہ لے کر آئے ہیں۔

ان کے صحابہ (جن کو اللہ کی جانب سے علم ملا ہے) کے ذریعے بن لکھے سید بسید جاری ہو گا اللہ کے فضل سے ان کے ہی سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے الفاظ کی حفاظت کرنے والوں کو حفاظ و قراء اور معانی کی نگرانی کرنے والوں کو فقہاء مجتہدین کہتے ہیں صراط مستقیم یہی ہے کہ دین کے پہنچانے میں حفاظ و قراء پر اور دین کے بچھنے میں فقہاء پر اعتماد رکھے دونوں میں سے کسی ایک میں بھی خود رائی کرنا خسارے کو مول لینا ہے۔ اور غالباً حدیث افتراق میں ما انا علیہ واصحابی سے بھی

یہی مآثرات تصود ہے۔

(۲) الخیرات الحسان: ص ۱۰

فقد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابة لربعة الاف رجل و امرأة (۱)
”صحابہ میں سے صرف چار ہزار مرد و زن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات بیان کی ہیں۔“

اتنی بڑی تعداد میں سے اس گلیل مددی کے ذریعے علوم نبوت ہم تک پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں ہر شخص یہ کام نہ کرتا تھا۔ بلکہ خاص خاص وہ حضرات ہی کرتے تھے۔ جن کو اپنی قوت حافظہ پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اور یہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے ازلة الخفا میں لکھا ہے:

قاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود رابا جسے کوفہ فرستاد معتقل بن یسار و عبد اللہ بن معتقل و عمران بن حصین رابا بصرہ و عبادہ بن الصامت و ابو الدرداء رابا بصرہ و معاویہ بن ابی سفیان رابا کہ امیر شام بود قد فن بلغ لوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔ (۲)

قاروق اعظم نے عبد اللہ بن مسعود کو ایک جماعت دے کر کوفہ روانہ کیا معتقل بن یسار عبد اللہ بن معتقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ ابن الصامت ابو الدرداء کو شام معاویہ ابن ابی سفیان کو جو کہ شام کے امیر تھے پوری تاکید فرمائی۔ کہ ان کی حدیث سے تجاوز نہ کریں۔

یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ میں یہ کام ہر شخص نہیں کرتا تھا اور جو کرتے تھے ان میں بے حد فرق مراتب تھا۔ اس فرق مراتب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ سب سے

زیادہ احادیث کی تعداد جن حضرات سے آئی ہے وہ صرف چار ہیں۔ مثلاً
حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عائشہؓ
صدیقہؓ ان کے بعد اس سے کم تعداد والے تین ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ جن صحابہ کی روایات ہزار سے زیادہ نہیں وہ صرف دس ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ
حضرت عمر الخطابؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت ابوسوی اشعریؓ حضرت براء بن عازبؓ
حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابوامارہ باملیؓ

دوسرے جن کی روایات سے زیادہ ہیں۔ وہ تعداد میں انہیں ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت عمارہ بن الصامتؓ حضرت
عمران بن حصینؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ابو قتادہؓ حضرت بريدةؓ حضرت ابی بن
کعبؓ حضرت معاویہؓ حضرت ابویوب انصاریؓ حضرت مغیرہؓ حضرت ابوبکرؓ
حضرت نعمان بن بشیرؓ حضرت ابوسعود انصاریؓ حضرت جریر بن عبداللہؓ حضرت سہل
بن سعدؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت ثوبانؓ

ان کے بعد پیغمبروں سے نیچے احادیث بیان کرنے والے صرف چوراسی ہیں۔

انہیں حدیثیں بیان کرنے والے صرف دو صحابی ہیں۔

انصار حدیثیں بیان کرنے والے صرف چھ صحابی ہیں۔

سترہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

سولہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

پندرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف چار صحابی ہیں۔

چودہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف گیارہ صحابی ہیں۔

تیرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف سات صحابی ہیں۔

سب سے زیادہ تعداد ایک ارشاد بیان کرنے والے صحابہ کی ہے۔ اس کے بعد پھر

تیس باقرہ تیب بنی ہاشم۔ (۱)

اور جن صحابہ کے ذریعے امت کو اپنے پیغمبر سے علم کی میراث ملی ہے۔ علماء نے ان
کی زندگیوں پر مفصل اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے قدیم کتاب اس موضوع پر اُردو
سیولٹی کے خیال میں امام بخاری کی تاریخ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قدیم کتاب اس موضوع پر

طبقات ابن سعد ہے صحابہ کے حالات میں اس سے پہلے اسی بڑی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔
یہ کتاب عرصہ سے مفقود تھی اب یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اس کے بعد دوسری کتابیں منصف
وجود پر آئی ہیں۔ طبع شدہ کتابوں میں سب سے مبسوط حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز
الاصحاب ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں کل صحابہ ۱۲۴۷ کے تراجم آئے ہیں۔
ابن سعد نے طبقات میں تمام صحابہ کو پانچ طبقوں اور امام حاکم نے بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔
طبقات صحابہ یہ ہیں

• وہ لوگ جنہوں نے مکہ میں مسلمان ہونے میں پہل کی جیسے خلفاء راشدین۔

• وہ لوگ جو مشرکین مکہ کے دارالندوہ میں مشاوت سے پہلے مسلمان ہوئے۔

• مہاجرین حبشہ۔

• اصحاب عقبہ اولی۔

• اصحاب عقبہ ثانیہ۔

• وہ مہاجرین جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ جاتے ہوئے قبا میں ملے۔

• اصحاب بدر۔

• وہ صحابہ جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی ہے۔

• اصحاب بیعت الرضوان۔

• وہ صحابہ جو حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مہاجر ہوئے۔

• وہ صحابہ جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔

• وہ بچے جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں

زیارت کی۔

صحابہ کرام میں حفاظ و فقہاء

پھر صحابہ کرام میں خدمت دین کا کام علمی طور پر دو حصوں میں تقسیم تھا۔

کچھ تو وہ تھے جن کا کام صرف محفوظ سرمایہ کے آگے پہنچانا تھا۔ یہ احادیث روایت

کرتے تھے۔ کچھ وہ تھے جن کا کام قرآن و حدیث کے محفوظ سرمائے سے مسائل کا استنباط اور ان میں تھقلہ اور تہ برتھا۔ اس سلسلے میں حدیث ابی موسیٰ اشعریٰ پر حافظ ابن القیم کی تصریحات آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں باہم علمی مسائل پر اپنے اپنے فن کے لحاظ سے گفتگو بھی ہوتی اور فقہاء کی جانب سے ان حفاظ پر فقہی اعتراض بھی ہوتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی پیش کیا۔

لوگو! اس چیز سے وضو کرو جسے آگ نے بدل دیا یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نوٹ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں تو گرم پانی سے وضو کرتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میرے بھائی! جب تم حضور انور کا ارشاد گرامی سنو تو اس کے لیے مثالیں نہ تراش۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو حسان الاعرج کہتے ہیں کہ دو شخص حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو بتایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں کہ

انما الطيرة في المرأة والدابة والدار۔

”بے شک شگون عورت، سواری اور گھر میں ہے۔“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ایسا نہیں ہے۔ حضورؐ کو یوں فرماتے تھے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کہنا یہ تھا۔ کہ شگون عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بات کا آخری حصہ سنا آغاز نہیں سنا جتنا سنا بیان کر دیا۔

مسند ابی داؤد طیلسی میں ہے کہ حضرت علقمہؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کے پاس تھے ابو ہریرہؓ آئے حضرت عائشہؓ نے کہا اے ابو ہریرہؓ کیا تم یہ حدیث بیان کرتے ہو کہ حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو ملی کے بائیں ہاتھ سے کھانا چٹا بند کرنے کی پاداش میں عذاب ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جی ہاں میں نے حضورؐ سے ایسا ہی سنا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پتہ ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ یہ عورت کافرہ تھی۔ خوب یاد رکھو اللہ سبحانہ کے نزدیک مومن کا اس سے کہیں زیادہ اکرام ہے کہ وہ اسے صرف ایک ملی کی وجہ سے عذاب دے۔

یاد رہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر حضرت عائشہؓ کے ان تعقیبات سے یہ شبہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی شان فقہیت پر کوئی حرف آتا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے تعقیبات صرف حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی جانب سے ایسے تعقیبات تو ان پر بھی ہیں جو فقہیت میں معروف اور کثیر القیادہ ہیں۔ مثلاً فاروق اعظمؓ، علی بن ابی طالبؓ۔

ابن سعد نے طبقات میں ابن القیم نے اعلام میں حضرت ابو ہریرہؓ کو ابن صحابہ میں شمار کیا ہے جو بیان قادی و مسائل میں درمیانے درجہ پر تھے۔ کسی صحابی کے کثیر الحدیث اور ضبط و حفظ میں شہرت پالینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث القیادہ ہے۔ اگر کثرت حدیث اور اسناد و روایت کی فن کاری کی وجہ سے ارباب طبقات نے امام احمد اور امام بخاری کو فقہاء میں شمار نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام احمد اور امام بخاری فقیہ نہ تھے۔ یقیناً تھے لیکن دوسرے ارباب فن کی طرح ان کا یہ فن نہ تھا۔ ایسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ یقیناً فقیہ تھے مگر فاروق اعظمؓ، علی بن ابی طالبؓ اور ابن مسعودؓ کی طرح فنکار نہ تھے ان کی فنکاری تحدیث و روایت تھی۔ علامہ عبد العزیز بخاری نے کشف الاسرار میں حافظ ابن الہمام نے آخر میں حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المصیۃ میں یہ بات پوری قوت کے ساتھ واضح کی ہے۔ حافظ ابن الہمام لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ ہیں۔ اور اسباب اجتہاد سے مالا مال تھا۔ (۱)

حافظ عبدالقدور قرشی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ تھے ان کو حافظ ابن حزم نے فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ شیخ تقی الدین السبکی نے ان کے فتویٰ کتابی صورت میں جمع کیے ہیں۔ (۱)

یہ امر آخر ہے۔ کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں ان کو فنی شہرت نہ ہو جیسا کہ ابوالصیب میں ابن القیم حافظ بن حزم کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

ابن عباسؓ کے فتویٰ تفسیر اور مسائل کا حضرت ابو ہریرہؓ کے فتویٰ سے کیا مقابلہ اور کیا نسبت؟ بے شک حضرت ابو ہریرہؓ حفظ میں صاحب مقام ہیں بدلی الاطلاق پوری امت میں حفاظ ہیں۔ حدیث کو جیسا کہ آگے پیش کرتے ہیں۔ ان کی ساری توجہات کا مرکز حفظ حدیث و ان محفوظ حدیثوں کو آگے پہنچانا ہے۔ اور ابن عباسؓ کی توجہ کا مرکز تفسیر اور استنباط مسائل ہے۔ لیجئے خود ان کے الفاظ پڑھ لیجئے۔

فكانت همته مصروفة الى الحفظ و تبليغ ما حفظ كما سمعه و همته

ابن عباس مصروفة الى التفقه والاستنباط۔ (۲)

”ابو ہریرہؓ کی مسدود توجہ حدیثوں کے یاد کرنے اور یاد شدہ حدیثوں کے پہنچانے پر لگی تھی۔ ورنہ ابن عباسؓ کی ہمت و توجہ کا مرکز فقہ فتویٰ اور استنباط مسائل تھا۔“

اسی بنا پر اصول کی کتابوں میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان صحابہ کی حدیثوں کو جو فقہ و اجتہاد میں معروف ہیں ترجیح دی جائے۔ برخلاف ان کے جو فقہ و اجتہاد میں نہیں بلکہ صرف عداوت، غنا میں ممتاز و مشہور ہیں۔ ان کی حدیث کو راجح نہیں قرار دیا جائے گا۔ فقہ و اجتہاد میں شہرت رکھنے والوں کی مثال میں خلفاء راشدین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابی بن حنیبلہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا نام آیا ہے۔ اور حفظ و عداوت میں شہرت رکھنے والوں کی مثال میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، مالکؓ، حضرت سہان فارسیؓ اور حضرت یاس کا نام لیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں

ان عرف بالفقہ والقدم في الاجتهاد كالعلماء الراشدين كان حديثه حجة وان عرف بالعدالة والوسط دون الفقه كانس واهي هريرة۔

”اگر فقہ اور اجتہاد میں مشہور ہو جیسے خلفاء راشدین تو اس کی حدیث حجت ہے اور اگر کوئی عدالت، ضبط و حفظ حدیث میں مشہور ہو۔ مگر فقہ میں شہرت نہ رکھتا ہو۔ جیسے ابو ہریرہؓ اور انسؓ۔“

اب سابقہ بیانات کی روشنی میں آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت فاروقؓ کو کس چیز میں شہرت حاصل ہے۔ یقیناً حضرت ابو ہریرہؓ کو حفظ میں اور حضرت فاروقؓ کو فقہ و اجتہاد میں اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ نہیں ہیں۔ حاشا تم حاشا فقیہ ہیں۔ مگر حضرت ابن عباسؓ، حضرت فاروقؓ، امام اعظم اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح فقہ میں معروف نہیں۔ اور کسی فن میں شہرت نہ ہونا کوئی عیب نہیں یہ تو فرق مراتب ہے۔

حافظ زرکشی نے حضرت عائشہؓ کے ایسے تعقیبات کو ایک رسالہ نامی ”الاجابہ فیما يستدرك عائشة على الصحابة“ میں جمع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ حافظ سیوطی نے اپنی عادت کے مطابق اسی کی تلخیص ”معین الاجابہ فی استدراک عائشہ علی الصحابہ“ کے نام سے کی ہے۔ یہ طبع معارف اعظم گڑھ و ہندوستان میں طبع ہوا ہے۔

الفرض بتانا یہ پوچھتا ہوں کہ صحابہ میں اس لحاظ سے فرق مراتب تھا اور فرق مراتب کی یہی میراث تابعین اور تبع تابعین کو بھی صحابہ سے ملی ہے۔

اور یہاں سے یہ حقیقت بھی الم شرح ہو گئی کہ حضرت فاروقؓ اعظم کے متعلق جو یہ تصریحات ملتی ہیں کہ

الفلو الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔“

یہ حضرت قرظؓ کا یہ کہنا کہ۔ نہ تھا عمرو (منع کیا ہم کو عمرؓ نے) اور یا حضرت ابو ہریرہؓ ابوسلمہ کے سوال پر یہ کہنا کہ

لو كنت احديث في زمان عمر مثلما احديثكم بصورتي بمحقة (۱)
 "اگر میں زمانہ عمر میں ایسے حدیث بیان کرتا جیسے تم سے کرتا ہوں تو مجھے وہ ورے لگاتے۔"

تو ان کا منہ وہ نہیں جو عموماً آج سمجھا گیا ہے۔ بلکہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ فاروق اعظم نے حدیث اور اشاعت سنت کے لیے سرکاری طور پر شخصیتیں مقرر کی تھیں۔ ہر کس و نا کس کو یہ کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ امام داری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ منشا تھا کہ غزوات اور جنس سررمیوں کے واقعات رائے عامہ کے سامنے نہ بیان کیے جائیں۔ صرف فرائض و سنن سے ان کو روشناس کیا جائے اور عیسایہ امت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جن کا تعلق عادات و اشکال سے ہے۔ وہ نہ بیان کی جائیں کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یہ وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ و ضبط کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (۲) ان تاویلات کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا موقف خود ان کے طرز عمل سے متعین ہو سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے تمام ممالک محروسہ میں معلمین مقرر کیے تھے۔ اور ہر جگہ تاکید کی احکام روانہ کیے تھے کہ ان معلمین سے فرائض اور سنن سیکھو جیسا کہ قرآن سیکھتے ہو۔ چنانچہ مسند داری میں ہے

تعلموا الفرائض والسنن لما تعلمون القرآن۔

"فرائض اور سنن کو سیکھو جیسے تم قرآن سیکھتے ہو۔"

اور قرآن کے ساتھ صحت الفاظ و اعراب بھی سیکھو۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن النجار یہ ہیں تعلموا اعراب القرآن كما تعلمون حفظه۔

"اعراب قرآن سیکھو جیسے اس کو یاد کرنا سیکھتے ہو۔"

مورخین نے چونکہ زمانہ فاروق اعظم میں تعلیمی نظم کے لیے کوئی خاص عنوان قائم نہیں کیا اس لیے ان معلموں کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی مگر جت جت تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر میں متعدد صحابہ اس کام پر مامور تھے۔ قرۃ العینین میں ہے کہ:

ور ہر شہرے مقررے و محدثے را فرستاد (۱)

"آپ نے ہر شہر میں ایک قاری اور ایک محدث بھیجا۔"

اور روحت الاحباب کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمانہ فاروق اعظم میں ایک ہزار چھتیس شہر فتح ہوئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں ایک ہزار چھتیس صحابہ کرام کی حدیث کو اشاعت کے لیے مقرر فرمایا۔ آپ چاہیں تو تذکرۃ الجہاد اسد الغابہ اور الاماہد جیسی کتابوں سے ایسے صحابہ کی ایک فہرست مرتب کر سکتے ہیں۔ جن کو حضرت عمرؓ نے معلمین سنن اور محدثین کی حیثیت سے روانہ کیا۔ ایک بار مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ بات واضح الفاظ میں فرمائی۔

فی اشہدکم علی امراء الامصار فی لم ابھم الا بفھو الخاص فی دھم (۲)
 "میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے امراء کو شہروں میں دین سکھانے کے لیے روانہ کیا ہے۔"

اسی واللہ ما بہت الیکم عمالی لیضربوا ابشارکم ولکن ابھم الیکم لیعلموا دھمکم ومنہ لیکم (۳)

"میں قسم کرتا ہوں کہ میں نے امراء کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں۔"

گویا فاروق اعظم کے زمانے میں ہر ملکی افسرانظامی سربراہی کے ساتھ محدث اور

معلم فقہ ہوتا تھا اور یہ التزام صرف انتظامیہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا خاص لحاظ ہوتا تھا۔ قاضی ابو یوسف رقمطراز ہیں۔

ان عصر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جنس من اهل الایمان بعث علیہم رجلاً من اهل الفقه والعلم۔

"حضرت عمرؓ کے پاس مسلمان فوجی آئے۔ تو ان پر اہل فقہ اور علم کو امیر بناتے۔" یاد رہے کہ صدر اول میں فقہ سے مراد سنت ہوتی تھی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

مسمین در زمان شیخین کے متفق بودند باخذ بہ سنت ظاہر کہ مبرہنہ است (۱)
 "مسمان شیخین کے زمانے میں سنت کو اپنانے پر متفق تھے جسے فقہ کہتے ہیں۔"
 اس تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ کی اتنی بڑی شہادت ہوتے
 ہوئے روایت حدیث سے ممانعت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے
 کرنے کا نہیں بلکہ سرکاری طور پر اس کے لیے خاص شخصیتیں مقرر تھیں۔

خلافت راشدہ اور تدوین حدیث

خلفائے راشدین کے سارے دور میں ارشادات پیغمبر کی عمومی حفاظت رائے عامہ
 نے اسی طرح کی اور اسی کام ان کی زبان میں اعلیٰ تھا۔ اور یہ علم کی نگرانی سابقہ رواج کے
 مطابق بطریق الرویۃ تھی۔

یہ بات کہ خلافت راشدہ میں باقاعدہ قانونی طور پر کتابی صورت میں حدیث کی
 تدوین کیوں نہیں کی۔ اس کے لیے ہم یہاں حافظ ابو بکر بن عقال کے بیان کا ایک اقتباس دے
 ناظرین کرتے ہیں۔

ابو بکر بن عقال الصنعی بروایت ابن بشکوال رقمطراز ہیں کہ حدیث کا سارا ذخیرہ
 زمانہ نبوت کے بعد صحابہ کے سینوں میں الگ الگ تھا۔ یعنی کسی کو کچھ معلوم تھا۔ ساری زندگی
 ایک ہی شخص کو معلوم نہ تھی اور پھر جسے جو کچھ بھی معلوم تھا وہ بھی معانی کی حد تک۔ کیونکہ الفاظ
 کی حفاظت کا اس کے لیے کوئی قانونی اہتمام روز اول ہی سے نہیں کیا گیا تھا۔ برخلاف قرآن
 کے کہ اس کے الفاظ کی قانونی طور پر نگرانی کی گئی تھی۔

ایک مدت میں اگر صحابہ کرام زمانہ خلافت راشدہ میں قرآن ہی کی طرح احادیث
 کو بھی سنبھال کر لیتے اس میں ایک طرف یہ خوبی ضرور ہوتی۔ کہ ایک قابل اعتماد علمی سرمایہ کتاب
 کی صورت میں لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا مگر یہ قبح بھی یقینی طور پر پیش آتی کہ قرآن اپنے اعجاز
 کی وجہ سے متعینہ الفاظ میں محفوظ تھا۔ برخلاف سنت کے کہ اس کے معانی و مطالب مقرر تھے۔

مگر الفاظ کا اعجاز نہ ہونے کی وجہ سے قرآن جیسی حفاظت نہیں کی گئی۔ اس لیے حدیث کا جو
 ذخیرہ کتاب سے باہر رہتا وہ حدیث ہونے کے باوجود بے اعتبار ہو جاتا۔

ان وجوہ سے خلافت راشدہ نے حدیث کو دوسری سرکاری طور پر کتابی طرز پر جمع نہیں کیا
 بلکہ اس کو بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا۔

(۱) نبوت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے انبیاء کی نبوتوں کے مقابلے میں ایک
 نمایاں حیثیت لے کر آئی ہے۔ دوسری نبوتوں سے اس کو ممتاز کرنے والی چیز یہ ہے کہ یہ نبوت
 اپنے ساتھ خلافت لے کر آئی ہے۔ جبکہ اللہ الباقی میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے نبوت کے اس
 امتیاز کو قرآن کا منطوق قرار دیا ہے۔ قرآن کی مشہور آیت فتح کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ما ننسخ من اية او ننسها مات بحبر مبها او مثلها فقولہ 'بحبر مبها فبما
 لكون النبوة مضمومة بالخلافة۔

"جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں اس سے
 اچھی یا اس جیسی۔ اس سے اچھی اور بہتر کا مطلب یہ ہے کہ ہم وہ نبوت عطا کرتے
 ہیں جو خلافت سے وابستہ ہو۔"

جبکہ اللہ ہی میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اعظم الانبياء شاماً من له موع اخر من البعثة وذاك ان يكون مراد
 الله تعالى فيه ان يكون سبباً لحروح الناس من الظلمات الى النور وان
 يكون قومه خير امة اخرجت للناس فيكون بعثه ينال بعثاً اخر۔

"نبیوں میں بڑی شان کا نبی وہ ہے جو نبی ہونے کے ساتھ ایک اور بعثت بھی ساتھ
 لے کر آئے۔ یہ اس طرح کہ نبی کی نبوت کے ذریعے اللہ سبحانہ کا مقصد ایک تو
 لوگوں کو کفر کی ظلمت سے نکال کر ایمان کی روشنیوں میں لانا ہو اور دوسرا یہ کہ اس کی
 قوم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے روانہ کیا گیا ہو۔ اور یہ آپ کی قوم کی
 بعثت ہے۔"

(۲) اسلام میں خلافت راشدہ کی حد تک قول فیض کا مقدم حجت اور دلیل کا ہے۔ حکیم

الامت شہ ولی اللہ نے خلفاء کے ارشاد و کردار کی حیثیت پر (ازلۃ الخفاء ص ۴۳۰ ج ۱) پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے دعویٰ کو قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ قرآن کی اس آیت کہ وَلَيُمْكُنْ لَهُمْ دِينُهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔

پر لکھا ہے۔

دریں آیت افادہ سے فرمایہ آنچہ سبھی ایساں ممکن و شائع و مشہور سے شود دین مرتضیٰ است۔ (۱)

”اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ صحابہ کی کوشش سے اس کو جو قوت ملی اور دین کی جو اشاعت اور شہرت ہوئی وہ دین پسندیدہ ہے۔“

اور آیت

الَّذِينَ اِنْ مَكَاهُمْ فِى الْاَرْضِ هُمْ اَقَامُوا الصَّلَاةَ۔

پر لکھتے ہیں کہ

دریں آیت افادہ فرمودہ ہر نمازے و زکوٰۃ و امر معروف و نہی منکر سے کہ از ممکنات ظاہر شود محمود و مکمل رضا۔ (۲)

”یعنی خلافت راشدہ سے قول و فعل سے دین میں محبت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن میں دین کو ان کی طرف نسبت کر کے اسے اپنا پسندیدہ و قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کے تمام اعمال دین میں محمود و مکمل رضا ہیں۔“

(۳) اسلام میں جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجب الاتباع ہے ایسے ہی خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معیار حق گردانتے ہوئے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عباس بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فعلیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدين المہدیین تمکسوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ (۱)

”میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت سے چٹ جاؤ اسے تمام لو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔“

اسی سنت کی تعریف یہ کی جاتی ہے

السنة هي الطريقة المملوكة فيشتمل ذالك التمسك بما كان عليه و خلفائه الراشدون من الاعطادات والاعمال والاقوال وهذه هي السنة الكاملة (۲)

”سنت طریقہ مسلوک کا نام ہے۔ یہ حضور انور کی سنت اور خلفائے راشدین کے تمام اعتقادات اعمال اور اقوال کو شامل ہے یہی سنت کاملہ ہے۔“

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت کے اختلاف و افتراق کا پتہ دیا ہے۔ وہاں امت کے لیے اختلاف کے اسی دلائل میں شاہراہ نجات کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے۔ صا اما علیہ واصحابی۔ (وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں) یہاں آپ نے اپنے ساتھ صحابہ کو طے کرنا نجات کی تسہیل فرمائی ہے۔

اسی بنا پر فرقہ ناجیہ کی یہ تعریف کی گئی ہے

الفرفة الساحة هم الاخلاص في العفيدة والعمل جميعاً بما ظهر من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين (۳)

”فرقہ ناجیہ وہی لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل دونوں میں کتاب و سنت کے ظواہر اور جمہور صحابہ و تابعین کی شاہراہ پر ہوں۔“

(۱) ترمذی ص ۹۲ ج ۲۔ ابن ماجہ ص ۵۔ ابو داؤد ص ۲۷۹ ج ۲۔ مسند دارمی ص ۲۶۔ مسند

احمد ص ۲۷ ج ۳۔ مستدرک: ص ۹۵ ج ۱ (۲) جامع العلوم والحکم ص ۱۹۱ ج ۱

(۳) حجة الله البالاد ص ۱۷۰ ج ۱

یعنی فرقہ ناجیہ مطہوم میں کتاب و سنت اور مصداق میں صحیح و تابعین سے استفادہ کرتا ہے اور اسی مطہوم و مصداق کی ہم آہنگی کو بتانے کے لیے اس فرقہ ناجیہ کا نام السنۃ والجماعۃ رکھا گیا ہے۔

اس تفصیل سے آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ:

اسلام کا علمی، اخلاقی اور روحانی نظام نبوت اور خلافت سے مل کر بنا ہے یعنی قرآن کی ہدایات، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہی و علی تشریحات اور خلافت کی آئینی اور قانونی ترتیب کا نام مکمل اسلام ہے۔ اگر صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ میں سے کوئی بھی تدوین سنن کا یہ کام کرتا تو یقیناً یہ تدوین پورے اسلام کی آئینہ دار نہ ہوتی بلکہ خلفاء کے ادوار اربعہ میں سے ایک کے رو جانے سے بھی سنت کی تدوین ادھوری ہوتی۔ اس لیے ان اکابر میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا ہے۔

(۵) قرآن مجید میں اللہ ہی نہ نے مسلمان کا منجائے نظر صراط مستقیم قرار دیا ہے اور اسی کی طلب گاری کے لیے ہر نمازی نماز کی ہر رکعت میں درخواست کرتا ہے صراط مستقیم کے تعارف یا تعریف میں جو کئی گئی ہے وہ یہ نہیں کہ وہ صرف انبیاء کا راستہ ہے بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ پاک نے انعام فرمادیا ہے۔ صراط السبیل المعصت علیہم (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے) اور ان انعام یافتگان کی قرآن ہی نے خود جوہن کی ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ فرمایا

اولئک الدہس اسم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین۔

”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین۔“

یہ آیت قرآنی اس بات میں فیصد کن ہے کہ صرف انبیاء کی نہیں بلکہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کی راہ قرآن کی زبان میں صراط مستقیم ہے۔

آیت اختلاف میں جہاں مخاطبوں سے مکہ کے ذریعے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔ وہاں ان کی صلاحیت کا پہلے ذکر کیا ہے اور ایک دوسرے موقع پر کلمہ صبر لا کر صدیقیت اور شہادت کو صحابہ کا وصف خصوصی بتایا ہے۔

والدہس امنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء
رحمہم۔

”اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ صدیق اور شہداء ہیں اپنے پروردگار کے حضور۔“

ایک اور موقع پر کلمہ خطاب کے ذریعے صحابہ کو کہا ہے

لتکونوا شہداء علی الناس۔ (تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ)

اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ قرآن کے نزدیک عقائد اعمال اخلاق اور آداب میں نبوت اور خلافت کے قائم کیے ہوئے نقوش کا نام صراط مستقیم ہے۔

اسی بنا پر قرآن نے نبوت کے سارے کاموں کو اپنے مخاطبوں کے فرائض بتایا ہے مثلاً نبوت کا کام دعوت ہے قرآن نے مکہ کے خطاب زور سے اسے اپنے مخاطبوں کا فرض قرار دیا ہے۔

ولئک مکم امۃ یدعون الی الحیر۔

”چاہیے کہ تم میں سے ایک انہی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلائے۔“

نبوت کا مشن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے قرآن نے اسے امت کی خیریت کا منی قرار دیا ہے۔

کتبم خبر امۃ اخروحت للناس تاعرف بالمعروف ونہوں عن المکر۔

”تم بہترین امت ہو لوگوں کے لیے پناہ کے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“

نبوت کا مقام شہادت علی الناس ہے قرآن نے اسی کو اپنے مخاطبوں کے نقطہ اعتدال پر ہونے کی حالت تا کہ خلافت کا فرض قرار دیا ہے۔

کذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس۔

”اسی بنا پر ہم نے تم کو درمیانی امت تا کہ تم ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔“

نبوت کا کام تبلیغ ہے مگر قرآن میں اسی کو خصوصی طور پر خلافت راشدہ کا فریضہ قرار

دیا ہے۔ فرائض کا یہ اشتراک بول رہا ہے کہ اسلام نبوت اور خلافت کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس تمام تفصیل سے مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ اسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت نبوت کا خلافت کے ساتھ پیوند ہے نبوت اگر انفرادی اسوہ ہے تو خلافت اسی کی اجتماعی تکمیل کا نام ہے اس لیے خلافت راشدہ کے اس دور میں جو اسلامی نقطہ نظر سے معیار حق اور حجت و دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سنن کو کتابی صورت میں مدون نہیں کیا گیا اگر ایسا کیا جاتا تو دور خلافت مدوین سے رہ جاتا اور ملت کی اجماعی تدوین ہوتی۔

خلافت راشدہ کے دور میں خدمت حدیث

دور خلافت راشدہ میں حدیث کی اشاعت میں سب سے زیادہ کوشش حضرت فاروق اعظم نے کی ہے اور صرف حدیث نہیں بلکہ روایت کے اصول کے موجد و حقیقت حضرت عمرؓ ہی ہیں جیسا کہ آپ آئندہ پڑھیں گے۔

حدیث کے سلسلے میں جو کام حضرت فاروق اعظم نے کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ احادیث نبوت کو نقل کر کے دفناً دفناً گورنوں اور ضلعی حکام کے پاس روانہ کرتے۔ ان احادیث کا تعلق سنن و فرائض سے ہوتا۔

صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے امام تھے ان کو مختلف مراکز میں حدیث کی تعلیم کے لیے روانہ کیا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعودؓ را با جمع کچھ فرستاد و معتقل بن یسار و عبد اللہ بن معتقل و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادہ بن الصامتؓ و ابوالدرداءؓ را بہ شام و بمعادیہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود تہ غن بلخ نوشت کہ از حدیث ایشان تہ روز نہ کند (۱)

”فاروق اعظم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اور معتقل بن یسار و عبد اللہ بن معتقل اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ و عبادہ بن الصامتؓ، ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا اور حضرت معادیہ کو بلخ تکید سے لکھا کہ ان کی حدیثوں سے آگے نہ بڑھیں۔“

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں بادی النظر ذہنوں میں یہ خلش پیدا ہو سکتی ہے کہ فاروق اعظم نے اگر واقعی اشاعت حدیث کا اتنا اہتمام فرمایا ہے تو پھر حضرت عمرؓ سے دفتر حدیث میں احادیث کیوں کم مروی ہیں؟ یہ خلش ہذا بروزنی ہے لیکن دواصل یہاں ایک مبالغہ اور غلط فہمی ہے۔

محدثین کے یہاں یہ مانا ہوا اصول ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے کو دخل نہ ہو تو اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے مطلب یہی ہوگا کہ حدیث مرفوع ہے جیسا کہ حافظ محمد ابن ابی اییم الزاہری نے حافظ ابن عبد البر اور دوسرے محدثین سے نقل کیا ہے اور ہے بھی یہ ایک عقلی قانون۔ اس اصول کی روشنی میں حضرت فاروق اعظم کی تقریروں اور تحریری فرامین نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے جس قدر اصولی مسائل بیان ہوئے ہیں وہ سب احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث نے یہ بات کھول کر بیان کی ہے۔

مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمائید تا اصل احادیث ہاں موقوف خلیفہ قوت یابد۔ یا ربکم بغور سخن ز سند اس را نمی نمند و نمی دانند کہ فاروق اعظم تمام علم حدیث را بجماعت قوت دادہ و اعلان نمود۔

”فاروق اعظم اپنی تقریروں میں حدیثوں کا حوالہ دیتے تاکہ حدیث کا ذخیرہ موقوف خلیفہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مستحکم ہو جائے جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ فاروق اعظم نے تمام علم حدیث کو اس طرح قوی سے قوی تر بنا دیا ہے۔ اور اس کو لوگوں تک پہنچایا ہے۔“

قرۃ العینین میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

حضرت فاروق اعظم کی حدیثیں صرف اس قدر نہیں جو ان کے نام سے مسانید میں موجود ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر صحابہ سے جس قدر روایات مرفوعہ نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہیں وہ سب فاروق اعظم ہی کی روایات ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی سب سے زیادہ روایات کا وہ ذخیرہ ہے۔

جن کو ان بزرگوں نے فاروق اعظم سے من کر براہ راست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (۱)

خدمت حدیث کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت فاروق اعظم کا ایک کارنامہ یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی تمام تر توجہ ان احادیث کی اشاعت پر صرف کی جن سے عبادات، معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔

سنن بدلی اور سنن زوائد میں امتیاز:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی چند در چند اعمال و افعال کا مجموعہ تھی اور آپ رسول اللہ ہونے کے ساتھ عربی ہونے اور قریشی ہونے کی بھی حیثیت رکھتے تھے اس لیے فاروق اعظم نے ان سب حیثیتوں میں بھی ایک نمایاں امتیاز اور خط فاصل قائم کیا تاکہ سنن بدلی اور سنن زوائد میں اختلاط اور استباس نہ ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں

فاروق اعظم نظر دقیق و تفریق بین احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں معروف ساخت لہذا احادیث شاکل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و احادیث سنن زوائد در بابین و عادات کمتر روایت سے کرد بدو وجہ۔ یکے آنکہ انہما از علوم تکلیفیہ و تشرعیہ نیست تحمل کہ چون اہتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن بدلی مشتہ گردد۔ (۲)

”فاروق اعظم نے وقت نظر سے دو قسم کی حدیثوں میں ایک جو بری فرق قائم کیا اور بتایا کہ وہ حدیثیں کون سی ہیں جن کا تعلق شرائع سے ہے اور وہ کون سی ہیں جو ان سے متعلق نہیں ہیں اسی سے حضرت عمرؓ وہ احادیث کم بیان کرتے جن کا تعلق سنن زوائد سے ہوتا اور اس میں دو وجہ پیش نظر تھیں ایک یہ کہ سنن زوائد کا تعلق تشریع سے نہیں ممکن ہے کہ اس کی روایت کا اہتمام لوگوں میں سنن زوائد اور سنن بدلی میں اشتباہ پیدا کر دے۔“

شاہ صاحب نے قرۃ العینین میں بالکل درست لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحابہ کو خاص اسی مشن پر تمام اطراف مملکت میں روانہ فرمایا اور ان کو روایت کا طریقہ سکھایا اور روایت حدیث کی ان کو زیادہ سے زیادہ تحریض فرمائی اور رائے عامہ کو ان حضرات سے احادیث سیکھنے کی ترغیب دی اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کی پوری نگرانی خود کی اور ان کی بیان کردہ حدیثوں کو جانچا اور پرکھا۔ اور اس کے ساتھ ان محدثین کو قرآن و حدیث میں باہم ربط قرآن میں آئی ہوئی عام بات کو سنت کے ذریعے تخصیص اور بحالات قرآن کے لیے سنت کے ذریعے بیان کے قوانین سکھائے۔

اللہ اکبر! ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو حدیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔ بزرگوں کے منہ سے نکل ہوئی بات لوگ خود نہیں سمجھتے اور بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں۔

میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ایسا نہ ہو کہ دامن مقصود ہاتھ سے نکل جائے میں بتا رہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اس فن میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کچھ بتانے سے پہلے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ امام اعظم کے بارے میں چند ضروری اور بنیادی باتیں ناظرین کے سامنے رکھوں۔

نام، کنیت اور لقب

نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ پیدائش کا سال ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء ہے۔ ابن حجر مکی نے امام صاحب کو یہ کہہ کر اسم باسکنی قرار دیا ہے کہ نعمان لغت میں دراصل اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا سازاؤ خانچہ قائم ہے اور جس کے ذریعے جسم کی ساری مشینری حرکت کرتی ہے۔ اسی لیے روح کو بھی نعمان کہتے ہیں چونکہ امام اعظم (۱) کی ذات

(۱) ابو حنیفہ کو امام اعظم کہنے والے صرف احناف ہی نہیں بلکہ بگائے اور بگائے سب ہی ان کو اسی

لقب سے پکارتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تہذیب کے میں امام ابو حنیفہ کو ابو حنیفہ اور ابو حنیفہ (۱) کے

”رأی اسلام میں قانون سازی کے فن کے لیے محور اور اس کے مدارک و مشکلات کیلئے مرکز ہے اس لیے آپ کا نام نعمان ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ **فأبو حنیفة به قوام العقبة (۱)** (ابو حنیفہ فقہ کا آسرا ہیں) سرخ اور خوشبودار گھاس کو بھی نعمان کہتے ہیں۔ اور امام صاحب کی کہانی مہک اور لہک سے اسلامی زندگی کا ہر گوشہ متاثر ہے۔

طابت لعلہ وبلغ العابد کمالہ (۲)

”عادات میں پاکیزگی اور کمال اچھا کو پہنچ گیا۔“

ابن حجر (۳) انہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعمان فغان کے وزن پر نعمت سے بنا ہے ام

بقیہ صفحہ ۱۸۵ الرضی الباسم میں اور ملک العبد عزالدین بن عبدالسلام نے قواعد الاحکام میں اسی لقب سے پکارا ہے اور کیوں نہ پکاریں جبکہ بقول حافظ محمد بن ابراہیم آپ کی علمی بزرگی عدالت تقویٰ اور امانت تواتر سے ثابت ہے اور آپ کا علمی مقام تمام عالم اسلامی میں شرفاً و غرباً ۱۵۱۵ء سے آج تک علماء میں مانا ہوا ہے۔

(۱) الخیرات الحسان: ص ۱۰ (۲) الخیرات الحسان

(۳) پیرام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہے۔ ان کو شیخ مصر عربی میں ایک شہر کے محلہ ابی البیہم میں بودو باش کی وجہ سے کہتے ہیں اور قبیلہ بن اسد سے نسب تعلق کی وجہ سے ان کو اسدی بولتے ہیں (الورد المسافر فی القرون العاشر) جب ۹۰۹ء میں ولادت ہوئی بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تیبی کا سارا وقت عارف باللہ شمس الدین بن ابی الحاکم اور امام شمس الدین اشتاوی کی کفالت میں گذرا اشتاوی ان کو ابی البیہم سے مقدم قطب الشریف میں لے گئے ابتدائی کتابیں اسی جگہ پڑھیں پھر جامع ازہر میں داخل ہو گئے اچھے اور مہربان استاد کی آغوش میں تفسیر حدیث فقہ کلام فلسفہ منطق اور فرائض میں خاص مہارت پیدا کی ۹۳۳ء کے آخری میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج کے بعد وہیں آگئے لیکن ۹۵۰ء میں گمبار سمیت مکہ معظمہ میں ڈیرا لگا لیا اور تا وفات ہیں درس و افتاء کا کام کیا ان کی تصانیف میں بڑی مفید کتابیں ہیں تاریخ وفات ۹۹۵ء ہے مناقب امام اعظم پر الخیرات الحسان کے نام سے کتاب لکھی ہے مسلک کے لحاظ سے شافعی ہیں۔

گرمی میں معنوی رعایت یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ رُئی مخلوق خدا کے لیے ایک نعمت ہے اسی لیے آپ کا نام نامی نعمان ہے۔ فرماتے ہیں۔

فأبو حنیفة معمة الله علی علقہ (۱)

”ابو حنیفہ مخلوق کے لیے اللہ کی نعمت ہے۔“

آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے لغت میں حنیفہ ضیف کا مونث ہے ضیف اسے کہتے ہیں جو سب سے بہت کر اللہ کا ہو رہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ضیف کہتے ہیں۔ امام اعظم نے یہ کنیت اپنے لیے کیوں تجویز فرمائی ہے؟ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ صرف تداول کی وجہ سے اختیار کی گئی ہے جیسے مومن ابو الحسن ابو الحسنات ابو الکلام وغیرہ کنیتیں رکھی جاتی ہیں ورنہ اس نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں ہے۔

ولا یعلم له ذکر ولا انثی غیر حماد۔ (۲)

”آپ کی کوئی لڑکی نہیں ہے اور نہ حماد کے سوا کوئی لڑکا۔“

اور یہ محض قیاس آرائی ہے کہ عراق زبان میں حنیفہ دوات کو کہتے ہیں اور آپ کا قلم دوات سے چونکہ گہرا لگاؤ رہا ہے اس لیے آپ کو ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

در اصل جیسے اشخاص میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ضیف ہیں ایسے ہی ادیان میں ان کا دین ضیف اور ظل میں ان کی ملت ضیف ہے۔ ضیف دراصل وہ شخص کہلاتا ہے جو سب سے کثرت کر مونی کا ہو رہے۔ اسی بنا پر غلط دین سے ہٹنے اور کثرت کر اسلام اختیار کرنے والے کو حنیفہ کہتے ہیں اسلام کو دین ضیف اور ملت ضیف کہتے ہیں حتیٰ کہ تحفہ مسلمان ہو جانے کے مترادف ہو گیا۔ زبختری نے اساس البلاغہ میں اس کے سارے مجازات جمع کر دیئے چونکہ امام اعظم میں دین ضیف اور ملت ضیف کی خدمت کا جذبہ و شوق شروع ہی سے تھا اور اسی جذبہ و شوق کی بنا پر آپ نے تمام فنون کی تکمیل کے بعد فنِ کاری کے لیے علم الشرائع کو اپنایا جس کے ذریعے پورے دین کی خدمت ہو سکے میری مراد علم فقہ ہے اس لیے آپ نے ان ہی

لطیف احساسات کے اظہار کی خاطر بتائے قدول اپنے کنیت ابو حنیفہ تجویز فرمائی۔ اصل میں ابو احمد الحنیفہ ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے رشتہ کی حوالہ سے لکھا ہے

وتدالله الارض بالاعلام المبہتہ کما وطلا الحبیۃ بعلوم ابی حنیفۃ
الانمۃ الحبلۃ الحبیۃ ارمۃ المملۃ الحبیۃ الجودود العلم حاتمہ
واحنفی والذین والعلم حنفی وحنفی۔

”اللہ تعالیٰ نے زمین کو بلند پہاڑوں سے جکڑ دیا اور دین حنیفہ کو علوم ابی حنیفہ کے ذریعے مضبوط بنا دیا۔ ائمہ احناف ہی ملت حنیفہ کی بائیس ہیں جیسے سخاوت حاجی اور علم حنفی ہے ایسے ہی دین حنفی اور علم حنفی ہے۔ (۱)“

امام اعظم کا نسب نامہ:

مشہور مورخ ابن (۲) خلکان نے امام اعظم کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے
ابو حنیفہ نعمان پسر ثابت زوطی پسر ہام (۳) لیکن امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے امام صاحب کا جو شجرہ نصب خود بتایا ہے وہ اس طرح ہے۔ نعمان پسر ثابت پسر نعمان پسر مرزبان (۴)

(۱) الارض الباسم بن ۱۵۹ (۲) حنفی القندۃ حنفی الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن خلکان۔ تاریخ پیداؤں ۶۸۸ھ ہے صحیح بخاری حافظ ابن کرم سے پڑھی ہے الملوک طوسی بھی ان کے استاد ہیں سے ہیں علم الفقہ موصل میں الکمال بھی یوسف سے اور شام میں ابن شداد سے پڑھا ہے بنی بصرہ جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا ہے شام میں پورے دس سال منصب قضا پر فائز رہے اور ایک عرصہ مصر میں گذرا۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مرکز کی کتاب دیات، عیان ونباء البنا، الزمان ہے لفظ خلکان کی صلیت اور اس نام سے شہرت کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں عبد القادر العیدروس نے اور الاسفر میں قطب الدین کی سے نقل کیا ہے کہ لفظ خلکان، وفعول سے عرب ہے اول تخیل سے نقل اسرار و دیگروں سے کان فعل ماضی اور مطلق کسر از م ہے اور وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ خلکان کا تکیہ کلام یہ تھا کہ کسان والندی کھدا وکوں نے تک آکر کہا کہ حمل کسان (کان کو چوز) ہیں میں سے خلکان نام پڑ گیا۔
”یافعی نے مرآۃ المناہج میں تاریخ وفات ۶۸۲ھ بتائی ہے۔ (۳) و (۴) ۱۱۴۱ ج ۱ ص ۵۶

دونوں درست ہیں فرق ہے تو صرف یہ کہ ابن خلکان نے جس شخص کو زوطی اور امام صاحب کے پوتے نے جسے نعمان قرار دیا ہے ایک ہی شخص کے دو نام ہیں کیونکہ جو شخص مسلمان ہونے سے پہلے زوطی ہے وہی مسلمان ہونے کے بعد نعمان ہے۔ اسی طرح جس شخص کا نام ہام ہے اسی کا لقب مرزبان ہے۔ کچھ بھی ہو آپ مجی اور قبیلہ تیم سے نسبت ولادہ کی وجہ سے تکی ہیں جس طرح امام بخاری کو اسی تعلق کی بنا پر حنفی اور امام ابن ماجہ کو ربی کہا جاتا ہے ایسے ہی امام صاحب کو تکی کہتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

علامہ نووی (۱) نے تہذیب الاسماء القلت کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ لفظ مولیٰ (۲) زیادہ تر دوستی کے عہد و بیان یعنی مولیٰ المولات کے معنے میں استعمال ہوتا ہے تاہم مولیٰ چونکہ غلام کو بھی کہتے ہیں اس لیے امام اعظم کے بارے میں بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے اور وہ مولیٰ کے معنے غلام کے کچھ بیٹھے لیکن چونکہ خود امام صاحب کی اپنی تصریح موجود ہے کہ یہ نسبت دوستی کے عہد و بیان کی نسبت ہے اس لیے اب دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ امام طحاوی مشکل لا جار میں جو فی حدیث میں اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے عقد موالات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(۱) ابو زکریا کنیت مجی الدین لقب مجی بن اشرف نام ہے تاریخ ولادت محرم الحرام ۲۳۳ھ ہے دمشق کے مضافات میں ”نوی“ نامی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ نووی اور نووی دونوں طرح بولا جاتا ہے ۶۳۰ھ میں دمشق تشریف لائے اور علامہ کمال الدین مغربی کے پاس رہے اور ان کے فیض صحبت سے اس وجہ علمی کمال کے مالک ہو گئے کہ فنون میں محقق اور حافظ حدیث تھے ساری عمر بغیر شادی کے گذرادی ایک لڑکی بیکار نہ تھے شب و روز میں عین ہی کام تھے مطالعہ تصنیف اور ذکر الہی کا پانچویں گھنٹوں میں صرف ایک بار نوش فرماتے مدرسہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث تھے آپ کی تصنیف میں شرح صحیح مسلم الارض شرح المہذب کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین مشہور ہیں تاریخ وفات ۳۱۳ھ جب ۶۷۶ھ ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ مولیٰ صرف غلام ہی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ ولادہ اسلام و ولادہ عقب اور ولادہ کرم کو بھی ولادہ کہتے ہیں اور ان تعلقات والوں کو مولیٰ کہا جاتا ہے امام بخاری کو ولادہ اسلام کی وجہ سے حنفی امام مالک کو ولادہ عقب کی وجہ سے تکی اور عظم کو حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس زیادہ رہنے کی وجہ سے مولیٰ ابن عباس کہتے ہیں۔

عبداللہ بن یزید کہتے ہیں میں امام ابوحنیفہ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو میں نے عرض کیا کہ ایسا شخص جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعے احسان کیا یعنی نو مسلم۔ امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کر لو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف ہوگی میں خود بھی ایسا ہی تھا۔ (۱)

یہ عبداللہ بن یزید امام اعظم کے شاگرد ہیں چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ مجمع میں اس عوں و ابی حنیفۃ یہ ابن عون اور ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں (۲) فن حدیث میں ان کا شمار امام بخاری کے استاد میں ہے۔ (۳) خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا بتایا رہا تھا کہ امام اعظم کو بھی خلائی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوستی کے عہد و بیان کی وجہ سے کہتے ہیں۔ البصری (۴) نے مناقب میں اور الخطیب نے تاریخ بغداد میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہ بیان لکھا ہے کہ

میں اسماعیل پسر حماد پسر نعمان پسر ثابت پسر نعمان پسر مرزبان انباء فارس سے ہوں اور ہم آزاد ہیں واللہ ہم پر غلامی کا دور کبھی بھی نہیں آیا ہے۔ (۵)

(۱) مشکل آثار ص ۵۳ ج ۴ (۲) (۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳۴ ج ۱، البصری بحیرہ وزن حیدر ہے اور اس کی صمیری نسبت ہے صمیر ایک شہ کا نام ہے پورا نام البصرین بن علی بن محمد بن جعفر ہے ابو عبداللہ نسبت ہے صمیری صرف پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں خطیب بغدادی ان کے علاوہ میں سے ہیں خطیب نے امام صمیری کی ربانی لکھا ہے کہ میں نے حافظ دارقطنی سے ان کی کتاب السنن کا سماع کیا ہے ان کی تاریخ وفات اتوار کا دن ۲۱ شوال ۲۳۶ھ اور وفات ۱۳۷ھ ہے خطیب نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ صدوق وافر العقل جمیل الحاشیۃ عارف حقوق اہل العلم۔ حافظ عبدالقادر قرطبی فرماتے ہیں کہ بمقام مریع الکفرخ منصب قضا پر با وفات فائز رہے ہیں امام ابوالید الباجی فرماتے ہیں کہ بغداد میں ان کو احناف کی اہمیت حاصل تھی اور لکھا ہے کان قاضیا عامنا خیر من موابنا عبدالحی نے الفوائد البیہ میں بتایا ہے کہ صمیری نے امام اعظم کے حالات پر ایک ضخیم کتاب اخبار ابی حنیفہ کے نام سے لکھی ہے۔

(۴) الجواب المنفیہ ص ۱۱۴ ج ۱، انفرادہ البیہ ص ۲۸ (۵) التعلیقات علی المناقب ۸

اس تاکید کی اور قسم والے بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے بارے میں پیدا ہوگئی ہے کہ وہ نئی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے اور اس غلط فہمی کا سرچشمہ ابو خازم (۱) عبدالحمید کا وہ بیان ہے جو حافظ ذہبی نے مناقب میں درج کیا ہے لیکن اس بیان کا محور و مرکز جسے قرار دیا گیا ہے وہ بے نام ہے اس لیے گناہ شخص کی بات پر فیصلے کی بنیاد رکھنا قرین انصاف نہیں ہے جب کہ خود امام صاحب اور ان کے پوتے کا بیان اس موضوع پر موجود ہے اور اس باب میں اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے جس مولات کا تاریخ میں تذکرہ ہے وہ دلاء محبت و مروت ہے دلاء عقاق نہیں ہے۔ اس زمانے کا دستور تھا کہ جب کوئی نو مسلم مشرف پہ اسلام ہوتا تو وہ جس قبیلہ کے کسی شخص سے عقد مولات یعنی دوستی و قرابت کا عہد و پیمان کرتا اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہو جاتا اور اس کا حلیف و مولیٰ کہلاتا۔ بالخصوص تو یہ مظلوم نہ ہو سکا کہ یہ عقد مولات کس نے کیا تھا۔ امام صاحب کے والد کے بارے میں ملاحظی قاری فرماتے ہیں

وللداہوۃ ثابت علی الاسلام (۲)

”ان کے والد ثابت مسلمان پیدا ہوئے۔“

اس لیے قیاس یہی چاہتا ہے کہ زوطی نے مسلمان ہونے کے بعد یہ تعلق قائم کیا ہوگا زوطی کا اسلامی نام نعمان ہے۔ حضرت امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہ بیان بھی ہے کہ ہمارے پردادا ثابت حضرت علیؑ کے پاس گئے حضرت علیؑ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا کی ہے (۳) ابن حجر عسقلانی نے خود اسماعیل کا اس دعاء کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے

(۱) پردادا عبدالحمید بن قاضی عبدالعزیز ہے موصوف صرف ایک واسطہ سے امام محمد کے شاگرد ہیں اور حافظ ابو جعفر طوسی کے استاد ہیں ملاحظی قاری نے ان کی تاریخ وفات ۱۹۲ھ لکھی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بہترین قاضی اور بلند پایہ قلیہ تھے امانت و دیانت میں بے مثال تھے ابن الجوزی نے اختصار میں ان کے آثار جلیلہ کے بڑے گمن گائے ہیں۔ الحاضر کتاب اب القاضی اور کتاب القرائن

ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (۲) الجواب المنفیہ ص ۱۵۲ ج ۲ (۳) عمدۃ الوعاہ ص ۴۴

ہمیں امید ہے کہ اللہ سبحانہ نے ہمارے بارے میں حضرت علیؑ کی یہ دعا ضرور قبول فرمائی ہے۔ (۱)

بالفاظ دیگر امت کو حضرت امام اعظمؒ امیر المومنین علیؑ مرتضیٰ کی دعاؤں کے صدق میں ملے ہیں ملاطی قاری نے بھی مناقب امام میں اسماعیل بن حماد کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ (۲)

امام اعظمؒ کے متعلق نبوی پیش گوئی:

بہر حال امام اعظمؒ عجی ہیں۔ ماہ یا مرزبان آپ کے پروادا کا نام قاری ہے اس لیے آپ کا نسل قاری سے ہوتا یقینی ہے۔

قاری کے بارے میں صحیحین اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اسی صحبت میں سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے یہ آیت پڑھی۔ واخبریں مسہم لیسما بلحقوا بہم حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ دوسرے کون ہیں؟ جوابی تک ہم سے نہیں ملے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی پوچھنے والے نے یہی سوال دوبارہ کیا۔ بارہ کیا تب آپ نے حضرت سلمان قاریؓ کے کاندھے پر دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا کہ

لو کان ایمان عند النبی لہ رجال من ہولاء۔

”اگر ایمان کبکشاں میں بھی ہوگا تو ان کے کچھ آدمی ضرور اسے پالیں گے۔“

مسند احمد میں ایک اور سند کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں:

لو کان العلم بالنسب لہ ناس من ابناہ فارض۔

”اگر علم نسب یا میں ہو تو قاری لوگ اسے پالیں گے۔“

ابونعیم وصنفانی الشیرازی المطہرانی اور امام مسلم نے یہی حدیث باخط تفسیر وایت کی ہے (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا ایک مصداق شارحین حدیث نے امام اعظمؒ وقراردیہ حافظ سیوطی فرماتے ہیں۔ لہذا اصل صحیح یحتمد علیہ فی البشارۃ (۲) (بشارت میں یہ قابل اعتماد اصل صحیح ہے) حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث سیوطی کے بعض شارحوں (۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ

ہمارے استاد نے یقین کیا کہ اس حدیث سے امام ابو ضیفہؒ مراد ہیں کیونکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحبؒ کے علمی مقام کو نہیں پہنچ سکا اور آپ تو آپ بلد آپ کے تالیف و کتاب بھی کوئی مقام نہ پاسکا۔ (۴)

(۱) حافظ ابو نعیم، صنفانی نے تاریخ صنفیان میں اس حدیث کے سارے طریق جمع کر دیئے ہیں امام بخاری کے الفاظ آپ پڑھ چکے امام مسلم نے رجال کی جگہ رجل من ابناہ قاری نقل کیے ہیں امام احمد اور ترمذی نے ایمان اور دین کی جگہ، اعلم روایت کیا ہے۔ (۲) ترمذی، مسند احمد، ص ۱۰۰

(۳) بعض شارحوں سے مراد سیرت شامیہ کے مصنف حافظ محمد بن یوسف شامی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے مواہب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ الشافعی تلمیذ ابی حنیفہ سیوطی۔ جناب علامہ نواب صدیق حسن خان نے اتحاف میں یہاں پر حافظ سیوطی اور حافظ محمد بن یوسف شامی پر سخت برہنہ کی کا مظاہرہ کیا کہ انہوں نے اس حدیث کا مصدق خاص امام اعظمؒ کو کیوں قرار دیا ہے اور عمن ابی ہریرہؓ علیہ السلام بخاری میں اس پیش گوئی کو صرف زمرہ محدثین تک محدود رکھا ہے لیکن شاہ ولی اللہ نے محدثین کے ساتھ فقہاء کو بھی شامل کر لیا ہے اور شاہ صاحبؒ کے مشہور شارح دہلوی وقت قاضی شاہ بند پانی پتی مرحوم نے اس کو اور زیادہ عام کر کے فقہاء محدثین کے ساتھ مشائخ طریقت کو بھی اس کا مصداق بتایا ہے (مطہری ص ۴۵۸ ج ۳) اگرچہ ارشاد کے الفاظ رجال من ہولاء اس سے مانع نہیں ہیں مگر اس بشارت میں داخل ہونے کے لیے صرف وطن کافی نہیں ہے۔ بلکہ نسل قاری سے ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث میں بنام قاری کی صاف تصریح ہے اور معلوم ہوا کہ وطن سے نسل تبدیل نہیں ہوتی۔ (۴) ذخیرۃ بحران ص ۱۴

صرف حافظ جلال الدین السیوطی اور حافظ بن یوسف ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ دوسرے محققین نے بھی حدیث کا مصداق امام اعظم ہی کو قرار دیا ہے۔ علامہ حنفی فرماتے ہیں

حملة بعض المحققين على ابي حنيفة (۱)

”بعض محققین نے اسے امام ابوحنیفہ پر محمول کیا ہے۔“

اور علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ

على الامام الاعظم ابي حنيفة واصحابه (۲)

”اس کا مصداق امام اعظم اور ان کے اصحاب ہیں۔“

حکیم الامت شاہ ولی اللہ (۳) محدث اپنے کتبوبات میں لکھتے ہیں:

ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی میں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس علم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں کرائی اور اہل اسلام کی اس کے ذریعے اصلاح فرمائی بالخصوص اس آخری دور میں کہ دولت بس یہی مذہب ہے سارے شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں قاضی حنفی ہیں اور مدرسین حنفی ہیں۔ (۴)

(۱) (۲) اسے ابن کثیر ص ۲۱۸ ج ۳ (۳) احمد نامہ قطب لدین تاریخ بنی ہاشم ص ۱۱۳۲ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں ہجرت فرمائی اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ (۴) امام ابوحنیفہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ حفظ قرآن کے بعد درسی کتابوں سے پندرہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کر لی حدیث پڑھنے سے بندوستان میں شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے پڑھی ہے ۱۱۳۲ھ میں حج کو تشریف لے گئے وہاں شیخ طاہر مدنی سے صحیح بخاری کا سامع کیا موطا مسند داری اور امام محمد کی کتاب لا بار پڑھی شاہ صاحب کی تصانیف علماء کے لیے مشعل ہدایت میں ہیں شاہ صاحب اپنے دور کے مجتہد اور مسائل فرعیہ میں مقلد حنفی تھے اور صرف از خود ہی مقلد حنفی نہ تھے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ایسا ہی رہنے کی مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے فیوض الحرمین میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت لفظوں میں لکھی ہے ایماک ان تعالیف القوم فی العرع۔ (۱) اپنی قوم کے فروغ میں اختلاف سے بچ کر رہو (۲) (۳) کتبوبات ص ۱۶۸

نواب صدیق حسن صاحب نے اتحاد العلماء المحققین میں بہت کچھ جنسین و چنان کے بعد لکھا ہے کہ

ہم امام دران داخل است وہم جملہ محدثین فرس (۱)

لیکن ”ہم جملہ محدثین“ سے کیا مراد ہے؟ یہ بھی ان ہی کی زبانی سننے فرماتے ہیں کہ

جہاں ہمدہ محدثین مثل بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ و امثال ایشان۔

کیوں؟ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ

زیرا کہ ہم ایشان از عجم و سرزمین فارس بودند (۲)

”کیونکہ یہ تمام محقق تھے اور زمین فارس سے تعلق رکھتے تھے۔“

حیرت ہے کہ نواب صاحب نے جملہ محدثین کو ارشاد نبوت کا مصداق بنانے کے شوق میں محقق اور فارس بنا دیا حالانکہ تاریخ سے امام بخاری اور ابن ماجہ کے سوا کسی کا تعلق ہونا ثابت نہیں ہے امام مسلم (۳) کے متعلق خود امام نووی کی تصریح ہے کہ عروسی ملیہ کیونکہ وہ نہایت قشیری ہیں خود نواب صاحب فرماتے ہیں

نسبة الى قشير مصغراً قبيلة معروفة من العرب۔

”عرب کے مشہور قبیلہ قشیر کی طرف اسم نسبت ہے۔“

اور امام ابو داؤد و ابن ماجہ عربی نژاد ہیں اور عرب کے مشہور قبیلے ازود سے تعلق کی وجہ سے ازودی ہیں ترمذی قبیلہ بنی سلیم کی طرف نسبت کی وجہ سے سلمی ہیں۔ محدث حاکم نسی اور امام داری

(۱) ج ۲ صفحہ ۱۹۳ علامہ نواب صدیق حسن مرحوم نے اخط میں ان کے طریق عمل پر ایک جامع تبصرہ کے بعد لکھا ہے کہ طریقہ کد حنفی اور صرف شاہ صاحب ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ خاندان ادنیٰ بود۔ وہ مجدد تھے تاریخ و قات ”کوہ امام اعظم دین“ ص ۱۱۷ء ہے۔

(۱) (۲) اتحاد العلماء المحققین ص ۲۲۳

(۳) ابو یوسف کنیت مساکر الدین لقب مسلم بن الحجاج نام ہے ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے (۴) باقی صفحہ ۱۹۶ پر

بنی درام کی طرف منسوب ہیں جو قبیہ تمیم کی مشہور شاخ ہے اور امام محمد شین مکتب بن انس خلاصہ عربی ہیں اور امام احمد الشیبانی الذہلی ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں امام احمد (۱) کا پورا نسب ان کے صاحبزادے کی زبانی درج کیا ہے۔

انصاف فرمائیے کہ بعد محمد شین میں بخاری اور ابن ماجہ کے سوا کون سا محدث وہی النسل ہے؟ اگر ایسا ہی ہے اور ایسا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تاریخ کی اصلی شہادت موجود ہے تو پھر واقعی کی روشنی میں اس ارشاد نبوت کا اولین مصداق امام اعظم کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

امام اعظم اور اعجاز نبوی:

بہر حال اگر یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہی کیا ہے جبکہ صحیح میں موجود ہے تو پھر تائید والوں نے اسے بتایا ہے کہ امام اعظم اس نبوی پیش گوئی کا مصداق اولین ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک اعجازی کارنامہ ہیں تو اس میں مبالغہ نہیں کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

ہذا من قبلہ ص ۱۹۵ اور ۵۵ سال کی عمر میں نہایت بڑا میں ۲۶۱ھ کو وفات پائی میں طلبکاروں کے سلسلہ میں ہزار عاق اور مصر آپ کی جو نگاہ ہے ہیں آپ کی تصانیف میں جلیل القدر تصنیف صحیح مسلم ہے آپ نے اس کتاب کا انتخاب تین اٹھ ایسی روایات سے کیا ہے جن کو انہوں نے براہ راست اپنے شیوخ سے سنا تھا جیسا کہ محدث حاتم نے خود امام مسلم سے نقل کیا ہے حافظ سلسلہ بن قاسم نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی (فتح الباری)

(۱) کنیت ابو عبد اللہ امام احمد امام بخاری نے آپ کو تاریخ میں الشیبانی الذہلی لکھا ہے حافظ ذہبی نے تاریخ میں آپ کا پورا نسب لکھا ہے اور بتایا ہے کہ آپ مازن بن شیبان بن دعلج کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے عربی نژاد ہیں اس لیے آپ ذہلی بھی ہیں اور شیبانی بھی۔ سکونت کے لحاظ سے مروزی اور بغدادی ہیں آپ کے اساتذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔

فہ معمرة طاهرة للنس صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بما صیقع (۱)
”اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا مجروح ہے آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔“

کہنا یہ چاہت ہوں کہ امام اعظم کی برتری کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ وہ نبوت کا مجروح ہیں اور اس سے بڑا شرف ہی کیا ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی مکاتیب میں سے ہر کتب نگار نے امام اعظم کے مناقب کو اپنے لیے رادہ دینے کی کوشش کی ہے۔ شوافع میں حافظ جلال الدین السيوطی حافظ ابن حجر مکی حافظ ذہبی ابن صلیان الیافعی علامہ نووی امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی ممالک میں سے حافظ ابن عبد البر اور متاخرین میں سے علامہ یوسف بن عبد اللہ۔ المعروض اس بارۃ اللہ ہر کی بے ہمتائیوں کا یہ حال تھا کہ محدثین اور فقہاء میں سے کوئی نہیں جس کی زبان ان کے مفاخر اور مآثر کے گیت نہ گاری ہو۔

الانتماء فی فضائل الثلاث ائمة المعظماء اور مناقب ذہبی سے اگر اس دور کے صرف ایسے علماء کی ایک فہرست تیار کی جائے جنہوں نے امام صاحب کے کمال علم و عمل کو سراہا ہے تو ان کی تعداد سو سے متجاوز ہوگی۔ مسر بن کدام ایوب استخیمانی سلیمان بن مہران شہد بن الکجج سفیان ثوری سفیان بن عیینہ حماد بن زید ابن ابی عروبہ ابن شہر بن یحیی بن سعید القطان۔ ان خوبان زمانہ کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے۔ لیکن وہ سب یک زبان ہیں کہ امام اعظم جیسا جمال ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔

امام اعظم کی محبت سنی ہونے کی علامت ہے:

پکارتے اور بیگانے سب ہی متفق ہیں حتیٰ کہ کہنے والوں نے اس ذات شامی کو معیار سفید بنا دیا اور بر ملا لہ دیا کہ

من احب ابا حنیفة فهو سنی ومن ابغضه فهو مبتدع (۲)

”جو ابو حنیفہ سے پیار کرتا ہوں وہ سنی ہے جو آپ سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔“

اور ان ہی کی زبانی مسلمانوں کو یہ پیغام ملا ہے کہ:

ہمارے اور لوگوں کے درمیان ابو حنیفہ ہیں جو ان سے محبت و تعلق رکھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ اہل سنت ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ وہ بدعتی ہے۔ (۱)

معظم ہے کہ یہ کہنے والے کون ہیں اور کسی وقت کہہ رہے ہیں؟ یہ حافظ عبدالعزیز بن میمون ہیں حضرت نافعؒ حضرت عکرمہؒ اور حضرت سالمؒ کے سامنے ان کو زانوئے تہمت کرنے کا شرف حاصل ہے اور ان کے تلامذہ میں یحییٰ القطانؒ عبداللہ بن المبارکؒ عبدالرزاقؒ اور وکیع بن الجراح جیسے اساطین حدیث ہیں۔ ان کی وفات ۱۵۹ھ میں ہوئی ہے۔ یہ امام اعظمؒ کے ایک معاصر کی شہادت ہے اور معاصر کی شہادت ہی سب سے بڑی شہادت ہوتی ہے اسی بناء پر بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ حدیث مسائل میں امام اعظمؒ کا لوہا مانتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضلہ میں امام علی بن المدینی اور ملک الحافظ یحییٰ بن معین کے استاد امام وکیع بن الجراح کے متعلق لکھا ہے۔ کماں بعضی ہر ائی ابی حنیفہ۔ حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی نے یحییٰ بن سعید القطان کے بارے میں بتایا ہے۔ کماں بعضی بن سعید یعتاد قولہ فی الفتویٰ (۲) کچھ دار آدی کے لیے اس میں یہ بات سوچنے کی ہے کہ یحییٰ القطان کی وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی ہے تو امام ابو حنیفہ کی تقلید ۱۹۵ھ سے پہلے شروع ہو چکی تھی عوام تو عوام یحییٰ جیسے شخص اخوام ان کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن کثیر نے تصریح کی ہے کہ امام یحییٰ القطان نے جامع صغیر باقاعدہ قاضی ابو یوسف سے سبقا پڑھی ہے۔ یحییٰ امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد کے اساد ہدیث ہیں اور حدیث میں ان کی جلالہ قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ علم رجال میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ عباس دوری نے سید الحافظ یحییٰ بن معین کے حوالہ سے بتایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

کتاب الجامع الصغیر عن محمد بن الحسن

”میں نے جامع صغیر امام محمد سے لکھی ہے۔“

یحییٰ بن معین کے امام بخاریؒ مسلمؒ ابو داؤدؒ ابو زریرہؒ اور ابو یعلیٰ شامیؒ ہیں۔

ربخ انور اور سراپائے امامت:

سن آئے ہو کہ امام اعظمؒ کی ولادت ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ھ بمقام کوفہ ہوئی حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور ابن خلکان نے تاریخ میں اسے راجع قرار دیا ہے۔ لیکن ایک روایت میں حافظ سمعانی اور ان کے ساتھ حافظ ابن حبان نے کتاب الجرح والتعديل میں اور ابوالقاسم سنائی نے روضۃ الصفا میں ۱۵۹ھ کو راجع بتایا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری کی رائے میں یہ صحیح ہے ان کا دعویٰ ہے کہ آپ معین میں سے ہیں۔

حاویر السعین فی العصر (۱) ”عمر نوے سے زیادہ ہے۔“

حافظ ذہبی نے مشہور محدث ابو نعیم الفضل بن دیکین سے نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ خوش روز خوش پوش خوش مجلس کریم النفس خوشبو پسند اور اپنے رفقاء کے بڑے ہی اہم و تھے۔ (۲) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت لالہ تھے اور نہ کوتاہ نہایت شیریں زبان بڑے دلکش اور قادر الکلام تھے۔ (۳)

امام اعظمؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کسی قدر دراز قد تھے آپ کے رنگ پر گندم کوئی غالب تھی اچھا لباس پہنتے عام زندگی میں اچھی حالت میں رہتے خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی ہلکے سے ہوتا تھا۔ (۴)

امام اعظمؒ تابعی ہیں:

اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں سب سے بڑا حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۱) اروض الباسم ص ۱۹۲ ج ۱

(۲) الناقب: ص ۸ ج ۳

(۳) صدر الانس کی

(۴) الخیرات الحسان: ص ۸۰

(۱) الجواب المسبب ص ۱۸۲ ج ۱ (۲) البدایہ ص ۱۵۷ ج ۱ تذکرہ الحفاظ ص ۱۸۴ ج ۱

تابعین کی بزرگی:

صحابہ کرام کے بعد تابعین بھی اسلام میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ چند ارشادات نبوت بدیع ناظرین ہیں۔ حضرت عبداللہ (۱) بن مسعود فرماتے ہیں

عس السی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلوہم ثم الذین یلوہم ثم یحیی افوام تسبق شہادۃ احنہم بمیہ و بمیہ شہادۃ۔
 ”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں بعد ازیں جو ان کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔“

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

سأل رجل السی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس خیر قال القرون الذی امامہ ثم الثانی ثم الثالث۔

۱۔ بقیہ صفحہ ۲۰۱ پر عدالت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دامن کسبائے سے اور صفائے پر اصرار سے پاک ہو اور ان چیزوں سے محتاط ہو جو وقار کے منافی ہوں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں عادل وہ ہے جس میں ایسا ملک ہو جو اس کو ملازم تقویٰ و عروت بنادے۔ علامہ جزائری رقمطراز ہیں کہ عدالت کے بھی مراتب ہیں۔ (۱) عبداللہ نام اور ابو عبدالرحمن کنیت ہے والد کا نام مسعود اور بذیل قبیلہ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے خادم خاص اور بدین میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ میں الامام اربانی الفقیہ اور مقرئ کے باب کت القاب سے پکارا ہے روایت حدیث میں حدیث محتاط تھے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں ان کا چمن نمبر تھا کہ میں سب سے پہلے باواز بلند قرآن خوانی کرنے والے تھے ان کو دونوں جہتوں جسد اور دین کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا کوفہ میں دینی تعلیم کی اساس حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتاویٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں پر ہے جن کو علامہ ابن مسعود مانتے ہوں اور جانتے ہوں۔ (ج۱ البانی) صحیح بخاری ص ۳۶۲ ج ۱

”ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔“ (۱)
 حضرت امام نجی الدین ابو زکریا النووی خیبر القرون کی حدیث پر نوٹ لکھتے ہیں درست یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور صحابہ کا زمانہ ہے دوسرا تابعین کا تیسرا اتباع تابعین کا۔ (۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ مراد ہے۔ (۳)
 جناب علامہ مولانا صدیق حسن خاں فرماتے ہیں
 یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے ان ہی پر دین کی زندگی پر اعتماد ہے۔ دینی زندگی کے سارے احوال اعمال اخلاق اور احکام میں یہی سند ہیں۔ (۴)

ان تینوں دوروں میں دور اول یعنی زمانہ صحابہ (جو ۱۰ھ تک ہے) کمال علم کمال ایمان کے لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دور سے افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں
 قرن اولی کمال علم اور کمال ایمان میں یہ مقام پر تھا کہ قرن ثانی اور قرن ثالث کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی۔ (۵)
 ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جہاں جہاں آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے یہی حق و باطل میں فرق کو سب سے زیادہ جاننے والے حق کے سب سے زیادہ ماننے والے حق کے سب سے زیادہ فریقہ باطل کے پیروی اور حق کی خاطر سب سے زیادہ جان بھانپنے والے ہیں۔ بعد میں

(۱) صحیح مسلم ص ۱۳۰ ج ۱ (۲) شرح صحیح مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ (۳) فتح الباری ص ۳۳ ج ۱

(۴) لفظ ص ۳۳ (۵) شرح البقیۃ ص ۱۳۷ ج ۱

روایت نہ تابعی ہونے کے لیے شرط ہے اور نہ صحابی ہونے کے لیے۔ خود امام بخاری نے صحیح میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے کہ:

من صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اذ من المسلمین فہو من اصحابہ (۱)

”جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یا دید کا شرف بحالت ایمان حاصل ہو وہ صحابی ہے۔“

اور یہ تعریف ارشادات نبوت سے لی گئی ہے۔ ترمذی میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی ایسے مسلمان کو آگ نہ لگے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (۲)

صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت جابر نے بحوالہ حضرت ابوسعید خدری بیان کی

ہے

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک رحمت ہے۔ گا کہ ان میں سے شکر دانہ لیا جائے گا وہ کہیں گے دیکھو یہ تم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہے۔ کوئی ہے اگر ہو گا تو اس کی برکت سے ان کو فتح ہوگی۔ پھر دوسرا شکر دانہ لیا جائے گا وہ کہیں گے ہل فیہم من رای اصحاب النبی کیا ان میں کوئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہے کہ دیکھئے وہ ہے۔ پس ان کی فتح ہوگی۔ پھر تیسرا شکر دانہ لیا جائے گا کہا جائے گا یہ تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے اصحاب نبوت کی زیارت کرنے والوں کو دیکھا ہو۔ (۳)

اس ارشاد نبوت سے صحابی اور تابعی کی تعریف واضح ہو کر سامنے آگئی کہ نبوت کی دید کا جسے بہت ایمان شرف حاصل ہو وہ صحابی ہے اور اس میں تمام محدثین یک زبان ہیں

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۷ (۲) ترمذی ص ۲۳۸ (۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳

اس موضوع پر محدثین میں کبھی بھی دو رائے نہیں ہوئی ہیں۔ ایسے ہی جن آنکھوں نے صحابہ کو مسلمان ہونے کی حالت میں دیکھا ہو وہ تابعی (۱) ہے۔

یہ بات کہ امام اعظم کو شرف و وجہ حاصل ہے ایک بے غبار حقیقت ہے اور اسی بنا پر ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ محدثین کا فیصلہ ہے کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ ان اکابر کے نام آپ سن چکے ہیں جنہوں نے صحابہ کی دید کی تصریح کی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی سن لیجئے جنہوں

(۱) بعض لوگوں کو کتابوں میں تابعی کی یہ تعریف پڑھ کر من لقی الصحابی الخ غلط فہمی ہو گئی ہے اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ دیکھنے والا تابعی نہیں بلکہ ملاقات کرنے والا تابعی ہے لیکن وہ اگر لقاء کے سنی بھی محدث ہیں ہی سے چھ لیتے تو پھر اس غلط فہمی کا علاج نہ ہوتے۔ حافظ ابن حجر نے شرح تہذیب میں لقاء کے معنی جو بتائے ہیں اس میں بیضا ساتھ چلا ایک دوسرے سے بغیر گفتگو ملنا اور ایک دوسرے کو دیکھنا سب داخل ہے چنانچہ وہ صریح لکھتے ہیں

وبعد حل فیہا رویۃ احمد ہما الآخر اس لیے من لقی الصحابی کے معنی یہ ہیں کہ تابعی وہ شخص ہے جو صحابی سے ملا ہو یعنی اس کے پاس بیٹھا ہو اس کے ساتھ چلا ہو بغیر گفتگو کے ملا ہو ایک دوسرے کو باہم دیکھا ہو۔ شرح تہذیب میں حافظ عسقلانی نے صحابی اور تابعی کی جو تعریف کی ہے اسے بھی سن لیجئے ہو من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنا بہ ومات علی الاسلام جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور ایمان ہی پر اس کی موت ہوئی ہو وہ صحابی ہے۔ اب تابعی کی تعریف بھی پڑھ لیجئے ہو من لقی الصحابی کذا لک اور ملاقات کا مطلب آپ سن چکے ہیں۔ اسی تعریف کو علامہ نووی نے تعریف میں اظہر بتایا ہے۔ اسی کو علامہ محمد بن اسماعیل ایمانی نے توضیح الافکار میں اختیار کیا ہے۔ یہی امام حاکم کا مسلک ہے حافظ ابن الصلاح نے اسی کو اقرب اور حافظ عراقی نے اسی پر محدثین کی اکثریت کا عمل بتلایا ہے۔ امام اعظم کے بارے میں اگرچہ ترمذی کی تصریح یہ ہے کہ انہوں نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی مگر اس کے باوجود صرف شرف دید کی وجہ سے امام مسلم اور امام ابن حبان نے امام اعظم کو طبقہ تابعین میں شمار کیا ہے امام عراقی فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اس ارشاد میں کہ طوبی من دانی وامن ہی و طوبی لمن دانی من دانی۔ صحابی اور تابعی کی تعریف کردی اور تابعی اور صحابی ہونے کا ہر دید کو قرار دے دیا۔ (تدریب ص ۴۱۶)

نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا واضح لفظوں میں اقرار کیا ہے۔ امام ابوالبرکات عبداللہ نسلی ○ حافظ بدرالدین عینی ○ حافظ ابن الباہہ ○ حافظ ولی الدین العراقي ○ شیخ ابن حجر مکی ○ علامہ قسطلانی ○ شیخ عبدالحق دہلوی ○ امام بزاز کردری ○ حاضی القاری ○ حافظ عبدالقدور قرشی وغیرہ وغیرہ ہم نے تصریح کر دی ہے کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ سب کا استقصاء تو مشکل ہے لیکن گلے از گلزار چند تصریحات ہدیہ ناظرین ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے:

حافظ ابن حجر عسقلانی سے کسی نے دریافت کیا کہ امام اعظم تابعی ہیں یا نہیں؟ حافظ صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے حافظ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان ص ۲۱ پر ملاحظہ قاری نے شرح مسند امام اعظم ص ۲۸۴ پر اور حافظ جلال الدین السیوطی نے تبویط الصغیرہ ص ۵۰۴ پر نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

امام اعظم نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے کیونکہ آپ کی تاریخ ولادت ۸۰ھ کوذ میں ہے۔ کوذ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ ان کی وفات بالتحقیق بعد میں ہوئی پھر میں حضرت انس بن مالک تھے ان کی وفات ۹۰ھ کے بعد ہوئی۔ ابن سعد نے ایک بے غبار سند سے یہ بیان درج کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے ان دو کے علاوہ اور بھی صحابہ بقید حیات تھے بعض اکابر نے صحابی سے امام صاحب کی روایت کے موضوع پر کچھ رسائل بھی لکھے ہیں ان کی سندیں ضعیف ہیں غالباً نہیں ہیں۔ بہر حال اتنی بات مستند اور طے شدہ ہے کہ آپ نے زمانہ صحابہ پایا ہے اور ابن سعد کی تصریح کے مطابق یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کچھ صحابہ کرام کی زیارت کا امام ابوحنیفہ کو شرف حاصل ہے اس لحاظ سے امام صاحب کا شمار طبقہ تابعین میں ہے اور یہ شرف امام صاحب کے سوا امام صاحب کے ہم عصروں میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔ نہ امام اوزاعی کو شام میں نہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کو بصرہ میں نہ سفیان ثوری کو کوذ میں نہ امام مالک کو مدینہ میں نہ امام مسلم بن خالد کو ک

میں اور یحییٰ بن سعد کو مصر میں۔ (۱)

اسی قسم کا ایک اور سوال حافظ ولی الدین (۲) عراقی کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ امام اعظم تابعی ہیں؟ حافظ عراقی نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ حافظ سیوطی نے تبویط الصغیرہ میں نقل کیا ہے اس میں حافظ عراقی نے صاف اقرار کیا ہے کہ اگر صحابی کے دیکھنے کا نام تابیت ہے تو امام ابوحنیفہ کا شمار بلارب تابعین میں ہے اور کوئی نہیں جو اس بنیاد کو مان کر امام اعظم کی تابیت کا انکار کر سکے۔

(۱) یہ جو فرمایا کہ ان کی سند ضعیف سے خالی نہیں تو اس سے ملاحتی نہ ہو جائے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیف الاستناد ہے یہ نہیں ہے کہ ثابت نہیں ہے تو عرب میں حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ اگر بہر ضعیف ہو تو ہم اسے ضعیف الاستناد تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کے ہونے کا انکار نہیں کر سکتے اگر اس کے خلاف کوئی شہادت نہ ہو تو وہ قابل پذیرائی ہے حافظ ابن قیم نے اعلام میں لکھا ہے کہ الاصل الرابع الاخذ بالمرسل والحدیث الضعیف الخلف یکن فی الباب فی ہکذا۔ میں اس بارے دفتر حدیث درجہ میں ایسی کوئی شہادت نہیں جس میں کوئی امام کے حلقہ پر تائید کر آپ نے صحابہ کو نہیں دیکھا ہے بلکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ اصحابہ المشہورہ بالامتداد الصحاح والاحسان اور اصولائے راجع ہے۔

(۲) پورا نام احمد بن عبدالمجید بن الحسین ہے ولی اللہ بن لقب ابوذر کہتے ہیں اپنے والد زین الدین عراقی کے ہاتھ پر وہاں چڑھے ہیں ۶۲ھ میں ولادت ہوئی ۲ سال کی عمر میں ان کو ان کے والد دمشق لے گئے۔ جوان ہوئے مصر آ گئے یہاں کے مشائخ سے استفادہ کیا دو بارہ دمشق گئے اور وہاں کے مشائخ سے فیض یاب ہوئے ان کو یہ شرف ہے کہ ان کی جملہ روایات اور مصنفات کا ان سے ان کے اکابر اور بزرگوں نے سماع کیا۔ فقہ اصولی معانی و بیان ادب عربی میں کمال حاصل تھا تو جوانی ہی میں مسند تدریس پر بیٹھ گئے تھے ان کی تصانیف میں کافی کتابیں ہیں ان کا بیسویں ترجمہ ابن فہر نے لفظ الافاظ ص ۲۸۴ تا ۲۹۰ لکھا ہے ان کی وفات محاشیہ ۸۲۶ھ کو ہوئی۔

حافظ زین الدین عراقی کا تبصرہ:

علامہ محی الدین نووی نے تقریب میں موع الحساوی والا رسعون میں روایت الاکابر عن الاصاغر پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑوں کا چھوٹوں سے استفادہ کی ایک قسم یہ بتائی ہے۔ ایک شخص تابعی ہو کر کسی ایسے شخص سے روایت لے جو تابعی نہیں ہے جیسے عمرو بن شعیب کہ یہ تابعی نہیں ہیں۔ لیکن تابعین نے ان سے روایات لی ہیں۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باوجود تابعی ہونے کے عمرو بن شعیب سے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد حافظ عراقی نے پچاس سے زائد بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وعدہم الحفاظ العراقي ابو الفضل بغدادی حمسین (۱)

"حافظ عراقی نے ان کو پچاس سے زیادہ شمار کیا ہے۔"

اس کے بعد حافظ عراقی کے بیان کردہ تابعین کے ناموں کی یہ فہرست دی ہے: ابراہیم بن میسرہ، ایوب السخلمانی، بکر بن الاثیر، ثابت بن عجلان، ثابت البنانی، جریر بن حارم، جابر بن عطیہ، حبیب ابن ابی موسیٰ، جریر بن عثمان، احکم بن قتب، حمید الطویل، داؤد بن قیس، داؤد بن ابی بند، الزبیر بن عدی، سعید بن ابی ہلال، سلمہ ابن دینار، سلمان الشیبانی، سلیمان بن اعمش، عاصم الاحول، عبداللہ بن عبدالرحمن، الطائفی عبداللہ بن عون

(۱) پورا نام عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمن المروزی الرزاز ہائی ہے۔ حافظ ابن فہد نے لفظ الحافظ میں اور حافظ سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ میں ان کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔ عزالدین بن جماع فرماتے تھے کہ مصر میں اس کے سوا جو بھی حدیث دہلی کا دعویٰ کرتا ہے وہ صرف مدعی ہے علامہ سبکی العطالی اور ابن کثیر نے ان کی بے حد تعریف کی ہے ان کی تصانیف میں المفید اس کی شرح، تخریج احیاء مغلہ شرح الترمذی وغیرہ ہیں۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ تین سال کی عمر میں سایہ پردی سے محروم ہو گئے تھے۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا حدیث انبیوں نے شیخ علاؤ الدین ابن الزہلی انھی سے حاصل کیا اور ان سے ہی حدیث کی دستار فضیلت لی۔ تحصیل علم کے لیے سفر کی سوتیلیں برداشت کیں۔ بہت خوبصورت لفظوں اور بزرگوں کا سرمایہ تھے۔ بدھ کے دن ۸ شعبان ۶۰۶ھ میں بمقام قاہرہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لعنہ اللہ برحمہ۔

عبداللہ بن ابی ملیک، عبدالرحمن بن حرمہ، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالملک بن جریج، عبداللہ العمري، عطاء ابن ابی رباح، عطاء ابن السائب، عطاء الخراسانی، العلاء بن الی رث علی بن الحکم، عمرو بن دینار، ابو اخطب السیمی، قتادہ، محمد بن اعث، محمد بن مجاہد، محمد مجلان، ابو الزبیر، زہری، سمر الوراق، کھول، موسیٰ ابن ابی عائشہ، ابو حنیفہ اہمان بن ثابت، ہشام بن عروہ، ہشام بن الغاز، وہب بن منہ، یحییٰ ابن ابی کثیر، یزید بن ابی حبیب نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے ان تابعین میں امام اعظم کا بھی اسم گرامی موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم حافظ عراقی کے نزدیک تابعی ہیں۔ یاد رہے کہ حافظ عراقی فن حدیث میں بڑے پائے کی شخصیت ہیں۔

علامہ قسطلانی کی رائے:

علامہ قسطلانی نے امام اعظم کو تابعین کے زمرے میں شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

هذا مذهب الجمهور من الصحابة كابن عباس وعلي ومعاوية و انس بن مالك و خالد و ابی هريره و عائشه و ام هانئ و من التابعين الحسن البصري و ابن سيرين و الشعبي و ابن المسيب و عطاء و ابو حنیفہ و من الفقهاء ابو يوسف و محمد و الشافعي و مالك و احمد (۱)

یہ تمام صحابہ تابعین اور فقہاء کا مذہب ہے صحابہ جیسے ابن عباس، علی، معاویہ، انس، خالد، ابو ہریرہ، عائشہ، ام ہانی، جیسے حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، ابن المسیب، عطاء اور ابو حنیفہ اور فقہاء میں جیسے ابو یوسف، محمد، شافعی، مالک اور احمد۔ اس میں امام اعظم کا تابعین کے زمرے میں صاف تذکرہ موجود ہے۔

محمد ثنین میں سے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کی شخصیت سے کون ناواقف ہے موصوف نے حضرت انس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابی عبداللہ بن الی رث بن جڑ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے

اما ابا حنیفہ وای انس بن مالک و عبد اللہ ابن الحارث بن جریء۔

”امام ابو حنیفہ کو حضرت انس بن مالک اور حضرت عبد اللہ کی دید کا شرف ہے۔“ (۱)

عبد اللہ بن حارث کی حدیث پر تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتادینا ضروری ہے کہ حافظ ابو بکر الجعفی نے اپنی بیش بہا تصنیف الانصار میں لکھا ہے کہ

ما ت عبد اللہ بن الحارث بن جزء سنة سبع و تسعين (۲)

یاد رہے کہ حافظ ابو بکر الجعفی اپنے وقت میں علل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ مشہور محدث دارقطنی ان کے شاگرد ہیں ابو علی خیشا پوری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ ان کو چار لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے درس حدیث میں اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ گھر گلی شاہراہوں پر انسان ہی انسان ہو جاتے تھے ابو الفضل القطان کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو بکر الجعفی کی زبانی سنا ہے کہ میں جب رتہ پہنچ وہاں میرے پاس حدیث کی کتابوں کا گٹھا تھا۔ ایک روز ملازم فہمکن صورت بنائے ہوئے آیا۔ بول آپ کی ساری کتابیں ضائع ہو گئیں۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں ان میں صرف دو لاکھ حدیثیں تھیں۔ وہ سب مجھے زبانی یاد ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ علل رجال کے امام تھے۔

یہ امام اعظم کے بارے میں دید کی شہادت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک مثبت دعویٰ ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ ایک منقہ چیز ہے۔ اصولی طور پر مثبت کو منقہ پر مقدم ہونا چاہیے امام بخاری نے جزء رفع یدین میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ایک بات کے بیان کرنے والے دو شخص ہوں ایک کہے میں نے کرتے دیکھا ہے دوسرا کہے میں نے نہیں دیکھا ہے اس میں مثبت شاہد ہے نافی شاہد نہیں ہے کیونکہ اسے کوئی چیز بھی نہیں ہے عبد اللہ بن زہیر کہتے ہیں دو شاہدوں نے گواہی دی ایک نے کہا۔ حمید نے اقرار کیا ہے کہ اس کے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہے دوسرا کہتا ہے کوئی اقرار نہیں کیا جو شخص مثبت کا اظہار کر رہا ہے وہ شاہد ہے اسی کو

اپنایا جائے گا یا مثلاً بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضور الوری صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اور فضل بن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی بلال کی بات کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ شہادت ہے اور نافی کی بات ناقابل التفات ہے۔ (۱)

لیجئے اسی ترازو میں امام اعظم کی تابیت کے معاملے کو تول کر دیکھ لیجئے۔ ایک طرف حافظ ذہبی اور ابن سعد سیف ابن جابر کی زبانی یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ امام اعظم نے انس بن مالک کو دیکھا ہے اور دوسری طرف یہ کہنے والا کوئی نہیں کہ ”میں نے دیکھا“ اگر بالفرض ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو پھر بھی کہا جاسکتا تھا کہ مثبت شاہد ہے اسی ترازو میں روایت کے مسئلہ کو بھی تول لیجئے۔ ایک طرف کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ امام اعظم نے صحابہ سے روایت کی ہے اس کے مقابلے میں دارقطنی صدیاں گزرنے پر کہتے ہیں کہ امام اعظم نے روایت نہیں کی فرمائیے امام بخاری کے بیش کردہ ضابطہ کے مطابق شاہد کون ہے؟ وہ جو وجود کا پتہ دے رہا ہے یا وہ جو نہیں نہیں کر رہا ہے آپ ہی انصاف فرمائیے۔

الفرض امام اعظم کا زمانہ صحابہ میں ہونا اور حضرت انس کا دیکھنا محدثین کے یہاں اختاقی ہے۔ اس لیے وہ یقیناً تابعی ہیں اور تابعی ہونے کی وجہ سے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں۔ والساہقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعواہم باحسان۔ کیونکہ اس آیت میں مهاجرین و انصار سے جمیع صحابہ مراد ہیں چنانچہ حمید بن زیاد کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے محمد بن کعب قرظی سے صحابہ کی بخشش کا اعلان کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کہاں؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ قرآن میں ہے۔ والساہقون الخ اس آیت نے تمام صحابہ کرام کو بخشش کا شوقیث دیا ہے۔ البتہ تابعین کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ احسان کے ساتھ صحابہ کے پیروکار ہوں۔ اس لیے اس آیت نے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک صحابہ دوسرے وہ جو احسان کے ساتھ صحابہ کے تابعین ہوں اور دونوں کے لیے اس آیت میں چار ہتم بالشان وعدے کیے گئے ہیں۔

● اول یہ کہ اللہ سبحانہ ان سے راضی ہو گیا۔

● دوم یہ کہ صحابی اور تابعین اللہ سے راضی ہو گئے۔

● سوم یہ کہ وہ جنتی ہیں۔

● چہارم یہ کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

امام اعظم تابعی ہونے کی وجہ سے ان تمام وعدوں کے مصداق ہیں اور یہ تہرہ آپ کے سوا اللہ اور بعد میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام اعظم کو دوسرے اماموں پر مقدم کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے:

لأنه أدرك عصر الصحابة وروى عن انس بن مالك (۱)

امام اعظم کا زمانہ طلب علم:

امام اعظم نے بچپن کا زمانہ علوم کے لیے نہیں بلکہ فنون کے لیے باغ و بہار کا زمانہ تھا۔ آپ کی عمر چھوڑا سا کی ہوئی تو ۱۹۵ھ مطابق ۸۱۰ء میں ولید بن عبدالملک سریر رائے حکومت ہوا بنو امیہ کا آفتاب اقبال اس وقت نطف النہار پر تھا۔ مہد ولید خلافت اموی کے اوج شباب کا زمانہ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ فتوحات ملکی اور رفاہ عامہ کے کاموں کی جو سرپرستی ولید نے اپنے دور حکومت میں کی ہے۔ بنو امیہ میں سے کسی نے کم ہی کی ہوگی۔ ولید کی حکومت کا دائرہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں حجاز و عراق سے افریقہ، شام، ایٹلیا کو چھ ترکستان ایران، افغانستان اور پاکستان میں شہر ملتان تک پھیل چکا تھا۔ جس اتفاق سے ولید کو قین کار آمد اور مفید پہ سالار مل گئے تھے۔ قتیبہ بن مسلم، ابی حنیفہ کے ذریعے ایشیا کے قلب تک اسلامی فتوحات پہنچیں۔ موسیٰ بن نصیر جس کے ذریعے اندلس میں جبرائیل تک اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور محمد بن قاسم جس کے ذریعے پاکستان میں ملتان تک اسلامی فتوحات کا پھر براہ راست غرض ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں فتح و نصرت کے پرچم اٹھ رہی تھیں اس کے بعد مسلمانوں کو ایسا کامیاب دور دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

ولید کا زمانہ حکومت ۸۶ء سے ۹۹ء تک ہے اور یہی دور امام اعظم کے جمہنے اور تزکیں کا دور ہے یہ سارا زمانہ امام اعظم نے کوفہ میں گزارا ہے۔

کوفہ کی مرکزی حیثیت:

کوفہ کی مٹی حیثیت کیا ہے؟ اس پر تفصیلی بحث تو امام اعظم کے اساتذہ حدیث کے حسد میں آئے گی مگر اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ولید و جملہ اور فرات کا جنوبی حصہ جسے علاقے جغرافیہ عراق کہتے ہیں ایک خوشگوار سرسبز و شاداب علاقہ اور تین ہزار سالہ دہنیت و تہذیب کا علمی گہوارہ ہے بابلویں آشوریوں کلدانیوں فارسیوں اور یونانیوں کی جولا نگاہ رہا ہے۔ زمانہ خلافت فاروقی میں اس پر پرچم اسلام لہرایا تو مسلمانوں نے اپنے عہد تمدن میں دو نئے شہر بسائے کچھ تو اس لیے کہ ان دار الخلافہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی (۱) اور کچھ اس لیے کہ ممالک محروسہ کا تعلق مدینہ طیبہ سے انتظامی طور پر حمل و نقل کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مشکل رہتا۔ حضرت فاروق اعظم نے شہر بسانے کے لیے ایک کمیٹی فرمائی اس کمیٹی کے حسب ذیل ارکان تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ۔ ان حضرات نے شہر کے لیے دریائے فرات کا کنارہ تجویز کیا۔ رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش ہونے پر شہر بسانے کی اجازت ملی۔ حکمرانی ہو جانے پر محرم الحرام ۳۸ھ جنوری ۶۵۸ء کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو مشرہ ہشرہ میں سے ہیں ان پھوڑ کر کوفہ آئے اور آپ کے ساتھ چالیس ہزار نفوس کوفہ میں آباد ہوئے۔

عندہم اربعون الفاً (۲) "ان کی تعداد چالیس ہزار ہے۔"

اولین رہائش کے لیے غیہ اور چھپر اختیار کیے گئے۔ لیکن غیہوں اور چھپروں کے یہ گھر دہنے آئے دن آگ کی تباہ کاریوں کا شکار رہتے تھے اس لیے کچھ عرصہ بعد حضرت فاروق اعظم نے پختہ عمارت کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر عراقی تمدن کے مطابق حضرت ابو الیمانؓ ۱۱۰۰۰ آدمی کو پورے شہر کا سروے کرتے پر مقرر کیا گیا۔ آپ نے بڑی محنت سے شاہراہوں

کوچوں گھر نمٹ ہاؤس اور جامع مسجد کے لیے پلاٹ مقرر کیے نقشہ اس طرح ترتیب دیا کہ شہر کے مرکزی مقام پر جامع مسجد ہو جامع مسجد سے چاروں طرف چوڑی چوڑی سڑکیں ہوں۔ حافظ ابن کثیر نے سڑکیوں کی چوڑائی چالیس ہاتھ یعنی ساٹھ فٹ اور گلیوں کی گیارہ فٹ لکھی ہے (۱) اور جامع مسجد کے بڑے صحن کے سامنے کافی فاصلہ پر گھر نمٹ ہاؤس بنایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی عظیم الشان ترقی کی کہ حائے کے خزانے باطل و بصرہ کا تمدن اور عربی تہذیب یہاں امنڈ کر آ گئی۔ حتیٰ کہ لفظ عراق کا مفہوم ہی کوفہ بن گیا (۲) اور صرف یہی نہیں بلکہ اطرمی نے لکھا ہے کہ کوفہ کے تمدن جدید اور قبول کی داستانیں سن کر تمام عرب میں یہاں آباد کاری کے لیے ایک دلولہ پیدا ہوا۔ حضرت عتبہ نے انس بن حذافہ کو حضرت فاروق اعظم کے پاس روانہ کیا۔ حضرت فاروق نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ اس کا جواب جو انہوں نے دیا وہ سننے کے لائق ہے فرمایا کہ

انتقلت عليهم الدنيا فهم يهلون الذهب والفضة۔

”ان پر دنیا بے پڑی اس لیے وہ سنا اور چاندی بھار رہے ہیں۔“ (۳)

یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ کوفہ میں آباد کاری کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ چالیس ہزار حضرات تھے۔ ان میں صحابہ کس قدر تھے۔ تصریح تو نہیں ملتی ہے مگر حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں مدائن چھوڑنے کے اسباب بتاتے ہوئے جو یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ

ان الصحابة استوحوا المدائن۔ ”صحابہ کو مدائن کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔“

تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری تعداد ہی صحابہ کرام پر مشتمل تھی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پوری تعداد نے کوفہ کو وطن بنالیا ہو۔ اگرچہ کوفہ کے تمدن اور قبول کو دیکھ کر زیادہ قریب قیاس یہی ہے کہ صحابہ کا یہ جم غفیر اسی جگہ آباد ہوا ہو۔ لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات واپس ہو گئے ہوں مگر حافظ قتادی کے بیان سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ وہ حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۷۵ (۲) تاریخ الاسلام سیاسی ج ۱ ص ۲۷۰ فجر الاسلام ص ۱۸۰

(۳) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۴۱

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمار بن یاسر حضرت علی ابن ابی طالب جیسے حضرات نیز صحابہ کرام کی ایک خلقت یہاں آ کر اتری۔ (۱)

اس موضوع پر ان بزرگوں نے یہ اپنے علم کی حد تک بتا دیا ہے اور اسی لیے خیالات مختلف ہیں۔

چنانچہ امام حاکم نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ان مشاہیر کے نام لکھے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ طیبہ سے دوسرے اسلامی شہروں میں منتقل ہو گئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے کوفہ سے ابتداء کی ہے اور سب سے زیادہ اسی جگہ آنے والوں کی تعداد بتائی ہے۔ حافظ ابو بشر دولابی نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص اور پچاس وہ بزرگ کہ جو غزوہ بدر میں آپ کے ہرکاب تھے کوفہ میں فروکش ہوئے۔ (۲)

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ نے اپنی تاریخ میں اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ذیضہ ہزار صحابہ آ کر آباد ہوئے۔ (۳)

حافظ ذہبی حافظ ابن کثیر حافظ ابو بشر دولابی اور امام ابوالحسن عجمی کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے صحابہ کی تعداد تو زیادہ ہی ہے مگر تیس ہزار شخص نے اپنے علم کے مطابق کی ہے۔ خود صحابہ کی تعداد کے بارے میں علماء کا ایسا ہی اختلاف ہے۔ حافظ ابو زرہ نے ایک لکھ چودہ ہزار بتائی ہے۔ حافظ ابن حزم نے ایک لاکھ تیس ہزار لکھی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ نے جتہ اللہ الباقہ میں جو تعداد بتائی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

لم يخرج النبی السحیح و حصر معه نحو من مائۃ الف و اربعۃ و عشرین الفاً۔ (۴)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق تعداد لکھی ہے

(۲) کتاب الکلی والاسماء ص ۳۲ ح ۱

(۱) الاطمان بالتوخیج ص ۹۲

(۳) جہ اللہ الباقہ ج ۲ ص ۲۱۰

(۴) فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲

صحابیؓ کی اس کثرت کے ساتھ احمد امین نے 'وفد' کا علمی نسب نامہ جو لکھ دیا ہے۔ وہ ان کی زبانی سن بھیجے
کوئٹہ میں بے حد و حساب صحابیہ کرام کا دور ہوا۔ علم میں ان میں زیادہ مشہور حضرت
علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت علیؓ کو علمی نشر و اشاعت کے لیے سیاسی
جھڑپوں کی وجہ سے وہ فراغت نہیں ہوئی جو حضرت عبداللہ بن مسعود کو نصیب ہوئی ہے۔ حضرت
عبداللہ بن مسعود کی شخصیت صحابیہ میں سب سے بڑی علمی اور اثری شخصیت تھی۔ مسلمان ہونے
میں ان کا چھنا نہ تھا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ حبشہ بھی ہجرت کی اور بعد ازیں مدینہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم کے ملازم صحبت تھے۔ آپ کو حضور میں جانے کی اجازت تھی۔ قرآن خدائی اور
قرآن انی سے بے حد شغف تھا۔ سلامی عہد تفسیر قرآن میں امتیازی مقام رکھتی تھی۔ جب سے آپ کا
کہار مدینہ صحابیہ میں شمار تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کو وفد کے شہریوں کا معلم بن کر بھیجا
تھا۔ بل کوئٹہ نے ان سے علم حاصل کیا اور ان کے سامنے زونے شام و دیوبند کی۔

اور صرف عمر ہی نہیں بلکہ اخلاق و آداب بھی ان سے ہی لیے۔ ان کے شاگردوں کے بارے میں سعید ابن جبیر کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہی اس شہر کے چشم و چراغ ہیں آپ لوگوں و قرآن بھی پڑھاتے تفسیر بھی سکھاتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی بیان کرتے اور پیش پا افتادہ حالات میں فتویٰ بھی کتاب و سنت سے یا پھر اپنے اجتہاد سے دیتے۔ آپ کے مدرسہ کے چھ شاہراہ مشہور ہیں۔
حافظہ ◯ اسود ◯ مسروق ◯ عبیدہ ◯ عمارؓ اور مرد بن ثعلبہ یہ حضرات کوفہ میں قیام افراہ میں حضرت عبداللہ کے جانشین ہیں لیکن سب علماء کوفہ کا علمی مرکز صرف حضرت عبداللہ ہی کی شخصیت نہ تھی بلکہ ان میں سے بہتوں نے مدینہ جا کر حضرت فاروق عظیم حضرت علی مرتضیٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے صحابہ سے علمی استفادہ کیا ہے اس کے نتیجے میں کوفہ کو ایک علمی گہرائی کی حیثیت بھی حاصل ہوئی۔ کوفہ کے علماء میں شریعہ اشعری، فحشی اور سعید بن جبیر بہت مشہور ہیں۔ اس بستی میں علمی ترقی ہوتی رہی تا آنکہ علم کا یہی تاج امام اعظم کے سر رکھا گیا۔ (۱)

نی الواقع صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کو فہ نے صرف حضرت عبداللہ ہی پر علمی استفادہ میں قیادت نہیں کی بلکہ ان کے شوق طلب کا عالم یہ تھا کہ وہ اس کی خاطر مدینے کا سفر کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ابو عبد الرحمن السلسلی اور دیگر علماء کو فہمہ علقہ اسوۃ حارث ذر بن جیش کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرأت کی ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود سے قرآن سیکھا۔ نیز یہی حضرات مدینہ جاتے اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم یمن میں حضرت معاذ بن جبل سے لی تھی۔ (۱)

اور پھر چند اور اوراق کے بعد لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ حضرت عمرؓ علیؓ اور ابوالہریرہؓ سے علم حاصل کرتے تھے۔

اس پر تفصیل تبصرہ آئندہ اوراق میں آ رہی ہے یہاں مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ امام اعظم کی یہ ہستی علمی ہستی ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں سمجھ لیجئے۔ کہ فن قرأت و تجوید کے اُرسات امام ہیں جن کو قرآن وسبھ کہتے ہیں تو ان میں سے تین عام۔ حمزہ اور کسی کوئی ہیں۔ علم التفسیر میں خود عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کو اعظم الناس بالتفسیر بتایا ہے (۲) حضرت سعید بن جبیر جن کو حضرت قتادہ تفسیر کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں وہ کوفہ ہی کے رہنے والے ہیں۔ عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان دو شہروں میں ہوئی چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں ان دو شہروں کے سوا کسی شہر کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا ہے وائز حسن ابراہیم حسن نے کیسی اچھی بات لکھی ہے

۲۔ اسلام ثقافت کا سب سے اہم مرکز تھے۔ جہاں علم کلام اور علم فقہ کی اساس رکھی گئی ہے اور جہاں ادب اور فنون کے در سے قائم ہوئے (۳)۔

(١) مشهـاج التـ: ص ١٥٦ ج ٣ (٢) الاقنـان فـي علـوم القرآن: ج ٢ ص ١٨٩

(۳) تاریخ اسلام سیاسی: ج ۲، ص ۳۹۱

الفرض امام اعظم نے جس ہستی میں آنکھ کھولی اور جس میں بچپن اور لڑکپن گزارا ہے وہ صرف تمدن و تمدن ہی کا گہوارہ نہیں بلکہ علوم و فنون کی عمری ہے۔

امام اعظم کی علمی طلب گاریوں کا زمانہ:

اگرچہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ امام کی علمی طلب گاریوں کی عمر علامۃ النبیین امام فہمی کی ذات گرامی ہے اور اس سے بچنے والوں نے یہی سمجھا ہے کہ امام صاحب نے طلب علم کا سلسلہ بچپن میں نہیں بلکہ بڑے ہو کر شروع کیا ہے لیکن یہ محض اندازہ اور خیال ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ علمی طلب گاریوں کا آغاز تو بچپن ہی میں ہو گیا تھا مگر امام فہمی کی ذات گرامی نے امام اعظم کو علم الشرائع کی طرف مائل کیا ہے چونکہ امام اعظم کو دوسرے فنون کے ساتھ علم الکلامی سے خاصی دلچسپی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ علم کلام میں اصول دین سے بحث ہوتی ہے اس لیے یہ علم تمام علوم سے برتر ہے (۱)۔ اس علم میں تکمیل کی اور صرف تکمیل ہی نہیں بلکہ اس درجہ امامت اور مہارت پیدا کر لی کہ

بلغ فيه مبلغاً يشاؤه الله بالاصابع (۲)

”اس مقام پر پہنچ گئے کہ انگلیاں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔“

اور اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو صدرالائمہ نے نجی ابن بکیر کے حوالہ سے امام اعظم کی زبانی لکھا کہ:

میں ایک روز بازار جاتے ہوئے امام فہمی کے پاس سے گذرا امام فہمی نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ بازار آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ علمی مشغلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں علماء کے پاس کم جاتا ہوں فرمایا کہ اس بارے میں غفلت کو راہ نہ دو۔ مطالعہ اور اہل علم کی صحبت کو اپنے لیے ضروری کرلو۔ مجھے تم میں ہونہاری اور بیداری نظر آرہی ہے۔ (۳)

(۱) مناقب للنفی ج ۱ ص ۶۳ (۲) مناقب کردی ج ۱ ص ۶۳ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۳۲

(۳) مناقب للنفی ج ۱ ص ۶۳

یہ واقعہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ آغاز طلب کا مشورہ نہیں بلکہ نظر فی العلم اور عیاست علماء کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ خود ہی سوچنے کے ایک شخص جو علم کی راہ سے واقف نہیں بنے علماء سے رہا و ضبط نہیں رکھتا ہے صرف دوکاندار ہے۔ اس میں ایک اجنبی شخص کے لیے کون سی کشش ہے جو اسے یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ تم میں مجھے علمی بیداری نظر آتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام فہمی کو امام اعظم کی کلامی مسائل میں ہونہاری اور بیداری کی داستان معلوم تھی۔ اس بنا پر انہوں نے امام اعظم کو الشرائع کی طرف توجہ کا مشورہ دیا۔ اس کے نتیجے میں خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

امام فہمی کی بات دل میں گہر کر گئی اور بازار چھوڑ کر بس علم ہی کا ہو رہا۔ گویا علم ہی کے ہو رہے کا معاملہ اب پیش آیا اور نہ طلب علم کا آغاز تو اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو ایک غلطی کے ازالہ کی خاطر لکھنا پڑا۔ کہتا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم کے طلب علم کی داستان میں علم کلام کو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔

امام اعظم اور فنون عصریہ:

قرآن حکیم کی تعلیم سے فراغت کے بعد امام اعظم ان فنون عصریہ کی طرف پہلے توجہ ہوئے جو اس زمانے میں رائج تھے۔ اس کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو صدرالائمہ نے امام صاحب کی زبانی لکھا ہے اس میں خود امام صاحب نے ان علوم و فنون کو نام نظام بتایا ہے جن میں امام صاحب نے کمال پیدا کیا تھا۔

جب میں نے علم سیکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے تمام علوم و فنون کو پیش نظر رکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک ایک فن کو پڑھا ہے۔ (۱)

اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ علم الشرائع کو اپنانے سے پہلے امام صاحب نے اسی ہستی میں جسے خود امام صاحب نے معدن العلم والفہم کا نام دیا ہے۔ علم ادب، علم الشہد، القافیہ اور علم القراءۃ اور علم الکلام میں سے ایک فن کو باقاعدہ پڑھ لیا تھا اور علم الکلام میں اس درجہ مہارت پیدا

(۱) مناقب صدرالائمہ ج ۱ ص ۶۱

کر لی تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ اس میں میری طرف ہی لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ اسی سلسلے میں صدر الانار اور خطیب بغدادی کی بیان کردہ داستان بھی گوش گزار کر لیجئے جو یحییٰ ابن شبیان کے حوالہ سے ہم تک پہنچی ہے۔

مجھے علم کلام میں کافی دسترس تھی ایک عرصہ اسی میں بیت گیا لوگوں سے مناظرے کرتا۔ اسی فن کی حمایت اور مدافعت میرا مشغلہ تھا بصرہ مختلف مدارس فکر کا گڑھ تھا میں بیس بار سے زیادہ بصرہ گیا ہوں۔ سال بھر یا اس سے زیادہ قیام رہتا تھا۔ اس زمانے میں میری خارجیوں کے فرقوں سے مذہب پھیر ہوئی۔ میں علم کلام کو افضل ترین علم سمجھتا۔ اور کہا کرتا تھا کہ یہی دین کی بنیاد کی مگرانی ہے۔ عرصہ گزرنے پر میں نے خود اپنے تئیں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ صحابہ اور تابعین کبار نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے بے بہرہ نہ تھے بلکہ ہم سے زیادہ ان کے علم میں گہرائی تھی۔ حقائق سے واقف تھے مگر اس کے باوجود ان کی زندگیاں مجاہدانہ شورشوں سے یکسر خالی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کا مشغلہ نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے ان کے غور و فکر کی جولانگاہ علم الشرائع اور ایجاب فقہ تھے یہی ان کا موضوع تھا یہی ان کی مجلسی زندگی کی رونق تھی اسی کی لوگوں کو تعلیم دیتے اور اسی کے سیکھنے کی ترغیب دیتے صدر اول ایسے ہی گذرا ہے تابعین بھی ان کے نقش قدم پر تھے اس موقف پر پہنچی کر میں نے علم کلام کو خیر باد کہہ دیا۔ صرف فنی معرفت باقی تھی۔ اور زندگی میں بطور فنی سلف کے علوم کو اپنا لیا۔ وہی کام شروع کیا جو وہ کرتے تھے اور اس کے فن کاروں سے رابطہ پیدا کر لیا اور ان کی ہی مجلسوں کو اپنا پایا اور اپنی جگہ یہ یقین ہو گیا کہ متکلمین کا کردہ اسلاف کے نقش قدم سے ہٹا ہوا اور صالحین کے مقام سے دور ہے ان کے دلوں میں قساوت ہی قساوت ہے کتاب و سنت کی مخالفت سے بے پرواہ بے روح اور تقویٰ سے دور طبقہ ہے۔ (۱)

اس سے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمی خدمات کا سلسلہ بچپن میں شروع ہوا ہے۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا ہے اور یہ بھی تاریخ بغداد میں ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں امام حماد کی خدمت میں پورے اٹھارہ سال رہا ہوں اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ امام اعظم ایک تمیز علم الشرائع کی حیثیت سے تمام علوم میں تکمیل کے بعد امام حماد کی خدمت میں ۱۰۳ھ میں تشریف لے گئے جب کہ امام اعظم کی عمر ۲۳ سال تھی اور یہ بات خود امام اعظم کے بیانیوں کی روشنی میں بے غبار ہے کہ امام حماد کی خدمت میں تشریف آوری علم الشرائع کی خاطر تمام علوم و فنون کے پڑھنے کے بعد ہوئی ہے۔ امام اعظم کے زمانے میں علم چار حصوں میں تقسیم تھا۔

(الف) ادبی فنون کے درجے۔

(ب) علوم عقلیہ کے حلقے۔

(ج) مذاکرہ حدیث کی جماعتیں۔

(د) استنباط مسائل کے مراکز۔

اگر ترتیب یوں قائم کی جائے کہ امام اعظم نے

اولاً:- قرأت عامہ کے مطابق قرآن حفظ کیا۔

ثانیاً:- آپ نے نحو ادب اور شعر پر وقت صرف کیا۔

ثالثاً:- آپ نے علم کلام اور علوم عقلیہ میں مہارت پیدا کی۔

رابعاً:- آپ نے مذاکرہ حدیث کے حلقوں میں شرکت کی۔

خامساً:- آپ نے استنباط و استخراج مسائل اور فقہ و اجتہاد کے لیے حماد کے سامنے

زالوئے ادب لے کیا۔

تو صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ امام موصوف نے تعلیم کا آغاز بچپن میں کیا ہے اور ابھی

بچپن سے گذر کر لڑکپن ہی تھا کہ آپ نے نحو قرأت ادب و شعر اور علوم عصریہ کی تکمیل فرمائی

تھی۔ اس کی وضاحت امام صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو امام مرغینانی نے نصیم بن

عمرہ کی زبانی نقل کیا ہے کہتے ہیں:

میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ میں زمانہ حجاز میں ٹرکین کی عمر میں بازار جاتا تھا۔ اور لوگوں سے علم کلام کے ذریعے عقائد پر باتیں کرتا تھا ایک روز مجھ سے ایک شخص نے دینی فرائض کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھ لیا مجھے کوئی جواب نہ آیا اس شخص نے مجھ سے کہا کہ ایسے مسائل میں لپ کشتی کرتے ہو جو بال سے بھی زیادہ ہار یک ہیں اور نظر بقا ہر ہو بھی ہوش مند۔ مگر تمہیں ایک دینی فریضہ کا پتہ نہیں ہے۔ میں یہ سن کر شرمندہ ہو گیا۔ (۱)

حجاز کی وفات جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے بھی ۹۴ھ میں امام اعظم کی عمر صرف چودہ سال کی ہوتی ہے اور اسی عمر کے شخص کو عربی زبان میں غلام کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں امام اعظم علم کلام اور علوم عقلیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔

امام اعظم اور علوم عقلیہ

قرآن حکیم اور فتون ادب کے بعد امام اعظم نے اپنی پوری توجہ علوم عقلیہ پر مرکوز کر دی تھی اور علوم عقلیہ میں نہایت کا یہ مشغول ہیں سال کی عمر تک قائم رہا۔ امام زہری نے امام ابو عبد اللہ بن ابی حفص کی زبانی جو واقعہ لکھا ہے کہ:

امام اعظم کوفہ میں پیدا ہوئے اور علم الکلام کی تلاش کرتے رہے اور لوگوں سے اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تا آنکہ اس میں ماہر ہو گئے۔

تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمی طلبکاریوں میں مرکزی مقام علوم عقلیہ کو حاصل تھا اور یہ بھی سمجھنے والوں نے لکھا ہے کہ ایک عرصہ تک اس فن کے دور سے مختلف مدارس کا مقابلہ کیا دوائے عامہ کے دوائی سکون کے لیے دلائل کا سامان فراہم کیا۔

آپ کی کلامی اور عقلی علوم کی جوں جوں صرف کوفہ ہی نہ تھا بلکہ آپ کی اس فن میں اس درجہ شہرت ہو چکی تھی کہ جیمسٹ اور ارجاء کے استیصال کی خاطر کوفہ سے باہر بھی جانا پڑا۔

شیعہ اور خوارج کے ساتھ امام اعظم نے علوم عقلیہ میں اپنی خداداد علمی صلاحیتوں سے جن جن فرقوں کو ان کے غلط عقائد پر خبردار کیا یہ ہیں۔ جمہ اور مرجہ۔ ان فرقوں کے ظہور سے ایسے مسائل منسوخ ہوئے جن کا براہ راست اسلامی عقائد سے تعلق تھا ان مسائل میں جو مسئلے خاص طور پر توجہ علمی کے مستحق رہے ہیں یہ ہیں۔ ایمان، تقدیر، صفات الہی، ان میں سب سے اہم ایمان ہے اور یہ بے حد افسوس اور صدمہ والی بات ہے کہ جو چیز اسلام میں سب سے اہم ہے امت میں سب سے پہلے اختلاف اسی میں رونما ہوا۔ حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

یہ مسائل یعنی اسلام، ایمان، کفر و نفاق وہ بنیادی مسائل ہیں جن پر شہادت و سعادت اور جنتی و ناری ہونے کا دار و مدار ہے مگر امت ان ہی میں سب سے زیادہ اختلاف کا نشانہ بنی ہے۔ (۱)

اس اختلاف کی نزاکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی بنیاد پر امام اعظم ہی کے زمانے میں ایک سے زیادہ مدارس پیدا ہو گئے تھے۔

حافظ ابن تیمیہ شرح العقیدہ الاصبہانیہ میں فرماتے ہیں کہ جم بن صفوان کی رائے میں ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ حافظ ابن حزم نے الفصل فی السبل والاہواء والاعمال میں لکھا ہے کہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے بھی انکار کرے بتوں کی پوجا بھی کرے فلاں یہودیت ڈال لے مگر اسے معرفت قلبی حاصل ہو تو مومن کامل ہے۔

خوارج کا خیال ہے کہ ایمان دل کی تصدیق، زبانی اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے ان کے نزدیک سنا، کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں ہے کیونکہ عمل ایمان کا رکن ہے۔

ان مدارس کے سامنے امام اعظم نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی اولاً اس لیے کہ ایمان اسلامی زندگی کی بنیادی اینٹ ہے اگر یہی غلط ہو تو اس پر انھی ہوئی ساری عمارت غلط ہو کر رہ جائے گی۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہی اسلامی شہریت کے لیے فیصلہ کن چیز ہے۔ اس کا فیصلہ ہونے پر اسلام کا مالیاتی نظام اقتصادی اور اجتماعی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر امام اعظم کے لیے ناگزیر اور بے حد ناگزیر تھا کہ یہ واضح کریں کہ ایمان کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟

مسئلہ ایمان اور امام اعظم:

افراط و تفریط کی ان دونوں صورتوں میں کہ ایک فرقہ صرف قلبی معرفت کو ایمان کہتا ہے اور دوسرا اس کے مقابلے میں عمل کو بھی ایمان قرار دیتا ہے۔ امام اعظم نے جو راہ اختیار کی ہے وہ ایک طرف قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق ہے تو دوسری طرف عقل کو بھی اپیل کرتی ہے اور خود انسانی وجدان بھی اسے باور کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا ہے۔ امام اعظم نے بتایا ہے کہ ایمان نام ہے ان تمام باتوں کو جو نبوت محمدیہؐ لے کر آئی ہے باور کر لینے اور ماننے اور اس کے اقرار کرنے کا۔ بتانا یہ چاہیے کہ دراصل یہاں تین چیزیں ہیں۔ دل کی تصدیق زبان کا اقرار اور اعمال۔ تصدیق ایمان کا رکن ہے۔ اقرار شرط اور اعمال کی حیثیت مکمل اور متمم کی ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت میں ان گنت مقام پر ایمان کا تذکرہ ہے لیکن چونکہ قرآن کا اور نبوت کا طریق تعلیم اور اسلوب بیان دونوں فطری ہوتے ہیں اس لیے وہاں ہر بات فنی اصطلاحات سے باہر ہو کر سادہ طور پر سامنے آتی ہے۔ اسی ایمان کو دیکھ لیجئے جس میں دل کی تصدیق زبان کا اقرار اور اعمال سب ہی داخل ہیں لیکن ان میں ہر ایک کا مقام الگ ہے۔ دل کی تصدیق اور اعمال میں باہمی ربط۔ اقرار کی حیثیت اور پھر اعمال میں باہم مراتب کا فرق سمجھنا کس قدر مشکل ہے مگر ذات نبوت نے ان سب کو نہایت سادہ طریق پر سمجھا دیا ہے ارشاد ہے کہ مسی الاسلام علی خمس۔ ۱۔ اسلام کا مکمل پانچ ستونوں پر قائم ہے مکمل میں چھت ہوتی ہے ستون ہوتے ہیں دو دیوار ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعے کا نام مکمل ہے پھر اس مکان کی کوئی بنیاد بھی ہے جس پر یہ پوری عمارت کھڑی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بڑا مکان تو آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ لیکن بنیاد جس پر مکمل کی عمارت قائم ہے آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔ وہ زمین نیچے ہوتی ہے اسی طرح اسلام بھی ایک مجموعہ کا نام ہے اس کے بھی اجزاء ہیں اس کی بھی ایک بنیاد ہے اس کے اجزاء میں ایسا ہی فرق ہے۔ جیسے مکان کے اجزاء میں ظاہر ہے کہ مکان کی بقاء کے لیے جس قدر ستونوں کی حاجت ہے اتنی طاق اور روشندان کی نہیں۔ اسی طرح یہاں ارکان خمسہ اقرار شہادتین نماز روزہ زکوٰۃ اور حج اسلام کے ستون ہیں اور یہ پانچوں ستون تصدیق قلبی کی بنیاد پر کھڑے ہیں۔ جس طرح مکان کی بنیاد زمین میں مدفون ہوتی ہے ایسے ہی تصدیق بھی دل میں پوشیدہ ہوتی ہے ایک موتی سی مثال

سے صاحب نبوت نے جادو اہل حق کیسے واضح فرمادیا اور تصدیق و عمل کے باہمی ربط اور پھر اعمال کے باہم فرق مراتب کو کس عمدگی سے سمجھا دیا ہے اسی بات کو امام اعظم نے علوم ربیہ سے شیعہ یوں کے سامنے رکن شرط اور مکمل کا نام سے کر پیش کیا ہے۔ چونکہ تصدیق کا حمد دل سے متعلق ہے اور دل کے حالات کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے رکان خمسہ میں سے زبان کے اقرار کو قرآن و سنت میں ضروری بتایا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

اسلام کے ثبوت کا دار و مدار کسی ایسی چیز پر ہونا چاہیے جس کا ہم یہاں طور پر سب کو ہو سکے اس لیے توحید کا ربانی اقرار ہی مسلمان ہونے کا معیار قرار دیا گیا اور سی ایک کلمہ کو جنگ کے آغاز و خاتمہ کا دار و مدار بنادیا گیا۔ (۱)

جب تک اقرار نہ ہو ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے دل میں تصدیق موجود ہے یا نہیں۔ لہذا اگر ایک شخص اقرار نہیں کرتا تو ہم سمجھیں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اقرار کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ (۲)

اسی لیے امام اعظم ایمان میں دل کی تصدیق کے ساتھ زبان کے اقرار کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد میں آنے والے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اقرار کی حیثیت کیا ہے ایک جماعت رکن بتاتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ شرط ہو یا رکن صرف تصدیق کا نام ایمان نہیں ہے اس کی چوری وضاحت امام اعظم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے ابومقلہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق و معرفت کے ساتھ اسلام کے ربانی اقرار کا نام ہے۔ لوگ تصدیق میں تین قسم کے ہیں کچھ زبان و دل دونوں سے مانتے ہیں کچھ زبان سے مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ پہلا طبقہ تو اللہ اور لوگوں کے نزدیک مومن ہے۔ دوسرا طبقہ عند اللہ تو مومن نہیں مگر لوگوں میں مومن ہے کیونکہ لوگوں کو دل کا حال معلوم نہیں اقرار کی بناء پر ان کے ذمہ ان کو مومن ہی کہنا ہے۔ تیسرا طبقہ عند اللہ کے یہاں مومن ہے مگر عند الناس کافر ہے۔ (۳)

یہاں تصدیق کے ساتھ اقرار ہی پر زور دیا ہے اور اسلامی زندگی میں اس کی اہمیت بتائی ہے اقرار کو ایمان میں کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ کچھ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو صدر الاسلامؒ کی نے لکھا ہے:

جہم بن صفوان آپ کے پاس آیا اور ایمان کے موضوع پر گفتگو کی بولا کہ میں آپ سے ایمان کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تا حال تمہیں ایمان کا پتہ نہیں ہے بولا کہ پتہ تو ہے مگر کچھ شک ہے فرمایا کہ ایمان میں شک کا نام کفر ہے۔ بولا ذرا میری بات تو سن لیجئے فرمایا کہ بولا یہ بتائیے کہ ایک شخص جسے اللہ کی ذات کی معرفت حاصل ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا ہے۔ کیا وہ مومن ہے یا کافر؟ فرمایا کہ جب تک زبان سے اقرار نہ کرے کافر ہے۔ بولا کافر کیونکر ہو سکتا ہے اسے معرفت حاصل ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہو اور اسے حجت بھی سمجھتے ہو تو دلائل قرآن سے دوں ورنہ غیروں کے انداز پر گفتگو کروں۔ جہم بن صفوان نے کہا کہ میں قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہوں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ سبحانہ کا ارشاد گرامی ہے۔ **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَغْبِطُ مِنَ الذَّمِّ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ سَاءَ مَا كَذَّبَ اللَّهُ بِهِمَا قَالُوا** اس آیت میں اللہ سبحانہ نے عرفوا کے ساتھ بقولوں (کہتے ہیں) اور قالوا (انہوں نے کہا) لاکر بتا دیا کہ ایمان قلب و زبان دونوں سے مطلوب ہے ایک ارشاد ہے **قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ**۔ ایک اور ارشاد ہے **وَالسَّامِعُ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ**۔ یہاں بھی کلمۃ التقویٰ سے اقرار شہد و تمین مراد ہے۔ ایک اور مقام پر ہے **هُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ**۔ یہاں الطیب من القول سے توحید و رسالت کا اقرار ہی مقصود ہے۔ نیز فرمایا **إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ**۔ اور **يُنْثَبِتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ**۔ ان آیات میں بھی الکلم الطیب اور القول الثابت سے مراد زبان ہی کا اقرار ہے۔ یہ تو قرآن ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلے میں فرمایا ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** **تَفْلَحُوا**۔ اس میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہنے پر فلاں کو موقوف قرار دیا ہے۔ قرآن وحدیث کے بعد خود حدیث بھی یہی کہتی ہے کہ اگر ایمان صرف دس کی معرفت کا نام ہوتا اور اقرار کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر ہر منکر قلبی معرفت کے بعد مومن ہوتا اور ابلیس کا مومنوں میں شمار ہوتا کیونکہ اسے یہ معرفت تو اللہ ہی اس کا خالق، مالک، مجی اور معیت ہے حاصل ہے اور تمام کافر بھی مومن ہونے چاہیں کیونکہ قرآن میں ان کی معرفت کا اقرار ہے اس کے بعد متعدد قرآنی آیات پیش فرمائی ہیں۔ (۱)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم اقرار کو ایمان میں رکنیت کا درجہ دیتے ہیں کیونکہ اقرار بھی ایک قسم کی تصدیق کا نام ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ماننا دل کی اور قرار زبان کی تصدیق ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں ہے بلکہ اقرار اور التزام طاعت بھی اس کا اہم جز ہے اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد و وفاداری نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ ابو مقاسل نے امام اعظم سے جو ایمان کی تعریف نقل کی ہے اس میں اقرار کا متعلق اسلام کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

الایمان هو المعرفة والتصديق والافراز بالاسلام۔ (۲)

”ایمان معرفت تصدیق اور اطاعت کے اقرار کا نام ہے۔“

لفظ الاکبر میں اسلام کی حقیقت خود امام اعظم نے جو بتائی ہے یہ ہے

الاسلام هو التسليم والانقياد لوامر الله۔ (۳)

”اسلام ماننے اور احکام الہی کی سراپا بیوی کا نام ہے۔“

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ انقیاد اور التزام طاعت بھی اس کا اہم رکن ہے جیسے تصدیق رکھ کر التزام طاعت کا عہد نہ کرنا اسلام نہیں ہے ایسے ہی صرف فرمانبرداری کا التزام رکھ کر قلب و زبان سے تصدیق کے لیے آمادہ نہ ہونا ایمان نہیں ہے۔

ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ زبان و دل تصدیق سے مزین ہوں اور اسامی دستور حیات کو پھانے کا عزم مصمم ہو آخر کا لفظ ایمان میں بے معنی اور بے جان نہیں ہے۔

امام اعظم کے ایمان میں اس قانونی موقف نے کہ ایمان نام ہے اقرار و تصدیق دونوں کا۔ دونوں فرقوں کی تردید کردی جمیع کی بھی اور مرجع کی بھی۔

ایمان کی اسی حقیقت کو امام احمد بن حنبل نے اس طرح پیش فرمایا ہے

اہل السنۃ والجماعۃ مومن کی تعریف یہ ہے کہ اس کی شہادت دے کہ اللہ سجدہ کے سوا عبادت کے رائق کوئی نہیں دیکھتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور شہادت دے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے اور رسول ہیں۔ نیز دوسرے مختصر جو کچھ لائے ہیں ان باتوں کا زبان سے اقرار کرے اور جو کچھ اس کی زبان کہے دل اس کا ساتھ دے ایسے آدمی کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ (۱)

امام اعظم کی علم کلام میں تصانیف:

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسی زمانے میں امام اعظم نے علم الکلام کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں ان فرقوں کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو واضح فرمایا ہے۔ یہ بات کہ اس موضوع پر امام اعظم کی کوئی کتاب نہیں ہے معتزلہ کی اڑائی ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں:

هذا كلام المعتزلة ودعواهم انه ليس له في علم الكلام له نصيف (۲)
”یہ معتزلہ کی بات ہے وہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔“

اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس قسم کی افواہوں سے معتزلہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ امام اعظم کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے استعمال کر سکیں۔

علامہ بیاضی نے اشارات الہامہ میں علم الکلام کے موضوع پر امام اعظم کی جن تصانیف

کی نشاندہی کی ہے وہ یہ ہیں۔ الفقہ الکبیر، الرسالۃ، الفقہ البسيط، کتاب العالم والمتعلم، اور الوصیۃ۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کتابوں کی تالیف بھی اس زمانے کے رواج کے مطابق اعلائی طرز پر ہوئی ہے۔

املاھا علی اصحابہ من الفقہ الاکبر والرسالۃ والفقہ البسيط و کتاب العالم والمتعلم والوصیۃ (۱)

علامہ طاش کبریٰ زادہ نے پوری قوت سے یہ بات بتائی ہے کہ:

امام اعظم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ الفقہ الکبیر اور البسيط، علم جمیع کتابیں تصنیف کی ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ کتابیں امام اعظم کی نہیں معتزلہ کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں۔ (۲)
علامہ بزاز نے تصریح کی ہے کہ:

یہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ علم کلام میں امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ الفقہ الکبیر اور العالم والمتعلم میں نے خود علامہ شمس الدین کی ارقام فرمودہ ۱۰۰ بھی ہیں ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ امام اعظم کی تصانیف ہیں۔ (۳)

صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی نے اپنی مشہور کتاب اصول دین میں جو حالی ہی میں مصر میں ڈاکٹر بانس پتیرنس کی تحقیق سے زیر طباعت سے آراستہ ہو کر آئی ہے اس میں امام اعظم کے بارے میں تصریح کی ہے کہ:

قد صنف فیہا کتاباً و رفع بعضہا الینا (۴)

”آپ نے علم کلام میں کچھ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کچھ ہمیں ملی ہیں۔“
یہ ابو الیسر فروع و اصول میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور لکھتے تھے کہ ان امام الانبیا علی الاطلاق۔ صرف پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں چنانچہ ان کی سند یہ ہے

عن اسمعيل بن عبد الصادق عن حنبله ابی الیسر عبدالکرم عن ابی المصور
العاتریدی عن ابی بکر المحور حنبله عن ابی سلیمان عن محمد (۵)

(۱) اشارات الہامہ: ص ۲۱ (۲) مطابح السعادة ج ۲ ص ۲۹

(۳) مناقب کردی ج ۱ ص ۱۰۸ (۴) مسون بزدوی ص ۳ (۵) الفوائد المہیہ ص ۷۳

(۲) اجواب المصیہ ج ۲ ص ۲۶۱

(۱) مناقب محمد بن حنبلہ

علامہ بیاضی نے امام اعظم کی ان کتابوں کی تاریخی اور دینی حیثیت کو شرح و بسط سے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں:

الفقه الاکبر الرسالة الفقه الاوسط العلم والمعتل اور الوصیۃ کی امام اعظم سے روایت میں مرکزی حیثیت حماد بن ابی حنیفہ قاضی ابویوسف ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ اور ابو مقاتل حفص بن مسلم کی ہے۔ ان ائمہ سے ان کتابوں کو اسماعیل بن حماد محمد بن مقاتل محمد بن سماعہ نصیر بن یحییٰ اور شہاد بن حکیم نے روایت کیا ہے۔ (۱)

آخر میں لکھتے ہیں کہ ان کتابوں کو نصیر بن یحییٰ اور محمد بن مقاتل سے امام ابو منصور ماتریدی نے روایت کیا ہے۔ علامہ ذاب کوثری رقمطراز ہیں:

علم کلام میں امام اعظم کا یہ علمی سرمایہ امت کو وراثت میں ملا ہے۔ الفقه الاکبر اس کی سند یہ ہے۔ علی بن احمد الفادی عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مقاتل عن عصام بن یوسف عن حماد بن ابی حنیفہ عن ابی حنیفہ۔ الفقه الاوسط۔ اس کی سند یہ ہے ابو زکریا یحییٰ بن مطرف عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مطیع البلخی عن ابی حنیفہ۔ العلم والمعتل۔ اس کی سند یہ ہے۔ ابی فضا احمد بن علی حاتم بن عقیل عن النخعی بن ابی عوانہ و محمد بن یزید عن الحسن بن صالح عن ابی مقاتل عن ابی حنیفہ۔ الرسالة۔ نصیر بن یحییٰ عن محمد بن سماعہ بن ابی یوسف عن ابی حنیفہ کی سند سے مروی ہے اور اسی سلسلہ سند سے الوصیہ۔ بھی مروی ہے۔ (۲)

تاریخ و روایت کی یہ شہادتیں بتاتی ہیں کہ علم کلام میں امام اعظم نے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے وہ امام اعظم ہی کا ساختہ و پرداخت ہے۔ اس پر تفصیلی مباحث انشاء اللہ ہماری کتاب ”امام اعظم اور علم الکلام“ میں آئیں گی۔

علم کلام اور اس کا حکم:

علم کلام کے موضوع پر امام اعظم کے بیانات پڑھ کر شاید آپ یہ خلش محسوس کریں

کہ امام صاحب علم الکلام کی تعلیم و تعلم کی اشاعت کو امت میں پسند نہ کرتے تھے لیکن ایسا نہیں ہے صدر الاسلام ابوالسیر یزدوی نے اپنی کتاب اصول دین میں اس کی وضاحت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

علم کلام دراصل ان مسائل کا نام ہے جن کی حیثیت اسلام میں اصول دین کی ہے اور جن کا سیکھنا فرض عین ہے امام ابو حنیفہ نے یہ علم حاصل کیا ہے اور اس کے ذریعے معتزلہ اور قائل بدعت کے مناظرہ کیا ہے آغاز میں آپ اپنے اصحاب کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس علم میں آپ نے کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے کچھ تک ہماری رسائی ہوئی ہے اور کچھ کو مل بدعت نے خورد برد کر دیا۔ جو کتابیں امام اعظم کی ہم وطنی ہیں ان میں العلم والمعتل اور الفقه الاکبر ہے۔ العلم والمعتل میں امام اعظم نے یہ بات کھول کر سمجھائی ہے کہ علم کلام پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ اسی کتاب میں ہے کہ ”علم کلام کہتا ہے کہ کچھ دُک کہتے ہیں کہ علم کلام نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ صحابہ کرام نے یہ علم نہیں پڑھا ہے۔ عام کہتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں ٹھیک ہے ہمیں بھی علم کلام نہ پڑھنا چاہیے جیسے صحابہ نے نہیں پڑھا لیکن تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہمارے اور صحابہ کے معاشرے میں کیا فرق ہے؟ جن حالات سے ہمیں دین کی زندگی میں دوچار ہونا پڑ رہا ہے ان سے صحابہ دوچار نہیں تھے ہمارا ایسے معاشرے سے سابقہ پڑا ہے جن کی رہائش مسک حق کے خلاف چھوٹ اور بے لگام ہیں۔ جن کے یہاں ہمارا خون روا ہے کیا اس ذہن کے مرد و پیش میں ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ راست روا اور غلط کار میں ایک حد فاصل اور خط تمیز قائم کریں۔ یوں سمجھو کہ صحابہ ایسے خوش آئند ماحول میں تھے جہاں جنگ کا نام دشمن نہ تھا امن و سکون کی زندگی تھی۔ یقیناً ایسے ماحول میں سامان جنگ اور جنگی تیاری کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جھگو طبقہ نے حملہ کر کے ایمان و اعتقاد کی زندگی کا امن و سکون تہ و بالہ کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں ان سے نمٹنے کے لیے سامان جنگ کی ضرورت ہے اور فوجی ٹریننگ کی

بھی۔ ہمارا اکثر فقہاء نے لوگوں کو علم کلام سیکھنے سے روک دیا ہے لیکن جو امام ابو حنیفہ کے پیروکار ہیں وہ اس کی تعمیر و تعلیم کے جواز کے قائل ہیں البتہ انہوں نے عمر کے آخری حصہ میں اس میں مناظرے سے روک دیا تھا۔ (۱)

گویا امام اعظم کی نظر میں علم کلام کو ایمان کے لیے ایک دفاعی سرمایہ کی حیثیت میں اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ علامہ بیاضی نے اشارات انوار میں بھی امام صاحب کے اس بیان کی وضاحت فرمائی ہے۔ جو بات روز اول علم کلام کے بارے میں امام اعظم نے فرمائی ہے کہ اس کی حیثیت ایک دفاعی سرمایہ کی ہے وہی بات اس علم کے بڑے بڑے شہسواروں نے آخر میں کہی ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد جوینی نصیحتہ المستعین میں فرماتے ہیں:

قرآن کے دلائل غذا کے درجے میں ہیں نہ انسان ان سے فائدہ اٹھ سکتا ہے۔ کھائی ہوئی کھانوں کی حیثیت میں ہیں چھوٹے سے سودمند مگر بہتوں کو تن سے استعمال سے نقصان ہو رہا ہے۔ قرآنی تصریحات پانی کی طرح ہیں دودھ پیتا بچہ بھی پی سکتا ہے لیکن کھائی ہوئی روٹی کے روٹی کھانے صرف طاقتور ہی کھا سکتے ہیں اور وہ بھی زیادہ سے گدا گدا بیمار ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی جیسے کلامی محقق نے اپنی زندگی کی آخری تالیف میں اقرار کیا ہے کہ:

انما المقصود منه حفظ عقيدة اهل السنة وحرارتها عن تشويش اهل البدعة (۲)

”علم کلام سے مقصود صرف بدعتوں سے اہل السنہ کے عقیدہ کی حفاظت اور گمراہی ہے۔“

ان اقراؤں سے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو بات اولاً امام صاحب کی زبان پر آئی بلا آخر دسی وقت کا آوارہ بن گیا۔ امام اعظم نے یہی تو بتایا ہے کہ علم کلام کا اسی مقصد اسلامی سوسائٹی کے لیے عقائد کی فراہمی کا کسی خاص عقلی بیج پر سلیبس تیار کرنا نہیں ہے بلکہ اس

کی غایت یہ اور صرف یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود فریبی سے شک وارتیاب کی گود میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اپنے اس فیصلے پر جتھے ہوئے اسلام پر حمد آور ہو رہے تھے اور اس جملے کے لیے یونانی فلسفے کے میگزین سے ہتھیار مانگ کر لائے تھے اور چاہتے تھے کہ اس طرح وہ اسلام کی عمارت کو گرا دیں گے اصول جنگ کے مطابق یہ تو سب ہی کرتے ہیں کہ اپنے ہتھیاروں سے دوسروں کا مقابلہ کریں۔ اپنی قوت دوسروں کے مقابلے پر صرف کریں لیکن یہ تو انتہائی فراست اور زیرکی کہنے یا وقت کی سیاسی مہارت کہ گھر سے مقابلہ کے ارادے سے نکلے ہیں اور خالی ہاتھ ہیں۔ ارادہ ہے کہ اپنی دولت اور سرمائے کو آٹھ نہ آئے اور میدان بھی ہاتھ آ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا قرآنی دلائل اپنی جگہ رہے سنت کی پکار اپنے مقام پر ان ہی کے میگزین سے دلائل کا اسلحہ لے کر ان سے مقابلہ کیا اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام غزالی نے لکھا ہے

لكنهم اعتمدوا على خالك على ما تسلموها من خصومهم۔

”لیکن متکلمین نے اس معاملے میں اپنے مقابل کے مسلک کا ہی سہارا لیا ہے۔“

اور:

وكان اكثر خو صهم في استعراض مافضات الحصوص ومواجلتهم للوازم مسلماتهم۔

”ان کی فکری توجہ صرف یہ تھی کہ مقابل کا توڑ کیا جائے اور ان کے مسلمات کے لوازم سے ان کی گرفت کی جائے۔“

اس سے مقصود یہی بتانا ہے کہ علم الکلام کا مقصد اصلی انہوں کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو چپ کرانا ہے۔

الغرض امام اعظم کے بارے میں یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ امام موصوف علم کلام کو کسی درجے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ امام اعظم کے موقف کو اس روشنی میں سمجھنا چاہیے کہ علم کی دنیا نے علم الکلام میں امام اعظم کو حکم اول کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ امام عبدالقادر بغدادی شافعی نے بتایا ہے کہ علم کلام کے موضوع پر اہل بیت کا شرف امام اعظم کو حاصل ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

اول متکلمیہم من الفقہاء وارباب المذاهب ابو حنیفۃ والشافعی فان اباحنیفۃ لہ کتاب فی الرد علی القدیریۃ سمیۃ الفقه الاکبر ولہ رسالۃ املاہافی نصرۃ قول اہل السنۃ ان الاستطاعۃ مع الفعل (۱)

”فقہاء میں سب سے پہلے حکم ابو حنیفہ اور شافعی ہیں ابو حنیفہ نے تدریہ کے رد میں فقہ اکبر نامی کتاب تصنیف کی ہے موضوع استطاعت پر اہل السنۃ کے موقف کی نصرت میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔“

علامہ ابو المظفر اسفرائینی نے امام اعظم کی کئی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے (۲) ابن النذیم نے بھی ان کتابوں کا پتہ دیا ہے اور آخر میں آپ کی وسعت علمی کے بارہ میں لکھا ہے العلم بحر آوہا و شرفا و غریبا و غریبا (۳)

”دور نزدیک‘ مشرق‘ مغرب اور خشکی و تری میں آپ ہی کا علم ہے۔“

تاریخ الاسلام السیاسی کے مؤلف حسن ابراہیم حسن نے بھی ابن النذیم کی بیعت نامی کی ہے۔ الفرض میں بتایا رہا تھا کہ امام اعظم کی طلب علم کی داستان میں علوم عقلیہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اتنی اہمیت کہ اس میں ناموری اور شہرت کے پیش نظر امام فہمی نے امام اعظم کو ۹۳ھ میں علم الشرائع کے لیے مطالعہ علمی اور بجائے علاوہ کا مشورہ دیا۔ علم الشرائع کے طالب علم کی حیثیت سے امام اعظم اپنے استاد حماد کے پاس ۱۰۴ھ میں یعنی چوبیس سال کی عمر میں گئے اور پورے اٹھارہ سال کے بعد علم الشرائع کی تعلیم و تمرین سے فراغت کے بعد مجتہد کی حیثیت سے ۱۲۰ھ میں لوگوں میں رونما ہوئے۔ ۹۵ھ سے ۱۰۴ھ تک کا پورا وقت امام اعظم نے علم حدیث پر صرف کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے آپ کو ذرا انتظار کی رحمت گوارا کرنی ہو گی۔ سردست تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پندرہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ اور فنون عصریہ میں اتنی مہارت ہو جانا کہ اسی کوفن کی حیثیت سے اپنا لینا اور اسی پر مختلف مدارس فکر سے مقابلہ کرنا

امام صاحب کا ایک ممتاز کارنامہ ہے۔ حجم سے مقابلہ کی داستان آپ سن چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کلامی مسائل میں امام صاحب کے دوسرے فرقوں سے بھی مناظرے ہوئے ہیں مگر ہم ان کو یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسائل بہت طویل الذیل ہیں اندیشہ ہے کہ اپنے موضوع سے دور نہ ہو جائیں۔

امام اعظم طالب علم کی حیثیت سے:

۹۱ھ میں امام اعظم نے پہنچا ج کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر اور خوارزمی نے تصریح کی ہے اور اسی حج میں تفتہ فی الدین کے موضوع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث کی زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوا ہے یہ کوا علم حدیث ن ابجد ہوئی ہے۔

من نفقه فی دین اللہ کما اللہ ہمہ و روزلہ من حیث لا یحسب۔

”جس نے اللہ کے دین میں فقہت پیدا کر لیا اللہ اس کے رنج و غم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گناہ بھی نہ ہوگا۔“ (۱)

امام فہمی کے کہنے سے دل پیسے ی مائل ہو چکا تھا۔ اس ارشاد نبوت سے زخمی ہو گئے اور ۹۶ھ سے ہی علم الشرائع کی طرف رخ کر دیا۔ اور زندگی کے اس موڑ پر آپ نے تمام علوم کا باہم موازنہ یہ مگر الشرائع کے لیے چونکہ علم الحدیث ناگزیر تھا اس لیے آغاز یہیں سے کیا اور ۹۸ھ سے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت اختیار کر لی اور ۹۸ھ سے شروع ہو کر ۱۰۴ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اگرچہ کام کا آغاز تو علم حدیث میں ۸۹ھ میں ہو چکا تھا مگر پوری باقاعدگی کے ساتھ پورا کا پورا وقت ۱۰۴ھ سے لگایا ہے۔ ۱۰۴ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا اور سب سے پہلے اپنے شہر کے مشہور محدث علامۃ الدین یعنی سے استفادہ کیا۔ امام فہمی کی حدیث میں جلالت شان کا اندازہ کرنا ہو تو امام زہری کا حسب ذیل بیان پڑھیے۔

علماء چار ہیں سعید مدینے میں فہمی کوفہ میں حسن بصرہ میں اور کحول شام میں۔ (۲)

(۲) التعمیر: ص ۱۱۳

(۱) اصول الدین ابن عبد البر بغدادی: ص ۳۰۸

(۳) التعمیر ص ۱۱۵

فن حدیث میں یہ امام اعظم کے اکابر شیوخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے جہاں امام شععی کے علاوہ میں امام اعظم کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی تصریح کر دی ہے..... وهو اکبر شیخ لابی حنیفة (۱)

اور معلوم ہے کہ امام شععی حکم نہ تھے۔ ان سے امام اعظم کا تلمذ صرف ان کے فن ہی میں ہو سکتا ہے اور ان کا فن علم حدیث کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

امام عبداللہ بن عون البصری (۱۵۰ھ) جو امام شععی کے بھی شاگرد ہیں اور جن کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔ ساکنان بالعراق اعلم بالسنۃ (عراق میں ان سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہ تھا۔) ان کا امام شععی کے بارے میں بیان ہے

إذا وقعت الفتوى انقبض الشعبي۔

”جب کوئی فتویٰ آجاتا تو امام شععی کو کھنکھن ہوتی تھی۔“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ بھی امام شععی کا فن نہ تھا بلکہ ان کا فن خود ان کے اعتراف کے مطابق حدیث اور صرف حدیث تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

انا لسنا بفقهاء ولكننا سمعنا الحديث فروينا الفقهاء۔

”ہم فقہاء نہیں ہیں ہم تو احادیث سن کر فقہاء کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔“ (۳)

امام شععی کا اپنا فن حدیث تھا اور اس میں اس قدر جامعیت تھی کہ مشہور محدث عامم الاحول جو امام البخاری شعبہ بن الحجاج امام احمد شین یزید بن ہارون امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کے استاد ہیں فرماتے ہیں:

مارأيت احدا اعلم بحديث اهل الكوفة والبصرة والحجاز من الشعبي۔

”میں نے کوئیوں بصریوں اور حجازیوں کی حدیث کا امام شععی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔“ (۴)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۵ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۹ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۹

اس تمام تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ناظرین اوراق کے سامنے امام اعظم کی داستان طلب علم حدیث واضح اور صاف ہو کر آجائے۔

آپ چاہیں تو ان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس داستان کو اس طرح سمیٹ سکتے ہیں

● حفظ قرآن بقرأت عامم ۸۹ھ تا ۸۹ھ ۲ سال ۸ سال

● نحو و ادب ۸۸ھ تا ۸۸ھ ۲ سال ۱۰ سال

● علم الکلام ۹۰ھ تا ۹۳ھ ۵ سال ۱۳ سال

● مناظرہ ۹۵ھ تا ۹۸ھ ۳ سال ۱۸ سال

● علم الحدیث ۹۹ھ تا ۱۰۳ھ ۵ سال ۲۳ سال

● فقہ و علم الشرائع ۱۰۳ھ تا ۱۲۰ھ ۱۷ سال ۴۰ سال

گویا چالیس سال کی عمر میں امام اعظم اپنے استاد کی جگہ پر بحیثیت ایک متقن مجتہد فقہ محدث اور مفسر کے تشریف فرما ہوئے۔

بیس سال کی عمر میں علم حدیث پڑھنے کی وجہ:

اس عمر میں حدیث کا طالب علم بنے میں کوفہ کے اس رواج کو بہت بڑا دخل ہے جس کی پختہ بندی محدث خطیب بغدادی نے کی ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کوفہ میں یہ رواج ہی یہ چل پڑا تھا کہ طلب حدیث کی طرف بیس سال کی عمر میں قدم بڑھایا جائے۔ چنانچہ خطیب رمس درج ہیں

ان اهل الكوفة لم يكس الواحد يسمع الحديث الا بعد استكماله عشرين سنة۔

”کوفہ والوں میں سے کوئی شخص بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا طالب علم نہ بنتا تھا۔“ (۱)

امام الحسن بن عبدالرحمن راہب مزی کہتے ہیں کہ میرے سے ایک سے زیادہ مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ محدث موسیٰ بن اسحاق سے جب دریافت کیا گیا کہ تم نے ابو نعیم سے حدیث کیوں نہیں لی؟ تو انہوں نے جواب دیا

(۱) الکلابی فی علم الروایہ: ص ۵۵

اہل کوفہ اپنے بچوں کو بچپن میں علم حدیث کا طالب علم نہ بناتے تھے بلکہ بیس سال کی عمر میں اس کے لیے روانہ کرتے تھے۔ (۱)

موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ بھرہ میں حدیث پڑھنے کے لیے دس سال کوفہ میں بیس سال اور شام میں تیس سال کا طریقہ رائج تھا۔

اوروں کا پتہ نہیں ہے مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امام اعظمؒ کے اس عمر میں طلب حدیث کے عزم میں کوفہ کے اس رواج کو بہت بڑا دخل ہے۔ انھیں بیس سال کی عمر میں ۹۹ھ میں امام اعظمؒ نے سب سے پہلے اپنے شہر کے جلیل القدر محدث امام شععی کے سامنے زانوئے شاگردی تمہ کیا جیسا کہ ملا علی قاری نے حافظ ابوسعید اسمعیلی کے حوالے سے خود امام صاحب کی زبانی لکھا ہے کہ:

میں دینی علوم میں لوگوں سے منتقل کرتا تھا ایک بار مجھ سے ایک فریضہ کے بارے میں پوچھا گیا مجھے جواب نہ آیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ دین و عقائد میں موشگافیاں کرتے ہو اور فرائض کا پتہ بھی نہیں ہے۔ میں شرمندہ ہو گیا بعد ازیں میں امام شععی کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ (۲)

امام شععی کی خدمت میں جیسا کہ بتا چکا ہوں صرف حدیث کے لیے آئے تھے اور آنے کی وجہ انگریزی نے خود امام صاحبؒ کی زبانی یہ بتائی ہے۔

كان الشعبي من اعلم الناس (۳)

علم حدیث میں زمانہ طالب علمی میں امام اعظمؒ کی سبقت۔

بہر حال ۱۰۰ھ میں امام اعظمؒ نے بیس سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا اور جس محنت و کوشش سے انہوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے ان کے ہم عصروں میں سے بہت ہی کم نے اس محنت سے حاصل کیا ہوگا۔

حافظ اسمعیلی لکھتے ہیں:

اشتغل بطلب العلم و بالغ فيه حتى حصل له مال به يحصل لغيره۔
”وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ ہوئے کہ جس قدر تن کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہو سکا۔“ (۱)

حافظ ذہبیؒ امام ابی نفع مسعر بن کدام سے جو زمانہ طالب علمی میں کوفہ کے اندر امام صاحبؒ کے رفیق ہیں نقل کرتے ہیں:

میں امام اعظمؒ کا رفیق مدرس تھا وہ علم حدیث کے طالب علم بنے تو حدیث میں ہم سے آگے نکل گئے یہی حال زہرہ تقویٰ میں ہوا اور فقہ کا معاملہ تو تمہارے سامنے ہے۔ (۲)

کوفہ ہی میں رہتے ہوئے امام اعظمؒ کا علم حدیث میں مسعر بن کدام اور ان کے ساتھیوں سے آگے نکل جانا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ سب سے پہلے امام اعظمؒ نے کوفہ میں جس قدر علم حدیث تھا اس کی تحصیل کی کیونکہ مسعر بن کدام کی علمی رفاقت امام اعظمؒ کو کوفہ ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ علم کی خاطر مسعر بن کدام کا کوفہ سے باہر جانا ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے تصریح کی ہے کہ

امام مسعر بن کدام نے حدیث کی خاطر کبھی کوفہ سے باہر کا سفر نہیں کیا۔ (۳)

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں مسعر بن کدام کا مفصل اور مبسوط چہرہ لکھ دیا ہے۔ علم حدیث میں ان کا پایہ معلوم کرنا ہو تو حافظ ابو محمد رابعہ مزی کا یہ بیان پڑھئے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حدیث میں اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے تھے

ہم دونوں کو مسعر کے پاس لے چلو جو اس علم حدیث کی ترازو ہیں۔ (۴)

امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت زیادہ تقدس کی وجہ سے ان کا نام ہی صحیفہ رکھا ہوا تھا۔

غور فرمائیے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری امیر المومنین فی الہدیت ہیں۔ ان کا علم جس شخص کے بارے میں یہ فیصلہ دے کہ وہ علم حدیث کی ترازو ہے علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر خود یہ میزان علم حدیث جس شخص کے بارے میں یہ انکشاف کرے کہ وہ علم حدیث میں مجھ سے بھی آگے ہے تو پھر اس کا علم حدیث میں کیا مقام ہوگا۔ اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کوفہ ہی میں جس قدر علم حدیث پھیلا ہوا تھا اسے امام اعظم نے سمیٹ لیا تھا۔ اسی بنا پر امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ بخدا امام اعظم اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے اس دنیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (۱)

اور جس کی طبیعت کا نہیں بلکہ اعلیت کا یحییٰ دعویٰ کریں علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ یاد رہے کہ خطیب نے بحوالہ یحییٰ بن معین تصریح کی ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان فتویٰ میں امام اعظم کے قول کو اچانتے تھے اور اہل کوفہ میں سے امام صاحب ہی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ کبھی فرماتے کہ ابو حنیفہ نے بے شمار باتیں بہترین فرمائی ہیں اور کبھی کہتے کہ بخدا ہم نے ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر رائے والا کوئی نہیں سنا ہے ہم ان کے اکثر و بیشتر باتوں کو اچانتے ہیں۔ (۲)

امام اعظم کے حدیث میں اساتذہ:

امام اعظم کے اساتذہ حدیث میں صحابہ تابعین اور اتباع تینوں میں ان سے باہر کوئی نہیں ہے۔ یعنی سب اساتذہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی خیریت کی زبان نبوت سے شہادت دی ہے۔ حافظ ابو الحجاج المزنی نے تہذیب الکمال میں اگرچہ اساتذہ کا شمار صرف ۷۷ بتایا ہے جن کی تفصیل حافظ سیوطی نے تہذیب المسوید میں پوری درج کر دی۔ لیکن حافظ ذہبی نے عدد تکبیر من التابعین کہہ کر مشہور محدث ملا علی القاری کے دہان قلم سے نکل ہوئی اس بات کو سچا کر دیا جو انہوں نے شرح مسند امام میں لکھی ہے کہ

امام اعظم کے اساتذہ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین میں سے بہت ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار ہے۔ (۱)
اور اس کی حافظ ابن حجر کی نے بھی یہ لکھ کر تصدیق کی ہے کہ:
ابو حفص کبیر نے ان میں سے چار ہزار اساتذہ حدیث ذکر کیے ہیں۔
حافظ ابو بکر البیہقی نے اپنی کتاب الانتصار میں ان مشائخ کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور ان سے صدر الامم نے مناقب میں نقل کیا ہے۔

امام اعظم کے اساتذہ حدیث کی عظمت:

امام اعظم کو اساتذہ کے معاملے میں سب ائمہ حدیث سے ممتاز کرنے والی چیز صحابہ کرام کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا ہے۔ یہ اساتذہ ہی کی عظمت ہے جس کا اظہار خود امام اعظم نے سربراہ حکومت عباسیہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے سامنے برسر در بار کیا ہے۔

ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امیر المومنین ابو جعفر منصور کے پاس آئے اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں یحییٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے یحییٰ نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے کہا اے امیر المومنین هذا عالم الدنيا اليوم۔ (یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں) ابو جعفر منصور نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ اے نعمان اقم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے امام صاحب نے فرمایا کہ امیر المومنین امیں نے قاروق اعظم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کا علم حاصل کیا ہے ابو جعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔ (۲)

اساتذہ کی عظمت کا اندازہ ان کے اساتذہ کی عظمت سے ہوتا ہے۔ اسی بناء پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ میں امام بخاری کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے اولین طبقہ تابعین کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

الطبقة الاولى من حدثه عن التابعين۔

اور پھر ان تابعین کے یہ نام بتائے ہیں۔ مکی بن ابراہیم ابو عالم النیل، عبید اللہ بن موسیٰ، ابوعبید الفضل بن دکین اور خلاد بن یحییٰ۔ مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جن اساتذہ پر امام بخاری کے لیے طبقہ اولیٰ ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی کو فخر ہے وہ خلاد بن یحییٰ کو چھوڑ کر سب کے سب امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ (۱)

صدر الاسماء کی شمس الاسماء زرخیزی سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حفص صغیر کے زمانے میں ایک بار احناف و شوافع میں بحث چمڑ گئی کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ میں افضل کون ہے؟ امام ابو حفص صغیر نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ شمار کرو۔ چنانچہ امام شافعی کے اساتذہ گنے گنے تو اسی ہوئے۔ پھر امام اعظم کے مشائخ کا حساب لگایا گیا تو چار ہزار نکلے۔ امام ابو حفص نے فرمایا کہ هذا ادمی من فضائل ابی حنیفہ (یہ امام اعظم کی برتری کی ادنیٰ شہادت ہے) (۲)

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں عبد اللہ بن المبارک کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں امام عبد اللہ بن المبارک کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور پھر ایک ہزار سے روایت کی۔ عباس کہتے ہیں کہ ان میں سے آٹھ سو کہ روایات مجھے بھی ملی ہیں۔ حافظ کبیر ابوداؤد طیولی ۳۰۳ھ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھی ہیں۔ (۳) امام بخاری فرماتے ہیں

میں نے ایک ہزار اسی حضرات سے حدیث لکھی ان میں ہر ایک محدث تھا۔ (۴)
حافظ ابویوسف یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ میں نے پورے تیس سال رحلت میں ہر کیے اور ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے حدیثیں سنی ہیں جو سب کے سب ثقاہت کی ترازو میں پورے تھے مگر سوچنے کی بات ہے کہ امام بخاری امام ابوداؤد اور امام یعقوب کے اساتذہ کی یہ تعداد کوئی قابلِ تعجب نہیں ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ محدثین اطراف و آفاق عالم اسلامی میں پھیل چکے تھے اور جا بجا اسناد و روایت کے دفاتر کھلے ہوئے تھے۔ اجتماع تابعین میں سے ایک ایک شخص کے ہزار ہا شاگرد اور پھر ہر شاگرد کے ہزار ہا شاگرد تھے۔ تمام بلاد اسلامیہ

میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسا ہیں قائم تھیں اور بڑے زور شور سے درس حدیث ہو رہا تھا۔ اس زمانے کی شہری زندگی میں علم حدیث اس قدر رائج تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں ہزار ہا طلبہ کی شرکت ایک معمولی بات تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مسند عراق امام علی بن عاصم واسطی امام اعظم کے مشہور شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ (۱) اور ان ہی کے صاحبزادے امام ابوالحسن عاصم بن علی ۲۴۰ھ میں جو امام بخاری کے بھی استاد ہیں اور جن سے انہوں نے اپنی صحیح میں روایات بھی لی ہیں ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے بغداد آئے ان کے اٹھائی درس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابوالحسن بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں طلبہ کا اندازہ ایک لاکھ انسانوں سے اوپر لگایا جاتا تھا۔ (۲) عمر بن حفص کہتے ہیں کہ معتمد باللہ نے ایک بار اپنے کارندوں کو رجعت النخل میں صرف اس مقصد کی خاطر روانہ کیا تھا کہ اندازہ لگائیں کہ امام عاصم کے درس حدیث میں کتنی تعداد ہے؟ امام عاصم صحت پر بیٹھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔ میں نے ایک روز سنا ہے کہ فرما رہے تھے حدثنا اللیث بن سعد۔ ہجوم اتنا تھا کہ آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی آپ نے اسی روز ایک کلمہ چودہ بار کہا اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ (۳) امام اعظم ہی کے ایک اور شاگرد خاص ہیں یزید بن ہارون۔ جو فن حدیث میں مشہور امام ہیں ان کے متعلق یحییٰ بن طالب کا بیان ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار کی حاضری ہوتی تھی۔ (۴) بلکہ امام محمد کے بارے میں حضرت امام شافعی کا بیان ہے کہ امام محمد جب کوفہ میں موطا کا درس دیتے تو ان کی فردو گاہ پر لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ جگہ تنگ ہو جاتی اسی زمانے میں امام شافعی تحصیل علم کی خاطر کوفہ کو تشریف لائے تھے کیونکہ یہ بتانے سے پہلے امام شافعی نے امام محمد کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں تین سال رہا ہوں اور اس عرصہ میں میں نے ان

سے سات سو حدیثیں سنی ہیں۔ (۱) اور یہ ساری داستان امام مالک کی وفات کے بعد کی ہے اس کی پوری تفصیل اسد بن فرات نے اس طرح بتائی ہے کہ:

ہم ایک روز امام محمد کے حلقہ درس میں موجود تھے دفعتاً ایک شخص گردن میں پھانسی لگا ہوا امام محمد کے پاس آیا اور ہم نے امام محمد کی زبان سے یہ الفاظ سنے انا لله وانا اليه راجعون مصیبة ما اعظمها مات مالک بن انس امیر المومنین فی الحدیث۔ ان نہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث امام مالک کی وفات ہو گئی ہے۔ امام محمد جب اس کے بعد امام مالک سے حدیثیں بیان کرتے تو لوگ امام مالک کی حدیثوں کے شوق میں اس کثرت سے آپ کی خدمت میں آتے کہ آپ کے یہاں آنے کے راستے بند ہو جاتے اور جب امام مالک کے سوا کسی اور کی حدیثیں بیان کرتے تو خواص ہی خواص آتے۔ (۲)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس دور میں جب گھر گھر حدیث کا چرچا تھا محدثین کے لیے اساتذہ کی یہ تعداد حیرت انگیز نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس وقت امام اعظم کے لیے اساتذہ کی یہ تعداد کیسے پیدا ہو گئی جبکہ علم حدیث کی ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے اس دور میں سرکاری حکم جاری کیا گیا کہ احادیث جمع کی جائیں جیسا کہ آپ انشاء اللہ آئندہ اوراق میں اس کی تفصیل پڑھیں گے۔ اس سرکاری حکم کے بارے میں حافظ ابوالفتح نے بتایا ہے کہ یہ آفاق یعنی اطراف مملکت میں روانہ کیا گیا۔ اس آفاق سے مراد مکہ مدینہ کوفہ بصرہ اور دمشق ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں یہی وہ مقامات تھے جہاں سے علم نبوی کے چشمے اہل اہل کرم سارے عالم میں رواں ہوئے چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں

یہ پانچ شہر مکہ مدینہ کوفہ بصرہ اور شام ہی میں جن سے علوم نبوت یعنی ایمانی قرآنی اور شرعی علوم نکلے ہیں۔ (۳)

ورنہ علم حدیث کی تدوین فن روایت و اسناد کے لحاظ سے دور تابعین کے آخر میں وجود پزیر ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:

زمانہ تابعین کے آخر میں تدوین آثار کا کام رونما ہوا ہے۔ (۱) الغرض اس دور میں جبکہ روایت و اسناد کی فنی طور پر بھی ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے اساتذہ کی یہ تعداد کثیر اس بات کی شہادت ہے کہ امام اعظم نے علم حدیث کو سنبھالنے میں بہت بڑی محنت، عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ الغرض امام اعظم نے علم حدیث میں اس درجہ کمال پیدا کر لیا تھا اور ایسی محنت کی کہ امام علی بن عاصم جیسا نامور محدث امام اعظم کے بارے میں یہ اقرار چھوڑ گیا۔

اگر ابو حنیفہ کے علم کو دوسروں کے علم کے مقابلے میں تو لا جائے تو ابو حنیفہ کا پڑا ہماری ہو جائے گا۔ (۲)

امام اعظم کے اساتذہ میں پہلا طبقہ:

امام اعظم کے ان اساتذہ میں سب سے پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے محدثین کے ایک طبقہ نے مثلاً حافظ ولی الدین عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سخاوی نے خاص اسناد دی اور روایتی نقطہ نظر سے امام اعظم کے صحابہ کے تلمذ پر قسم تصحیح روایت کی ہے۔ روایت صحیح نہیں ہے لکھ دیا ہے۔ اس سے بہتوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ امام اعظم کو صحابہ سے شرف تلمذ ثابت نہیں بلکہ اس کا عدم ثابت ہے اور صحابہ کے نام سے امام کی روایات موضوع ہیں حالانکہ اصول محدثین کی رو سے ایسا سمجھنا خطرناک غلطی ہے بلکہ فن روایت کے مسلمہ اصول و قواعد سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ:

محدثین بسا اوقات لا بصح اور لا بابت کا لفظ بولتے ہیں نادان اس کا مطلب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے یہاں موضوع یا ضعیف ہے۔ ایسا سوچنا ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ (۳)

مشہور محدث ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ ”صحیح نہیں ہے“ کا مطلب جہل نہیں ہے کہ بات گھڑی ہوئی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسن یا ضعیف ہے۔ علامہ

نور الدین "جواب المسئدین فی فضل الشافعی" میں فرماتے ہیں کہ امام احمد کے حدیث عاشوراء پر لا یمسح کے رد میں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باطل ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح تو نہ ہو لیکن قائل استدلال ہو کیونکہ صحیح اور ضعیف کا درمیانی درجہ حسن ہی ہے۔ امام ربیع ثکلی ابن الصلاح میں فرماتے ہیں کہ محدثین کی دونوں تعبیروں موضوع اور لا یمسح میں بہت بڑا فرق ہے موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روای کا جھوٹ اور بات کا ٹکڑی ہوئی ہونا ثابت ہو گیا ہے اور لا یمسح میں صرف صحیح نہ ہونے کی خبر ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا عدم بھی ثابت ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "القول المسد فی الذب عن مسند احمد" میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب اللدنیہ میں حدیث

یطلع الله ليلة النصف من شعبان فيمطر لجميع خلقه الا المشرك او المشاقق۔

پر ابن دبیہ کا کلام لم یصح فی ليلة نصف شعبان شنی نقل کر کے رقمطراز ہیں

کہ

شاید ابن دبیہ کی مراد اصطلاحی صحت ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اگرچہ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ (۱)

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

کسی حدیث پر محدثین کا عدم ثبوت اور عدم صحت کا حکم لگانا عرف محدثین کے مطابق حدیث کے ضعیف اور موضوع ہونے کو لازم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ حدیث حسن لذاتہ یا ظہیرہ ہو؟

اسی بنا پر امام ربیع اپنی جامع میں ایک حدیث لاتے ہیں اور خود اس کی تضعیف بھی کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ والعمل علی هذا عند اهل العلم۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اسنادی اور روایتی طور پر صحیح نہ ہونے سے اصل بات کا نہ ہونا

ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں حدیث ضعیف بھی دو قسم کی ہیں ایک وہ جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہ ہو۔ اور دوسری وہ جس میں شرائط قبول میں سے کوئی شرط نہ ہو۔ اس لیے امام اعظم کے صحابہ سے تلمذ کے موقع پر محدثین کے یہاں لا یمسح دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا کہ ان اکابر کے نزدیک یہ داستان گویا عبادی ہے بہت بڑی جرأت اور بے باکی ہے۔ مشہور حدیث افتراق امت کے متعلق محمد الدین فیروز آبادی نے سفر السعاده کے خاتمہ میں یہ لکھا ہے کہ لم یثبت فیہ شیء۔ (اس موضوع پر کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے) حالانکہ چند در چند طرق سے آنے کی وجہ سے درجہ صحت کے قریب قریب ہے جیسا کہ امام حاکم لکھتے ہیں کہ ایک سے زیادہ طرق سے اس حدیث کا آنا اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ:

صاحب قاموس علامہ محمد الدین نے سفر السعاده میں آیہ سے زیادہ احادیث کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہیں اس سے ہمارے زمانے کے نادانوں کو دھوکا ہو گیا ہے اور انہوں نے احادیث ثابتہ پر موضوع ضعیف اور ناقابل اعتبار ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ (۱)

صحابہ سے روایت کا شرف:

ذرا اس پر بھی تو غور فرمائیے کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کی حیثیت واقعات کی دنیا اور قانون کی نظر میں کیا ہے؟ یہی ناکہ امام اعظم کے لیے ایک جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ فضل و بزرگی ہے جس میں ائمہ میں سے امام اعظم کا شریک کوئی نہیں ہے۔ اگر صرف اتنی بات ہے تو اس میں روایتی و اسنادی کمزوریوں سے صرف نظر تو خود محدثین کی طے کر دہ پالیسی ہے۔ طلال و حرام میں اسنادی کمزوریوں کو تلاش کرنا محدثین نے ناگزیر بتایا ہے لیکن جہاں تک فضائل اور سیر کا میدان ہے اس میں وہ ضعیف روایات کو بھی شرف قبول عطا کر دیتے ہیں۔ مشہور محدث علی اکملی "انسان البیون فی سیرۃ الامم والماضی"

میں رقمطراز ہیں کہ سیرت میں صحیح، ضعیف، موضوع، مرسل، منقطع اور معطل سب اسی قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ جب ہم حلال و حرام کو موضوع بحث بناتے ہیں تو ہم متشدد ہوتے ہیں اور فضائل میں ہم تساهل ہوتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر الکفایہ میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے ائمہ کی تصریحات جمع کر دی ہیں۔

علامہ ابن سید الناس نے "عیون الاثر فی فہم المغازی والمسیر" میں مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق کی توثیق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لکن سے زیادہ تر روایات انساب ایام عرب اور لوگوں کے احوال سے متعلق ہیں اس موضوع پر علم و چشم پوشی سے کام لیتے ہیں ان لوگوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں جن کی احکام میں احادیث معتبر نہیں ہوتی ہیں۔ اس میں رخصت ہے اور یہ رخصت امام احمد سے منقول ہے۔ (۱)

ملاطی قاری نے مشہور رسالہ "الخط الاذفر فی الحج الاکبر" میں اس حدیث پر کہ
"فضل الایام یوم عرفة اذ اطلق یوم الجمعة فهو الفضل من سبعین حجۃ۔"
یہ نوٹ لکھا ہے

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث ضعیف فضائل میں تمام علماء کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔ (۲)

حافظ سیوطی نے بھی یہ بات طلوع الطریا، التعلیم والہدٰی اور المقامات السندیہ میں لکھی ہے۔ حافظ عراقی نے شرح المفہیم میں امام نووی نے تقریب میں اور سیوطی نے اس کی شرح تقریب میں اس بات کو بار بار صاف کیا ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر امام اعظم کی اس جزوی فضیلت کے موضوع پر یہ رد و کد کچھ بے معنی کی بات ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے دارقطنی نے صدیاں گزرنے پر یہ بات لوگوں کو بتائی ہے کہ

امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی البتہ انہوں نے حضرت انس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر ان سے کوئی بات نہیں سنی۔

دارقطنی کے بعد خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں یہی بات دہرائی ہے چنانچہ سعید بن ابی سعید نیشاپوری کے ترجمہ میں امام اعظم کی ایک حدیث کو بواسطہ امام ابو یوسف بائیں نقل کرنے کے بعد کہ جس میں حضرت انس سے امام اعظم کے سماع کی تصریح موجود ہے لکھتے ہیں

امام ابو حنیفہ کا حضرت انس سے سماع صحیح نہیں ہے۔ (۱)

اور امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے۔ (۲)

اس کے بعد شوافع میں زید الدین عراقی اور ابن حجر عسقلانی بھی ان کے ہی ہم زبان ہو گئے ورنہ اس سے پہلے اس موضوع پر متقدمین میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا اسی بنا پر ملاطی قاری شرح مسند امام میں فرماتے ہیں

والمعتمد لہو لہا۔

"پانچ بار بات یہی ہے کہ امام اعظم کا صحابہ سے تلمذ ثابت ہے۔"

امام اعظم کا حضرت انس بن مالک سے تلمذ:

صحابہ میں جن اکابر کے سامنے امام اعظم نے رانوے ادب تہ کیا ہے۔ ان میں حضرت انس بن مالک کا مقام سب سے اونچا ہے ان کی کنیت ابو حمزہ ہے انصار مدینہ میں نبی نجار سے تعلق کی وجہ سے نبوی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ملیکہ بنت مہکان اور کنیت ام حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے میری عمر دس سال تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمائے دار ہقا ہوئے تو میں بیس سال کا تھا ان کو ان کی والدہ ہی خدمت اقدس میں لائی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! خدمت کے لیے خادم لائی ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبول عطا فرمایا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی اللھم اکثر مالہ وولدہ۔ فرماتے ہیں کہ مال کی اتنی فراوانی

ہوئی کہ میرے نختستان اور تاکستان میں سال بھر میں دوبارہ پھل آتا۔ اول کا حال یہ ہے کہ میری اولاد اور اولاد کی اولاد کو ان کے وقت شمار کیا جائے تو ایک سو سے قریب ہیں۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے ہاتھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھو یا ہے؟ فرمایا کہ ہاں حضرت ثابت نے فرمایا ذرا ہاتھ دیجئے میں اس کو بوسہ دوں۔ مسند امام احمد میں ہے حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت انس نے روز قیامت کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کی حضور انور نے وعدہ فرمایا حضرت انس نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے قیامت کے روز کہاں ہوں؟ فرمایا اول صراط پر دین و باطن نہ ہوں تو میزان عمل پر دیکھ وہاں بھی نہ ہوں تو حوض کوثر پر مٹا۔ (۱)

حافظ ابن کثیر نے ابو بکر بن میمون کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس نے عبدالملک بن مروان کے پاس حجاج بن یوسف ثقفی کو زحار کے متعلق ایک شکایتی خط بھیج دیا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سرکشی اپنے نبی کا خام مل جائے تو وہ اس کا حد درجہ آرام کریں۔ میں نے پورے دس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے ہیں اور آپ کی خدمت کی ہے۔ لکھا ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا۔ خط میں یہ درج تھا۔

جب میرا خط تم کو ملے تو ابو حمزہ کے پاس جاؤ ان کو راضی کرو ان کے ہاتھ اور پاؤں چومو ورنہ تم کو میری جانب سے ایسی سزا ملے گی جس کے تم مستحق ہو۔ (۲)

خط پہنچتے ہی حجاج نے حضرت انس کے پاس جائے کار ارادہ کیا لیکن حجاج بن یوسف کے ایک دوست نے صلح کرا دی۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کراچی میں عرصہ دراز تک رہے آپ بے شمار احادیث کے امین تھے عمر طویل پائی ہے۔ آپ بصرہ میں دنیا سے روانہ ہونے والے صحابہ میں آخری صحابی تھے۔ امام بخاری سے ان سے اسی حدیثیں لی ہیں۔ (۳)

(۱) ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۹۷

(۲) ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۹۷

(۳) تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۲۲

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ۹۳ھ میں بصرے میں آپ کا انتقال ہوا۔ بڑا بولشہور و علیہ الجہور۔ اس وقت امام اعظم کی عمر تیرہ سو تھی۔ علامہ خوارزمی نے جامع السانید میں صدرالعدنی کے منقبت میں حافظ جلال الدین السیوطی نے تحفہ الصغیر میں حضرت انس کی یہ حدیث بحوالہ امام اعظم درج کی ہے۔

ابو حنیفہ عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم يقول طلب العلم فريضة على كل مسلم۔ (۱)

جیسا کہ امام اعظم کی داستان علم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام اعظم کا زمانہ طلب علم بچپن اور بچپن ہے اور آپ کی علمی گاریوں کا آغاز علم کلام سے ہوا ہے بصرہ اس زمانے میں علم کلام کی منڈی تھی۔ علم کلام کی تحصیل کے لیے امام اعظم کا کوفہ سے بصرہ جانا اور بصرہ میں قیام کرنا مشہور ہے امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں یس سے زیادہ بار گیا ہوں۔ اسی زمانے میں آپ کو حضرت انس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حافظ ابو نعیم نے بالتصريح لکھا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔

(۱) یہ حدیث حافظ خضر نے بحوالہ قاضی ابویوسف عن ابی حنیفہ عن متصل سندوں سے اور قاضی ابوبکر محمد بن الباقی نے اپنے مسند میں دو متصل سندوں سے بیان کی ہے حافظ جلال الدین السیوطی حافظ ابو نعیم سے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ میری رائے میں یہ حدیث صحیح کے ہم پد ہے کیونکہ بصرے میں یہ حدیث پچاس طرق سے مروی ہے (تحفہ الصغیر، ص ۶) حافظ طحاوی فرماتے ہیں کہ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے کچھ طرق کی بعض ائمہ نے تصحیح فرمائی ہے حافظ ابوبکر بن ابی شامہ کا اعتراف کیا ہے کہ کثرت طرق کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے اس موضوع پر ان اکابر سے احادیث آئی ہیں۔ ابی، جابر، حذیفہ، الحسین بن علی، سلمان، سمرہ، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، علی، معاویہ، جابر، ابوسیدہ، ابو ہریرہ، عائشہ، ام ہانی وغیرہ وغیرہ۔

امام اعظمؒ کا حضرت عبداللہ بن الحارثؓ سے تلمذ۔

یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی بود و باش معا میں تھی، ارشادات پیغمبر کے مین تھے۔ اہل مصر نے ان سے ارشادات کو سن کر آئے نقل کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضل میں بسند متصل خود امام اعظم کی زبان سے نقل کیا ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ میں سو سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا میں نے دیکھ کر ایک بزرگ کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہے میں نے والد محترم سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ والد صاحب نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ان کا نام نامی عبد اللہ بن ابی رث ہے میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن رہے ہیں میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ مجھے بھی آگے لے چلے تاکہ میں بھی ان کی زبان مبارک سے ارشادِ اِلهی سنوں۔ والد محترم دونوں کو چیرتے پھرنے آئے آئے ہو گئے تا آنکہ میں حضرت عبداللہ کے پاس پہنچ گیا میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین میں فقارت بہم پہنچائی اللہ اس کو اس کے غم میں کافی ہوگا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جہاں کا اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ (۲)

سبط الجوری نے المنقبر والہ جمع میں حافظہ ابوالفہیم صفہانی کے حوالے سے جن صحابہ کرام کے بارے میں امام اعظم کی دید و شنید کو مآب ہے ان میں حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزمی ہیں نیز اس روایت کو الحافظ ابوالفتح محمد حارثی، الحافظ ابو عبد اللہ الحسین بن محمد اور حافظہ ابو بکر محمد بن ابی

نے اپنے مسانید میں باسانید متصل درج کیا ہے۔ تاج الاسلام حافظ عبدالمکریم صفائی فرماتے ہیں کہ حافظ ابوبکر الجعابی نے اپنی کتاب الانتصار میں بسند متصل اس کی تخریج کی ہے۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر جو خطیب بغدادی کے معاصر بھی ہیں جامع بیان العلم میں حضرت
عبد اللہ کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں امام اعظمؒ نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے
سماع کے ثبوت میں لکھا ہے کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ امام اعظمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ اور
حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کو دیکھا ہے۔ اگرچہ حضرت عبداللہؓ کی وفات کے بارے میں اختلاف
ہے اور اختلاف کی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہی ہے جو حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر کے
مقدمہ میں بتائی ہے کہ حنفیہ میں نے ضبط تاریخہ نے وفات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا اس سلسلے
میں انہوں نے صرف حافظ پر ہی مجروسہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابہ کی تاریخ وفات
معلوم نہ ہو سکی اور یہی صورت حال زمانہ شافعی تک تابعین کے بارے میں رہی۔ (۲) لیکن
حضرت عبداللہؓ کی اسی حدیث کو حافظ ابو بکر الجعفی نے نقل کرنے کے بعد تصریح کی ہے کہ
حضرت عبداللہؓ بن الحارثؓ کی تاریخ وفات صحیحہ ہے۔ واضح رہے کہ حافظ ابو بکر الجعفی مطلق حدیث

(۱) یہ حدیث اگرچہ متعدد سندوں سے آئی ہے لیکن ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس کی ترجیح حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں بطریق یوسف ابن احمد اسکی اربابی جعفر العقلمی والی علی الرازی و محمد بن ساعدی و قاضی ابی یوسف امام اعظم سے کی ہے حافظ ابوالحسن علی بن محمد آکنانی نے اس کو ابوالعباس احمد بن الصلت بن الفطس دلیل روایت کا متابع قرار دیا ہے بلاشبہ احمد بن الصلت پر محدثین کی ایک جماعت نے کچھ کلام کیا ہے مگر حافظ ابو زرعہ حافظ ابو حاتم جیسے ائمہ فن رجال نے ان کی صداقت اور ثقاہت کو سراہا ہے واصل بعد میں آنے والوں کی برہمی کا باعث یہ ہے کہ احمد نے ایک ضخیم کتاب امام اعظم کے مناقب پر کیوں لکھی یہ کتاب بعض درباب خواہر کے لئے ان کے خلاف برہمی کا باعث ہو گئی حتیٰ کہ دارقطنی کو تو ان پر اس قدر غصہ آیا کہ ان کی اس کتاب ہی کو مفسوخ قرار دے دیا لیکن حافظ کو جو امام اعظم سے سوء عقیدت ہے اس کی موجودگی میں من سے کچھ اور توقع ہی بیکار ہے۔ (۲) الامان لتو ج ص ۱۶۹

اور تاریخ رجال میں بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی، حافظ ابو عبد اللہ الی کم اور حافظ دارقطنی نے فن حدیث میں ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا ہے چار لاکھ حدیثوں کو نوک زبان کیے ہوئے تھے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

كان بارعاً في معرفة العلل ولفات الرجال ولو اربعمهم (۱)

”حدیثوں کی عقل شناسی رجال اور ان کی تاریخ میں بڑے ہی ماہر تھے۔“

تذکرۃ الحفاظ میں ان کے چہرے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔ الحافظ البارع فرجہ زمانہ اگرچہ حافظ ابو بکر الجعفی نے اپنی کتاب الاختصار میں صرف ان دو صحابہ ہی کا تذکرہ کیا ہے مگر امام ابو محضر عبد الکریم نے ان دو کے ساتھ چار کے اور نام بھی بتائے ہیں۔ صدر الامر کی بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے جن کے آگے فن حدیث میں خطیب بغدادی نے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا ہے لکھا ہے کہ امام اعظم نے صحابہ میں سے حسب ذیل حضرات کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔ حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن الحارث اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ ملک الحفاظ یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل میں مسلم الثبوت امام اور علم حدیث کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں

ان ابا حنیفۃ صاحب الروای سمع عائشۃ بنت عمر و نفل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجواد لا اكله ولا احرمه (۲)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظم کا تلمذ:

ان کی کنیت کچھ کی رائے میں ابو معاویہ اور کچھ کہتے ہیں کہ ابو ابراہیم ہے۔ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ ۸۷ھ میں کوفہ تشریف لائے اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ کوفہ کو رہنے والے صحابہ میں یہ آخری صحابی ہیں اور امام بخاری کے حوالے سے ان کی تاریخ وفات ۸۹ھ بتائی ہے۔ اگر ان کی تاریخ فی الواقع ۸۹ھ ہے تو اس وقت امام اعظم کی عمر نو سال ہے۔

اس عمر میں نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ سننا۔ اور جب کہ امام اعظم کے خاندان میں اس کا مزید اہتمام بھی تھا کہ بچوں کو صحابہ کی خدمت میں لے جاتے تھے چنانچہ آپ کے والد ماجد ثابت بھی بچپن میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا بھی فرمائی تھی۔ اسی صورت میں اگر امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی نو سال کی عمر میں زیارت کی اور حدیثیں سنی ہیں تو اس میں انکار کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں جہاں تک روایت سننے کا معاملہ ہے وہ محدثین کے یہاں اتفاق ہے۔

تحمل روایت کی عمر اور محدثین:

تحمل روایت کے لیے نو سال تو بڑی عمر ہے امام بخاری نے کتاب العلم میں متی صحیح سماع الصغیر کا عنوان قائم کر کے محمود بن ابریح کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے اس واقعہ میں خود ان صحابی کا بیان ہے کہ میری عمر پانچ سال تھی اور اخطیب نے بھی لکھا ہے کہ محمود کی عمر حضور انور کی وفات کے وقت پانچ سال تھی (۱)۔ حافظ ابن عبد البر نے اس عمر میں روایت لینے پر محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے اور حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں محمود کی اس روایت کی وجہ سے پانچ سال پر محدثین کا عمل بتایا ہے۔

وهو الذي استقر عليه اهل الحديث (۲) ”اسی پر محدثین کا عمل ہے۔“

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی عمر حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کے دنیا سے رحلت فرمائے دار بقا ہونے کے وقت نو سال تھی اور یہ محدثین کی قائم کردہ اس تحدید سے کہیں زیادہ ہے جو انہوں نے تحمل روایت کے لیے ضروری قرار دی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن الصلاح نے کاغذی میاض کے حوالے سے بتایا ہے۔

محدثین نے اس میں ضابطہ بھی بتایا ہے کہ تحمل روایت کی کم از کم عمر محمود کی ہے۔ اس لیے اس کی پنے برائے ہر شک و شبہ سے قطعی طور پر بالا ہے۔

فاذن لا ينكر سماع الامام من عبد الله بن ابي اوفى (۳)

اس لیے امام اعظم کا سامع حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے ناقابل انکار ہے۔
حافظ ابو معشر عبدالکریم نے اپنے رسالہ میں ان کے حوالے سے امام اعظم کی یہ روایت نقل کی ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد بنائی خواہ وہ چیل کے آشینے جتنی ہو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

ان مذکورہ صحابہ کے علاوہ حضرت سبل بن سعد الساعدی ۹۱ھ اور ابو الطفیل عامر بن واصل ۸۰ھ میں بقید حیات تھے۔ محدثین نے ان سے بھی امام اعظم کی دید و شنید بتائی ہے۔ امام اعظم نے ان سے بھی کچھ حدیثیں سنی ہیں اور ان کے سامنے بھی چھپنے میں زانوئے ان نہ آیا ہو تو اس میں انکار کی کیا بات ہے؟

اتصال روایت کی شرط:

اتصال روایت کی حد تک امام بخاری تو اگرچہ ایک بار ملاقات کو ضروری بتاتے ہیں لیکن امام مسلم کے خیال میں اتصال کے لیے ملاقات ضروری نہیں دو تو صرف ہم عصر ہونا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ ہم عصری ثابت ہو جانے کے بعد روایت کو بلاغ علی پیش کرنا درست ہے بلکہ امام مسلم تو معاشرت کے ساتھ ملاقات کی شرط کو من گھڑت اور من مانی بات قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان اشتراط الفاء قول مختوع لم يسبق فائله اليه۔

ملاقات کی شرط ایک من گھڑت بات ہے اس سے پہلے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

اور پھر امام مسلم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دعوے کے پیچھے اجماع کی طاقت ہے۔ یاد رہے کہ امام مسلم کا یہ اختلاف صرف حدیث معصن میں ہے۔ بہر حال ایسی حالت میں امام اعظم کی احادیث معصنہ کو جو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں دراصل وہ فن کا من چڑھتے ہیں کیونکہ اگر یہ روایات پایہ ثبوت کو نہ پہنچیں تو امام یحییٰ بن محسن، حافظ ابو نعیم شافعی، حافظ ابن

عبدالبرہان کی جو حدیث و روایت کے اراکین خیال کیے جاتے ہیں ہرگز اس بات کی تصریح نہ کرتے کہ امام اعظم نے صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں۔

الغرض میں اس داستان کو ہمیں ختم کرنا ہوں اور بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم نے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے سب سے پہلے اپنے شہر کوفہ کے اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔

۲۔ اپنے پہلے سرور ہے کچھ کوفہ میں علم حدیث کا حال سن بیٹے

کوفہ میں علم حدیث:

فتوح البدان میں امام احمد بن یحییٰ بغدادی نے بحوالہ نافع بن مزیر بن مطعم حضرت عمر کا کوفہ کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے ہالکوفہ و حوہ الناس (کوفہ میں بڑے لوگ ہیں) ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم یہاں جس وجاہت کا مدعا فرما رہے ہیں وہ دینی اور علمی وجاہت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی تائید خود حضرت فاروق اعظم کے اس خط سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہے اور جسے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسر کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت معلم اور وزیر روانہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں منتخب اور برگزیدہ ہستیاں ہیں صرف صحابی نہیں بلکہ شرکائے بدر میں سے ہیں تم ان کی اقتداء کرو دیکھو عبداللہ کے معاملے میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ (۱)

اس خالص علمی وجاہت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظم نے امام ربانی حضرت

عبداللہ بن مسعود کو ایک بار کھڑا دیکھ کر فرمایا تھا

کیف علی علما۔

(علم سے بھرا ہوا برتن ہے) (۲)

اور اسی علمی وجاہت اور جلالت قدر کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے آیا ایک ہی استاد کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں نکھارتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے جہاں علم کا چرچا ہے وہاں جا کر علماء سے استفادہ کرے۔ قرآن آپ نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہیے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہئیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام احمد نے کوفہ میں ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

یروحل ویکتب من الکوفیین والصربیین واهل المدینہ ومکة (۱)

”سفر کرے اور کوفیوں، بصریوں اور مدینہ اور مکہ والوں سے احادیث سے لکھے۔“

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا دو دفعہ جزیرہ نمکے چار بار بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود مکہ و بغداد کو اتنی اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

”بقیہ صفحہ ۲۶۱“ امام بخاری بن معین کہتے ہیں کہ محدثین پانچ ہیں مالک ابن جریر، ثوری اور عفان (تذکرۃ اصحابنا ص ۳۳۵) امام احمد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں عبد الرحمن بن مہدی سے زیادہ رسول کے مالک ہیں (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۰) ابن ابی حاتم نے اس کے استاد سے حماد بن زید۔ حماد بن سلمہ اور امام شعبہ کو شمار کیا ہے اور حافظ ابن عبد البر نے الاثقاء میں حماد بن زید کے بارے میں انکشاف کیا ہے۔ روی حماد زید عن ابی حبیہ احادیث کثیرہ۔ (ص ۱۳۰) حافظ ابی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مامون الرشید کی جانب سے ان کو سرکاری وظیفہ ملا تھا۔ مطلق قرآن کے مسائل میں یہ بھی امام احمد کے ہموا تھے۔ سرکار مامون نے ان کو اہانے کی کوشش کی اسی سلسلے میں ان کا سرکاری وظیفہ بند کرنے کی دھمکی دی گئی تو فرمایا وحی السماء رد فکم الخ۔ خلیفہ نے وظیفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کماں العامون بحری علی عفان حمسمانة درہم کل شہر۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی بخاری ابو داؤد کی بھی یہی رائے ہے۔

(۱) تذریع الراوی ص ۱۷۷

میں شمار نہیں کر سکتا کہ محدثین کی ہر کابی میں کوفہ اور بغداد کتنی بار مجھے جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ (۱)

آج بھی اگر آپ رجال کی کتابیں کھول کر بینیں تو بغدادیوں روی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ صرف بخاری شریف کو اٹھا لیجئے اور اس میں جس قدر صحیحہ سے احادیث منقوس ہو کر آئی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے ترتیب تصوف جہی مقدمہ فتح الباری میں تصنیف کو نام نہاد مکتبہ دیا ہے۔ ان صحیحہ میں سے جو خاص کوفہ میں آ کر جائزین ہوئے ذرا ان کے نام یاد کیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ امام بخاری کے ان گنت بار کوفہ جانے کا کیا باعث تھا اور پتہ تک جائے کہ کوفہ کا حدیث میں کیا مقام ہے۔

- ۱- حضرت اشعث بن قیس آمدنی ○ ۲- حضرت عذی بن حاتم ○ ۳- حضرت ابان بن اوس السلمی ○ ۴- حضرت عقبہ بن عمرو ○ ۵- حضرت بریدہ بن حبیب ○ ۶- حضرت علی بن ابی طالب ○ ۷- حضرت جابر بن سمر ○ ۸- حضرت عمران بن حصین ○ ۹- حضرت جریر بن عبد اللہ ○ ۱۰- حضرت عمرو بن حریث ○ ۱۱- حضرت جندب بن عبد اللہ ○ ۱۲- حضرت مرداس بن مالک ○ ۱۳- حضرت عمار بن وہب ○ ۱۴- حضرت مسیب بن حزن ○ ۱۵- حضرت حذیفہ بن الیمان ○ ۱۶- حضرت معن بن یزید ○ ۱۷- حضرت حباب بن الارت ○ ۱۸- حضرت مغیرہ بن شعبہ ○ ۱۹- حضرت زید بن ارقم ○ ۲۰- حضرت نعمان بن بشیر ○ ۲۱- حضرت سلیمان بن مرز ○ ۲۲- حضرت نعمان بن مقرن ○ ۲۳- حضرت سرو بن خباز ○ ۲۴- حضرت أنصع بن الی رث ○ ۲۵- حضرت سنن ابو جید ○ ۲۶- حضرت وہب بن عبد اللہ ○ ۲۷- حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی ○ ۲۸- حضرت عبد اللہ بن یزید ○ ۲۹- حضرت عبد الرحمن بن ابی ریح

یہ ان کوئی صحیحہ کے اسمائے گرامی ہیں جن کے حوالے سے امام بخاری نے صحیح میں ارشادات نبوی لیے ہیں اسی پر تمام صحاح ستہ کو قیاس کر لیجئے۔

(۱) مقدمہ فتح الباری ص ۱۹۳

ذرا ایک قدم اور آگے بڑھائیے اور بخاری شریف ہی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس کے راویوں میں سب سے زیادہ تعداد جس شہر کے راویوں کی ہے وہ کوفہ ہی ہے۔ راقم الحروف نے اس ارادے سے بخاری شریف کے راویوں کا جائزہ لیا تو صرف شہر کوفہ کے راویوں کی تعداد صحیح بخاری میں تین سو سے زائد ملی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کے زائد ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کے نام ہدیہ ناظرین کرتے۔

علمائے محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے وقت میں حفاظ حدیث تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ ہے۔ یہ حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے حافظ موصوف نے اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں لکھا ہے جس کا شمار حفاظ حدیث میں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن حجر کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن حجر علم کا خزانہ ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لیے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ (۱)

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہائے سہد میں سے ہیں مگر ان کے بارے میں صاف تصریح کر دی ہے کہ

چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لیے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔

ایسے ہی اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے جو حفاظ حدیث تو ہیں مگر

محدثین کے یہاں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں چنانچہ امام ذہبی نے والدی اور ہشام

کلبی کو اسی لیے حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔ (۲)

اس کتاب میں سے صرف ۲۵۶ تک کے ان محدثین کا تذکرہ پڑھ لیجئے جن کو

امام ذہبی نے کوئی کہا ہے۔ ہم یہاں صرف ان محدثین کا ذکر کریں گے جن کے یہ امام ذہبی نے کتاب میں مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

- ۱۔ علقمہ بن قیس الامام رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ھ ۲۔ مسروق البہدانی رحمۃ اللہ علیہ ۶۳ھ ۳۔ ۳۰۰ھ ۳۔ یزید
- القمی رحمۃ اللہ علیہ ۷۲ھ ۴۔ عبیدہ بن السلمانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۵ھ ۵۔ سوید بن غفلہ الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ۸۱ھ ۶۔ رزین
- بیش ابو مریم الاسدی رحمۃ اللہ علیہ ۸۲ھ ۷۔ ربیع بن خثیم ابو یزید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ۶۳ھ ۸۔ عبد الرحمن بن ابی
- لیلی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳ھ ۹۔ ابو عبد الرحمن السہمی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳ھ ۱۰۔ ابوامیہ شریک بن حرث رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ ۱۱۔
- ابومقام شریک المذحجی رحمۃ اللہ علیہ ۸۷ھ ۱۲۔ ابوداؤد شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۲ھ ۱۳۔ قیس بن ابی حازم
- رحمۃ اللہ علیہ ۹۷ھ ۱۴۔ عمرو بن میمون ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۷۵ھ ۱۵۔ زید بن وہب ابوسلمان رحمۃ اللہ علیہ ۸۳ھ ۱۶۔
- معمر بن سوید ابوامیہ الاسدی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۰ھ ۱۷۔ ابو عمرو سعد بن ابی اسامیہ الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ ۹۸ھ ۱۸۔ ربیع
- بن حراش رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱ھ ۱۹۔ ابراہیم بن یزید القمی رحمۃ اللہ علیہ ۹۲ھ ۲۰۔ ابراہیم بن یزید ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ ۹۵ھ
- ۲۱۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ۹۵ھ ۲۲۔ عامر بن شرایس البہدانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۳ھ ۲۳۔ عمرو بن عبد اللہ ابو
- اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴ھ ۲۴۔ حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۹ھ ۲۵۔ الحکم بن عتیبہ ابو عمرو الکندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۵ھ
- ۲۶۔ عمرو بن مروہ ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶ھ ۲۷۔ القاسم بن حمید ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۷ھ ۲۸۔ عبد الملک بن
- عمیر رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۶ھ ۲۹۔ منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۲ھ ۳۰۔ مغیرہ بن مقسم رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۶ھ ۳۱۔ حصین بن
- عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۷ھ ۳۲۔ سلیمان بن فیروز رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۸ھ ۳۳۔ اسمعیل بن ابی خالد رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۵ھ
- ۳۴۔ سلیمان بن مہان العنشی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۷ھ ۳۵۔ عبد الملک بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۷ھ ۳۶۔ نعمان
- بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۵ھ ۳۷۔ محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۷ھ ۳۸۔ حجاج بن ارطاة رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۹ھ
- ۳۹۔ مسعر بن کدام البہدانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۰ھ ۴۰۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ السودی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۰ھ ۴۱۔
- سفیان بن الثوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۱ھ ۴۲۔ اسرئیل بن یونس السبیعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ ۴۳۔ زائدہ بن قدامہ
- ۱۶۱ھ ۴۴۔ الحسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۵ھ ۴۵۔ شیبان بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۳ھ ۴۶۔ قیس بن
- الریح ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ ۴۷۔ ارقاء بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ ۴۸۔ شریک بن عبد اللہ القاضی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ
- ۴۹۔ زید بن معاویہ ابو خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ ۵۰۔ القاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ ۵۱۔ ابو اسود
- سلام بن سیرم رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۷ھ ۵۲۔ بشر بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸ھ ۵۳۔ سفیان بن عیینہ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۹ھ
- ۵۴۔ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۳ھ ۵۵۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی نضرہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۲ھ ۵۶۔ عبد السلام بن
- حزب رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸ھ ۵۷۔ جریر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸ھ ۵۸۔ سلیمان بن حسان رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸ھ

۵۹- برانیم بن محمد انصاری ۱۸۵ھ - ۶۰- یحییٰ بن یونس اسمعی ۱۸۵ھ - ۶۱- عبد اللہ بن اورس ۱۹۲ھ - ۶۲- یحییٰ بن یحییٰ ابو زکریا ۱۸۹ھ - ۶۳- حمید بن عبد الرحمن ابو عوف ۱۹۰ھ - ۶۴- علی بن مسہر ابو الحسن ۱۸۶ھ - ۶۵- عبد الرحیم بن سیمان ۱۹۵ھ - ۶۶- یعقوب بن ابراہیم الانصاری ۲۰۸ھ - ۶۷- ابو مودیع محمد بن خازم ۱۹۵ھ - ۶۸- مروان بن معاویہ ۱۹۳ھ - ۶۹- حفص بن غیاث النخعی ۱۹۳ھ - ۷۰- دکنج بن الجراح ۱۹۵ھ - ۷۱- حمید بن حمید ۱۹۰ھ - ۷۲- حمید اللہ بن یحییٰ ۱۸۲ھ - ۷۳- عبد بن سیمان ۱۹۸ھ - ۷۴- عبد الرحمن بن محمد ۱۹۵ھ - ۷۵- محمد بن فضیل ۱۹۵ھ - ۷۶- حماد بن اسامہ ۲۰۳ھ - ۷۷- محمد بن بشر ۲۰۳ھ - ۷۸- یحییٰ بن سعید القطرانی ۱۹۳ھ - ۷۹- یونس بن کبیر ۱۹۹ھ - ۸۰- عبد بن نسیہ ۱۹۹ھ - ۸۱- شجاع ابو لید ابو بدر ۲۰۳ھ - ۸۲- محمد بن عبد الیادی ۲۰۴ھ - ۸۳- عبد اللہ بن داود ۲۰۹ھ - ۸۴- الحسن بن علی ابو علی ۲۱۳ھ - ۸۵- زید بن الخطاب ۲۰۳ھ - ۸۶- حمید بن موی ۲۱۳ھ - ۸۷- اسحاق بن سلیمان ۲۰۰ھ - ۸۸- محمد بن عبد اللہ ۲۰۳ھ - ۸۹- یحییٰ بن آدم ۲۰۳ھ - ۹۰- واؤد بن یحییٰ ۲۰۳ھ - ۹۱- عبد اللہ بن یزید ۲۱۳ھ - ۹۲- ابونعیم الفضل بن دکنج ۲۱۸ھ - ۹۳- قہید بن عقبہ ابو عامر ۲۱۵ھ - ۹۴- موی بن داؤد ۲۱۵ھ - ۹۵- خلف بن نعیم ۲۰۶ھ - ۹۶- یحییٰ بن ابی کبیر ۲۰۳ھ - ۹۷- حمید اللہ ۲۰۳ھ - ۹۸- زکریا بن عدی ۲۱۳ھ - ۹۹- حماد بن عبد اللہ ۲۱۵ھ - ۱۰۰- مالک بن سعید ۲۱۵ھ - ۱۰۱- خالد بن محمد ۲۱۳ھ - ۱۰۲- یحییٰ بن عبد الحمید ۲۲۵ھ - ۱۰۳- عبد اللہ بن محمد ابو بکر ۳۳۴ھ - ۱۰۴- محمد بن عبد اللہ بن نمیر ۲۳۳ھ - ۱۰۵- عثمان بن ابی شیبہ ۲۳۹ھ - ۱۰۶- علی بن محمد بن اسحاق ۲۴۳ھ - ۱۰۷- احمد بن حمید ابو الحسن ۲۴۰ھ - ۱۰۸- الحسن بن اریق ۲۴۱ھ - ۱۰۹- محمد بن العلاء ۲۳۸ھ - ۱۱۰- نہاد بن السری ۲۳۳ھ

ان حفاظ کے علاوہ دوسرے بھی کوفہ کے لاحقہ محدثین ہیں لیکن ہم نے صرف تذکرۃ الحفاظ سے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جو ۲۳۸ھ تک ہوئے ہیں۔

تقریباً صرف یہ چوتھوں کہ جس ہستی میں سب سے پہلے امام اعظم نے طلب حدیث کے میدان میں قدم روضہ ہستی حدیث کی نعمت سے ماہر تھے اور اس وقت اس میں دنیا

علم حدیث کے وہ آفتاب و ماہتاب تھے جو اپنی تابانوں سے دنیا کو محو حیرت کر رہے تھے اور جو امام اعظم کے علم حدیث میں اساتذہ ہیں۔ یہاں سب کا استقصاء تو از بس دشوار ہے مگر گلے از گلہ چہ گرامی قدر ہستیاں پیش کرتا ہوں۔

علامۃ التبیین امام فہمی سے تلمذ:

خطیب بغدادی نے امام علی بن المدینی سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا علم میں پر ختم ہے۔ عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس اور زید بن ثابت۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے سارے علوم چھ حضرات کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ مقرر اسوۂ عبیدہ الحارث، مسروق، عمرو۔ اور ان اکابر کی علمی میراث صرف دو کو ملی ہے ابراہیم نخعی اور امام فہمی۔

(تلفیح مہوم اہل الامور: ص ۲۳۶)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد لوگوں میں محدث کی حیثیت سے صرف

دو ہیں امام فہمی اور سفیان ثوری۔ (۱)

حافظ ذہبی نے خود امام فہمی کی زبانی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ

اخرجت عن مسماۃ من الصحابة (۲)

”میں نے پانچ صحابہ سے لاقات کی ہے۔“

ان کی علمیت کا اندازہ کرنا ہو تو عبد الملک بن عمیر کا وہ بیان پڑھئے جو حافظ ذہبی

نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

ایک بار امام فہمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بیان فرما رہے تھے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پاس سے گزرے سن کر فرمایا کہ میں خود ان غزوات میں

شریک ہوا ہوں لیکن فہمی کو غزوات زیادہ محفوظ ہیں اور مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ (۳)

امام فہمی کا دور حدیث کی زبانی یادداشت کا زمانہ ہے اس عہد میں حدیثوں کو سن کر

زبانی یاد کرنے کا ایسا ہی رواج تھا جیسا کہ اس گئے گزرے آج کے زمانے میں مسلمانوں میں قرآن کو یاد کرنے کا معمول ہے اس دور کے لوگوں کا فیشن ہی یہ تھا کہ سب کچھ زبانی یاد ہو کتابت کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ امام شعبی بھی کتابت حدیث کے قائل نہ تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

ما کتبت سوا ذلک فی بیضاء الی یومی هذا۔ (۱)

”میں نے کبھی بھی روشنائی اور کاغذ سے کام نہیں لیا۔“

تو حافظ اس قدر غضب کی تھی کہ جو کچھ بھی سنتے فوراً یاد ہو جاتا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ روایات شعری مجھے کم یاد ہیں مگر کم یاد ہونے کے باوجود حال یہ ہے۔

ان حلت لا نسلکم شہراً ولا اھدا (۲)

”اگر میں چاہوں تو ایک ماہ تک اشعار پڑھتا رہوں اور نکرار نہ ہو۔“

ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرماتے ہیں:

اے شباب میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث سن کر تکرار کی درخواست نہیں کی۔

لا احب ان یعہد علی۔ (مجھے تکرار پسند نہیں ہے)۔ (۳)

علم حدیث میں اس قدر اونچا مقام رکھتے تھے۔ عاصم اہول فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ کوفہ اور حجاز والوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا ہے۔ (۴)

خلیب نے لکھا ہے کہ حدیث کے مشہور امام ذہری کا کہنا ہے۔

علمہ چار ہیں۔ یعنی میں سعید بن المسیب کوفہ میں شعبی بصرہ میں حسن بصرہ اور شام میں کحول۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الخطاط: ج ۱ ص ۷۹۵

(۲) تذکرۃ الخطاط: ج ۱ ص ۷۹۶

(۵) تاریخ بغداد: ج ۱ ص ۲۲۲

امام اعظم نے شعبی کے سامنے زانوئے ادب نہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے پڑھ آئے ہو کہ امام اعظم ۳۰ سال امام شعبی کے عقد تلمذ میں داخل ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرے میں امام شعبی کے تلامذہ میں امام اعظم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور صرف نام ہی نہیں لیا بلکہ یہ بتایا ہے کہ

هو اکبر شیخ لا یبی حبیۃ (۱)

اور تو اور دور جدید کے بہت بڑے محقق ڈاکٹر فلف حتی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ العرب میں اس کا اقرار کیا ہے کہ

کان من انہور اللہین نحر جوا علی الشعبی الامام ابو حبیۃ المشہور (۲)

”امام شعبی کے بلند پایہ تلامذہ میں سے مشہور امام ابو حبیۃ ہیں۔“

عبد اللہ بن داؤد الخرمی کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے دریافت کیا ہے کہ کبراء تابعین میں سے آپ نے کس کس سے استفادہ کیا ہے؟ فرمایا

قاسم بن محمد طاؤس عکرمہ عبد اللہ بن دینار حسن بصری عمرو بن دینار ابو الزبیر عطاء

بن ابی رباح قتادہ ابراہیم شعبی اور امام تافع اور ان جیسوں سے ملا ہوں۔ (۳)

مسند امام میں خود ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔ چنانچہ خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے جو مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں بحوالہ امام شعبی ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں اور علامہ صفحی نے اس مسند میں امام شعبی کے حوالہ سے روایات درج کی ہیں جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

ابو حبیۃ عن الشعبی عن المعبرۃ عن شعبۃ قال رأیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الحفین۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے ہیں۔

(۱) تذکرۃ الخطاط: ج ۱ ص ۷۵

(۲) تاریخ العرب: ج ۱ ص ۳۱۱

(۳) شرح مسند: ص ۵۶

اس روایت کی تخریج بحوالہ امام اعظم علی فہ الحارثی کے علاوہ حافظ ابو محمد بخاری، حافظ طبرہ بن محمد، حافظ حسین بن محمد، حافظ ابو بکر بن عبد الباقی اور خود امام محمد نے کتاب الآثار میں کی ہے۔ ویسے تو جیسا کہ حافظ بزار فرماتے ہیں اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرات کی تعداد ساٹھ ہے مگر اسی روایت کو جو امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انہ 'خرج لحاجته فاتبه' المہرۃ باداؤۃ فیہا ماء فصب علیہ حیوں فروع من حاجہ لشوہا ومسح علی النخین (۱)

”آپ ضرورت سے گئے مغیرہ پانی کا برتن پیچھے سے لے کر آئے پانی آپ نے ضرورت سے فراغت کے بعد استعمال کیا۔ وضو فرمایا اور نخین پر مسح فرمایا۔“

اسی روایت کو امام مسلم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں کئی طریقوں سے بیان کیا ہے ان میں سے ایک طریق جس میں حضرت امام شععی نے بھی حدیث بحوالہ عروۃ بن مغیرہ اپنے شاگرد عمر بن زائدہ سے بیان کی اس طرح ہے۔

عن ابیہ انہ 'وحا السی صلی اللہ علیہ وسلم فتوصاء ومسح علی النخین فقال لہ' الی او عنہما طاہرین (۲)

”حضرت مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے وضو فرمایا، نخین پر مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے سوزے بحالت طہارت پہنے تھے۔“

واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے امام شععی کو حفاظ حدیث کے طبقہ ثالث میں شمار کیا ہے اس طبقے میں کم و بیش تیس حفاظ حدیث ہیں۔ امام ذہبی کی تصریح کے مطابق امام اعظم حضرت شععی کے شاگرد ہیں اور یہ بھی ذہبی نے ہی لکھا ہے کہ کعب بن الجراح، امام یزید بن ہارون، امام ابو عاصم النبیل، امام عبد الرزاق، امام عبید اللہ بن موسیٰ، امام ابو نعیم فضل بن وکیع اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ جیسے ائمہ حدیث نے امام ابو حنیفہ کے سامنے زانوئے ادب کیا ہے۔ شجرہ علم حدیث کے تمام برگ و بار ان ہی اکابر سے نکلے ہوئے ہیں۔ امام عبد الرزاق، امام عبید اللہ

بن موسیٰ، امام ابو نعیم اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ کے تلامذہ میں آپ کو امام احمد اور امام بخاری میں کے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے جہاں امام مقرئ کے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ

سمع من ابن عون وابی حنیفہ (۱)

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روی عنہ البخاری و احمد۔ امام مقرئ بخاری اور احمد کے استاد ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ جیسے مسلم اور ابو داؤد امام احمد کے شاگرد ہیں ایسے ہی ترمذی اور ابن خزیمہ حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام شععی کی ذات گرامی بواسطہ امام اعظم علم حدیث میں ایک مرتزی حیثیت رکھتی ہے۔

امام حماد بن سلیمان سے تلمذ:

والد کا نام مسلم اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حماد حدیث میں حضرت انس بن مالک، زید بن وہب، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، مکرمہ موسیٰ ابن عباس، ابو داؤد، ابراہیم نخعی، عبد اللہ بن بریدہ اور عبد الرحمن بن سعد کے شاگرد ہیں۔ اور مشہور محدث عاصم الماحول، امام شعبہ، امام سفیان ثوری، امام حماد بن سلمہ، امام مسعر بن کداح، امام ابو حنیفہ اور سلیمان بن مہران کے استاد ہیں۔ امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی دونوں اس پر متفق ہیں۔ کہ حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

ابو الشیخ نے تاریخ اصنفیان میں لکھا ہے کہ ایک روز ان کو ان کے استاد ابراہیم نخعی نے ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے روانہ کیا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی اور ان کے والد کہیں سے گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔ صورت حال دیکھ کر زنبیل اور زنبیل کے بھینک دی۔ جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طالب علم ان کے گھر آئے دستک دی ان کے والد چراغ لے کر باہر آئے دیکھ کر کہا کہ ہمیں آپ کی نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادے کی ضرورت ہے یہ شرمندہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا کہ جاؤ باہر جاؤ۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ مقدم تمہیں ابراہیم کی زنبیل کے صدق میں ملا ہے۔ (۲)

علامہ خوارزمی نے امام بخاری کے حوالہ سے سند متصل نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ

لقد سألني هذا يعني حماد مثل ما سألني جميع الناس (۱)
حافظ عبد اللہ بن وہب وینوری کہتے ہیں کہ

ایک بار حافظ بوزرعة کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ایک فراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور یہ ان روایات کو غلط بتا رہے ہیں۔ وہ شخص ان کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب؟ جو روایت تم کو یہ نہیں اس کو غلط بتا رہے ہو اس پر میں نے اس شخص سے پوچھا ما اسد ابو حبیبة عن حماد؟ بتاوا امام ابو حنیفہ کی بواسطہ حماد کیا روایات ہیں؟ پچا رو چپ ہو گیا پھر میں نے حافظ ابو زرعة سے دریافت کیا ما سأل حفظ لابی حبیبة؟ آپ کو حماد کی سند سے امام ابو حنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ آپ پر حافظ ابو زرعة نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (۲)

یاد رہے کہ امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام اعظم چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی تھیں۔ چنانچہ امام حافظ زکریا بیضاوی کی سند متصل امام موصوف سے تامل ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی کل روایات چار ہزار تھیں ان میں دو ہزار حماد کی اور دو ہزار تمام اساتذہ کی ہیں۔ (۳)

نقد و رجال کے امام حضرت شعبہ امام حماد کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں اور سید الحفاظ یحییٰ بن محسن ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ رحمہ اللہ نے معرفۃ علوم الحدیث میں جہاں ان امرہ حدیث کا تذکرہ کیا ہے جن کی علم حدیث میں امامت مسلم ہے اور جن کی ثقاہت پر فن حدیث پر اعتماد ہے۔ امرہ حدیث کا اس فہرست میں حماد بن ابی سیہان کا بھی ان میں تذکرہ کیا ہے۔ (۴)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ص ۲۵۸

(۱) جامع السانید: ج ۲ ص ۵۲۵

(۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۱۷

(۳) مناقب الموفق ج ۱ ص ۹۶

حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں ارباب فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حماد کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ باوجود عدالت صداقت اور ثقاہت کے اس محذرت کے ساتھ کیا ہے۔

لولا ذکر ابن عدي في الكامل لما اوردته (۱)

”اگر ابن عدی ذکر نہ کرتا تو میں میزان میں ان کا ترجمہ نہ لکھتا۔“

در اصل بتانا یہ چاہتے ہیں کہ امام حماد اپنی جلالت قدر کی وجہ سے اس قدر اونچے مقام پر ہیں کہ ان کا ذکر میزان میں نہ آنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امام ذہبی کی اس پالیسی کے خلاف ہے جس کا تذکرہ خود امام ذہبی نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر:

میرا اشارہ اس وعدے کی طرف ہے جو امام موصوف نے میزان کے مقدمہ میں کیا ہے کہ

لا ادكر في كتابي من الانمة المصنوعين في الفروع احدا لجلاليتهم في الاسلام وعظمتهم في النفوس مثل ابي حبيبة والشافعي۔ (۲)

”میں اپنی کتاب میں ان اماموں کا ذکر نہ کروں گا جن کی فروع میں تقلید کی جاتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کی جلالت اور لوگوں میں ان کی عظمت موجود ہے جیسے ابو حنیفہ اور شافعی۔“

ظاہر ہے کہ امام حماد صرف امام نہیں بلکہ امام الائمہ ہیں پھر ان کا میزان میں تذکرہ اس وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ امام ذہبی نے اسی سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ میں نے میزان میں ان کا تذکرہ ان کی ثقاہت صداقت اور عدالت کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے کیا ہے کہ امام عدی نے اکامل میں ان کا ذکر کیا ہے۔

(۲) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۹

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۹

تاریخ کا المناک حادثہ:

شاید آپ خدش محسوس کریں کہ خیر امام حماد کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن اس سے زیادہ حجت کی بات یہ ہے کہ جن کا نام لے کر کہا جا رہا ہے کہ ان جیسوں کا میزان میں ذکر نہ ہو گا خود اس کا بھی میزان میں ذکر ہے اور ذکر بھی کوئی طویل نہیں بلکہ صرف ایک سطر ہے۔

یہ تاریخ سحیفہ کا بڑا ہی المناک اور دردناک حادثہ ہے دراصل میزان الاعتدال اور جب ہندوستان میں چھپی تو امام صاحب کا تذکرہ تخطیغ فون کتاب کے اندر نہیں بلکہ کتاب کے حاشیہ پر پریس والوں نے چھاپ دیا اور خود پریس والوں نے ایسا کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میزان کے کئی نسخوں میں سے ایک کے حاشیہ پر چونکہ ایسا ہی درج تھا اس لیے اس کو اصل کتاب میں جگہ نہیں دی گئی اس کے بعد مصر کے پریس سے جو میزان چھپ کر آئی تو بار لوگوں نے کتاب کے اندر داخل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میزان میں امام اعظم کا کوئی ذکر نہ تھا غالباً کسی نے مطبعہ میں اپنی یادداشت حاشیہ میں درج کر دی تھی اور بعد کو مطابع والوں نے اسے اصل کتاب ہی میں داخل کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب غیث انعام میں فرماتے ہیں کہ میزان کے جن نسخوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں اس عبارت کا نام نہیں ہے اور نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی شرح الغیہ میں فرماتے ہیں کہ ابن عدی نے کامل میں ان سب حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن پر کسی نہ کسی درجے کا نام ہے چاہے وہ ثقہ ہی ہوں لیکن امام ذہبی نے میزان اس التزام کے ساتھ لکھی ہے کہ اس میں کسی صحابی اور ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کا ذکر نہ ہو گا۔ حافظ سخاوی نے شرح الغیہ میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ امام ذہبی نے ائمہ متبوعین کے ذکر نہ کرنے کا التزام کیا ہے اور حافظ سیوطی نے بھی تدریب الراوی میں میزان کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ ان اکابر کی یہ تصریحات کھلے بندوں کہہ رہی ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں ہے۔ مشہور محدث علامہ محمد بن اسماعیل الیسانی تو صیح الافکار میں رقمطراز ہیں کہ امام ذہبی نے میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں لکھا ہے لیکن امام نووی نے تہذیب الاسماء میں امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لسان المیزان میں امام

اعظم کا کوئی ترجمہ نہیں لکھا حالانکہ لسان المیزان الاعتدال کا چرچہ ہے۔ یہ اس بات کی صریح شہادت ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہ تھا۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔ بتایا رہا تھا کہ امام حماد کی ذات گرامی اپنی ثقاہت کی وجہ سے بہت اونچے مقام پر ہے۔ قلم کو روانہ نہ پڑتا ہوں مگر یہ کروں رکتا نہیں ہے۔ بررگانہ بین کی عداوت و ثقاہت تو اپنی جگہ ہے اسوں کو اس پر تہمت ہے کہ لوگ اکابر کے منہ سے نکل ہوئی بات کا منہ خود نہیں سمجھتے اور بات کا خواہ مخواہ تفسیر بنا دیتے ہیں۔ اس اللہ فالی اللہ المشتکی۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک بار امام حماد حج کر کے کوفہ واپس آئے لوگ ملاقات کی خاطر حاضر ہوئے آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے کوفہ والو! اتم اللہ سبحانہ کا شکر ادا کرو میں عطاء بن ابی رباح اور مجاہد سے ملے ہوں لیکن تمہارے بچے اور بچوں کے بچے بھی علم میں ان سے آگے ہیں اس میں کون سی توجہ کی بات ہے یہ تو کوفہ میں علم کی بہتات پر تحدیث نصرت ہے۔

امام حماد پر ارجاء کی تہمت:

قلم باندے قلم یہ کہ ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں یہ فقرہ بھی لکھا دیا گیا ہے۔
تکلم فیہ للارجاء۔

حالانکہ امام حماد کا دامن اسی تہمت سے بالکل پاک ہے صرف امام حماد نہیں جہاں ان کی طرح بخاری اور مسلم کے کتنے ہی راویان حدیث ہیں جن کی ثقاہت اور عدالت مسلمہ ہے مگر ان پر صرف فکری اختلاف کی وجہ سے ارجاء کی تہمت جزائی ہے۔ خدا بعد کرے الشہرستانی کا کہ انہوں نے رجال امرجہ کے عنوان سے مختلف اکابر مثلاً الحسن بن محمد سعید بن جبیر طلق بن حبیب بخاری بن وثار حماد بن ابی سینان امام اعظم قاضی ابو یوسف امام محمد وغیرہ وغیرہ کا نام لکھ کر یہ بات لکھ دی ہے کہ

هؤلاء كلهم الامة الحديث (۱)

حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں جہاں بخاری و مسلم کے ان راویوں کی فہرست

دی ہے جن کو کہنے والے مرحہ کہہ گئے ہیں وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی طرف جس ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اس سے مقصود مرحہ کا دوا رجاہ نہیں ہے جو اہل السنۃ کی اپوزیشن ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔

ناخیر القول فی الحکم علی مرتکب الکبائر (۱)

اگر ارجاء یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے لیکن اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے خواہ بخش دے خواہ سزا دے۔ تو سب اہل السنۃ ہی ارجاء کے شکار ہیں سب یہی کہتے ہیں۔

مرجعی امرہ و مفوض مصیرہ الی ربہ ان شاء عقبہ وان شاء عذابہ (۲)

امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سب کا یہی مسلک ہے۔ ابن الجوزی نے مناقب میں امام احمد کی بھی رائے لکھی ہے کہ

اہل توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا چاہے اس نے کبائر ہی کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو (۳)

خود امام بخاری نے صحیح میں یہ عنوان قائم کر کے کہ

المعاصی من امر الجاہلیۃ لا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشک (۴)
یہی بتایا ہے کہ شرک کے سوا گناہ خواہ کیسا ہی سنگین ہو مگر گنہگار کافر نہیں ہوتا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ حافظ بدرالدین عینی نے امام بخاری کے دعویٰ اور دلائل کی توجیح کے بعد لکھا ہے۔

هذا هو مذهب اهل السنة والجماعة (۵)

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مرحہ جو کہتے ہیں کہ گناہ سے کچھ نہیں ہوتا اور خوارج جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کی رائے میں مرتکب کبیرہ کی ہرگز بخشش نہ

(۱) تدریب الروای: ص ۲۱۹ (۲) تدریب الروای: ص ۱۱۲

(۳) مناقب ابن الجوزی ج ۱ ص ۸۰ (۴) صحیح بخاری ج ۱ ص ۷ (۵) عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۰

ہوگی ان میں سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل السنۃ نے اختیار کی ہے اور جس کی قانونی تعبیر یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی کا جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اگر اسی کا نام ارجاء ہے جو آپ حافظ سیوطی کی زبانی سن آئے ہیں تو پھر مرحہ ہونے کی سمجھتی کیوں ہے؟ اور زبان و قلم کے یہ سارے ہنگامے کیوں ہیں؟ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ قصہ صرف اس پر ہے کہ ایمان کے بارے میں قانونی تعبیر فقہاء محدثین نے الگ کیوں اختیار کی ہے۔ اور فقہاء نے اس موضوع پر وہی زبان کیوں اختیار کی جو بعد میں محدثین کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے فقہاء کو مرحہ کہا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کہا ہے جن سے مرحہ کی موافقت کی جاتی ہے۔ (۱)

یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد فقہ ہونے کے ساتھ استاد حدیث بھی ہیں۔

قاضی ابویوسف کی کتاب لا ۲۱۲ میں امام حماد کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی روایات موجود ہیں۔

عن ابی یوسف عن ابی حبیۃ عن حماد عن ابراہیم انہ قال لم یجتمع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی شئی کما اجتمعوا علی التوبۃ بالفجر والتکبیر بالمغرب ولم یثابروا علی شئی من التطوع کما یثابروا علی اربع قبل الطہور و رکعتی الفجر (۲)

”ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کسی کام پر اتنا ایک نہیں ہوا جتنی صبح کی نماز کو چاندنا کر کے پڑھنے اور مغرب کی نماز کو سویرے پڑھنے پر ہوا ہے اور کسی بھی نفل پر اتنی یکجہلی نہیں کی جتنی ظہر سے پہلے چار سنتوں اور صبح کی نماز سے پہلے دو سنتوں پر کی ہے۔“

(۲) کتاب لا ۲۱۲ ص ۵۹

(۱) کتاب الایمان: ص ۱۶۱

امام محمد نے مؤلف میں امام مالک کے ساتھ کچھ امام اعظم کی روایات بھی درج کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

محمد اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم ان ابن مسعود سئل عن

الوضوء من مس الذكر فقال ان كان فافطعه (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا گیا کہ پیشاب گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم کیا ہے؟ فرمایا اگر ناپاک ہے تو کاٹ دو۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں بھی بحوالہ امام اعظم ازس و بے شہر روایات درج کی ہیں۔

محمد عن ابي حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال ثلاثة يوحرون ليهن الميت بعد موته ولد بدعوله بعد موته فهو يوحرون في دعائه ورحل علم علماً بعمل به وعلمه الناس فهو يوحرون على ما عمل و علم ورجل ترك صدقة.

(۱) مؤلف امام محمد ص ۵۴ نوٹ۔ آج مؤلف امام مالک کے وہی نسخے متداول ہیں ایک امام یحییٰ بن یحییٰ میں ہے۔ اور امام محمد کا جس کے متعلق امام یحییٰ نے کہا ہے کہ اس میں بحور العلم و الفقه قوماً فی مالک۔ (مسند۔) علم اور فقہ کے مسندت تھے اور امام مالک سے آدھ بیانات میں ہے کہ قابل اعتناء ہیں۔ امام مالک کے ساتھ جہنم میں امام محمد کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے امام مالک کی ساری حدیثوں کو امام مالک کی زبان سے ثابت و سنداً بطور پر امام مالک کے شاگرد پڑھتے اور وہ سنتے یہی وجہ ہے کہ امام محمد کو امام مالک سے مؤلف نسخے میں پورے تین سال لگے نیز جتنے لوگوں نے امام مالک سے مؤلف کی روایت کی ہے ان میں کوئی بھی حدیث امام محمد کا ہمسر نہیں ہے، بیشاپ امام شافعی مؤلف کے راویوں میں ہیں لیکن قطع نظر اس بات کے کہ ان سے مؤلف کا کوئی نسخہ مروی نہیں ہے ان کو امام محمد سے وہی نسبت ہے جو امام مالک سے ہے کیونکہ امام شافعی نے انوں مابین سے یکساں استفادہ کیا ہے اور انہوں نے امام محمد سے حدیث کا علم بھی بہت دیر حاصل کیا ہے جیسا کہ حدیث انہی نے تصریح کی ہے۔ اور شافعی صاحب بحر بن حسن فی حدیث ص ۹۵) ۵ باقی صفحہ ۲۷۹ پر ہے

تین چیزوں سے مرنے کے بعد مرنے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔ بیجا جومرنے کے بعد اس کے لیے دعا مانگے عالم جس نے علم حاصل کیا عمل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی لوگوں کے علم و عمل کا میت کو بھی فائدہ ہوتا ہے تیسرے دو زمین جسے خیراتی کاموں کے لیے صدقہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔

اپنے ہی حافظ ابو محمد حارثی نے اپنے مسند میں بحوالہ امام اعظم کی بہت سی روایات درج کی ہیں۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال لم يقف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصخر الا شهرا حارب حيا من المشركين ففقت يدعو (۱)

”حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں صرف ایک ماہ قنوت کی جبکہ مشرکین کے ایک قبیلہ سے جنگ تھی۔“

امام اعظم ہی کا جو مسند بروایت موجود ہے اس میں حضرت حماد کے حوالہ سے روایات موجود ہیں۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة والا سود عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند الفتح الصلوة ولا يعود لبني من ذالك (۲)

(بقیہ صفحہ ۲۷۸) لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ فقہ میں وہ خاص طور پر امام محمد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ ان کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں امام شافعی سے نقل ہیں۔ اصحاب الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن اور حافظ سعدانی نے روشنی کی زبانی امام شافعی کے یہ الفاظ کہے ہیں۔ اعانتی اللہ بر حلیس مابین عیسیٰ فی الحديث و بمحمد فی الفقه (ملوغ الامالی: ص ۲۳) (ص ۲ کتاب الآثار امام محمد: ص ۱۸)

(۱) مسند خواری ج ۳ ص ۳۱ (۲) مسند حارثی قادری ص ۸۰ نوٹ۔ یہ حدیث ۵۰۰ باقی صفحہ ۲۸۰ پر ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عجیبہ تحریر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷۹) مختلف الفاظ میں دوسرے محدثین ابو داؤد ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث کو بیان کرنے والے چھ راوی ہیں۔ عثمان بن کعب سفیان ثوری عبدالرحمن اور علقمہ اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ترمذی میں موجود ہے مگر اس میں ہنادی جگہ محمود بن قیلان ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو ان روایات کے ساتھ سے بیان کیا ہے کعب سفیان عامر عبدالرحمن اور علقمہ۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں۔ ہم ہشت حدیث اس مسعود۔ دراصل یہ ایک عجیبہ مخالفت ہے حدیثیں دو ہیں اور دونوں ابن مسعود کی ہیں ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ عبداللہ کہتے ہیں کہ کیا میں تم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز نہ پڑھاؤں۔ عبداللہ نے نماز پڑھائی اور عجیبہ تحریر کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ دونوں میں فرق ہے پہلی حدیث میں حضور کے بارے میں ہے کہ آپ نے نہیں کیا اور دوسری میں آپ کے عمل کا نہیں بلکہ خود عبداللہ کے عمل کا ذکر ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں پہلی مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے کچھ راویوں نے دونوں کو مخلوط کر دیا تھا عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ روایتی حیثیت سے پہلی بات ثابت نہیں ہے اور ثابت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس اسناد سے پہلی روایت عبداللہ بن المبارک کو پہنچی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ثابت نہ ہونے سے مطلقاً نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف اس اسناد کی صحت کی نفی ہے۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ابن المبارک کے نزدیک کسی حدیث کا ثابت نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اور بھی کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ مشہور محدث نجی القطان اسے صحیح کہتے ہیں حافظ ابن حزم کی رائے میں صحیح ہے اور امام ترمذی نے اس کی حمین کی ہے۔ یہ موضوع ذرا تفصیل طلب ہے صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ حدیثیں دونوں طرح آئی ہیں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی۔ امام اعظم نے عجیبہ تحریر کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کی سنت کو لوہی اور افضل قرار دیا ہے کیونکہ صحابہ کی زیادہ تعداد اسی پر عمل کرتی تھی اور محدثین کا بتایا ہوا ضابطہ ہے کہ اذا تسارع الحیران عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل علیہ اصحابہ (ابو داؤد)

بطور مکمل ازگزار چند روایات ہیں۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد حدیث ہیں اور استاد بھی ایسے شفیق کہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے والد بزرگوار نے امام حماد سے ایک مسئلہ دریافت کیا حماد نے جواب دیا۔ امام صاحب نے جواب پر ایک سوال کر دیا بات لمبی ہو گئی۔ حضرت حماد خاموش ہو گئے امام صاحب جب مجلس سے رخصت ہو گئے تو امام حماد نے فرمایا۔

هنا مع فقهه يحيى الليل (۱)

”یہ صرف فقیہ نہیں بلکہ شب زندہ دار بھی ہیں۔“

امام حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک بار میرے والد محترم سفر میں تشریف لے گئے وہاں پر میں نے دریافت کیا کہ اس دوران میں زیادہ کون یاد آیا؟ میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے کہ تو! لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابو حنیفہ سے ایک لمحہ کے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔ (۲)

ابو اسحاق السبئی سے تلمذ:

ان کا نام عمرو بن عبداللہ ابن کثیر ابو اسحاق ہے حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد لکھا ہے یہ خود علم حدیث میں صحابہ کرام یعنی زید بن ارقم عبداللہ بن عمرو ہمدانی بن حاتم طائی اور براہ بن عازب کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ

حدث عن لائله شيخ (۳)

”ان کے تین سوا استاد ہیں۔“

ان میں ازہمیں صحابہ کرام ہیں۔ امام ابو داؤد طحاویسی کہتے ہیں کہ حدیث میں چار شخصوں سے ملی ہے زہری قتادہ ابو اسحاق السبئی اور امام اعظم۔ پھر سب کے بارے میں ایک ایک قرن کی امام کا ذکر کرتے ہوئے ابو اسحاق کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ

اعلمهم بحديث علي وابن مسعود (۴)

(۱) اللانقاہ فی فضائل الشافعیہ ۷۲ (۲) تاریخ بغداد ترجمہ حماد (۳) تذکرۃ علماء بغداد ۱۰۹

انہوں نے قرآن حکیم امام ابو عبد الرحمن السبئی سے پڑھا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ان کو دیکھتے تو پکارا کرتے۔

هذا عمرو القاري (۱)

امام ابو عبد الرحمن السبئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن السبئی اور ان کے شاگرد کوفہ کے دوسرے علماء جیسے عقلمند اسود حارث اور زمر بن جہش نے قرآن عزیز عبداللہ بن مسعود سے حاصل کیا ہے۔ (۲)

صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ وہ مدینے جا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔

اسحاق السبئی کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابو اسحاق السبئی مجھ سے سال یا دو سال بڑے ہیں ان سے امام اعظم نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ کتاب الآثار میں قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

ابو يوسف عن ابي حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن شريح انه قال اذا مضت اربعة اشهر بانت بالابلاء۔

شریح کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر عورت یاہ سے ہاتھ ہو جائے گی۔ (۳)

حافظ ابویوسف حارثی اپنے مسند میں فرماتے ہیں۔

ابو حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن الاسود عن عائشة قالت لم يكن بين اذان بلال وابي ام مكتوم الا قد رميا بول هذا وبصعد هذا۔

بلال اور ابن مکتوم کی اذانوں میں صرف دونوں مائدوں کے ترے اور چنے جتنے کافرق ہوتا تھا۔ (۴)

(۱) تہذیب احزاب ج ۸ ص ۶۶

(۲) منہاج التاج ج ۳ ص ۱۲۲

(۳) کتاب الآثار ص ۸۰

(۴) جامع المسانید ص ۳۰۴

حافظ موسیٰ بن زکریا نے اپنے مسند میں بھی بحوالہ ابو اسحاق السبئی بہت روایات نقلی ہیں۔

ابو حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن البراء ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمنا التشهد كما يعلم السورة من القرآن۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت۔ (۱)

امام ابو اسحاق السبئی کو حافظ ذہبی نے حفاظ کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ امام شعبی امام اعظم اور امام سفیان ثوری جیسے اجداد حدیث کے شہرہ ہیں۔

الامام الحافظ شيبان سے امام اعظم کا تلمذ

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان حفاظ سے شروع کیا ہے۔ الامام الحافظ الحجة اصل میں بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر کوفہ میں اقامت فرمائی تھی حکم بن حنیہ زبیر بن علقام منصور بن الحمر عبد الملک بن عمیر ساک بن حرب سلیمان بن مہران اور حسن بصری سے حدیث کی تعلیم پائی ہے۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا کہ ہر پہلو سے ثقہ ہیں تمام ائمہ نقد و جرح ان کی ثقاہت و صداقت پر متفق ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جن ائمہ فن سے ان کی ثقاہت و صداقت نقل کی ہے ان میں ابو القاسم البغوی یعقوب بن شیبہ ابو حاتم العیسیٰ النسائی اور یحییٰ بن عید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زائد بن قدامہ ابو داؤد طحاوی الحسن بن موسیٰ عبد الرحمن مہدی علم حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ان کے شاگردوں کی فہرست میں امام اعظم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے امام صاحب کی شاگردی کا ان میں تذکرہ کیا ہے۔

حدث الامام ابو حنيفة عنه (۲)

(۱) شرح مسند امام ص ۱۳۰

(۲) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شیبانی

حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی کو ان کے سامنے زانوئے ادب کرنے پر بڑا ہی تاز تھا منجملہ اور شاگردوں کے مشہور امام المسد علی بن الجعد (۱) جو ہری بھی ان کے شاگرد ہیں اور امام بخاری امام مسلم ابو داؤد اور امام ترمذی نے اپنی کتابوں میں ان سے کافی روایات لی ہیں اور امام اعظم کے مسانید میں بھی ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔

ابو حنیفہ عن شیبان عن یحییٰ عن المہاجر عن ابی ہریرۃ قال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت والوصال۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چپ رہنے اور ہمیشہ کے روزے سے منع فرمایا ہے (۲) یہی روایت بحوالہ تکریم الی فہم الخاری بخاری نے بھی اپنے مسند میں بیان کی ہے۔

(۱) علی بن الجعد حدیث کے مشہور امام ہیں امام بخاری اور ابو داؤد کے استاد ہیں اور حدیث میں جیسے ابن ابی ذئب اور شعبہ کے شاگرد ہیں ایسے ہی قاضی ابو یوسف سے بھی ان کو شرف تلمذ حاصل ہے اور قاضی صاحب کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کا بچا امام ابو الحسن بن الجعد الجوهری ہے ان کی حدیث دانی کا انداز کرنا ہو تو مشہور محدثین جزو احمد اسحاق بن رازہ اور یحییٰ بن مصعب کا یہ اتفاق فیصلہ پڑھئے۔ امام جزو کہتے ہیں کہ ہم چاروں ایک روز ان کے در دولت پر حاضر ہوئے آپ اپنی کتابیں لے آئے اور انہیں اندر چھ گئے ہمیں خیال ہوا کہ کھانا لینے گئے ہیں ہمیں ان کی کتابوں میں کوئی خط نہیں ملی کھانے سے فراغت کے بعد کتابوں میں درج شدہ ساری احادیث ہمیں زبانی سنا دیں۔ محدث خوارزمی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ امام اعظم جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح آباد ہوتی ہے (ج ۲ ص ۳۰۸) اگرچہ بخاری ابو داؤد اور مسلم سب ہی وان کے سامنے زانوئے ادب کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے مگر انہوں سے کہنا پڑتا ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث ان سے اس لیے نہیں لی ہے کہ یہ بزرگ ان لوگوں میں سے تھے جو غلط قرآن کے مسئلہ میں تشدد دین میں سے نہ تھے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کا کہنا تھا کہ میں فسال القرآن منہو فی لہ اعطہ اسی بنا پر ان پر بدعتی ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ (۲) کتاب آثار

الحکم بن عتیہ سے امام اعظم کا تلمذ:

حافظ ذہبی نے ان کو شیخ الکوفہ لکھا ہے۔ قاضی شریح ابو نعل ابراہیم نخعی عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جبیر سے علم حدیث پڑھا ہے۔ خلاصہ میں ان کو احمد اعظم بتایا ہے۔ اجماع اوزاعی امام مسعر بن کدوم حمزہ الثریات امام شعبہ اور ابو حنوفہ نے خلاصہ میں امام اعظم کو ان کا شاگرد قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں سفیان بن عیینہ کا تاثر یہ تھا کہ حکم اور حماد جیسے کوئی نہیں ہے۔ احمد ارباب حدیث نے اپنی کتابوں میں ان کی سند سے حدیثیں لی ہیں۔ امام اعظم نے بھی ان کے حوالہ سے ایک سے زیادہ روایات لی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے احادیث میں حکم سے زیادہ پائیدار کوئی نہیں ہے امام ابو یوسف نے کتاب آثار میں بحوالہ حکم یہ روایت درج کی ہے۔

عن ابی حنیفہ عن الحکم عن القاسم بن محمدر عن شریح انہ قال سألت عائشۃ عن المسح فقال سل علیاً فانہ کان یسافر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالت علیاً فقال امسح۔

شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ حضرت علیؑ سے پوچھو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوئے تھے میں نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا فرمایا کہ مسح کر لو۔ (۱)

الامام الخافض ابو محمد حارثی اپنے مسند میں ایک سے زیادہ حدیثیں لائے ہیں۔

ابو حنیفہ عن الحکم بن عتیہ عن القاسم عن شریح عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یحرم من الرصاص ما یحرم من النیب۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو قرابت سے حرام ہیں۔ (۲)

قرآن کی اس آیت میں جس مقصد کی خاطر رخت سفر تیار کرنے اور گھر سے بے گھر ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دین میں تقصد ہے اسی کو علم الشریعہ علم الفقہ اور علم قانون کہتے ہیں۔ علوم شریعہ میں علم فقہ کا مقام بالکل انتہائی اور آخری ہے۔ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ آیت فقہت کی تلاش کے لیے ہے قرآن میں جس موقع پر یہ آیت آئی ہے وہاں جہاد کا تذکرہ ہے جہاد اور عصب فقہ میں مناسبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ طالب فقہ اور مجاہد دونوں کا ٹھکانا اللہ کی راہ میں ٹھکانا ہے اور دونوں کا مقصد اللہ کے دین کی برتری ہے چنانچہ ترجمہ میں ارشاد گرامی ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔

”جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپس تک اللہ کی راہ میں ہے۔“

جہاں آیت ۲۸۷ اور ساتھ ہی اس آیت کے متعلق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں دین سیکھنے کا کام ضرور ہونا چاہیے فی ہذا الآية دليل على طلب العلم (ج ۱ ص ۱۸۹) لیکن دین سیکھنے کا یہ بوجہ سب پر نہیں ہے۔ ان الحسرواح فی طلب العلم لا يلزم الاعيان۔ طلب علم کی خاطر سفر سے بے گھر ہونا سب کے دماغ میں ہے بدلتہ کے ذمہ ہے۔ سیکھنے کے بعد جو سیکھ کر آئے ان کا کام اس آیت میں لوگوں کو بیدار کرنا (انذار) بتایا ہے یعنی پوری جماعت کی پیش پا افتادہ شہری زندگی میں رہنمائی کا فرض انہی مردین اور جن کی دینی زندگی میں رہنمائی کریں وہ ان کی طاعت کریں۔ الاسرار يقتضي فعل المأمور به والالتم بكن اذنا۔ انذار حکم کی تعمیل چاہتا ہے ورنہ انذار ہی نہیں ہے (حکام القرآن للجہد ص ۱۹۹) اسی آیت سے دین آشنائوں کے لیے صدر اول ہی میں فقہاء کی تعبیر بیدار ہو گئی تھی امام ترمذی نے لکھا ہے کہ الفقہاء اعلم بمعانی الاحادیث حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ حافظ لغت میں ایک شخص کو بھی کہتے ہیں ابو بکر العربی نے شیخ ابو الحسن اور قاضی ابو بکر کی بھی یہی رائے لکھی ہے اگر یہ صحیح ہے تو آیت کے مدلول سے نہ صرف تقلید شخصی کا جواز بلکہ وجوب بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حدیث نبوی واحد ہونے کی صورت میں دین میں نجات اور واجب العمل ہے۔ ابھی ص کہتے ہیں۔ فیہ دلالة على الروم خبر الواحد۔ (ج ۳ ص ۱۹۸)

حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق:

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی زبان میں اور صحیحہ کرام کے عبادات میں علم نام ہی فقہ کا ہے یعنی صدر اول میں علم کے نام پر جو چیز معروف تھی وہ روایت حدیث نہیں بلکہ فقہات تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صحیحہ و تابعین کا علمی تعارف زیادہ تر فقہات ہی سے کرایا ہے چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں لکھتے ہیں۔ مس سلاء الفقہاء (ج ۱ ص ۱۲) حضرت معاذ بن جبلؓ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں مس صحباء الصحابة وفقہائہم۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ترجمہ میں ہے اقرأ اهل البصرة و الفہم۔ حضرت ابوالدرداءؓ کے متعلق لکھا ہے مفسر اهل دمشق و فہم۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں تحریر ہے۔ مس اکبر الفقہاء الصحابة۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ہے۔ الفقیہ المدنی۔ حضرت جابرؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ الفقیہ المدنی۔ اس طبقہ اولیٰ میں سارے صحیحہ میں دو کو مشقی کر کے کسی ایک کا بھی تعارف حدیث و روایت کے ذریعے نہیں کرایا۔ دوسرے میری مراد حضرت ابویوسفؒ اور حضرت ابوسعید خدریؒ ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ردی حدیثا کثیرا۔ ورنہ کسی بھی صحابی کا علمی چہرہ پیش کرتے ہوئے حدیث کا نام تک نہیں لیا۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ فقہ علوم شریعہ کا آخری درجہ ہے۔

فقہ اور حدیث میں باہمی ربط کیا ہے؟ یہ بات شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی سنئے۔ شاہ صاحب علم الہدیث کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

علم الہدیث کے چھ طبقات اور اس میں فن کاروں کے کچھ مراتب ہیں علم حدیث کے دور درجے ہیں ایک درجہ چھٹے اور سہمی کا ہے اور دوسرا درجہ مغز اور موتی کا ہے علماء نے دونوں کی خدمت کی ہے علم حدیث میں چھٹے اور سہمی کے درجے کی چیز حدیث کو صحت و ضعف غرابت اور شہرت کی حد تک جاننا ہے یہ خدمت محدثین نے سر انجام دی ہے علم حدیث ہی کا ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے معانی شریعہ کو سمجھا جائے اس سے احکام جزائیہ مستطیع کیے جائیں مہارت دلالت اشارہ و مفہوم کی بنا پر منصوص حکم پر غیر منصوص کو قیاس کیا جائے منسوخ و محکم مروج و مہرم کا پتہ لگایا

جائے حدیث کا یہ فن موتی اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے اس فن کی خدمت کرنے والے فقہاء اور مجتہدین ہیں۔ (۱)

علامہ خطابی نے حدیث و فقہ میں اس سے بھی زیادہ لطیف ربط بتایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث و فقہ میں باہم وہی تعلق ہے جو مکان کی دیواروں اور اس کی بنیاد میں ہوا ہے فقہ حدیث کی بنیادوں پر اُٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے۔ لکھتے ہیں:

حدیث کی حیثیت مکان کی اساس و بنیاد کی ہے اور فقہ اس بنیاد پر اُٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے جو عمارت بغیر بنیاد کے بنائی جائے اس میں استحکام نہیں ہوتا اور صرف بنیادیں بغیر عمارت کے خراب اور پھیل میدان ہوتا ہے۔ (۲)

ابو بکر الخازمی نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ:

احادیث میں ایک دوسرے کو باہمی ترجیح دینا یہ فقہاء کا کام ہے کیونکہ ان کا پیش نہاد احادیث میں احکام کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس موضوع پر ان کی جواہر نگاہ کی وسعتیں اور پہنائیاں بے حد ہیں۔ (۳)

الغرض اس آیت میں علم کی خاطر رخت سفر باندھنے کا حکم ہے اور اس کا جیسا مجتہد اور فقیر محی طلب ہے ایسا ہی محدث بھی ہے کیونکہ قرآن و حدیث ہی فقہ کا سرچشمہ اور مرکز ہیں۔ (۴)

(۱) حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱ (معالم السنن ج ۵ ص ۵) (۲) شروط الامراء ص ۲۷
(۳) لیکن یاد رہے کہ حدیث اور روایت حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں جیسے قرآن اور روایت قرآن الگ الگ ہیں فقہ کی بنیاد قرآن ہے نہ کہ روایت قرآن۔ ایسے ہی اساس و بنیاد کی حیثیت میں فقہ کا مدار حدیث ہے نہ کہ روایت حدیث کی مطلب ہے۔ امام ابن المظاہرین کے اس بیان کا جو حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں عبد الملک بن حبیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سب علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ فقہ میں وہ شخص باہم نہیں ہو سکتا جو علم قرآن اور حدیث و آثار کے متون نہ جانے اور ان کے معانی پر قابو نہ پائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مختلف طرق چند در چند سندیں محفوظ رکھنا روایت و ائد ہے۔ اور زمانہ فن میں ضرورت کے تحت رونما ہوئی ہے حدیث پہلے سے بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔

قرآن میں مل کی خاطر حضرت موسیٰ کے سفر کا تذکرہ ہے چنانچہ امام بخاری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر بھی کے لیے اپنی تصحیح میں ایک مستقل عنوان قائم کیا اور عنوان کی بنیاد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر رکھی ہے جو اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں نقل کی ہے۔

هل البعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً۔ (۱)

”کیا میں تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھادے تجھ جو تجھ کو سکھانی ہے بھلی راہ۔“

صرف اس باب پر امام بخاری نے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد ان مصاحب نے ایک اور باب الخروج فی طلب العلم کے عنوان سے قائم کیا ہے اور دونوں میں ایک حدیث یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی واقعہ کہ آپ نے طلب علم کے لیے مجمع البحرین کا سفر کیا نقل کیا ہے اور اس دو بابوں کے بعد پھر انتہاء در علم و حکمت کا عنوان دے گئے ہیں گویا ان دونوں عنوانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر بھی کا تذکرہ چھین کر امام بخاری یہ ترفیب دے رہے ہیں کہ طلب علم کی راہ میں کسی حال میں کسی مشقت سے منہ نہ پھیرنا چاہیے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سیادت و نبوت کے مقام اعلیٰ پر پہنچنے کے باوجود بھی طلب علم کے لیے سفر کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

لان موسی لم یعمد بلوغه من السیادة المحل الاعلی من طلب العلم
ود کوب البحر والبر لاجله (۲)

”حضرت موسیٰ کا امامت کے بزرگ ترین مقام پر پہنچنا طلب علم اور اس کی خاطر بحری و بری سفر سے مانع نہیں ہوا ہے۔“

امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی ربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله به طريقاً الى الجنة (۱)
ترمذی میں حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد گرامی ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔

”جو بھی طلب علم کے لیے نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے۔“
ابوداؤد میں کثیر بن قیس کی زبانی یہ واقعہ آیا ہے۔

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص آیا اور
بولا کہ اے ابوالدرداء! میں آپ کے پاس حدیث رسول سے آیا ہوں اور آیا بھی
صرف اس لیے ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں میرے آنے کا مقصد صرف یہ ارشاد گرامی سننا ہے
اور کوئی ضرورت نہیں ہے ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص طلب علم کی خاطر راہ چل کر آئے اللہ پاک اس کو جنت

(۱) حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ تلاش علم کی خاطر چلن دوڑنا کا ہونا ہے ایک یہ کہ فی الواقع چلے
اور علمی مجلسوں میں شرکت کرے اور دوسرے یہ کہ وہ راہ اختیار کرے جو حصول کا ذریعہ ہو مثلاً یاد کرے
بہم حدیث کرے نہ کرے اور مطالعہ میں مشغول رہے سمجھے اور اس کے علاوہ جو بھی علم کے
حصول کا طریق ہو اسے اپنائے پہلے چنے کو تحقیقی اور دوسرے کو معنوی کہتے ہیں ارشاد نبوت میں دونوں
داخل ہیں (جامع العلوم والفتاویٰ ص ۲۹۹) اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ پاک اس کی برکت سے جنت کا
راستہ آسان فرمادے گا۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ طلب علم میں اگر دشوائے الہی مقصود ہوگی تو
اللہ پاک طلب علم کے لیے ہم سے انتفاع اور اس پر عمل آسان فرمائے گا اور یہ بھی اس کے حصول
میں داخل ہے کہ اس کی برکت سے دوسرے علوم بھی آسان ہو جائیں گے اور یہ علوم بھی جنت کا ذریعہ
ہوں گے قرآن عزیز میں اس کی شہادت ہے۔ وَاللّٰمِن لَعَلَّوْا اِذَا هُمْ هٰدٰی وَاَتٰهُمْ نَقْرٰهُمْ۔
(جامع العلوم والفتاویٰ ص ۳۰۰)

کے راستہ پر چلائے گا اور اللہ کے فرشتے طالب علم کی خاطر اپنے بازو بچھتے ہیں
اور آسمان وزمین والے تاکہ سمندر کی گہرائی میں مچھلیاں اس کے لیے دعائے
معفرت کرتی ہیں عالم عابد پر ایسی ہی برتری رکھتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند
عام ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء نے میراث میں درہم و دینار نہیں
چھوڑے ہیں بلکہ انبیاء کی میراث تو علم ہے جو اسے جیتے ہوئے ہی ملتا ہے۔ (۱)

امام بخاری نے اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں امام احمد نے اپنے مسند میں اور
حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں بحوالہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر بن عبد اللہ کا
طلب علم کے لیے سفر اختیار کرنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک حدیث سنی ہے میں نے فوراً اونٹ خریدی اس پر کچھ دے سا اور ان صاحب کی
طرف ایک ماہ کا سفر اختیار کر کے سیدھا ملک شام پہنچا یہ صاحب عبد اللہ بن انیس
تھے میں نے ان کے دربان سے کہا کہ جا کر کہو جابر دروازے پر کھڑا ہے انہوں
نے سنتے ہی پوچھا کیا ابن عبد اللہ؟ میں نے کہا کہ ہاں فوراً باہر تشریف لائے اور
مجھ سے گفتگو ہوئے۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں اطلاع ملی
ہے کہ آپ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ
میری زندگی ایسی حالت میں ختم نہ ہو جائے کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشاد گرامی سے محروم رہوں اس کے بعد عبد اللہ بن انیس نے وہ حدیث بیان کی یہ
حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبد اللہ بن براء کے حوالہ سے منقول ہے کہ
ایک صحابی ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے فضالہ بن عبید کے پاس گئے یہ اس وقت
اپنی اونٹنی کو چارہ ڈال رہے تھے دیکھتے ہی بولے مرحبا مسافر صحابی نے کہا میں
ملاقات کے لیے نہیں بلکہ ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ

امام اعظم نے جب علم حدیث پر توجہ کی تو اسی قاعدے کے مطابق سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذہ فن کے سامنے ڈانٹے ادب یہ کیا اور ایک عرصہ تک وطن عزیز ہی میں تحصیل علم میں مصروف رہے اور جن جن اساتذہ سے کوفہ میں استفادہ کیا اس کا ایک دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے جب آپ کوفہ سے حیراب ہو چکے تو دوسرے مقامات کا رخ کیا۔

رحلت علیہ کی تاریخ:

امام اعظم کی رحلت علیہ کی تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ جامع بیان العلم وفضل میں حافظ ابن عبد البر نے خود امام صاحب کا جو بیان درج کیا ہے اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا سفر اپنے والد محترم کی معیت مکہ کا کیا ہے اور اسی سفر میں آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد اللہ بن الحارث سے ملاقات ہوئی ہے اس میں تصریح ہے۔

میری عمر سہ سال تھی کہ میں سنہ ۹۶ھ میں اپنے والد کی ہمرکابی میں حج کا سفر کیا۔ (۱)
حج اس زمانے میں افتادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ تھا کیونکہ مکہ اسلامیت کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال حرمین میں آکر جمع ہوتے تھے اور درس و افتاء کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ امام ابو الحسن مرغینانی نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے ایک بار نہیں بلکہ ۵۵ بار حج کیا ہے (۲)۔ نیز آپ نے طلب علم کی خاطر بصرہ کا بیس مرتبہ سے زیادہ سفر کیا ہے اور اکثر پورا پورا سال وہاں قیام بھی کیا ہے۔ (۳)

ان تاریخی روایات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلب علم کی خاطر مکہ مدینہ اور بصرہ کا سفر کیا ہے لیکن آغاز سفر کے بارے میں جامع بیان العلم کی روایت کے علاوہ کوئی مثبت تصریح نہیں ہے اس لیے قیاس یہی ہے کہ آغاز آخر چھ ۹۶ھ میں ہو چکا تھا مگر ان مسمیٰ سفروں میں باقاعدگی اور تسلسل ۱۰۳ھ کے بعد ہوا ہے ایسی فقی کی تصدیق کے مطابق امام شعبی کا سال وفات ۱۰۳ھ ہے۔ اسی کے بعد آپ نے سفر کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا ہے کیونکہ آپ یہ

(۱) جامع بیان العلم وفضل ج ۱ ص ۱۳۳ (۲) صدر المستقر ص ۲۵۳ (۳) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۵۳

پہلے سن چکے ہیں کہ امام صاحب امام حماد کے پاس علم الشرائع کی خاطر اشعارہ سال رہے ہیں امام حماد کی تاریخ وفات ۱۲۰ھ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم نے ۱۰۳ھ سے مسلسل علمی سفر کیے ہیں اور آخر عمر تک حج سے تو کوئی سال بھی خالی نہیں ہے کیونکہ اگر آپ نے ۵۵ حج کیے ہیں جیسا کہ امام ابو الحسن مرغینانی نے بیان کیا ہے تو پہلا حج ۹۶ھ میں ہی آتا ہے۔ اور یہ وہی حج ہے جب آپ اپنے والد محترم کے ساتھ مکہ کی بار حج کو تشریف لے گئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد اللہ بن الحارث کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی عمر کا کوئی سال بھی حج سے خالی نہیں ہے۔

اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ذہبی نے امام لیث بن سعد کی ملاقات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم کی شہرت سنا تھا مٹنے کا بے حد مشتاق تھا حسن اتفاق سے مکہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں مجمع میں میں نے ایک شخص کی زبان سے کلمہ سنا کہ اے! حنیف! میں نے جی میں کہا کہ تو تمنا برآئی یہی امام ابو حنیفہ ہیں۔ (۱)

تذکرۃ الحفاظ ذہبی نے تصدق ہے کہ امام لیث بن سعد انیس سال کی عمر میں حج تشریف لے گئے اور یہ بھی بتایا ہے کہ امام لیث کی ایک سی سال عمر تھی ۱۰۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ یہ ان کا مدقائی حج ہے ورنہ اس کے بعد بھی صرف امام اعظم کی ملاقات ہی کے لیے لیث بن سعد حج کو گئے ہیں چنانچہ اسی سلسلے کا ایک واقعہ الحافظ ابو محمد الحارثی بسند متصل فقیر مصدع عبد الرحمن بن القاسم کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

میں نے لیث بن سعد سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بار امام اعظم کا یہاں حج ارادے کا علم ہوا میں صرف امام اعظم سے ملاقات کی خاطر حج کو گیا۔ مکہ میں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے آپ سے مختلف عنوانوں پر بہت سے مسائل دریافت

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸

(۱) مناقب ابی حنیفہ الذہبی، ص ۲۲

دریافت کیے میں نے آپ سے دیوانی و فوجداری مسائل میں قتل خطا اور شہرہ کے بارے میں پوچھا۔ (۱)

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ انیس سال کی عمر میں یعنی ۱۱۳ھ میں امام لیث نے پہلا حج کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی نے لکھا ہے۔ (۲) اور امام اعظم کو اس موقع پر اس طرح پایا کہ الناس متقصصین علیہ۔ (لوگ ان پر نونے پڑے ہیں) اور بعد کو نام لینے پر معلوم ہوا کہ یہی امام اعظم ہیں۔

۱۱۳ھ میں ہجوم کا یہ نونا پڑنا بتا رہا ہے کہ یہ امام اعظم کا پہلا سفر نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے متعدد بار آچکے ہیں اور ذات برائی جانی پیچنی ہے۔ دوسرا ایک اجنبی سے رد یہ ہجوم کہاں ہوتا ہے اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ آپ نے امام فہم کی وفات کے بعد حجوں کا لگاتار سلسلہ شروع کر دیا تھا اور امام لیث نے تو یہ بات جوت کے متعلق بتائی ہے کہ رایت الناس متقصصین علیہ۔

مگر امام ابو عاصم النبیل نے جو کہی کا واقعہ بتایا ہے اس میں تو یہ بات یہاں تک کھول دی ہے کہ لوگوں کی عقیدت امام اعظم کو مکہ میں صرف جلوت ہی میں نہیں بلکہ مکہ کی خلوت میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور صرف اسی حدیث نہیں بلکہ باب فقہ کا بھی آپ کے ارد گرد ہجوم رہتا تھا چنانچہ امام ابو جعفر طبری نے بکاء بن خلیفہ کے حوالہ سے امام ابو عاصم کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

ہم مکہ میں امام اعظم کے پاس رہتے تھے آپ کے پاس درباب فقہ اور اصحاب حدیث کا ہجوم ہو گیا آپ نے فرمایا کہ کیا یہ کوئی شخص نہیں ہے جو صاحب خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوائے۔ (۳)

اس سے ایک طرف اگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام اعظم مستقل طور پر مکہ جاتے تھے اور وہاں آپ نے بود و باش بھی اختیار کی تھی تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں امام اعظم سے دونوں در سے یکساں فائدہ اٹھاتے تھے اور امام صاحب کی علم الفقہ اور علم الہدیث

(۱) صدر تاریخ ج ۲ ص ۱۵۳ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹ (۳) مقدمہ حارثی ج ۲ ص ۲

دونوں فنوں میں لوگوں کو جلالت قدر کا یکساں اقرار تھا اس مقصد کی خاطر لوگ دور دور سے چل کر آتے۔

حج کے عام سفروں کے علاوہ اموی حکومت کے آخری دور میں حکومت کے جو دستم اور علم و تہذیب سے تنگ آ کر آپ نے حجاز کا رخ کیا۔ برور قطر از ہیں: فہرب الی مکة و اقام بہا سنۃ مائۃ و ثلاثین۔ (۱)
”مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں ۱۳۰ھ تک قیام فرمایا۔“

اسی زمانے میں اموی حکومت کے خد ف سازش ہوئی ہے عباسیوں کے اشارے سے ابو مسلم نے بغاوت کھائی جب تک عباسی تحریک اموی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسیوں کو تخت حکومت دلانے میں کامیاب نہیں ہوئی امام اعظم حجاز ہی میں رہے اور بالآخر۔

قدم ابو حبیۃ الکوفۃ فی زمن ابی جعفر المنصور۔ (۲)
اس کا حاصل یہی ہے کہ سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ چار سال نو ماہ امام اعظم نے کوفہ سے باہر حجاز میں گزارے۔

حجاز میں امام اعظم کے مشاغل:

امام اعظم کو اس زمانے کے دستور کے مطابق حجاز کے علماء محمد بن سہب سے فائدہ اٹھانے کا یہ ذریعہ موقوفہ ملا اور صرف استفادہ کا نہیں بلکہ حجاز میں لوگوں نے امام کو افادے کی مجلس قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر بن عبد اللہ کا بیان ہے۔

میں نے مکہ میں یہ سین زیارت کو دیکھا کہ سامنے ایک جماعت ہے اور وہ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں لوگو! ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرو اور ان کی مجلس کو خیمت سمجھو ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ یہ آدمی پھر بیٹھنے کے لیے نہیں بیٹھنے کا اور وہاں وہ امام ہیں۔ ایسے عالم کو پھر نہیں پاؤ گے اس شخص کو تم نے نمودیا تو علم کی بہت بڑی مقدار تھی۔ (۳)

(۱) من قب الیٰ بنیٰ عبد اللہ ج ۱ ص ۲۰۹ (۲) صدر تاریخ ج ۲ ص ۲۰۹ (۳) صدر تاریخ ج ۲ ص ۲۰۹

اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں ایک ممتاز عالم محدث یا سنی الزیات کی طرف سے اس قسم کے اعلان کا اس کے سوا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا کہ امام اعظم پر مکہ میں دنیا ٹوٹ پڑے۔ الموفق نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابو حنیفہ حرم کعبہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان پر خلعت کا جھوم تھا ہر علاقے کے لوگ ہوتے تھے سب کو جواب دیتے اور فتویٰ بتاتے۔

امام عبداللہ بن المبارک نے امام اعظم کے اس علمی اعادے کے قماشے کو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں ان کا خود بیان ہے

میں نے حرم کعبہ میں ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق و مغرب کے باشندوں کو فتویٰ دے رہے ہیں۔ (۱)

امام اعظم کی اس مجلس میں کس قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے یہ عبداللہ بن المبارک نے بیان کیا ہے۔

والناس یومئذ ناس۔

صدر الامر نے عبداللہ بن المبارک کے اس جملے کا مطلب یہ بتایا ہے کہ

یعنی الفقہاء الکبار و عیار الناس۔

عبداللہ کی مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے فقہاء اور بزرگ لوگوں کا مجمع تھا۔

الغرض حجاز میں امام اعظم کی ذات برائی سے دونوں مدرسے محدثین اور فقہاء مستفید ہو رہے تھے یہ دونوں مدرسے الگ الگ ہیں دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔

محدث اور فقیہ میں فرق:

تیسرا مست شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی آپ فقہ اور حدیث کا باہمی فرق سن چکے ہیں جسے مراد ہے محدث اور فقیہ کا فرق بھی شاہ صاحب کی زبانی معلوم کر بیچے

محدث اور فقیہ میں فرق ہے۔ محدث کا کام صرف حدیث کی روایت ہوتا ہے اور

اس سلسلے میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، محرف ہے یا غیر محرف، عربی زبان میں الفاظ غریبہ کے معانی کیا ہیں؟ راویوں کی لڑی عدالت کی ترازو میں پوری اترتی ہے یا نہیں؟ حدیث کے توابع و شاہد کیا ہیں۔ حدیث اپنے بیان کرنے والوں کے لفظ سے شہرت اور غرابت میں کیا مقام رکھتی ہے۔ جو محدث علم حدیث میں یہ باتیں جانتا ہے وہ ضابطہ حافظ اور متکفل کہلاتا ہے۔

فقیہ کا کام مشتبہ الفاظ کی تحدید اور حدیث میں رکن شرط اور ادب کی تعیین کرنا ہے۔ وہ امر کے میضوں کو دیکھ کر استحباب اور وجوب کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور نواہی میں مکروہ اور حرام کے درجات مقرر کرتا ہے وہ پیش پا افتادہ مسائل کی غلطیوں اور دلائل جانتا ہے اور علتوں کے لحاظ سے کسی حکم کے مطلق اور مقید ہونے کی نشاندہی کرتا ہے وہ اپنی نقاہت کے زور سے احترازی اور انتہائی قیود واضح کرتا ہے اور اطلاق و تھکید کی روشنی میں وہ زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں ہر موضوع پر قوانین و ضوابط کلیہ بتاتا ہے اور پھر ان قوانین سے حالات و کوائف میں اٹھے ہوئے سوالات کا جواب دیتا ہے دلائل میں تعارض ہو تو تطبیق دیتا، باہم مفاہمت کرنا، منسوخ بتاتا اور تعارض کے وقت ترجیح دینا فقیہ کا کام ہے۔ (۱)

اس پر تفصیلی گفتگو آئندہ اوراق میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مکہ میں آپ سے استفادہ کرنے والے دونوں فنون حدیث اور فقہ میں استفادہ کرتے تھے۔ یہی حال آپ کا کوفہ میں بھی تھا کہ آپ دونوں فنوں میں ایک امام کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے۔ صدر الامر نے اسی سلسلے میں مکی بن ابراہیم کے متعلق لکھا ہے کہ:

امہ دخل الکوفہ ولرم ابا حبیبة وسمع منہ الحدیث والفقہ۔ (۲)

”کوفہ آئے اور امام ابو حنیفہ کے پاس رہ کر ان سے حدیث و فقہ کی سماعت کی۔“

ان الفصی مافی الباب ان یروی الحدیث عن المجاہل من المسلمین
والمجاہل من العلماء (۳)

”زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حدیث نبوی نیک مسلمان اور نیک علماء سے روایت کی جا
رہی ہے۔“

لیکن ہمیں اس پر کوئی قدر نہیں کیونکہ ہمیں ان بزرگوں کی بیانت صداقت اور
ثبات و عدالت پر پورا اعتماد ہے ٹھیک ٹھیک ایسی ہی روایت و اسناد کا سلسلہ پیدا ہونے
سے پہلے اس دور کے لوگوں کو تاہمین کر رہا تھا۔ اس اعتماد کی وجہ سے آج ہم ان علماء کے
مراہیل کو قوی نہیں بلکہ قوی تر مانتے ہیں۔

ان القوی المرسل ما رسلہ العلماء من احادیث هذه الکتاب (۴)

”مراہیل میں قوی تر ان کتابوں کی حدیثوں میں علماء کے مراہیل ہیں۔“

اور جیسے ان بزرگوں کی کتابوں کو آج ترجیح دینے والے کتابوں کے مقابلے میں شہرت
اور قبول کی بنا پر ہے اور اس لیے یہ کتابیں بھی۔ جو ایک دین حمت بن گئی ہیں ایسے ہی
دوسری صدی کے لوگ تاہمین کو دوسروں کے مقابلے میں ان کی علمی شہرت اور قبول کی بنا پر ترجیح
دیتے تھے۔ اور اس لیے تاہمین کی سنتی بھی۔ خواہ ان کے یہاں صحت کی ضمانت تھی۔ بہت
بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم تو اپنے بزرگوں کی بیانت سے اتنے متوالے ہیں کہ ان کی رو
ایت سے آئی ہوئی حدیثوں کو قطعی قرار دیں۔ اور تاہمین کے مقام پر ہم انصاف کا امتن باتھو سے
چھوڑ دیں۔ فاما للہ والی اللہ المشکفی۔

منا یہ چاہتا ہوں کہ حدیث اور ہے اور روایت حدیث اور۔ امام اعظم کے زمانہ
طالب علمی میں فن روایت و اسناد شاہراہ عام پر نہ آیا تھا اور نہ اس کی تیسری صدی کی طرح عام

(۳) بقیہ صفحہ ۳۰۵ سے لائے ہیں ہر طریق میں سات افراد ہیں اور دارقطنی نے سات طریقوں سے

درج کیا ہے مگر کوئی طریق نہ افراد سے خالی نہیں ہے۔ (۳۰۲) الروض الباسم ص ۱۸

(۴) الروض الباسم ص ۱۸

شہروں میں دفاتر کھلے تھے اور نہ ہی اس دور میں سیارہ تاہمین کا دور ہونے کی وجہ سے اس کی
ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ حافظ شمس الدین عکروی رقمطراز ہیں۔

ولایکاد یوحد فی القرون الاول الذی انقصر فی الصحابة و کبار
التابعین ضعیف (۱)

”وہ قرن اول جس میں صحابہ اور تابعین ہیں اس میں ضعیف کوئی نہیں ہے۔“
۱۲۰ھ شیخ بن سعید القنطاری تاریخ روایات ہے جن کے بارے میں حافظہ کی نے
اکتشاف کیا ہے کہ ان رجاء میں سب سے پہلے مصنف ہیں اور کوفہ میں امام شیعہ موجود تھے
جن کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں۔

کان شعبة امة واحدة فی هذا الشأن (۲)

”اس فن میں حضرت شعبہ یگانہ امام ہیں۔“

انفرض امام اعظم نے علم کی خاطر سفر کیا اور آپ کے غار حبیب میں مرزئی حیثیت
مکہ مکرمہ کو حاصل ہے۔

مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت:

وہ حرم پاک جہاں سے محمد بن نبوت کا آغاز ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
رسول ہونے کے بعد تیرہ سال کا حرم مہنداراہ ہند کے زمانہ میں یہ بھی کوفہ کی طرح دارالعلم تھا۔

حافظ ذہبی الامصار ذوات قمار میں فرماتے ہیں:

عہد صحابہ میں یہاں علم تھا پھر صحابہ کے آخری دور میں علم کی کثرت ہوئی اور اسی
طرح عہد تابعین میں مجاہد عطاء سعید بن جبیر اور ابن ابی ملیکہ اور پھر ان کے
شاگردوں کے دور میں عبداللہ بن ابی شیحہ قاری ابن کثیر حفظہ بن ابی سفیان اور
ابن جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم زنجی فضیل بن عیینہ ابو عبدالرحمن
ازرقی حمیدی اور سعید بن منصور جیسے علماء ہوئے ہیں۔ (۳)

امام بخاری کو حرمین کے مکمل پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان موضوعات پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حصص علی اتفاق اہل العلم
وما اجتمع علیہ الحرمین مکة والمدینۃ۔

علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں:

امام بخاری کا انداز بیان کہہ رہا ہے کہ اہل حرمین کا اتفاق و اجتماع محبت سے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

لعلہ ارادہ الجمع لا الاجتماع۔ (۱)

”عالمنا مراد ترجیح ہے اجتماع نہیں۔“

امام بخاری کی عبارت کا خواہ مطلب کچھ ہو مگر اتنا معلوم ہے کہ اختلافی مسائل میں ان کے نزدیک وہی مسئلہ قابل ترجیح ہے جس پر طائے حرمین متفق ہوں۔ (۲)

بہر حال دوسری صدی کے آغاز اور پہلی صدی کے آخر میں مکہ مکرمہ علم کی منڈی تھا اور تمام بلاد اسلامیہ میں مکہ کے علمی جلال کا لوہا مانا جاتا تھا اتنا کہ علامہ بھون نے تصریح کی ہے کہ اگر ابن عباسؓ اہل مدینہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کر جائیں تو مدینہ کی اجماعی طاقت بھی بھی بے جان ہو جاتی ہے۔

اذا خالف ابن عباس اہل المدینۃ لم یعتقد لہم اجماع۔ (۳)

”جب اہل مدینہ کی ابن عباسؓ مخالفت کریں تو اہل مدینہ کا اجماع منعقد نہیں ہوتا۔“
مکہ میں امام اعظم نے جن حفاظ حدیث سے علمی استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل بتاتا تو دشار ہے یہاں صرف چند نراری قدر ہستیوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو مکہ کے گلستان کی باغ و بہار کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

(۱) فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۵۷ (۲) یہ مسئلہ بھی مہمات مسائل میں سے ہے اہل مکہ کا دوسرا اسلامی شہر کے مقابلے میں اپنی قوت اجماع سے قابل ترجیح ہونا بظاہر اس کی کوئی ہدایتی صفت پر ہے۔

امام اعظم کا عطاء بن ابی رباح سے تلمذ:

حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ کا آغاز مفتی اہل مکہ محدث مکہ القدوس اور اعلم کے زیر القاب سے کیا ہے اور ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عہ ایوب و حمیس المعلم و ابن جریج و ابن اسحاق و الا و راعی و ابو حنیفۃ۔ (۱)

”عطاء کے علاوہ میں ایوب، حسین ابن جریج، ابن اسحاق، اوزاعی اور ابو حنیفہ ہیں۔“

بلکہ امام ذہبی نے اپنی مشہور تاریخ کے خلاصہ میں بالتصریح یہ بھی لکھا ہے کہ

اکبر شیوخہ عطاء بن ابی رباح۔ (۲)

۱۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو حیثیت امام مالک کے اسانید میں مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہے جسے امام بخاری وغیرہ اجل الاسانید اور اصح الاسانید کہتے ہیں۔ یہی حیثیت امام اعظم کی اسانید میں ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرائی نے اس کو اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے مناقب میں لکھا ہے۔

وسمع الحديث من عطاء بمكة۔ (۳)

۲۔ بقدر صفحہ ۳۸۸ میں نہیں آئی کیونکہ جس پائے کے علماء یہاں موجود تھے دوسرے مقامات پر بھی موجود تھے نیز یہاں جریج جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم صحبت یافتہ تھے ان میں سے ہر کسی ایک نے بھی مکہ میں آکر رہا ہو قیام نہیں کیا ان کو اس کی شرعا اجازت نہ تھی کہ کی جو علمی رونق تھی وہ عبداللہ بن عباس کے علاوہ کے دماغ سے تھی اور اس تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (۳) عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۰۲

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ج ۱ ص ۹۲ (۲) رد المحتار: ج ۱ ص ۴۷

(۳) مناقب ذہبی: ص ۱۱

حضرت عطاء بن ابی رباح کی جلالت قدر کا اندازہ کرنا سوتا ان اکابر کے یہ بیانات پڑھیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اسے اپنی خدمت میرے پاس بھیج رکھتے ہو حالیکہ تمہارے پاس تو عطاء موجود ہیں۔ یعنی یہی الفاظ حافظ ذہبی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی نقل کیے ہیں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میں تشریف آئے لوگوں نے ان سے مسائل دریافت کیے آپ نے فرمایا کہ مسائل کی خاطر تم میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تم میں عطاء موجود ہیں۔ (۱)

ذرا غور فرمائیے کہ اس شخص کی جلالت علمی کا کیا حال ہوگا جس کی حیثیت کا ہوا بن عباسؓ اور ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر اور اساطین حدیث صحابہ مانتے ہوں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے ستر حج کیے ہیں اموی دور حکومت میں زمانہ حج آتا تو وہ کاربی طر پر متادی ہوتی۔

لا یفتی الناس فی الحج الاعطاء۔ (۲)

حافظ ابن کثیرؒ نے سعید بن سلامؒ مصری کے حوالہ سے ان سے امام اعظمؒ کی پہلی ملاقات کا پورا حال لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے خود امام اعظمؒ سے سنا ہے کہ جب امام مصنف سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے عطاء سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ دریافت کرتے ہی جواب دینے سے پہلے امام صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بوسے بنا دیا کہاں کے رہنے والے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ وفد کا شہری ہوں۔ فرمایا کہ اس بستی کے جہاں دینی فرقہ بندی کی بنیاد پڑی۔ امام صاحب نے جواب فرمایا جی ہاں فرمایا اچھا بتاؤ کہ کن لوگوں سے تعلق رکھتے ہو؟ یعنی کس مدرسہ خیالی کے ہو۔ امام صاحب نے جواب کیا کہ الحمد للہ ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں جو سلف کو برا نہیں کہتے یعنی نہ رافضی ہوں نہ خارجی اور نہ قدری۔ اور اہل قبلہ کی برائیاں معصیت تکفیر نہیں کرتے یعنی نہ مرجہ ہوں نہ جمعی اور نہ معتزلی۔ حضرت نے جواب باصواب سن کر فرمایا: عرفتم فلانم یہ بیان کیا ہوں میں لازم ہو۔ (۳)

انفرض امام عطاء بن ابی رباح اپنے وقت میں جلالت علمی کا سب سے بڑا نمونہ تھے محدثین میں اجداد حفاظ حدیث کون کی بارگاہ علمی میں راوی تلمذ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مثلاً امام ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ بن قتادہ بن دحمانؒ بن کثیر مالک بن دینار سلیمان بن میران اور امام ایوب السکیتیؒ۔ حافظ ابن حجر مسند میں فرماتے ہیں:

کان من مصادات التابعین علماً وفقہاً۔ (۱)

صرف علم و فقہ ہی میں نہیں بلکہ زہد و تقویٰ پائندگی اور پارسائی میں بھی آپ کی زندگی ایک مثالی نمونہ تھی۔ اور ہر شخص کے لیے آپ کا یہی وعظ ہوتا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یحییٰ بن عبید کے حوالہ سے جو واقعہ لکھا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یحییٰ بن عبید کہتے ہیں کہ ہم محمد بن سوید کے پاس گئے انہوں نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا: آؤ میں تمہیں ایک مفید بات سناؤں مجھے عطاء بن ابی رباح نے بتایا ہے کہ عزیز من! بزرگان سفہ لا یعنی اور فضول ہاتھ کو بہت ہی ناپسند کرتے تھے بلکہ فضول کو تباہ سمجھتے تھے۔ صرف اللہ کی کتاب کی تلاوت اپنی کار چار برائی پر روک نوک یا پھر اپنی ضروریات معیشت سے متعلق باتیں کہتے تھے۔ کیا تم نہ پاک کے اس ارشادؐ کو نہیں مانتے: وان علیکم لحافظیں کراماً کتابیں اور مایعظ من قولی الا لدیہ رقیب عتید۔ اگر تمہارے سامنے تمہارا دوا عمل نامہ آجائے جس پر وہ باتیں درج ہیں جو نہ دنیا سے متعلق ہیں اور نہ دین سے کیا تمہیں اس پر شرم نہ آئے گی۔ (۲)

امام بخاریؒ امام مسلمؒ ابو داؤدؒ امام ترمذیؒ امام ابن ماجہؒ اور امام نسائیؒ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایات لی ہیں۔

قاضی ابویوسفؒ نے بحوالہ امام اعظمؒ ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً: عن ابی حنیفۃ عن عطاء عن عمرؓ انه قال لیس فی القبلۃ الوضوء۔ "بوسہ سے وضو نہیں ہوتا۔"

عن ابی حبیبة عن عطاء بن ابی عیسیٰ مثله۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے مسند میں درج فرمائی ہے۔ اور کتاب تاریخ میں حضرت عطاء بن ابی عیسیٰ کی روایت کی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے یہ حدیث حدیث کے بعد کتاب میں لکھی ہے۔ اور یہ بات پسند صاف ہو جاتی ہے۔ یہ موصوف حدیث میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ حدیث میں سے ہے۔ اور یہاں شیعہ علماء نے تفقہ اور ثقافت کے ساتھ آرام حاصل کیا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے جو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس روایت سے پاس کرتے ہیں۔ اور میں نے کچھ دیکھے ہوتے ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں امام صاحب سے اپنے بعد بتاتے ہیں اور اس کو اپنے قریب کر لیتے۔ (۱)

عطاء بن ابی عیسیٰ نے اس حدیث کے علم سے خوش ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک معمولی سی جھلک ہو اور ان کی تہذیب احمدیہ کے مطابق ہے۔ حافظ صاحب موصوف کے پاس سے ایک صفحہ پاس ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث میں امام صاحب سے اپنے بعد بتاتے ہیں اور اس کو اپنے قریب کر لیتے۔ (۲)

احکام مائتہ صحابی۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں سے یہ حدیث صحیح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث میں امام صاحب سے اپنے بعد بتاتے ہیں اور اس کو اپنے قریب کر لیتے۔ (۳)

(۱) الاشارة فی فضائل الامراء المتقدمین ص ۶۷

(۲) تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۲

حافظ عمرو بن دینار سے امام اعظم کا تلمذ:

حافظ عمرو بن دینار نے ان کا تلمذ کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث میں امام صاحب سے اپنے بعد بتاتے ہیں اور اس کو اپنے قریب کر لیتے۔ (۱)

امام عمرو بن دینار ان دنوں میں سے ہیں جو وقت کی تائید و حکومت سے کسی درجے میں تھک نہ کرتے تھے۔ جن اس سے ایک حکومت میں حدیث روایت کی۔ اور وہی حکومت کے سربراہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث میں امام صاحب سے اپنے بعد بتاتے ہیں اور اس کو اپنے قریب کر لیتے۔ (۲)

حکومت اور عدالت:

یہ موضوع بہت طویل انداز میں ہے مگر یہاں یہ بتا دینا چاہیے کہ امام ابو عمرو الجصاص نے دہم القراءات میں رایت "لابسال عہدی الطالمین" یہ حاصل ہو گئی ہے اس آیت کے معلق اور عدول سے اس مسئلے کی روشنی پیدا ہو گئی ہے۔ مثبت پہلو کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فادات الایہ ان شرط جمیع من کذل فی محل الاهتمام فی امر العدالة والصلاح۔ (۳)

آیت نے بتا دیا ہے کہ آیت تمام عہدوں کی جس کا تعلق قیادت سے ہو یا عدالت سے امیدوار میں صلاحیت اور عدالت کا ہونا ہے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷

(۲) مناقب الکرمذی ج ۲ ص ۷۷

(۳) دہم القراءات ص ۸۰

اور مثنیٰ پہلو کو اس آیت کے مداول سے ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

فثبت بدلالة هذا الإيه بطلان إمامة الفاسق وأنه لا يكون خليفة. (١)

حکومت سے ملنے والی مانت کا حصہ بن گیا اور یہ مانت بھی بے فائدہ رہی۔
خلافت کا اہل نہیں ہے۔

نہایت میں ایسا میں نے اس خطہ فنی کا جس نے کہ یہ ہے جو میں نے کہ
جانب سے امام اعظم کے بارے میں پھیلائی گئی ہے اور بتایا ہے کہ

لا فرق عند سي حنفی سے دعویٰ اس لحاظ سے کہ فی ال شرط کی
واحد منہما العدالت (۲)

یہ سب کچھ ایک ہی لمحہ کی قیاسی باتوں پر مبنی ہے۔
فرق نہیں ہے۔

یہاں کہیں کا ہتھیار نہیں ہے ہر گھس ہر گھس میں دیکھ کر سے ہر گھس کی گھس تو
قوتوں کے ہمارے دیکھ کر۔ ہمارے قہر کے نہیں اتنا ہمارا قہر ہوتا ہے جس رات
تھے انکار تو حکومت کا اجر بننے سے ہے۔

[illegible]

عمر و جن دینار جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ (۳)

جملہ بول کر مجھے معاشرے میں کہیں کا کہیں پہنچا دیا کہ۔

هذا اعدتهم بحديث عمر و بن دينار۔ (۱)

ابو بکر نے میرے پاس آمد و رفت شروع کر دی۔ امام اعظم نے عمرو بن وینار سے دو حدیثیں بلا واسطہ روایت کی ہیں۔ امام علی بن المدینی کے حوالہ سے خطیب بغدادی نے اسے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بھی دراست چھ حضرات کو ملی ہے۔ یہ حضرات ہیں: ۱۔ ابن ابی رباح، ۲۔ طلحہ بن زید، ۳۔ طاووس اور ان چھ اکابر کا علم حضرت عمرو بن وینار کو دراست میں ملا ہے۔ (۲)

امرستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

عمر و بن دینار کی اور عمرو بن دینار بصری:

مشہور محدث ملا علی قاری حدیث درجال میں معلوماتی شخصیت ہونے کے باوجود یہاں ایک عظیم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں۔

عمر و بن دینار کی کنیت ابو یحییٰ ہے سالم بن عبد اللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں حماد بن زید
حماد بن سلمہ اور معمر نے ان کے سامنے زائوئے ادب کیا ہے اور محمد ثنین نے ان
کی تصحیف کی ہے۔ (۳)

یہ نقطہ ہے اور بہت بڑا مسئلہ ہے۔ غلط فہمی کا سرچشمہ یہ ہے کہ حاکمی قاری نے امام عمرو بن عبدالمطلب کو دیکھ کر حضرت محمدؐ کو دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے امام کو دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے امام کو دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے امام کو دیکھا۔

عن ابی حنیفۃ عن عمر و بن دینار عن جابر عن زید انہ قال اذا
 حیرت المرأة نفسها فقامت من مجلسها قبل ان تختار فليس بشيء
 حضرت زید فرماتے ہیں کہ جب عورت اپنے لیے اختیار کرے پھر وہ اپنی جگہ سے
 اختیار ملنے سے پہلے کھڑی ہو جائے تو کچھ نہیں ہے۔

مدینہ کے فقہائے سید:

امام ذہبی نے ابوبکر بن عبد الرحمن کو ہی اہل فقہاء السبعہ لکھا ہے (۱)۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ان ہی میں سے ہیں۔ (۲)۔ ان کے متعلق محمد بن یوسف نے ان کے ساتوں کو دو شعروں میں جمع کر دیا ہے۔ (۳)

الاكمل من لا يقتدى بانه فقست هيزي عن الحق خارجه
فحلله عبيد الله عروة فاسم سعيد ابوبكر وسليمان خارجه
ابن العماد حنبلي نے ان کو ہی قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی نے ان ہی اکابر کو ابوبکر کے ساتھ فقہائے سید بتایا ہے۔ فرماتے ہیں

هؤلاء هم الفقهاء السبعة المشهورون في المدينة۔ (۵)

حافظ ابن القيم الجوزی نے مدینہ کے مفتویوں کے تذکرے میں ان اکابر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

هؤلاء هم الفقهاء۔ (۶)

فقہائے سید کے نام پر تو تاریخ میں شہرت کا شرف ان ہی اکابر کو حاصل ہے مگر ان میں سے کئی ایک کی تاریخیں ابھی تک مدینہ کے محققین کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ ان کے حوالے سے رطراز ہے

وبعض الأمور عين بحسبهم عشرة۔ (۷)

لیکن یہ محض اختلاط ہے اور شاید اس اختلاط و التباس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ ابو حنیفہ مدینی نے تصدیق کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینہ کی روایتوں میں مدینہ میں نہیں رہے۔ ان کے متعلق مشہور تاریخی و نسبیاتی قویں ہیں۔ ان کے متعلق قویں قبی اور اس میں یہ فقہاء مدینہ سے چھوڑ کر نکال دیا گیا تھا۔ (۸)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۹ (۲) تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۴ (۳) تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۴

(۴) شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۱۳ (۵) الاحکام فی اصول الاحکام ج ۵ ص ۲۶۸

(۶) تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ (۷) تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۹ (۸) تاریخ المدینہ ج ۱ ص ۹۰

(۸) الاخبار الغوال ص ۳۳۶

حافظ ابن کثیر نے اس مشاورتی کونسل کے ارکان کے نام یہ بتائے ہیں

عروۃ بن الزہرہ ع عید اللہ بن عبد اللہ ع ابوبکر بن عبد الرحمن ع ابوبکر بن سلیمان
سلیمان بن یحییٰ ع قاسم بن محمد ع سالم بن عبد اللہ ع عید اللہ بن محمد ع عید اللہ بن
عامر ع خارجہ بن زید۔ (۱)

ان کا نام پیش پا افتادہ روایات میں مشہور ہے اور مشہور روایوں میں یہ شد و کمالات
کو نہایت کمپاؤ تھا۔ ان کے متعلق ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان سے کہا تھا۔

انہی لا اريد ان اقطع امرا الا بوايكم۔

میں نہیں چاہتا کہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ کروں۔

تاریخ مدینہ میں ان کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کئی ایک نے مدینہ کے نام سے جو مشہور ہوئے ہیں وہ صرف مات ہی ہیں۔

ابن العماد حنبلی نے ان اکابر کو فقہائے سید کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے۔

یہ فقہائے سید ہیں کیونکہ یہ سب ایک ہی دور میں ہوئے ہیں مدینہ میں ان کے
دریختہ حرمات کی پیش رفتیں شد و ثبات ہوئی تھیں۔ ان کے حوالے سے روایات
میں اور فقہائے سید میں بھی ملتا ہے۔ ان کا علم و شہرت میں دو حصہ
نہیں ہے جو فقہائے سید کا ہے۔ (۲)

حافظ ابن کثیر نے ان کی سات روایتوں میں مدینہ میں مہاجر کا یہ بیان کیا ہے
جب وہی مسند درمیں آیا یہ سب ایک ساتھ ہی اس پر غور کرتے اور جب تک دوسرے
ساتھ پیش ہو کر طے نہ ہو جائے تا حد تک اس کی بات کوئی فیصلہ صادر نہ کرتے۔ (۳)

اس دور میں مدینہ کی علمی و تاریخی فقہاء نے اس قدر قوت و قہم کی۔ علم حدیث کا بار بار
دار و مدار ان فقہاء کے ہوا۔ ان میں خارجہ بن زید و یحییٰ بن زکریا و ان کو امام مدینہ کے لقب
احدیث لکھا ہے باقی چھ کا نام سر فہرست ہے۔ امام ذہبی نے ان کو الفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔
مشہور است حدیث، بن مشورہ مہاجر بن بغدادی نے فقہاء سید کو حدیث بتایا ہے فرماتے ہیں۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ (۲) شذرات الذهب ج ۴ ص ۱۰۰ (۳) فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۹

مثلاً علی بن ابی طالب، ابی موسیٰ اشعری، عبداللہ بن مسعود، عباد بن الصامت، ابی ہریرہ، محمد بن النعمان، معاویہ بن ابی سفیان، اور معاذ بن جبلؓ۔ بعد کو ذابھرہ میں تقریباً تین سو سے زائد صحابہ آ گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اکابر جب تک مدینے میں رہے ان کا عمل محبت تھا اور جب تک لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے تو ان کا عمل محبت نہ رہا۔ (۱)

بہر حال زمانہ نبوت سے لے کر خلافت راشدہ تک مدینہ کو علم میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ کے زمانے میں مدینہ کے وفود پر دمشق منتقل ہو جانے پر گو اس کی وہ علمی شان باقی نہ رہی تھی تاہم اس ملک کے زمانے تک مدینے کی علمی رونق برقرار تھی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ در زمانہ ایشیائے ارمین متاخر ترین مدینہ بود و جہاں علماء است۔ (۲)

حافظ ذہبی کے حوالہ سے حافظ شاہ ولی نے لکھا ہے کہ:

مدینہ در لہجہ قرآن میں مہدی بہ میں قرآن و سنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء و سلف جیسے حضرات موجود تھے ورمغیر تابعین کے دور میں بھی قرآن و سنت کا علم تھا۔ عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابی بن کعب، جعفر صادق، مالک، امام باقی قاری، ابو یوسف، سعد سیماں بن داؤد اور اسماعیل بن جعفر سب کے سب مدینی ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

پھر ان کے بعد وہاں علم بہت کم ہو گیا اور بعد ازیں تو بالکل ہی ناپید ہو گیا۔

مدینہ طیبہ میں علم کب ناپید ہوا۔ یہ بھی امام ذہبی کی زبانی سن لیجئے۔

خصوصاً اس وقت جبکہ رافضیوں کی ایک جماعت نے مدینہ میں ڈیرا لگالیا اور مدینہ پر ان کی حکومت ہو گئی۔ (۳)

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔

السنة المتقدمة من اهل المدينة غير من الحديث۔ (۱)

مدینہ کی علمی وسعتوں کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ میں قاضی ابوبکر بن حزم کو جمعہ سن کے کام پر مامور کیا اس وقت مدینہ میں علمی شخصیتیں موجود تھیں جن کے بارے میں امیر المومنین نے خصوصی ہدایات دی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ امیر المومنین نے لکھا تھا کہ وہ عمر بن عبدالرحمن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم ہے اسے قلم بند کر کے روانہ کیا جائے۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

كتب عمرو الى ابن حزم ان يكتب له احاديث عمرة۔

”عمر نے ابوبکر بن حزم کو عمرہ کی احادیث قلم بند کرنے کے لیے لکھا۔“

قاضی ابوبکر بن حزم مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں فقہائے بارے میں جس قدر اس کو علم تھا کسی کو نہ تھا بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔ صرف قاضی ابوبکر نہیں بلکہ ان کے علاوہ مدینہ ہی کے دوسرے اکابر کو بھی عمر بن عبدالعزیز نے یہ کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے یہاں تو میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مدینہ میں علمی وسعتوں کی وجہ سے عمر نے یہ حکم روانہ کیا تھا۔ بہر حال امام اعظم کے زمانہ طائب علمی تک مدینہ کا علمی جہاں مانا ہوا تھا اور امام اعظم کو فقہاء و سلف کی علمی بہاروں سے مستمع ہونے کا موقع ملا ہے کیونکہ فقہائے سلف میں سے قاسم بن محمد کی وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی اور امام اعظم نے جنوں کا سلسلہ ۹۶ھ سے شروع کیا ہے۔ واضح رہے کہ امیر المومنین عمر نے تدوین حدیث کے لیے سرکلر ۱۰۰ھ میں جاری کیا تھا اور امام اعظم نے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے اسرار علمی کا آغاز ۱۰۵ھ میں کیا تھا۔

امام مالک کو مدینے کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ

مستقل حجت ہے حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مدینہ اسلامی آبادیوں

(۱) بحوالہ ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶ (۲) مصلیٰ ثلث موطا ج ۱ ص ۷ (۳) اعلان بالتوحید ص ۱۳۶

زیارت کا مسنون طریق یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آؤ قبلہ کی جانب سے اور پشت قبہ کی طرف کر کے چہرہ قبر کی طرف کرو اور یوں کہو اسلام علیک۔ ارح۔

مشہور محدث علی بن قاری لکھتے ہیں۔

اعظم ان ريار فريد المرسلين باجماع المسلمين من اعظم القربات
والفصل الطاعات والصح الساعي ليل الدرجات قربة من درجة
الواجبات لمن له سعة وتركه غفلة وجوهة كبيرة (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مسلمانوں کے متفقہ فیض کے مطابق بہت بڑی قربت برسرِ گرین طاعت حصول درجات کی بہترین کوشش ہے بشریہ س کی محتاجش ہوا سے چھوڑنا غفلت ہے۔

بہر حال امام اعظمؒ حج کے موقع پر مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اور امام مالک سے بھی ملاقات آپ کی ہوتی چنانچہ انقدر اس کا کمال کہ امام مالک میں ہے کہ جب امام اعظمؒ سے مدینہ کی علمی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بستی میں علم پھیل دیا کھرا ہوا دیکھ ہے اگر اسے کوئی سینے کا تو یہ سرخ و سپید رنگ کا لڑکا ہے یعنی امام مالک۔ (۲)

اس بستی میں جس میں علم پھیلا ہوا ہے امام اعظمؒ نے جن مشائخ حدیث لے سائے زانوئے ادب کیا ہے ان کی تفصیل تو اربابِ شہور ہے لیکن میں یہاں بطور نگار چند گرامی قدر ہستیوں کا تعارف بذریعہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ اندازہ کرنے والے اندازہ کر سکیں۔

الحافظ ابو عبد اللہ نافع الحدیثؒ:

آپ علم حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت امام ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ اور آپ کے سامنے التفات السبلۃ، الاراسۃ لاحداث، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام یوسف بن سعدؒ، قاضی ابو بکر بن

حزم اور امام زہری نے زانوئے ادب کیا ہے (۱)۔ حافظ عسقلانی نے آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ (۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی پورے تیس سال خدمت کی ہے۔ (۳) حضرت عبد اللہ امام نافع کو اپنے لیے اللہ سبحانہ کا انعام فرماتے تھے۔ (۴) ان کی عمر میں جدت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز نے اپنے زمانہ حکومت میں سنن کی تعلیم کے لیے سرکاری طور پر مقرر داند کیا تھا۔ (۵) سید الحفاظ امام یحییٰ بن معین سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک نافع من ابن عمر اور سالم من ابن عمر کون سا طریق درہا ہے؟ تو آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی راجح نہ بتایا۔ (۶) حافظ ابن الصلاح اور حاکم کے حوالہ سے حافظ محمد بن ابراہیم اوزیری نے امام بخاری کے حلق تو تنقیح الافکار میں حتماً یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری کی رائے ہے کہ جس قدر اسانید موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح وہ سند سند ہے جو بخاری امام مالک از نافع ر عبد اللہ بن عمر آتا ہے بلکہ علامہ محمد بن اسماعیل الیہانی نے توضیح الافکار میں حافظ ابن الصلاح کی بیان فرمودہ قید اصح اسانید کلبا سے یہ بات پیدا کر لی ہے کہ ”کل مسد فی الدنیا“ یعنی دنیا میں جس قدر روایاتی اور تاریخی سلاسل موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ معتبر نافع از ابن عمر ہے۔ حافظ ابی نے یونس بن یزید کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام نافع کو امام زہری سے یہ شکایت تھی کہ زہری بھی عجیب شخص ہیں میرے پاس آتے ہیں اور بحوالہ اس عمر مجھ سے احادیث سنتے ہیں اور یہاں سے سالم ابن عمر کے پاس جاتے ہیں اور ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ نے اپنے والد سے یہ بات سنی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہاں۔ ان سے تصدیق کے بعد میری بیان کردہ حدیثوں کو ان کے نام سے پیش کرتے ہیں اور مجھے درمیان سے حذف کر دیتے ہیں۔ (۷) امام غزالی فرماتے ہیں نافع از ابن عمر میں سے ہیں ان کی امامت پر اتفاق ہے۔ (۸) ازہر سے کے علاوہ امام مالک نے منوط میں امام محمد نے کتاب آثار میں اور قاضی ابو یوسف نے ان سے روایات کی تخریج کی ہے۔

(۱) اسحاق السبہاء ص ۲۹ (۲) تہذیب بن ۱۱ ص ۳۲ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳

(۴) تہذیب بن ۱۱ ص ۳۲ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴ (۶) تہذیب المعجزات ج ۱ ص ۳۳

(۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴ (۸) تہذیب المعجزات ج ۱ ص ۱۰

عن ابی حنیفۃ عن مالک عن بن عمر قال یقل المحرم العارۃ والعفرب
والحدادۃ والکلب العفرب والحیات الالجان۔ (۱)

انہں نے کہتے ہیں کہ "محرم" چوئے کچھ چیزیں ہیں کہ کتے اور سانپوں کو علاوہ سب کے مار سکتا ہے۔

امام محمد نے کتاب الاطعمہ میں یہ روایت درج کر کے لکھا ہے کہ وہ سب بدو اور
قول اسی حسیفہ در صوف میں بھی امام موصوف سے یہ روایت خواہاں تک من نافع لہاظ
میں پیش کی ہے۔

عن انس عمر بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس من
الدواب لیس علی المحرم فی قتلہن جناح والعراب والعارۃ والعفرب
والحدادۃ والکلب العفرب (۲)

یہ روایت بالکل اس ہی الفاظ سے ساتھ روایت کی موطا امام مالک میں بھی
موجود ہے اور امام بخاری نے اپنی تصنیف میں یہ روایت کا بحوالہ مالک عن ثمالی صرف اس قدر
صرح پیش فرمایا ہے۔

خمس من الدواب لیس علی المحرم فی قتلہن جناح۔

اور بخاری نے اس میں شہاب الدین رحمہ اللہ روایت نقل کی ہے اور چچا اسی کی تائید میں
امام محمد بن شہاب رحمہ اللہ سے اس روایت سے بھی یہی حدیث سن طریق نقل کی ہے۔

خمس من الدواب کلہن فاسق یقتلن فی الحرم۔

روایت میں راویوں کا تعبیری اختلاف:

یہاں عموماً یہ حاشیہ محسوس کی جاتی ہے کہ اس الفاظ میں محدثین کی معروف کتابوں
میں روایات ملتی ہیں امام محمد بن روایت میں وہ الفاظ نہیں جاتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ
اتفاق کو دیکھتے ہیں تو یہ ثابت جاتے ہیں اور ان میں اختلاف کی بات ثابت کی ہے اور تعبیر جامد بیان
کرنے والوں کو اپنا اپنا ہے۔ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ

میں دس محرموں سے حدیث سن کر بہت بات ایک ہوتی مگر مکرر الفاظ مختلف ہوتے تھے
المعنی واحده و اللفظ مختلف۔ (۱)

حافظ ذہبی نے سفیان ثوری جیسے امام محدثین کا قول نقل کیا ہے کہ
ہم اس کا ارادہ کریں کہ جس طرح ہم نے حدیث سنی ہے بھینہ وہی تم کو سنادیں تو
شاید ہم ایک حدیث بھی بیان نہ کر سکیں۔ (۲)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کی حدیث میں روایت نقلی نہیں
ہے بلکہ معنی شیخ کے ہیں اور الفاظ اس کے۔ ابو حاتم جیسا امام تصریح کرتا ہے میں نے کسی محدث
کو نہیں دیکھا کہ وہ حدیث کو یک لفظ میں ادا کرتا ہو جو قبیرہ کے۔ حافظ جلال الدین سیوطی
فرماتے ہیں۔

وذلك مآثر حدیث و اسما یوحی فی الاحادیث القصار علی لغة ایضا
فان غالب الاحادیث روی بالمعنی (۳)

روایت باللفظ سے بالکل نادر ہے۔ چھوٹی چھوٹی حدیثوں میں یہی بہت کم ہے
احادیث کا زیادہ حصہ روایت بالمعنی پر مشتمل ہے۔

شاید اسی بنا پر حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمائے۔

کناں اهتمام حمہور الرواف عبدالرواف بالمعنی بروس المعانی دون
الاعتبارات التی بعد لہا المعفون۔ (۴)

عام راوی روایت بالمعنی کے وقت میں صرف معانی کا اہتمام کرتے تھے۔ ان
حیثیات کو پیش نظر نہ رکھتے جن کو متفق پسند ملحوظ رکھتے ہیں۔

اور اسی لیے روایات سے استدلال کرتے وقت صرف بدلوں کا کام پر نظر ہوتی ہے
اسلوب کلام سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

فاستدلوا لهم بحواله النقاء والواو والتقديم و تاحير هاتين الحالتين من التعقيد (۱)

اس لیے حدیث میں فاواو حرف کی تقدیم و تاخیر اور اس قسم کی چیزوں سے استدلال کرنا مبرا ترقی ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ محدثین جب روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بقول حافظ سیوطی احادیث کا زیادہ ذخیرہ روایت بالمعنی ہی کی حیثیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں الفاظ سے اختلاف سے بدک کر کسی حدیث کا انکار کرنا فن حدیث کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ محدثین کے یہاں جن روایات کو مرفوع کہا جاتا ہے وہ سب فقہاء کے یہاں سنن اور قوی کی شکل میں موجود تھیں۔ عین الامت شاہ ولی اللہ نے یہ بات لکھ کر سمجھنے والوں کے لیے کچھ اس طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ

اصل مدعہ فتاویٰ عبد اللہ بن مسعود و فصاها علي و فتاواه و قصاها شريح۔ (۲)

ابو حنیفہ کے مذہب کی اساس عہدہ کے فتویٰ اور حضرت علی کے فیصلے ہیں۔

احادیث فقہ اور روایات حدیث:

اسی بتایا محمد بن سہاب کا کہنا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ (۳) یعنی فقہ کے وہ سارے مسائل جو امام صاحب کے شاگردوں نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں ان سب کا مقام فتویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے روایات حدیث کا ہے اور ان کا نام حدیث فقہ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ازلیہ الخلفاء میں جس فقرہ کا پتہ دیا ہے کہ اس میں قاروق ماحی بن ابی طالب اور ابن مسعود کی روایات صحیحہ دون ہیں وہ فقہ کے سوا اور کون سا ہے بلکہ قرۃ العینین میں شاہ صاحب نے جو یہ بات لکھ دی ہے کہ

قرآن عظیم کے بعد اصل دین اور سرمایہ یقین علم حدیث ہے جیسا کہ خود قرآن میں ہے و يعلمہم الکتاب والحکمۃ و رحم حدیث جو کچھ بھی امت کے پاس موجود

ہے یہ ابو بکر و عمر کی گفتگو کا نتیجہ ہے یعنی جس جن برہمگوں نے ان دونوں سے حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے نام سے روایات بیان کی ہیں وہ صرف اسی قدر نہیں بلکہ وہ یہ ہے کہ مسلمانین کی بیشتر احادیث مرفوعہ ابو بکر و عمر کی حدیثیں ہیں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابو یوسف نے ان کی بیان کردہ روایات و مرفوعہ پیش کیا ہے و اہل مسند نے ان کے حال سے پیش نظر ان برہمگوں کے مسابہ میں منع کر دی ہیں۔ یہ بات فن حدیث کے ماہر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (۱)

تو اس سے بھی سبکی معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث دراصل ان برہمگوں کے فتویٰ ہیں۔ احادیث فقہ اور روایات حدیث کے فرق پر یہاں بحث کرنا مقصود نہیں ہے صرف یہ بتانا ہے کہ روایات فقہ اپنے مصنفین سے متواتر ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے۔ (۲) تو پھر احادیث فقہ و احادیث حدیث میں بہت زیادہ فرق و قسطنطین ہیں کیونکہ فقہ کے نام پر جو کچھ ہے وہ امام اعظم کا خود ساختہ نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو کچھ مرفوعہ بنا اور حضرت

(۱) قرۃ العینین ص ۵۵ (۲) مسانن ابن عمر سے قد سفل دانک سائر اصحابہ و ہم حلل کثیر بسفلیوں مدعہ بالتواتر (ن ۴ ۵۷) امام اعظم سے مسائل فقہ بتواتر منقول ہیں حافظ ابن تیمیہ نے فی الفقہ ص ۱۰۱ میں بیان کیا ہے کہ کتب فقہ و کتب حدیث میں فرق ہے اور اس بارے میں بھی اور ایسی ہی ہوئیں ہیں کہ روایات فقہ بالکل صحیح ہیں (تاریخ ابن تیمیہ ص ۵۸) اسکا اور اسحق اخذای فرماتے ہیں۔ معتقد تاجوں سے نقل کرنا درست اور اس پر ایمان رکھنے کے لیے ان کے مصنفین تک اتصال مد شرط نہیں ہے خود یہ کتابیں حدیث و سنن یا فقہی (تاریخ ص ۸۵) اسی بنا پر مدعہ سے متعلق و سے زیادہ قوی اور معتبر روایات حدیث میں برائے اور یہ فرماتے ہیں۔ اعلمہ ان القوی السیر میں ما ارسلہ العلماء من احادیث ہذا النکت بوریہ مکی محدث اصحبت لامہ علی حور۔ ص ۱۰۰ فی النکت الصحیحة الی اعلمہ بعد سماعہا و یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس معاملہ میں حدیث و سنن کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے لافوق لیس ذکرہ من علمہ الحدیث و میں سائر علماء الاملاء مصنفات العلماء الاعلام (الروض الباسم ص ۱۶-۱۷) (۳) باقی صفحہ ۳۳۲ پر

سند کہتے ہیں۔ فیصل بن عیاض منصور بن ابی ایوب علقمہ بن عبد اللہ بن مسعود مقرر کرتے ہیں اور امام بخاری کے مشہور استاد عبد اللہ بن ابی بکر سفیان بن منصور بن ابی ایوب علقمہ بن عبد اللہ کی سند واقعی پایدار اور صحیح قرار دیتے ہیں اس طریق سے روایت کا آنا گویا ذات نبوت سے سننے کے مترادف ہے اور بھی علماء کے اس موضوع پر خیالات ہیں۔ (۱)

ایک لطیف نکتہ:

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میرے اہل بیت میں عمر بن عبد العزیز نے تدوین سنن کے کام پر رہائی کو بھی مقرر کیا تھا اس کی وجہ خود امام زہری کے بیان سے معلوم ہوتی ہے جو حافظ ابنی نے ان کے حوالے سے لکھا ہے کہ مجھے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تم کو علم کا دینا چاہتا ہوں کیا میں تم کو علم کا مزارعہ دے دوں؟ ان نے فرمایا کہ ہاں۔ فرمایا کہ پھر عمرہ بنت عبد القیس کے پاس جاؤ کیونکہ یہ حضرات عائشہ کی غوش میں پرورش پائی ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں میں نے ان کو علم کا دریائے ناپید اکتارہ پایا ہے۔ (۲)

عمرہ بنت عبد القیس اور قاسم بن محمد یہ دونوں حضرات عائشہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

قاسم بن محمد کی شان علمی:

قاسم بن محمد تو حضرت عائشہ کے برادر زادے اور فقہائے سیدہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے ان کے متعلق تصریح کی ہے۔

قتل ابوہ لربہ بنیما فی حجر عائشہ ففقه بها۔ (۳)

ان کے والد قتل ہوئے۔ انہوں نے قیمی کا حجر حضرت عائشہ کی آغوش میں گزارا

اور ان سے علم حاصل کیا۔

قاسم بن محمد مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بڑے عالم شمار کیے جاتے ہیں امام بخاری

میں سعید بخاری نے اپنی در اس دور کے دوسرے علماء کا ان کے بارے میں یہ تاثر بتایا ہے کہ

ہم نے اپنے زمانے میں مدینہ میں علم حاصل میں قاسم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور فقیہ حضرت ابوالزنادان کے متعلق فرماتے تھے۔

میں نے کسی نوجوان کو فقہ و سنت کا اتنا بڑا عالم اور اپنی طور پر نکتہ رس نہیں پایا جتنے قاسم بن محمد کو۔

خالد بن خازم اور ابن عیینہ کا متفقہ بیان ہے کہ

دنیا میں حدیث عائشہ کے سب سے بڑے عالم تین ہیں۔ قاسم عروہ اور عمرہ۔

امام ابن کثیر نے مشہور امام احمد بن حنبلہ سے یہ بیان اور جن کو حضرت قاسم سے

شرف کلمہ حاصل ہے اور جس کے بارے میں عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں پورے عراق میں من سے زیادہ (انائے سنت کوئی نہ تھا) وہ اپنے استاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

تمن آدمی ایسے ہیں کہ مجھے ان جیسا کوئی نہیں ملا۔ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے اکٹھے ہو کر علم افضل کو سینہ ہے عقیق میں ابن سیرین حجاز میں قاسم بن محمد اور

شام میں رجاہ بن حیوہ۔

حافظ بوخیم صفہانی نے حلیۃ دیار میں شہداء قاضیہ باعظم کا عنوان قائم کرتے ان

کی علمی حیثیت کے بارے میں ان کے معاصرین کے جواہر نقل کیے ہیں ان کو کچھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علوم میں قاسم بن محمد کو صرف فضل و وسعت حاصل نہ تھا بلکہ سند بھی نہ ان کو

خاص مجتہدانہ شان سے بھی نوازا تھا۔ الذہبی نے ابن عیینہ کی طرف نسبت کر کے ان کے متعلق

جوابات لکھی ہے کہ کان القاسم اعلم اہل زمانہ۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دور کی بے مثال علمی شخصیت تھے ان کی حیثیت کا اندازہ خود ان کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ

زمانہ بویز و عمری سے عائشہ مسند قائم پر حاضر تھیں میں ان کے پاس ہی رہا۔

عبد اللہ بن عباس سے میں نے استفادہ کیا ابن عمر اور ابو ہریرہ کے علوم سے بہت

زیادہ سہرا پاب ہوا ہوں۔ (۱)

الغرض ان کی علمی جلالت اور شان امامت پر سب یک زبان ہیں۔

اور یہی کتاب ہی آج ۳۵۰ میں دیں۔ موصوفی نے مختلف شواہد سے یہ مرثعات ثابت کر دیے ہیں۔
یہاں تک کہ حلیہ پر غور و تدبیر کے بعد انھوں نے ان کو ایسا ہی ثابت کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے انھیں
مختلف حدیث کا بھی ایک طویل تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے صرف حدیث کے نام لکھے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

پھر سے میں حضرت ہمامی شریف، حضرت عمران بن حصیل، حضرت ابن عباس اور متعدد صحابہ آ کر فردوس ہوئے ان میں سب سے آخری حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ان کے بعد حسن بصری، ابن سیرین، ابو حنیہ، محمد بن ابی بکر، یونس بن عیینہ، محمد بن سلیمان، ابن زید اور ان کے تلامذہ ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی نے لکھا ہے۔

مازلں ہندوستان والہر الی راس لعمانہ لثالثہ ونافص حدالی ان ملائی۔ (۱)
 بصرہ میں حدیث کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ ذہبی نے تمام ابن کثیر بصرہ کے
 حافظ ابن الدینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

کان عند یحییٰ بن عمر بن حسن حماد عشرة الاف حديث۔ (۲)
 مصر۔ میں محدثین کی اس قدر روانی تھی کہ مسند وقت حماد سلمیٰ بن ہریمہ بصری
 کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے حدیثیں تمہ بند میں اور جدا کاٹیں جو ہم سے سے اس
 میل سے تر کر نہیں گیا۔ (۳) امیر مجتہدین میں سے امام حسن بصریؒ کے رہنے والے ہیں جن
 کے متعلق ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امام غفر صادق سے سنا ہے کہ عراق میں حسن بصریؒ
 جبراً دلی نہیں ہے۔ (۴) اور امام ابی بکر محمد بن زین عظمیٰؒ ایسا کہ امام ہیں بصریؒ
 رہنے والے ہیں اور جن کے پاس امام اعظمؒ کے پاس ایک خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے
 لیے اپنے ایک دوست کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

(۱) الاعلان بالتبليغ بحوالہ الامصار ذوات الانصار
(۲) تذکرۃ الخطاط ترجمہ مسلم بن ابراہیم
(۳) تذکرۃ الخطاط ترجمہ حواد بن سلمہ
(۴) کتاب الآثار ص ۴۰۹

خود امام مالک امام ابو حنیفہ و احمد اکرام کرتے تھے اور اکرام سے یہ بھی کرتے تھے کہ عمر میں بڑے تھے بلکہ اس سے کہ امام مالک کو امام اعظم کی نقابست و درجہ امتیاز کا اقرار تھا اور تھا اقرار تھا کہ آپ علی میں امام اعظم کے کردار کی کاپی کو اپنے یہ فراموش کرتے تھے چنانچہ امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ

میں مدینہ میں امام مالک سے ملانے میں نے دریافت کیا کہ یہ بات ہے کہ آپ اپنی پیشانی سے پیو پو پھتے ہیں۔ فرمایا کہ ابو حنیفہ کے سامنے عرق آتا رہتا ہوں کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔ امام لیث کہتے ہیں کہ بعد ازیں میں امام ابو حنیفہ سے پاس گیا میں نے ان سے عرض کیا کہ امام مالک کی نظر میں آپ کا مقام بہت مد سے امام اعظم نے فرمایا کہ میں نے سچے اور کھ سے جواب میں مالک سے زیادہ تیز اور کھرا کوئی نہیں دیکھا۔ (۱)

الغرض امام مالک امام اعظم کے استاد نہیں چنانچہ حافظ جمال الدین امری نے تہذیب اہلس میں اور امام دہلی نے اپنی تصانیف میں امام اعظم کے مشائخ میں امام مالک کا نام نہ لیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حافظ عبد القادر قرشی نے الجوہر المنیہ میں علامہ نور دینی نے جامع المسید میں اور حافظ ابن حجر نے امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ حضرت امام شافعی نے عبد العزیز بن محمد راودانی سے یہ انکشاف کیا ہے کہ

كان مالك ينظر في كتب أبي حنيفة وينتفع به. (٢)

”امام مالک امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ فرماتے۔“

بقیہ

مشہور اسلامی شہ جو تیسری صدی تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ رہا اور وسعت علم
نشاط حدیث اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے اس کا ایک امتیازی مقام تھا۔ امام حاتم
معرفة علوم الحدیث میں بحرے کے اندر سکونت اختیار کرنے والے ہی بہ کی ایک فہرست دی ہے

(۲) تو مریکے

(۱) اتحادیت سے مراد

لہ اور حلاً الروم للآخر من اسی حبیۃ قدہ علیا بحیی بن سعید و هشام بن عروہ و سعید بن ابی عروہ فقال لنا ابو حبیۃ انظروا التحلون عند هؤلاء حیثا لستم۔

میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث سے وابستہ کوئی نہیں دیکھا ہے ایک بار کوہ میں یحیی بن سعید ہشام بن عروہ اور سعید بن عروہ تشریف لائے تو ہم سے امام صاحب سے فرمایا انھوں نے نصرت کے پاس کوئی حدیث ایسی سے جو ہم نہیں۔ (۱) اس کا مفہوم اس کے سوا دیکھا ہے کہ اگرچہ مستقل طور پر آپ تکمیل حدیث بصرہ مذہب اور وفاء کے ساتھ دوسرے چلے گئے تھے مگر تکمیل کے بعد مسند میں پر جلد و فرور ہوئے تھے یمن کا وکلاء اور شیوخ حدیث سے بھی استفادہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ممکن ہے ان کے علمی سرمایہ میں وہ چیز ایسی ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو امام اشعر بن محمد نے جو امام تیار ہیں اس سے ادا رہا ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تلاش و جستجو ان ساتھ وفاء حدیث تک ہوتی تھی جو وفاء روایت اور جمع حدیث میں ممالک اسلامیہ کے اندر شہرت علمی کے مدارج طے کر چکے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ حافظ عبدالحزیز بن ابی رزمہ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جو حافظ (۲) حدیثی نے داؤد بن ابی العوام کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

عبدالحزیز بن ابی رزمہ سے ایک بار امام ابو حنیفہ نے علم کا تذکرہ چھینا اور اسی سلسلے

(۱) اجوبہ المسئلی لشیخ محمد تقی ج ۲ ص ۱۸۳ (۲) پر امام ابو عبد اللہ حدیثی بخاری سے اقتدا کر کے جمع کیا ہے امام ابو حنیفہ سے ان تین ائمہوں نے اپنے والد ماجد امام ابو حنیفہ سے جو امام محمد سے شرف ہیں۔ علم حدیث کے لیے آپ نے حراس عراق اور حجاز کے مکتبہ شمس کا سفر کیا تھا اور بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سعدی نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ حراس عراق اور حجاز کے راستہ سے علم حاصل کیا۔ حافظ عینی فرماتے ہیں کہ ستار کے قب سے مشہور ہیں اور علم حدیث میں معرفت کے مالک ہیں۔ سعدی نے مسلمان الحدیث لکھا ہے۔ حافظ ابی نے قاسم بن صنف کے ترجمہ میں اس کا تذکرہ انھوں میں کیا ہے ماوا السنہ کے جامع حدیثی امام ابو محمد عبد اللہ حوالہ تیار کے قب سے مشہور ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۳۳۵ھ ہے۔

میں یہ بھی بتایا کہ ایک بار کوہ میں محدث آئے تو امام ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے فرماتے کہ انھوں نے ان کے پاس حدیث میں وہی ایسی چیز سے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ عبدالحزیز فرماتے ہیں دوبارہ ایک اور محدث انار سے پاس آئے آپ نے پھر اپنے اصحاب سے یہی فرمایا۔ (۱)

حافظ ابن ابی العوام قاضی مصر نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے امام اعظم کی دستور یہ کا ضابطہ یہ بتایا ہے کہ

امام اعظم کے سامنے جب وہی بھی مسند ایش آتا تو اپنے اصحاب سے سب سے پہلے یہ فرماتے تھا اس موضوع پر احادیث و آثار کیا کہتی ہیں۔ (۲)

ان تصدیقات سے ایک معقول فہم آتا ہے کہ امام اعظم نے امام صاحب سے حدیث کے اور سرمایہ و تاریخ مسند کے فقیرانہ شان دینے کے مالک تھے بدینہ مستحق پر فائز ہونے اور باوجود تمام علمی پندہ یوں کے آپ رشادات کے حویار رہتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو ہر نوادر محدث کے علوم سے خوش چینی کی تربیت فرماتے تھے اور اس دعوے کے ساتھ فرماتے کہ انھوں نے ان کے پاس کوئی حدیث ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ اس سے اس طلب دستور کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو قدرت کی امتیازات سے امام صاحب میں وہیت فرمانی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات آبروی و اپنے زمانے میں تمام احادیث کے لیے جس کا تعلق اہل علم و فقہ و رجسٹر سے مرزوی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ مشہور مورخ حمید بغدادی حافظ اسرائیل بن یونس کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

نعم الرجل نعمان ما کان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ۔ (۳)

گویا وقت کے حافظ حدیث اس معاش میں امام اعظم کے علمی حوالہ ۵۰۰۵۰۵ تھے اور صف اسرائیل بن یونس کی نہیں جلد یکا کے درجے کے امام صاحب کے بارے میں یہی تاثر رکھتے تھے حافظ محمد بن یوسف صاحب شافعی موصوف السیرۃ مہری اپنی مشہور کتاب فتوح الجہان میں رقمطراز ہیں۔

حدیث سے مشہور ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ حافظ صاحب حدیث یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات صحیح ہیں اور مستند ہیں۔ روایتِ قویٰ ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ مستند ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ قویٰ ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔

ابن ماجہ میں بھی یہی حکم ہے کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ قویٰ ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ مستند ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ قویٰ ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔

صاحبِ نوٹ فرماتے ہیں کہ مستند روایتِ جمہور ہے کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ روایتِ قویٰ ہے کہ محمدؐ میں یہی حکم تھا کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔

اختلافِ عصر و زمان:

اگرچہ ہماری رائے میں یہ مسئلہ اختلافِ عصر و زمان سے تعلق رکھتا ہے جن کے زمانے میں مؤثر ہے۔ میں حدیثِ غالب ہے کہ مستند روایت و قبول کرتے ہیں۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے امامِ اعظمؒ کے دور کے بارے میں لکھا ہے۔

ولاشک ان الغالب علی جمیعہ اعمہ السوی فی ذلک الزمان لعدالہ اسی لیے موصوف نے الخصائص المرضیہ الہامیہ اور تنقیح الاظہار میں اور اصغر بن ابراہیم نے تہذیب الفقہ میں سے یہی روایت واصل کی ہے۔ تاہم اس کے ساتھ میں یہ بھی یہ صواب ہے کہ اس مسئلہ میں اس کا یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ اصل ہے یا نہیں؟ اور اگر عدل ہی اصل ہے تو پھر عدالت کا کیا ہے؟

حافظ ابن تیمیہؒ نے عدالت کو بھی اختلافِ عصر و زمان کا مسئلہ قرار دیا ہے جیسا کہ الجوزیری نے ان سے نقل کیا ہے۔ ان کا پہلا فقرہ ہی یہ ہے۔

العدل فی کل زمان ومکان وقوم بحسبہ۔
الغرض یہ موضوع بڑا عظیم ہے۔ جو سو فی صد اتفاق ہے کہ ان کے یہ عدالت شرط ہے اور عام روایت ہے۔ امامِ اعظمؒ میں سے کہ ان کے عدالت عام نہ ہوں میں بعد ان بات یہی ہے کہ ان کے دور سے تعلق تھا جس میں عدالت غالب ہو تو اس کی روایت قابلِ اعتماد ہوگی۔ فقہ الاسلام لکھتے ہیں۔

لان العدالة اصل فی ذلک الزمان۔ (۱)
امامِ اعظمؒ کا زمانہ عدالت کا زمانہ ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری فرماتے ہیں۔

یہ یہ بے غبار حقیقت ہے کہ امامِ اعظمؒ میں روایوں پر عدالت غالب تھی اور اس کی شہادت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ثبات تھی۔ حصار القرون قونی ثم اللہین بلوہم ثم اللہین بلوہم۔ (۲)

امامِ اعظمؒ کی ضعفاء سے روایت ان کی تعدیل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امامِ اعظمؒ کی حدیث صحیحہ تھی تو ضعیف ہی پر عمل کرتے تھے اور اپنے مسند میں بھی اس قسم کی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ امامِ موصوف کا یہ طرزِ عمل حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ ثابتِ نقیض کی وجہ سے ہے۔ حافظ ابن مندو فرماتے ہیں کہ امامِ ابو داؤد کو حسبِ مسند میں کوئی صحیح حدیث تھی تو ضعیف روایوں سے روایت دیتے تھے (الروض الہامی)۔ ان محدثین کا یہ طرزِ عمل اس بات کی عملی شہادت ہے کہ ضعیف روایوں سے روایت لینا علمِ حدیث سے ناواقف ہونے کی نہیں بلکہ فہم کی علامت ہے جس حدیث کو یہ ظاہر روایت کرتے ہیں جن سے روایوں کو ضعیف کہا جاتا ہے۔ یہ روایتِ غالب اور قاضی نہیں ہیں اور ان کی روایت کا وجہ داخل موضوع ناقص اور مترہک کا ہے۔

ضعیف روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

بہت کم روایات میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور راوی اسید بن الحمال ہیں۔ ان سے امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ایک حدیث روایت کی ہے مگر اس کا حال یہ ہے کہ سنی متون میں اسے نہیں لکھا ہے۔
 ان پر جمہوری حدیثیں بنائے کی بہت گائی ہے۔ حافظ ابن حبان کا دعویٰ ہے کہ یہ نہ صرف منکر روایات بلکہ حدیث کی چوری بھی کرتا ہے حتیٰ کہ مقدمہ میں صاف اسے حدیثی سے صاف لکھ دیا ہے کہ

لم ار لاحد ثوباً۔ (۱)

امام مسلم اپنی تصحیح میں یحییٰ بن سعید جبہ ضعیف راویوں سے حدیث لے لے ہیں۔
 اس پر یہ کونی قتل مند امام بخاری اور امام مسلمہ حدیث سے لے کر دورنا شاہ کی کہہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ انصاف۔ انصاف۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں مقبول روایات سے روایت کرنے والے کو ہرگز حدیث میں مقبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔

امام اعظم کے بعد اوقات روایات میں سب کا رد شدہ، مگر وہاں سے روایت ہوتی ہے۔
 اس مسئلہ پر قاضی محمد زکریا قزوینی سے ثابت ہے۔ اس کا رد وہاں سے ہے۔
 روایات میں جو روایات پیش فرمائی ہیں۔ ایک طرف اس کا رد وہاں سے ہے۔ چنانچہ
 امام موصوفی نے بعد میں اس کی تخریق دینی کی روایت سے استدلال کیا
 ہے۔ حافظ ابن عساکر نے ترمذی میں رقم کیا ہے کہ یہ روایت کا رد وہاں سے ہے۔
 ایک ہی عام شہد سے جو حدیث سے قتل کے واسطے بی حیثیت سے روایت کی ہے
 وہ حدیث موصوفی سے جو اس کی بی حیثیت ہے۔ یہاں سے کہ اس کی روایت کے
 وقت میں مجھے کچھ نہ تھے۔ حدیث میں یہ روایت۔ امام سفیان ثوری نے بعض
 روایت کے واسطے میں یہ فیصلہ یا قتل کے واسطے روایت نہ کی۔ اور جب اس
 سے پہلے کیا کہ اس سے روایت سے روایت دیتے ہیں۔ یہاں میں اس کی روایت کی
 اس سے روایت دیتا ہوں اس سے میں خود واقف ہوں۔ اور مسند میں کچھ کوئی نہ
 دیکھتے وہ کا وہاں سے اس کی طرح سند و پھوڑ سے روایت دیتے ہیں۔
 یہ اس بات کا حوالہ دیتے ہیں کہ ہم حدیث کے فن کاروں کا ضلعا سے روایت لینا
 نا آشنائے فن ہونے کی نہیں بلکہ امام فن ہونے کی علامت ہے۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ جو حدیث میں میرا پروردگار کا نام آتا ہے۔ فن قرار دیتے ہیں۔ وہ خود
 ہم حدیث کی تائید سے آتش میں گھس گھس دیتی، قوت دیتی، قوت کی زبان قلم پر ہی غیر
 اور ان کے ذہن سے آتش میں گھس گھس دیتی، قوت دیتی، قوت کی زبان قلم پر ہی غیر
 امام اعظم اس فن کے مشہور محدث ہیں۔ تھے صرف اتنی بات ہے کہ علم سید
 اس سے بعد آپ نے اس میں پہلے بھی قوت نہ تھی اور آخر میں حافظ میں
 قوت نہ رہی۔ امام اعظم کی مصیبت میں ہے اس میں اور سے وہ بھی امام
 اعظم سے شریک ہیں یہ نہ کوئی مصیبت ہے اور اس کی شان حجتا اور محمد تانہ۔ تو یہ
 قوت نہ تھی۔ امام ابن عساکر کی وقت۔ وہاں سے اور امام عطاء کے مقابل میں

عید میں مسیب محمد بن یونس۔ یہ قاضی کی حدیثیں یا حدیثیں ہیں جن میں
 یہ مطلب کہ ہے۔ ان کے واسطے امام محمد بن یونس سے امام اعظم کی روایت پر
 جن حدیثیں کے واسطے اس کا رد ہے۔ اس کا رد ہے۔ ان کی حدیثیں ہیں کہ یہ
 ان کے علم حدیث اور اجتہاد پر حرف گیری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے
 کہ امام ابو حنیفہ کے وقت میں اس کا رد تھا۔ (۱) میں صرف حافظوں
 قوت نہ رہی۔ مصیبت سے وہ بھی تھکی۔ ان کی حدیثیں ہیں کہ یہ
 ہر روایت سے زیادہ حافظ حدیث کون ہو گا لیکن صحابہ میں اعلم افتد اور افضل حضرت
 ابو ہریرہ نہ تھے۔ (۲)

حافظ حافظ ابن عساکر سے اس حدیث میں یہ مفید، اور نہ نصیحت بھی
 ہے۔ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ قاضی میں یا مقدار عظمت وہ یہ
 بے شک حافظ حدیث ہیں اور تمام امت میں علی الاطلاق حافظ ہیں حدیث کو جیسے سنا
 بیان کر دیا ان کی ساری تک وہ دو کام کر صرف حفظ روایات تھا۔ بر خلاف حضرت ابن
 عباس کے کہ ان کی تمام تر ہمت حفظ اور استنباط مسائل پر مرکوز تھی۔ (۳)

(۱) اس سے حافظ ابن عساکر سے اس حدیث میں یہ مفید، اور نہ نصیحت بھی
 قوت نہ تھی اس پر ہے۔ موصوفی کی تحقیق میں امام اعظم کے واسطے اس سے زیادہ پوری ہے
 چنانچہ جیسے حافظ ابن عساکر نے امام محمد بن یونس سے امام اعظم کی روایت کی وہ ان
 روایت کے خلاف ہے۔ اس سے قوت نہیں ملتی کہ اس کی حدیثیں ہیں کہ یہ
 اس حدیث میں امام محمد بن یونس کی حدیثیں ہیں کہ یہ
 اس حدیث میں امام محمد بن یونس کی حدیثیں ہیں کہ یہ

تیس سال کتاب سے زیادہ اور تیس سال سے کم بیان کرتے چلے گئے اور اسے عبد الرحمن نے ان دونوں کی طرف منسوب کر دیا۔ (۱)

حاشیہ: اس کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام بخاری کی کتاب نام ہزارہ اور امام ابو حاتم کے ساتھ آٹھ سو تین سو ان برسوں میں حاتم نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کے شاگرد ملکی موشا، اس فن میں باہر کا دست نگر نہ رہے۔ انہوں نے کسی ذہنک اور اسی اسلوب پر حدیث کی روایت کی ایک مستقل کتاب املاء بنی جو مصنفات کے سرمایہ میں امام بخاری کی کتاب سے زیادہ ہے۔ اسی کتاب کا نام الجرح والتعديل ہے۔ امام ذہبی رقمطراز ہیں۔

کند فی الجرح والتعديل بعضی له بالرفعة العليا فی الحفظ۔ (۲)

بہر حال خط اور خطی سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے اور خطا اور غلطی سے فن حتمی پر

کوئی حرف نہیں آتا۔

نہ یہ بات تو غلط تھی۔ مشہور امام اعظم کے ساتھ کے متعلق ہو رہی تھی۔ اور

درمیان میں یہ بات آگئی تھی کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ

❖ امام اعظم نے کجائیل سے روایت کی ہے۔

❖ امام اعظم نے ضعیف سے روایت کی ہے۔

❖ امام اعظم کے حافظ میں قوت نہ رہی تھی۔

اس سے امام اعظم کا علم حدیث میں کوئی مقدم نہیں ہے۔ اس کی دسات اور ہوجس

کو دور کرنے کی میں نے ان صفحات میں کوشش کی ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم کے مشائخ:

سید ابی امام اعظم نے مشائخ میں اس کا ہر ایک ظہور ال لیے جن کو حافظ ابن ابی شیبہ نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

۱-	ابوبن ابی تیمہ اور اسحاق بن	مقدمہ	۳۱
۲-	الحکم بن حمید ابو محمد الکوفی		۳۲
۳-	ریحہ بن عبد الرحمن		۳۶
۴-	ریحہ بن ابی لیثہ		۳۷
۵-	سالم بن عبد اللہ	مقدمہ	۱۰۶
۶-	شیخ بن عبد الرحمن ابو حاتم	مقدمہ	۱۰۷
۷-	حاتم بن یحییٰ ابو عبد الرحمن یزیدی	مقدمہ	۱۰۸
۸-	ماہر اشعری ابو عبد اللہ انی		۱۰۹
۹-	عبد اللہ بن ابی یوسف عبد الرحمن	مقدمہ	۱۱۰
۱۰-	عبد الرحمن بن یزید	مقدمہ	۱۱۱
۱۱-	عبد الملک بن عمیر	مقدمہ	۱۱۲
۱۲-	عطاء بن ابی رباح		۱۱۳
۱۳-	عطاء بن یسار		۱۱۴
۱۴-	عمر بن محمد بن عباس		۱۱۵
۱۵-	عمر بن ابی رباح ابو محمد	مقدمہ	۱۱۶
۱۶-	عمر بن عبد اللہ ابو اسحاق		۱۱۷
۱۷-	عطاء بن محمد بن عبد الرحمن	مقدمہ	۱۱۸
۱۸-	قیس بن عمار		۱۱۹
۱۹-	مبارک بن فضالہ القرشی		۱۲۰
۲۰-	محمد بن اسلمہ ابو عبد اللہ القرشی	//	۱۲۱
۲۱-	مسلم بن قیس ابو الزبیر الکلی	مقدمہ	۱۲۲

۲۲	محمد بن مسلم بن شیبہ	۱۲۳ھ
۲۳	محمّد بن معتمر بن قیس	۱۳۳ھ
۲۴	یوسف بن یزید بن زکریا	۱۳۵ھ
۲۵	ابن یزید بن زکریا	۱۳۶ھ
۲۶	ابن یزید بن زکریا	۱۳۷ھ

یہ وہ حفاظ حدیث ہیں جن کے تراجم حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ

یہ کتاب یا تصنیف محدثین میں سے ہے۔ یہ تصنیف محدثین کے تراجم حدیث میں سے ہے۔ یہ تصنیف محدثین کے تراجم حدیث میں سے ہے۔ یہ تصنیف محدثین کے تراجم حدیث میں سے ہے۔

هذه تذكرة باسماء معدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع الي اجتهادهم في التوثيق والتضعيف والتصحيح والترييف۔

یہ ان عالمان علم نبوی کا تذکرہ ہے جن کی بارگاہ علم سے راویان حدیث کو ثقاہت اور عدالت کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے اور جن کی رائے پر راویوں کے ثقہ ہونے ضعیف ہونے کھرا ہونے اور کھوٹا ہونے میں فیصلہ کن ہے۔

حافظ صاحب نے اس کتاب میں یہ اصول پیش نظر رکھا ہے اور اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں کیا جس میں سے یہ تصنیف ضعیف ہو جائے ہو۔ یہ تصنیف ضعیف ہو جائے ہو۔ یہ تصنیف ضعیف ہو جائے ہو۔ یہ تصنیف ضعیف ہو جائے ہو۔

انه قليل الحديث فلهدا لم اذكره في الحفاظ۔ (۱)

”یہ قلیل الحدیث ہیں اسی لیے میں نے ان کا حفاظ میں تذکرہ نہیں کیا۔“

ای طرح امام ذہبی نے اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی تذکرہ نہیں کیا جو اپنے حفاظ حدیث تھے مگر اس کتاب حدیث کی بارگاہ میں متروک اور ایہ خیال کیے جاتے تھے چنانچہ ہشام بن محمد مکی کے بارے میں جو بہت بڑے محدث اور حفاظ تھے لکھتے ہیں۔

هشام بن محمد الكشي الحافظ أحد المتروكين ليس بعه فلهذا لم

ادخله في الحفاظ الحديث۔ (۱)

”یہ متروک ہیں ان کی کتاب حدیث میں سے ہے ان کو حدیث کے حفاظ میں داخل نہیں کیا۔“

ان تصریحات سے آپ کے سامنے یہ نتائج خود بخود آجائیں گے۔

(الف) امام اعظم سے تو اس قدر تعلق ہے کہ ان کی حدیث میں سے ہیں جن کی حدیث صرف محدثین میں سے ہے جس کی رائے پر راویان حدیث کی توثیق و تضعیف میں محدثین کے یہاں میزان و معیار ہے۔

(ب) یہ قلیل الحدیث نہیں بلکہ کثیر الحدیث ہیں۔ اگر یہ قلیل الحدیث ہوتے تو پھر امام ذہبی ان کا ذکر نہ کرتے۔

(ج) یہ وہ حفاظ ہیں جس کا مقام محمد حدیث میں اقبالی اور استدالی سے اُردو متروک ہوتے تو ہشام بن زکریا کا تذکرہ الحفاظ میں نہ ہوتا۔ اور اگر یہ طرف ان تصریحات سے امام اعظم سے اس قدر تعلق ہے کہ ان کی حدیث میں سے ہیں جن کی حدیث صرف محدثین میں سے ہے جس کی رائے پر راویان حدیث کی توثیق و تضعیف میں محدثین کے یہاں میزان و معیار ہے۔

امام اعظم کا حفاظ حدیث میں مقام:

انہی حقیقت سے اور حقیقت سے جو ہے کہ امام اعظم کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ میں موجود ہے تو پھر امام ذہبی نے ان کی حدیث میں سے ہیں جن کی حدیث صرف محدثین میں سے ہے جس کی رائے پر راویان حدیث کی توثیق و تضعیف میں محدثین کے یہاں میزان و معیار ہے۔

عاشق یا نہ چنانچہ فقیر مدینہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعلق تھیں وہاں سے انہیں واپس نہیں لیا گیا اور ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

قال ابو حنیفۃ رايت ربعة وابا الزناد وابو الرنادا لفه الرجلین۔

ترجمہ: میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جن میں سے دو ابوالزناد اور ابوالرنادا تھے۔

زیادہ فقیر ہیں۔

امام عظیم صحابہ کی بات کرتے ہیں کہ میں نے ان سے حدیث سنی ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

عن ابی حنیفۃ قال رايت الفہ من جعفر بن محمد

ترجمہ: ابی حنیفہ نے کہا کہ میں نے جعفر بن محمد سے حدیث سنی ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

(۱) ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

امام عظیم صحابہ کی بات کرتے ہیں کہ میں نے ان سے حدیث سنی ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

قد تواتر علمہ وفصلہ واجمع علیہ (۱)

ترجمہ: ان کا علم اور فصلان اس پر جمع ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کے تعلق سے حدیث میں ان کا نام نہیں آیا ہے۔

و طلب العلوفہ منہ۔ (۱)

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ

شامی کی کتاب سنن میں ہے کہ اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے، اس کے بعد اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۲)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۳)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۴)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۵)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۶)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۷)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۸)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۹)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۱۰)

اس کی بابت اس کی مسجد کوئی سے حدیث جاتے تھے۔ (۱۱)

حضور انور:- ہاں۔

نودارو:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟

حضور انور:- میرے قاصد نے ٹھیک بتایا ہے۔

نودارو:- آپ کو سن دات کی قسم جس نے آپ کو رسول بتایا ہے کیا آپ کو اللہ نے اس کا ضمیر دیا؟

حضور انور:- ہاں۔

نودارو:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ ہمارے ماؤں میں صدقہ ضروری ہے؟

حضور انور:- ٹھیک ہے۔

نودارو:- آپ کو اسی نے دیا ہے؟

حضور انور:- ہاں اسی نے دیا ہے۔

نودارو:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ ہم پر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں؟

حضور انور:- ہاں ٹھیک ہے۔

نودارو:- آپ کو آپ کے روانہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو روزہ کا اس نے حکم دیا ہے؟

حضور انور:- ہاں مجھے روزہ کا اسی نے حکم دیا ہے۔

نودارو:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ بشرط استطاعت حج فرض ہے۔

حضور انور:- ہاں ٹھیک ہے۔

نودارو:- آپ کو روانہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو اسی نے حج کا حکم دیا ہے؟

حضور انور: ہاں۔

نوادر: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر روانہ کیا میں اس میں کمی نہ کروں گا اور نہ زیادتی۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا حضور انور نے فرمایا کہ اگر سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔

امام ابو عبد اللہ الحاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ (۱)

فیہ دلیل علی طلب اجازۃ العزۃ العلویۃ من الاسناد۔ (۲)

اس سند کی توضیح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سنی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد کی بنی فاضل اور اسلامی مدنی کا علم دیا تھا یہ سنی س نے باوجود مدعی سنی کی تکلیف برداشت کی۔۔۔۔۔ اور اس نے دریافت کیا کہ یہ خدمت نرائی میں آیا۔ اُردو میں کا یہ نقل ناپدید ہو گیا تھا۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرورت فرماتے۔

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ مدینہ سے عقبہ بن عامر سے پاس صرف ایک حدیث کی حامل حضرت عقیفؓ نے لے کر چنانچہ جب دوسرے پہنچے۔ لوگوں نے ان کی آمد سے عقبہ بن عامر کو مطلع کیا۔ اطلاع ملنے پر فرمایا کہ عقیفؓ سے۔۔۔۔۔ حضرت عقیفؓ نے فرمایا وہ حدیث سنائیے جو مسلمانوں کی پوشی کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی سے روایت کی کا راہ انصاریؓ نے سنائی اور آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ حضرت عقبہؓ نے فرمایا ہاں میں نے حضورؐ سے سنا ہے۔

من مسر مسلماً علی عریۃ مسرہ اللہ یوم القیامۃ۔ (۳)

حضرت عقیفؓ نے اس حدیث سے سنی ساری پر سو ہو گئے اور مدعیہ علیہ روئے ہو گئے اور واپسی میں اتنی جلدی کی کہ اونٹنی کا کباد و تک نہ کھولا۔ (۴)

(۱) معرفۃ علوم الحدیث ص ۵ (۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۶

(۳) اس حدیث کی قیامت سے۔۔۔۔۔ کا کوئی سنی پر مسلمانوں پر پوشی کرے گا۔ (جامع بیان اعظم و فضلہ)

امام ابو عبد اللہ الحاکم نے اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ یہ خبر سنی حضرت امام شافعیؒ کے پاس آیا اور ان کے آپ اس شخص سے درس میں یا سنتے ہیں جس کے پاس نیک سوانہ نے آرائی اور پھر اس سے کائن کر لیا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہم سے ابو یزید نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ اس کے والد نے فرمایا کہ۔۔۔۔۔ حسب رسالہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے پاس یہ حدیث سنی وہ اب وہ حقیقہ پایہ اور تعلیم دانی اور خوب تعلیم دانی ہو۔ پھر اسے آرائی کے سبب سے کائن کیا۔ اسے اس حدیث کا اور اس کا علم سے بخبر کیا۔ اپنے آقا کا حق چوراہا سے اسے اس حدیث کا۔ امام شافعیؒ نے یہ حدیث بیان فرماتے کے بعد نوادر خراسانی سے کہ تمہیں حدیث سنت بنی تادی اور اس سے بھی تمہارے لیے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ (۱)

اغرض محدثین سے جو سادہ بیٹے یہ قول فرمایا ہے بھلا یہ حدیث میں اس قدر سادہ علم میں ہے ان قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ریا و قرب و کمال کا واسطہ اصلاح و قطراز ہیں۔

لان قرب الاسناد قرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرب

الیہ قرب الی اللہ عزوجل۔ (۲)

اس حدیث کی پانچ قسمیں ہیں۔۔۔۔۔ سب سے مٹی قسم ہے۔ پہاڑی جہاد صلی اللہ بن السیوطی فرماتے ہیں۔

اجلہا القرب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث العدول

سابقہ صحیح نظیف۔ (۳)

اسی لیے میں نے اس حدیث سے ایک حدیث لکھی ہے کہ اس قدر سادہ سادہ ہے کہ بچہ کا نہیں سنا۔۔۔۔۔ اور اس حدیث میں اس حدیث کے ساتھ لکھا ہے کہ حدیث سے ہیں۔ چنانچہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری فرماتے ہیں۔

(۱) معرفۃ علوم الحدیث ص ۶ (۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۶ (۳) معرفۃ علوم الحدیث ص ۶

وہی قصص و حکایاں کہتے تھے۔ ایک بار شہید یار ہو گئے اور محکمہ درس میں حاضر نہ ہو سکے۔ وہ فکر ہوئی کہ انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہاں ہو گئے اپنے شاگردوں سے کہ چلو شہید کی عیادت سوچیں۔ تمام اہل مجلس کو لے کر ہو گئے اور قاضی صاحب کے ساتھ شہید کی عیادت کو لے کر شہید کے گھر پہنچے۔ جب قاضی صاحب فرض عیادت سے فارغ ہو کر اپنے شاگردوں کے ساتھ چلے تو شہید کے آپ بیتی سے انہیں میں سے کسی نے طلب حدیث سے روکتا تھا لیکن قاضی

[illegible]

سے اپنی مرادت دیاں ہیں۔ قاضی و شیعہ جیسا کہ میں اور میرے درواریہ پر ہے۔ (۱)
واضح رہے کہ واسطہ میں امام عظیمہ کے ساتھ وہیں سے صرف ٹیم نہیں بلکہ سرکاری نے صرف
واسطہ میں امام عظیمہ کے جو تائیدہ تھے۔ ان کی تعداد تھی ہے ان میں سے ایک امام شیعہ
تھے۔ امام محمد بن حنفیہ کے ان کے اس حدیث میں شیعہ رہے اور ان حدیث میں
عبور حاصل کیا۔

امام اعظمؒ کی ثنائیات:

امام بخاری نے اپنے نو تالیفی میں لکھا کہ اس کو بارہ بار سے تابعین سے حدیث پڑھتے تھے۔
موقعہ حدیث ہے۔ چنانچہ اس کو بارہ ایک سے ترقی حدیث میں امام شافعی و امام طحاوی و امام عینی و امام
تایات ہے۔ ہوا اکسر شیعہ لاماء اسی حلقہ۔ امام محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام شافعی
نے اپنے روح میں سے اپنی ساری نعموں سے ایسا ہے کہ وہ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔
اصحابہ منو اہروں کا۔ یہ سب بہت تھے۔ نو امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ
صحیحہ کو پڑھا ہے۔ یہ بھی امام بخاری نے اس اسلام میں مشہور تالیفی عطاء بن ابی رباح سے
محقق تہتہ کی ہے کہ اکسر مشیوخہ عطاء بن ابی رباح۔ امام عظیمہ کے سب سے
استاد ہیں۔ ان کی یہ احادیث کے حد امام عظیمہ کی مرویات میں ثانیات کا درجہ ہے۔
حدیثیں جو آپ نے تابعین سے سنی ہیں۔ رواتہ میں سے ہی ہے۔ امام مالک چونکہ تالیفی
نہیں ہے اس لیے ان کی مرویات میں سب سے عالی مرویات ثانیات ہی ہیں۔

امام محمد کی کتاب آثار میں ثلاثی روایات حسب ذیل اسانید سے آئی ہیں۔

- ۱- ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۲- ابو حنیفہ عن یوسف عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳- ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن ابی صبیہ قال سمعت اباہ راہ قال قال رسول اللہ
- ۴- ابو حنیفہ عن عبد الرحمن عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۵- ابو حنیفہ عن عطیہ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

كنت احفظ حديث أبي اسحاق كما احفظ السورة من القرآن۔ (۱)

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۳) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۴)

لانا لصحيفة جابرا حفظ من سورة البقرة۔ (۲)

یاد رہے کہ جابر کا میخند وہی ہے جس کا ذکر ہم آغاز کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔
حضرت قتادہ قرآن کے ساتھ اس کے بھی حافظ تھے۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ صدر اول میں قرآن کی طرح سنت کو بھی زبانی یاد کرنے کا
ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے یہ حدیث یاد کی ہے کہ میں نے اس حدیث کو یاد کیا ہے۔
ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے یہ حدیث یاد کی ہے کہ میں نے اس حدیث کو یاد کیا ہے۔

كانوا مطلقين على الحفظ مخصوصين بذلك۔ (۵)

مفسرین نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۶) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۷)

ما استعدت علمافط۔

سنن دارقطنی میں ابن شہر آشوب کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرمایا کرتے تھے کہ اے
شاک! میں تم سے حدیث دو بار دہران کر رہا ہوں حالانکہ میں نے بھی کسی حدیث کے دوبارہ

(۱) تذکرۃ الکھلفاء (۲) تہذیب المعجزات ج ۳ ص ۲۷۱ (۳) تہذیب المعجزات ص ۱۸۳

(۴) تہذیب المعجزات ج ۸ ص ۳۵۳ (۵) جامع بیان العلم وفضلہ

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۱) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۳) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۴)

جب حضرات نے کتابت کو ناپسند فرمایا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ، امام شعبیؒ، امام
زہریؒ، امام نخعیؒ اور قتادہؒ وغیرہ یہ سب کے سب وہ ہیں جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے
تھے ان میں سے یہ ایک نہیں صرف ایک ہے۔ (۱) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۳) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۴)

تذات حدیث اور عمر بن عبد العزیز:

حضرت زہریؒ میں کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو یاد کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کو یاد کیا ہے۔ (۱) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۳) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں اسحاق بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے قرآن کی سورہات اور احادیث کو جیسے جیسے یاد کیا ہے، اسی طرح یاد رکھا ہے۔ (۴)

اور جس نے خواہتا ہیں ہمیں، اس کی طرف برکتیں اس قدر متوجہ ہو گئے کہ مدین
تباہ نہ ہو پھوڑ پھوٹے۔ بعد میں مدین تباہ کی چیز کی آمیزش نہ ہوا بلکہ یہ
کہہ کر آپ نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ (۱)

یہاں بھی کتابیں اور افتاء کا جامعہ ملے گا۔ حدیث و سنن کے حوالہ دینے والی عظیم حدیث میں بیان ہوا اس پر تفصیلی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

جمع قرآن اور صحابہ:

۱۔ رسول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے وقت آپ لوگوں کے بیٹوں میں عرب
 زمانہ کے مطابق گنہ گار تھے ان کے رونق کے مطابق تابی ظلم میں یہ تھا۔ مامونہ بی بی زمانہ میں۔
 حضور ورسلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن تابی ظلم میں عرب اس لیے۔
 تھا کہ ہمہ وقت حضور نور کو بخیر کا حق رہتا تھا۔ زمانہ براں تھا۔ مامونہ بی بی زمانہ
 خلافت راشدہ کے زمانہ (۲)

حافظ یحییٰ مینتے ہیں کہ کتاب صورت میں نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب خاص کتابی شکل میں ایک جگہ ترتیب سے مرتب نہ تھا کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ

فد كان القرآن كتب كله فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم
لكن غير مجموع فى موضع واحد ولا مرتب السور- (٣)

۱۔ اصل قرآن و تبارخ سے معصوم و مائتہ قرآن پر جو وہ شکل و صورت تک پہنچے۔
۲۔ یہ قسم دینے والی ہیں۔ اول زمانہ ہوتا ہے اور بعد میں اور وقت سوم زمانہ عثمان رضی اللہ عنہ
نوبت میں قرآن اخص و حق طریقہ کے تحت و نہ سورتوں میں ترتیب تھی۔ زمانہ صدیقی میں
وقت معصوم کے تحت قرآن و کتاب یا کیا و اس سے یہ بیان ثابت ہوگا مقرر یا حضرت زید و
برکت و نئی تھی کہ صرف ربوئی یا وہاں است کے ہمارے قرآن و نسخہ یا جائے جب تک ایت
سنائے والا کسی ہوئی آیت نہ سناوے۔ علامہ ابو شامہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔

وكان عرصهم لا تحبب إلا من ما يحب من بني السلي لا من مجرد اللفظ. (١٠)

(۱) مقدمہ تخریج الموالیک ص ۴ (۲،۴) الاتقان فی علوم القرآن ص ۵۸

بلکہ حضرت ابو بکر نے زید اور عمر سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ،

من جاء بشاهدين على كتاب الله فأكلاه (۱)

علامہ ابو عبد اللہ الزنجانی نے تاریخ القرآن میں اس شہادت کا پس منظر بتایا ہے۔

کے ساتھ رہنا ہے تو اسے دیکھنا ہے کہ کیا اس کے پاس

[illegible]

اس طرح قرآن عزیز نے اوراق میں کتالی صورت اختیار کی زمام زہری سے حفاظ

سید علی نے ایمان فی علوم القرآن میں نقل کیا ہے۔

جمع علی عهد ابی بکرؓ فی الورق۔

اور حضرت سالم بن عبد اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

جمع ابو بکرؓ فی قراطیس۔

یہ مطلب ہے کہ آپ ہرگز کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔

نہیں بلکہ عیسائیوں کو ان کے مذہب کے لیے جان و مال کی قربانی کرنی پڑے گی۔

کے لئے اس کتاب کا نام "مذہب و عقائد" رکھا گیا ہے۔

میں ہنظرے، برق میں انھیں فرائیں بہت میں رہائی ہوئی ہوگی۔

قوت کے لئے ہر طرح کے حربے جو ممکن ہوں گے، ہم ایک میں چیتاں، باقیوں میں

توہمہ دہلی میں پیدا ہوا تھا۔

انسانوں کے لیے جو کچھ ہے، وہ ان کے لیے ہے۔

المعنى: لا يملك الإنسان شيئاً من نفسه، بل كل ما لديه من قوة وعقل وخلق هو من الله تعالى، وهو الذي يهبه لمن يشاء ويمنحه لمن يشاء.

Journal of Management Education 30(6)p.789-804

Journal of Management Education 30(6)p.789-804

جامع القرآن کا حضرت عثمان غنیؓ کے لیے لقب:

یہ عبارت ہے کہ ختم شدہ کتاب پر قلم بند ہو کر اس کو محفوظ رکھنا

(١) الامتحان في علوم القرآن

(۲) تاریخ الاسلام سیاسی ج ۲ ص ۳۸۷

تواتر کا علم الاسناد کے مباحث سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ملاحظہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان التواتر ليس من مباحث علم الاسناد۔

بلکہ اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر مولانا بحر العلوم نے یہ انکشاف کیا ہے۔

التواتر كالمشاهدة في المادة العلم۔ (۱)

حافظ ابن حزم نے اس موقع پر یہ تفصیلی بیان قدم بند فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں اسلام کا علمی سرمایہ جو نبوت سے امت کو ملا ہے صرف یہ ہے۔

قرآن انہاریں رمضان کے روزے حج اور زکوٰۃ اور سارے اسلامی شریعہ۔ یہ سب بطور تواتر متفق ہو کر امت کو ملے۔ اس کو بیاں کرنے والے اور پیش کرنے والے ہمیشہ راند نبوت سے مشرق و مغرب میں اس قدر ملے ہیں کہ ان پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ نقل عام جیسے آیات و مخبرات جو خندق اور نبوت میں نمایاں ہوئے۔ نظام حج اور مقدار زکوٰۃ کو نبوت سے نقل کرنے والے اتنی تعداد میں ہوئے ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں کہ ہر دور کے علماء اور اہل تحقیق نے اسے قبول کیا ہے اسے مشہور کہتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات صحابہ سے ٹھیکے اور تابعین کے فتویٰ یہ امت کو خبر واحد کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں ان سے نقل کرنے والے ذات نبوت تک ثقہ اور معتبر اشخاص ہیں۔ ان کا نام و نسب معلوم اور ہر ایک کا حال زمانہ مکان اور عدالت معروف ہے اس طریق سے جو معلومات آئی ہیں ان میں بیان کرنے والے متعدد ہوتے ہیں گاؤں و خطہ بواسطہ اور نام بنام بات ذات نبوت تک پہنچتی ہے کبھی صحابہ تک اور کبھی کسی ایسے تابعی تک جسے صحابہ کی دید کا شرف حاصل ہوا ہو۔ (۲)

اس ساری تفصیل کو ہم اپنے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سادہ عامی سرمایہ جو امت کو نبوت سے ورثہ میں تواتر اشیرت اور واحد کے ذریعے ملائے۔ یہ قرآن سنت حدیث۔

قرآن و سنت دونوں تواتر ہیں فوق صرف یہ ہے۔ یہ قرآن و سنت دونوں ہی ارسلت ہوا تو تمہاری اور سنت کی تاریخ جس حدیث سے تمہاری سے قبل تو خداوند نے نہایت دور دور سے۔ حافظ سیوطی نے حدیث کی یہ تعریف کی ہے۔

مغل السنة ونحوها و اسناد ذالك الى من عزي اليه تحديث او اخبار او غير ذالك۔ (۱)

فرمان خلافت میں حدیث عمر کا اضافہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز کے فرمان میں حدیث عمر کا اضافہ یہ سمجھانے کے لیے کیا گیا ہے کہ پورے اسلام کی تاریخ نبوت اور خلافت کے محکمہ کا کام ہے جیسا کہ اس کے تعلق پانچ اشادات پہلے ہو چکے ہیں۔ حدیث عمر کے ساتھ اس فرمان میں ایک خبر کا اضافہ پورے پانچ خلافت کی طرح رسائی کر رہا ہے۔ مولانا عبد العزیز نے تعلق ایکھ میں اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ

من احاديث بقية الخلفاء۔ (۲)

اسلام میں خلفائے راشدین کی سنت:

یہاں انہوں میں ایک خاص محسوس ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت دین میں حجت اور دلیل نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے احادیث عمر بن عبد العزیز کے فرمان میں یہ بات صراحت بتائی ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں۔

وكتب عمر بن عبد العزيز الى ابي بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه لي فاني خشيت دروس العلم وذهاب العمماء ولا يعل الا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليعلموا وليعلموا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهدك حتى يكون صواباً۔ (۳)

دیکھتے ہیں کہ اسناد صحیحہ و علم کے واسطے اور اس کے شرابی و پاپیوں پر نہیں ہوتا۔
اسی کی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ نہیں تھے اس کے لئے اس کی ذمہ داری سے یہ بھی سنت
سے اس کے لئے تھے۔

جلد البیہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابو بکر اربعین و عمر ثمانین
و کل سنة۔ (۱)

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان کا بھی ذکر کیا ہے۔

واتمھا عثمان ثمانین و کل سنة۔ (۲)

روایت صحیح مسلم کی ہے جس سے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا
اور اس کے اسناد میں حیدر راشدین ہیں جو سنت اور بدعت کے مفہوم کو بخوبی جانتے ہیں اور
ان میں انتہائی عزت و احترام ہے ان میں بھی دو سنت ہی سہی ہیں جو بظاہر حضور انور صلی
اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

هذا دليل ان عليا كان معظما لانار عمر وان حكمه وقوله سنة وامره
حق وكذا لك ابو بكر۔ (۳)

اسی بنا پر حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

قول لشحس حجة او التعلا بحور العدول عنه وان اتعاق الانمة
الاربعة ايضا حجة۔ (۴)

ابو بکر و عمر و عثمان و علی سے جب انہوں نے اتفاق ہو چکا تو اس سے ہٹنا جائز نہیں ہے۔
حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

عمل اهل المدينة لدى بحج به ما كان في زمن الخلفاء الراشدين۔ (۵)
اہل مدینہ کا وہ عمل حجت ہے جو زمانہ خلفائے راشدین میں ہوا ہو۔

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۰ (۲) مفردہ حدیث ص ۸۱ (۳) شرح مسلم ج ۲ ص ۲۰۰
(۴) منهاج التاج ص ۱۶۲ (۵) زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶۸

یہ تصدیقات تاریخی ہیں کہ امام کا چار گوشہ بات اور خدائت کے ملے جاتا ہے۔
خیر یہ بات تو حدیث سنت میں فرق بتاتا ہے یہ حدیث کی ہے یا یہ روایت کا ہے اور امام
عمر بن عبد العزیز نے قدس سرہ حدیث کا حکم تمام اطراف مملکت میں روایات میں مدینہ سے
قاضی ابو بکر بن عمر بن ابی امام کا ہوا وہی میں امام بھی دمشق میں اماموں کا ہوا وہی
ہے۔ ان کے تاریخ میں امام نافع کے بارے میں وہی سنت تصدیق میں تھیں ان میں اماموں کا
ہاتوں کو ملا لیں کہ آپ نے یہ حکم تمام اطراف مملکت میں روانہ کیا تھا۔

اور ساتھ ہی امام نافع کے بارے میں امام ذہبی کی یہ تصریح بھی پڑھیں کہ:

بعث عمرو بن عبد العزیز مافعالی اهل مصر ليعلمهم السنن۔

عمر نے حضرت نافع کو مصر والوں کے لیے معلم سنن بنا کر روانہ فرمایا۔

تو پھر یہ یقین آجاتا ہے کہ امام نافع وہی امام ہیں یہ حکم نہ صرف چار گوشہ اور انہوں
نے بھی اس حکم کی تعمیل میں نہ صرف مدینہ میں بلکہ ہر جگہ کا بندہ میں تو جزیرہ کے مشہور قاضی
میون بن مہران کو بھی اسی میں داخل کرتا ہوں۔

ابن تیمیہ تصدیقات سے ہمیں یہ نتیجہ پڑھتا ہے کہ (۱) جو سے اس حدیث
کے نام پر میرے ہاتھ نہیں لے اس فرمان کے نتیجے میں یہ بھی مراد یہ مندرجہ مشہور پڑا ہے۔

۱۔ کتب قاضی ابوبکر بن حزم۔

۲۔ وفات امام زہری۔

۳۔ ابواب امام قسطلانی۔

۴۔ کتاب السنن امام کھول۔

۵۔ کتاب الصدقات امام سالم۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۲۵ رجب ۱۵۱ھ و رحلت فرمائی۔ آپ کی مدت
خلافت کل دوساں پانچ ماہ تھی۔ یہ تصانیف کی روایت کی جاگرتیں۔ سنی۔ ان تصانیف کو بھی امام
ان کے ساتھ لایا جاوے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ نے صرف ان حدیث کے موضوع پر
تیرہ کتابیں مندرجہ مکتبہ چکی تھیں۔

کے تالے میں اس وقت کی تعلیم کے یہ مختلف بعد روانہ کروں تو حضرت - ہڈے جواب دیا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ ہیں۔ (۱)

اگرچہ اپنی سورت میں جنت کے ساتھ ہر ورق عظیم نے حفظ و قرات کا ایک بندہ کا نظام قائم کر دیا حکیم الامت شاد ولی اللہ نے صحیح فرمایا ہے

امروز ہر کہ قرآن کی خواہ از طوائف مسلمین منت فاروق در گردن اوست (۲)

آج جو بھی قرآن پڑھتا ہے اس کی گردن پر فاروق اعظم کا احسان ہے۔

تاکہ یہ چاہتا ہوں کہ تبع قرآن در مصحف اور قرات قرآن کا وعدہ لٹی زمانہ خدمت راشدہ میں پورہ ہوں اور ان علیہا جمعہ و قرآنہ کی بھی تفسیر ہوگئی لیکن آخری وعدہ قرآن سے متعلق جو وہی آیت میں نہ ان علیہا بیانہ کے ذریعے یا کیا ہے وہ خلافت راشدہ میں نہیں ہو سکا۔ بعد خلافت میں مبداء میں پورا ہوا۔ یہ وعدہ ہم کے ذریعے آیت میں آیا ہے۔ آپ سن آئے ہیں کہ عربی زبان میں نہ سواحی کے لیے ہی آتا ہے۔ حکیم الامت شاد ولی اللہ نے ہم ان علیہا بیانہ کی تشریح یہ کی ہے

اور اسے اس سے قرآن کی تفسیر یعنی ہر زمانے میں ہم ایک جماعت کو قرآن کی ہر تشریحات و اس کی شان و بیان کرنے کی توفیق دیں گے تاکہ وہ لوگ دعا قرآنی کا مصداق بنیں۔ یہ بات یاد کرنے اور تمہاری تبلیغ کے بعد سو کی یہ مدد قرآن کی آیات میں کتاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن عزیز کے مبین ہیں۔ (۳)

اولنا الیک الذکر لعین لئلا یقول الیہم لعلمہم یتکبرون۔

یہاں حضور و رسولی اللہ علیہ السلام قرآن کے مبین ہیں اس لیے حضور کی سنت ہی قرآن کا ہیں اس لیے قرآن کی تدوین کے لیے ضروری ہے کہ حفظ قرآن کے دیر بعد ہو۔ چونکہ مذہب کے دن و تبع قرآن کے جدید قرآن کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر اس کو ثمر کے ذریعے

چشم نیا ہے جو عربی زبان میں اقلہ ترقی کے لیے آتا ہے۔ اس کا شیخ اور صاحب یہ ہے کہ یہ قرآن سے مراد ہیں یہی رہے سنی انداز یہ حکمت و تتبع قرآن کی عین سنیوں کی بھی تدوین ہوئی ہے۔ پیش یک عمر بعد اور یہ حضور اور اس کے راستہ سے پورے ستائیس سال بعد ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

در وہ بیوں فکر قرآنہ ہاے قرآنیت و مولیٰ فیہا مدد و رقت تبع قرآن

در مصحف الحکمال تلاوت آں شائع شد و تفسیر آں من بعد ظہور آمد و در خارج

ہم چنین تحقیق شد۔ (۱)

مد تدوین سخن یعنی قرآن کا ہر زمانہ۔ رقت اشدہ میں نہیں جہد قرآنی طور

پر عمر بن عبدالعزیز کے ایماء سے خلافت راشدہ کے بعد ہوا۔

عمر اول اور عمر ثانی کے عمل میں ہم آہنگی:

مذہب اولوں کے عمل میں اس قدر آہنگی ہے۔ ایک زمانہ میں صحابہ کی یہ جماعت جام شہادت نوش فرمائی۔ قرآن کے ان حصوں کے اس قدر چارک نقصان سے قرآن کی حفاظت میں رہنے پانے کا طریقہ جاری و دو قسم کے اس خطے کو کمزور یا مرنے والا یہاں تک کہ اس قدر قرآن جام شہادت نوش کئے مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن قرآن ایسے ہی جام شہادت نوش کرتے رہے تو قرآن کا زیادہ حصہ چلا جائے گا اس لیے جلدی قرآن کو نکجا کرنے کا حکم دیجئے۔

یہ تو پیامد کے دن قاریوں کی شہادت سے حضرت عمر کو اندیشہ ہوا۔ آئیے اب دنیا سے وہ خدمت ہوتی ہیں جنہوں نے قرآن کے بیان و مدد کی کیوں میں پتہ چلتے ہیں۔ ایسا ہے کہ جنہوں نے قرآن کی حدیث پر غور و غور ترین موشگاف ترین اور محبوب ترین زندگی دہائی انہوں سے مشہور یہ تھا۔ انہوں نے قرآن مجید سے قدامت صدقہ کا حتم تھا مگر انہوں نے اس کی عملی تصویر اور اس کی صحیح روایت ہی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے روح و جان و غیرت انہیں جس و انہوں کے

محمد بن مزاحم اور شہداء بن حسیم نے جو کتاب الآثار مروی ہے اس کا مشہور محدث ابو عبد اللہ نے اپنی کتاب معارف علوم الحدیث میں تذکرہ میں غلط کیا ہے۔

مسحنتہ لوفرس الہذیل الحنفی تغردہا عنہ شداد بن حکیم البغوی
وسحنتہ ایضا لوفرس الہذیل الحنفی تغرد ابو وہب محمد بن مزاحم
المروزی۔ (۱)

ایک نسخہ زفر کا ہے اس سے شداد نے صرف روایت کیا ہے۔ ایک نسخہ زفر کا ہے
ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم نے روایت کیا۔

حدیث کے مشہور امام محمد بن زفر نے اپنی کتاب قیام میل و قیام رمضان و

کتاب الوتر میں امام اعظم کی جس کتاب کا

زعم النعمان فی کتابہ۔ امام ابو حنیفہ کا اپنی کتاب میں خیال ہے

ہے جس سے میں تذکرہ کیا ہے وہ بھی امام محمد بن مزاحم کی کتاب الآثار ہے جو امام مروی
وان کے شاگرد ابو الاسود محمد بن محمد کے ہاتھ سے ملے۔ یہ پیش پور کے نامی گزشتہ ہیں
ان سے حافظ ابو عبد اللہ نے حدیث پر نقل کیا ہے۔ امام محمد سے مارتن پیش پور میں لکھا ہے
کہ ان کے لیے ۲۲۵ھ میں حرمین میں باقاعدہ مجلس درس تھی ان کی وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی
ہے۔ حافظ معانی نے اسباب میں ابو وہب محمد بن مزاحم امام محمد بن زفر سے روایت کیا ہے
دیکھتے ہوئے لکھا ہے۔

یروی عن ابی وہب محمد بن مزاحم المروزی عن زفر عن ابی
حنیفہ کتاب الاثار۔ (۲)

کتاب الآثار امام محمد بن مزاحم سے بحوالہ زفر ابی حنیفہ روایت
کرتے ہیں۔

شمس بن ابوبکر کتاب الآثار ذکر حدیث و شرح بن مہبان نے اپنی کتاب طبقات
الحدیث میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

احمد بن رستہ بن بنت محمد بن المغیرۃ کان عنہ السنن عن محمد
عن المحکم عن زفر عن ابی حنیفہ۔ (۱)

احمد بن رستہ کے پاس بحوالہ محمد از زفر ابی حنیفہ کتاب السنن تھی۔

امام طبرانی نے معجم صغیر میں اس نسخہ کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

حدثنا احمد بن رستہ بن عمر الاصفہانی ثنا المغیرۃ المحکم بن ابیوب
عن زفر بن الہذیل عن ابی حنیفہ۔ (۲)

حافظ ابن ماکولانے بھی الاکمال میں احمد بن بکر کے تذکرے میں لکھا ہے

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الحنفی ثقہ یحمل میل اهل النظر وروی
عن ابی وہب عن زفر بن الہذیل عن ابی حنیفہ کتاب الاثار۔ (۳)

اس تصدیق میں امام محمد بن زفر نے روایت کیا ہے۔

حنیفہ نامی کتاب میں یہ کہنا درست نہیں ہے۔

زفر لم یوثر عنہ کتب ولم تعرف له رواية لمذهب شیعہ۔ (۴)

امام زفر سے تلامذہ مروی نہیں ہیں اور ان کی اپنے استاد سے روایت نہیں

ہے۔

کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد:

کتاب الآثار سے تذکرہ میں یہ نسخہ باقی ہے۔ اس سے یہ نقل امام حسن بن

زیاد نے امام اعظم کی حدیث مروی کی ہے۔ چار مرتبہ لکھا ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابن ابی
بن یحییٰ نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن سے نقل ہیں کہ:

کان ابو حنیفہ یروی اربعة الاف حديث العين لحماذ والعين لسانو
المشبهة۔ (۵)

قال الحسن بن زید اللؤلؤی ثنا ابو حنیفہ قال کنا عند محارب بن دثار
فقدمہ لیہ رجلان فدعی حدیثا علی لآخر ما لا فحدیثہ مدعی
عندہ فسالہ البیہ فحارح فشهد عنہ فقال المشہود عنہ لا ولیہ
لہدی لا الہ الا هو ماشہد علی سحر وما عنہ لا رجلا صاحب غیر
ہذہ الدنہ فامہ فعل ہذا یحقد کفی فی لہ عسی وکان محارب مسکنا
فاستوی جالسا ثم قال ہذا الرجل سمعت ابن عمر یقول سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیا تین علی الناس یوم تشیب
فیہ الولدان وصبغ العر من مافی سطویہا و نصرب انظر نادیا و
نضع مافی سطویہا من شدہ ذلک البیہ ولا ذلک علیہ وان شہد
لہ ولا سہر فہ ساد علی لارح حسی یفدن بہ فی اسرار کب
شہد سحر فائق اللہ فہ عسی شہادک وان کب شہد ساطل
فاق اللہ وعط راسک واخرج من ذالک الباب۔ (۱)

نہ پچھڑوں سے تو اسے اور اس حدیث سے امام اعظم کی کتاب آثار کی صحت
کے ہاتھوں میں ہے ان کی شخصیتیں امت میں معروف و مشہور ہیں۔

کتاب آثار کی روایتی صحت:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے کہ میں امام
موصوف سے سنا کہ امام ابو حنیفہ کی روایت کا سند چاروں حدیثوں کا چاروں
تین۔ علامہ نواری نے جامع الترمذ میں یہ حدیثوں میں چاروں حدیثوں کی روایت
سنا کہ ایک ہی حدیث سند محمد بن حنفیہ نے روایت کی ہے کہ حدیثوں کی روایت
روایت ہے۔ دو چند روایتیں ہوتی ہیں جنہوں سے امام احمد بن حنبل کی کتاب آثار
کا باقاعدہ سماع کیا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک کے بارے میں مشہور حدیث خلیف بغدادی نے تاریخ
بغداد میں حمیدی شیخ بخاری کی زبانی نقل کیا ہے۔

سمعت عبداللہ بن المبارک یقول کتبت عن ابی حنیفہ اربعہائے
حدیث۔ (۱)

امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہیں۔

امام حفص بن غیاث سے حافظ حارثی نے سند متصل نقل کیا ہے

سمعت من ابی حنیفہ حدیثا کثیرا (۲)

میں نے امام ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں سنی ہیں۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن یزید مرقی کے بارے میں علامہ کردوبی فرماتے ہیں

سمع من الامام تسماعل حدیث۔ (۳)

انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نو سو حدیثیں سنی ہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے جامع میں انہوں میں امام وکیع بن الجراح سے تحقیق یہ حدیث

یحییٰ بن یحییٰ کی زبانی انکشاف کیا ہے۔

سار است احمد قدمہ عسی و کعب و کان بقی سرائی اسی حنیفہ و کان

بہ حفظ حدیثہ کلہ و کان فسمع من ابی حنیفہ حدیثا کثیرا۔ (۴)

میں روایت پرانی و مقدم نہیں ہوتی امام ابو حنیفہ کی روایت پر تکیہ کیا ہے کہ وہ

ابو حنیفہ کی روایت حدیثیں یا نہیں اچھی تھیں امام ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں سنی ہیں۔

حافظ موصوف ہی نے اپنی ایک دوسری کتاب میں امام حماد بن زید کے بارے

میں لکھا ہے

روی حماد بن زید عن ابی حنیفہ حدیثا کثیرا۔ (۵)

حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے خالد الواسطی محدث کے مطلق انکشاف کیا ہے کہ:

روى عنه خالد الواسطی احادیث كثيرة۔ (۱)

خالد نے ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں۔

یہ وہ آثار حدیثیں ہیں کہ جس میں سے ہم ایک مسموع حدیث و فقہ آفتاب و باب
نہایت زیادہ سے کہ جو موطا امام مالک سے اور کتاب نے روای اس قدر جلالت ملی سے مالک
کیس میں اور یہ بات بھی وہیں میں رکھنی چاہیے۔ کہ یہ مصنف ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں سے
امام محمد سے کتاب الآثار کا سامع کیا ہے اور امام محمد سے حدیث روایت کرے، اسے تو
اس قدر زیادہ ہیں کہ بقول حافظ ذہبی:

روى عنه من المحدثين والعلماء عدة لا يحصون۔ (۲)

امام ابو حنیفہ سے محدثین و فقہاء میں سے بے شمار نے روایت کی ہے۔

کتاب الآثار کی علمی حیثیت:

علمی طور پر کتاب الآثار کا مقدمہ اور اس کی روایت کی فنی حیثیت کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ قاضی والعباس محمد بن عبد اللہ بن ابی العوام اپنی کتاب اخبار ابی حنیفہ میں سند
متصل لکھتے ہیں

حدثني يوسف بن احمد المكي ثنا محمد بن حازم الفقيه ثنا محمد
بن عيسى الصانع سمكة ثنا اسراهم بن محمد عن الشافعي عن
عبد العزيز الدراوردي قال كان مالك بنطر في كتب ابي حنيفة و
يسمع بها

امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔
غور فرمائیے کہ جب امام مالک موطا کی تالیف میں امام اعظم کی کتابوں سے
مستفاد فرماتے ہیں تو پھر کتاب الآثار کی رفعت اس سے بڑھوت اور کیا ہوگا۔ اگر یہ واقعہ

نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے جبہ شد و عند حوزہ مہور سے ہیں کہ موطا کا درجہ صحیحین کے نیچے
بمقام مالک کے لیے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس خط سے کتاب الآثار کا مقام بھی موطا امام مالک
کے نیچے کی ہے یعنی جو نسبت بخاری و مسلم کی تہوں وہ موطا امام مالک سے ہے اور یہی نسبت
موطا کو کتاب الآثار سے بھی ہے۔

حافظ مغلطائی فرماتے ہیں کہ پہلے جس کے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں مغلطائی نے
کامیاب سے کہ مالک کی کتاب خوان کے نزدیک اور ان کے تقدیر کے رائے
صحیح ہے۔ (۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ مغلطائی نے نزدیک اس بارے میں روایت کا ثبوت
امام مالک کو حاصل ہے لیکن کتاب الآثار موطا سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود موطا ان
تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں:

من مقلب ابي حنيفة التي انظر دبرها انه اول من دون الشريعة ورتبه
اموالا ثم تبعه مالك في ترتيب الموطا و لم يسبق ابا حنيفة احد۔ (۲)
ابو حنیفہ کی ان برکتوں میں سے جن میں دو پکا نہ درکار ہیں یہ ہے کہ قانون
اسلامی کے اولین مدون اور مرتب ہیں امام مالک ان کے تابع ہیں۔

کتاب الآثار میں دو حدیثیں ہیں وہ موطا کی روایت سے قوت و صحت میں نہیں
ہیں۔ جس طرح موطا کے مراحل کے توابع و شاہد موجود ہیں اسی طرح اس کے مریک کا حال
ہے اس سے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک موطا صحیح سے
ٹھیک اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح تر ہے۔ موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح
مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

کتاب الآثار کا تاریخی مقام:

اس سے روایت کے لحاظ سے کتاب الآثار کا مقام ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے

کی طرف سے امام ابن سعد ابو قتادہ سے روایت کی گئی ایک فقرہ میں فرماتے ہیں
روی الآثار عن نبل لغات غزار العلم مشبعة حصيفة۔ (۱)

کتاب الآثار کی امتیازی حیثیت:

یوم کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث ہیں جن سے فقہی مسائل کا تہیہ ہوتا ہے اور جن کی حیثیت سنن کی ہے اس سے وہ سننوں اور ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی جیسی حدیث کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں وہ آثار میں نہیں ہیں یہاں ان ابواب کا تعلق تہیہات سے نہیں ہے کی یہ بعض محدثین نے کتاب الآثار کو کتاب السنن کے نام سے پکارا ہے۔ کتاب الآثار کا یہ نام امتیازی ہے اس کی روایت اس دور کی دیگر تصانیف کی طرف سے ہی شہرہ آفاق روایات میں محدثین نے نہیں بلکہ اس میں علامہ ابن کوفہ، ابن جریر، عراقی، دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں ایک جامہ موجود ہے۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

ابن وفقہ و علم کی اشاعت امت میں اصحاب عبد اللہ بن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحاب عبد اللہ بن عمر اور اصحاب عبد اللہ بن عباس سے ہوئی ہے اور لوگوں کا عام علم اس پر رہی ہے ساقیوں سے یا ہوا ہے چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر سے اور مدینہ والوں کا علم عبد اللہ بن عباس کے اصحاب کا اور عراق والوں کا علم عبد اللہ بن مسعود کے ساقیوں اور شاگردوں کا ہے۔ (۲)

امام ابن کوفہ نے مدینہ کی تالیف مدینہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے بڑے نام روایتیں ہیں لیکن کتاب الآثار کے راویوں میں مجاز یا عراقی کی کوئی تصدیق نہیں ہے۔ بلکہ جرح عراق اور شام جملہ بدو سلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود

ہاں قید سنیہ ۳۱۱ھ میں امام نے اپنی عمر کی بنیاد آثار پر رکھی تو آپ کے دقیق مسائل درست ہو گئے۔ ایک نکتہ میں آپ نے بات کی جو ان کے لئے گہرائی میں تھی کہ لوگوں کے سامنے آپ کے نام کی کتابیں آئی ہیں۔ (۱) اس وقت تک ۱۹۰ (۲) امام ابن کوفہ کی تصانیف ۱۹۰

ہیں۔ آپ صرف امام محمد کے نام سے آئی ہوئی کتاب آثار کا مطالعہ نہ کیجئے۔ اور امام احمد کے تمام شیوخ کو یاد رکھو کہ آپ کو ایک سو پانچ میں سے تین کے قریب ایسے مشائخ ہیں جن کا وطن مدینہ میں ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر سمجھنی ہے کہ صحابہ میں جن لوگوں میں سے مسائل منقول ہیں ان کی تعداد حافظ ابن القیم نے یہ بتائی ہے

والذین حفظت عنهم العزى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونيف وثلاثون نفسا مابين رجل وامرأة۔ (۱)

اسیاب میں سے ارباب فتویٰ مدینہ میں تھے ایک سو تیس سے چھ و پانچوں قدی ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں فرق مراتب بھی تھا۔

ان میں کثیر الفتاویٰ۔ قلیل الفتاویٰ اور متوسط بھی تھے۔ (۲)

سب سے زیادہ کثیر الفتاویٰ یہ حضرات ہیں

كان لمكثروا منهم سبعة عشر من الحفاظ على من ابي طالب: عبد الله بن مسعود، عائشة ام المؤمنين وزينب بنت جحش و عبد الله بن عمر۔ (۳)

کثیر الفتاویٰ کی سات بزرگ ہیں عمر بن الخطاب، عائشہ بنت ابی بکر، زینب بنت جحش، عبد اللہ بن عمر۔ ان سات میں بھی چار بزرگ بہت زیادہ متاثر گذرے ہیں۔ شاذولی مدظلہ

واکابر هذا الوجه عمرو بن عبد الله بن مسعود و ابن عباس۔ (۴)

ان میں بزرگ ترین عمر بن الخطاب اور ابن عباس ہیں۔

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بزرگ کے فتاویٰ کو جمع کیا

جائے تا مستقل ایک ایسا ضخیم کتاب بن جائے۔ اور ابو محمد بن موی کے بارے میں حافظ

ابن القیم نے تصدیق کی ہے کہ احادیث السنن میں انہوں نے حضرت ابن عمر

کے فتاویٰ کو کتب کیا تو

جمع فی عشرین کتابا (۵) میں کتابوں میں جمع کیا۔

ان بخاری مسلم نے موطا سے لیا ہے تو امام مالک نے موطا میں امام اعظم کی کتاب الآثار کی پیروی کی ہے۔ اس کا مطلب اس کے ساتھ اور یہاں تک کہ روایات کی ترتیب و ترتیب و ترتیب کے بارے میں جو معیار امام اعظم نے قائم کیا تھا اس کی سب سے پیروی کی ہے۔ اس لحاظ سے کتاب الآثار محدثین کی امام الامام ہوئی ہے۔

تجربہ اور ترقیب تو بڑی بات ہے محدثین نے امام تک تجویز کرنے میں امام اعظم کی تقلید کی ہے۔ چنانچہ امام طبری نے اپنی کتاب کا نام تہذیب الآثار و الآثار الخیر علیہ نے معانی الآثار مشکل الآثار المکی نے صحیح الآثار رکھا۔

امامان یہ ایک حقیقت ہے کہ کتاب الآثار سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب جواب پر مرتب نہیں تھی۔ کتاب الآثار تصنیف ہوئی تو حدیث کی تاریخ کا رواج شروع ہوا اور چونکہ اس میں تجویز کے ساتھ صحیح روایات ارتق کرنے کا تمام قصور یہ بعد میں جواب پر تصنیف کے ساتھ بھی یہ ضروری ہو گیا کہ صحیح روایات ارتق کتاب کی جائیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں۔

جواب پر تصنیف کرنے والوں میں مضمون کی صحیح تردید روایات کتاب ہے جو باقی استدلال ہوں۔ (۱)

تقریباً سات سو سال سے آپ واقعی بات کا شمار دینی اندر ہو گیا ہو گا کہ اس ترتیب جرات تالیف صحت روایات اور اس کے انتخاب میں کتاب الآثار نے بعد میں کتاب کے اسے مصنفین کے لیے کیا اچھا نقش قدم چھوڑا ہے۔

کتاب الآثار کی علمی خدمت:

حدیث کی دینی کتابوں کی طرح کتاب الآثار کی بھی علمی خدمت کی تھی۔ اس میں سے یہ ہے کہ امام اعظم نے اساتذہ میں سے ہر اتالی روایات کو لکھ کر اس کو مسد فی حلیف کے نام سے موسوم کر دیا ہے اور علامہ خوارزمی نے اس سبب مسانید و صحیح برکت جامع مسانید نام رکھا ہے۔ ورنہ یہ مسانید امام اعظم کی تصنیف نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ حافظ ابو مدائنہ محمد بن مروان مکی نے لکھ کر ہر جہاں اشتر و میں نکالت کہ

مسند الشافعی موضوع للادلة علی مباحث عندہ من مرویہ
و کذا الک مسند ابی حنیفہ۔ (۱)

مسند امام شافعی ان موطا پر مشتمل ہے جو امام سیوطی روایات میں سے نزدیک صحیح ہیں اور یہی حال مسند ابی حنیفہ کا ہے۔

اسی مسند شافعی کی طرح مسند ابی حنیفہ میں ان موطا پر مشتمل ہے جو امام و حنفی روایات میں ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ یہ بھی کسی حد تک سب سے شافعی ہیں اور ہر شمار معمولی محدثوں میں نہیں بلکہ لحاظ وقت اور تقدیر ان میں ہے۔ اس کا مجموعہ تراجم حافظ ابن قدام نے لفظ الآثار میں اور حافظ سیوطی نے اہل طبقات میں یہ ہے حافظ ابن قدام نے لکھا ہے

کان رصی المسحح حسن للاحلاق من الثقات لانا امام مورخاً
حافظاً له قدر کثیر۔ (۲)

حافظ سیوطی حافظ ابن قدام کے اس فیض اور ان کی مصلحت ہیں۔ حافظ حسین کی کتاب لکھ کر ہر جہاں اشتر و بڑے پایہ کی کتاب ہے اس میں جن دن کتابوں کے رجال و رجال ہیں وہ تمام بوقت تجدید اور امتداد حدیث کی کتابیں ہیں چنانچہ حافظ سیوطی فرماتے ہیں

الف التذکرۃ فی رجال العشرۃ الکتاب السنۃ والموطا والمسند
ومسند الشافعی و ابی حنیفہ۔ (۳)
مشہور محدث محمد بن جعفر الکاتبی رقمطراز ہیں:

فہذہ کتب الانمۃ الاربعۃ و صافینا الی السنۃ الاولی تکمل الکتب
العشرۃ الی اصول الاسلام و علیہا مدار الدین۔ (۴)

اغرض مسانید امام اعظم کی تالیف میں بعد ان کی حیثیت وہی ہے جو فی الواقع محدثوں کے عرف میں مسند کی سوتی ہے جیسے مسند کی سوتی ہے جیسے مسند ابی بکر، مسند ہر وق اعظم۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں۔

اور زید و عیساں میں وہ نہیں بے حداب یہ جس پر مذہب کی نسبت ہو۔
 سے زیادہ اس کی حدات سے یہ قریبی کافی ہے کہ امام ہونے کے باوجود یہ
 ورع و احتیاط ان کے حضرات کو اس غرض کے لیے منتخب کیا ہے۔ (۱)
 اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ادکل حدیث وجدناہ فی مسانید الامام الثلاثة فہو صحیح۔

ما عظمیٰ کے مسانید سب کا۔ کی حدیث ہمارے یہ صحیح ہے۔ (۲)

ان تصدیحات سے آپ امتزاج کر سکتے ہیں کہ مسانید امام کا محدثین و حفاظ
 یہاں یا مقدمت و رغوات امامت حدیث میں اس حدیث سے ثابت ہے۔
 یہ ہے چنانچہ حفاظ حدیث و محدثین پر جو حدیثیں ہوں نے امام عظیم کی روایت و سند
 کی صورت میں بیان کیا ہے۔

1- حافظ محمد بن مخلد دوری

اس کی نسبت ابو عبد اللہ اور امام قلند ہے تذکرۃ الحفاظ میں مخلد کی جگہ احمد بغدادی
 لکھا ہے۔ حافظ بغدادی نے اس نام کے سبب اس میں در حفاظت کی ہے اول الاسلام میں مخلد بنی
 تالیف سے۔ حفاظ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ حدیث میں ابو خدیج السکونی الحسن بن عوف بن یعقوب
 اور قیام مسلم اور دوسرے محدثین کے ساتھ راوی ہے اب یہ کیا ہے زیادہ صاحب
 تصنیف ہیں۔ محمد بن عبد الصمد بن عبد الوہاب و متفق کتابی صورت میں محمد و
 بن یاسر اس کا نام بھی "نوع حدیث ابن زبیر" صاحب اس تالیفی کارنامہ کا تذکرہ حدیث
 خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

روی عنہ محمد بن مخلد الدوری فی جمیع حدیث ابی حنیفہ۔ (۳)

ان سے محمد بن قلند نے اپنے مجموعہ میں حدیث ابی حنیفہ روایت کی ہے۔

یہ مشہور محدث امام دارقطنی کے استاد حدیث ہیں۔ حافظ ابن جریر بغدادی نے ان کی
 شہادت بار بار بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ فی ساریج بعد ادلہ تر حمہ ملحقہ تاریخ

(۱) ابن جریر ص ۶۸ (۲) مع ابن جریر ص ۶۸ (۳) ابن جریر ص ۶۸

بغداد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ (۱) حافظ ابن جریر نے ان کی حدیثیں بیان کی ہیں۔
 نے یہ تصانیف محدث بنی نہیں حدیثیں ہیں ان میں حدیثیں ہیں۔

کان معروفاً بالثقہ والصلاح والا جتہاد فی الطلب ثقافت۔

سجدت اور تلاش و جستجو کے لیے محنت میں مشہور تھے۔ (۲)

امام ابو داؤد کے بھی بلا واسطہ شاگرد ہیں سنن ابو داؤد کے بارے میں ان کا ایک
 بیان حافظ عسقلانی نے تہذیب میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ

امام ابو داؤد کی ایک لاکھ حدیثیں کا ذکر کرنے کے لیے جب آپ نے کتاب
 السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لیے ان کی کتاب
 قرآن کی طرح قابل اتباع ہو گئی اور اس دور کے سب ہی محدثین نے امام
 موصوف کو حافظ وقت مانا ہے۔ (۳)

ان کی تاریخ وقات حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ اور دول الاسلام میں اور حافظ
 ابن جریر نے سنن ابن جریر میں اس حدیث میں بیان کیا ہے۔ حافظ ابن
 جریر نے ان کی حدیثیں بیان کی ہیں۔ اس حدیث میں آپ کے بارے میں ہے۔ (۴)

2- حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید:

حافظ ابن عقیقہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا
 مبیوط ترجمہ لکھا ہے اور ان کے چہرے کا آغاز ان لفظوں سے کیا ہے

الیہ المنتہی فی قوۃ الحفظ و کثرة الحدیث۔ (۵)

قوت حافظ اور حدیث کی بہتات میں اس پر حد ہے۔

ان کے حافظ ہونے کے بارے میں حافظ دارقطنی کا تاثر یہ تھا کہ کوفہ کے تمام شہری
 ان کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

(۱) تہذیب اجتہاد ترجمہ محمد بن قلند (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۰

(۳) تہذیب ج ۲ ص ۷۲ (۴) تہذیب ج ۲ ص ۱۷۲ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۰

حافظ ابن مرقی صاحب بن عباس نے ہم پرین رو چکے ہیں کی نے صاحب سے دریافت کیا کہ آپ ادیب و مؤرخ ابن مرقی جیسے محدث سے محبت رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ جہ سے۔ اس اس لیے کہ ان کے میرے والد سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور اس لیے کہ میں ایب واز سورہا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو سارا ہے اور ارور سے پر ایب اللہ ان کا ہے میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے رہا کہ ایب واز سے پر کون سے "دارم" سے جواب دیا کہ "ابن مرقی" ہیں۔ حافظ ابی نے ہی یہ بھی بتایا ہے۔

قد صنف مستدابی حنیفہ۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کے مستد کا ذکر کیا ہے۔

و کذا الک حرج المعروف من الحفاظ ابو بکر بن العفری۔ (۲)

اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی یہ سند حارثی کی سند سے چھوٹی ہے۔ حافظ عسقلانی نے "اعلان باتوح" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ رین قاسم بن قطل بن نے حافظ ابن مرقی کی اس سند کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔ (۳) ماہ شوال ۳۸۱ھ میں ہمر ۵۶ سال ان کا انتقال ہوا ہے۔ (۴)

5- حافظ ابو الحسین محمد بن مظفر:

عراق جزیرہ مصر اور شام کے اساتذہ مشائخ سے چودہ سال کی عمر ہی میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کر دیا۔ ابن شاکین، حافظ دارقطنی، حافظ ابو حنیفہ، حافظ مالکی اور حافظ ابی قانی جیسے اساطین و ارکان علم حدیث نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں ایسا نمایاں کردار کیا کہ حافظ ابی سے بھی ان کی فن کاری کا اعتراف کیا۔

جمع والف عن مطابق هذا الفن لم يتخلف۔ (۵)

(۱) تذکرہ حفاظ ج ۳ ص ۱۷۲ (۲) قبیل الصدقہ ص ۶ (۳) اعلان باتوح ص ۱۱
(۴) تذکرہ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۳ (۵) تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸

ذہیب بغدادی نے اس کی صداقت و فہم و حفظ و مراد ہے۔ دارقطنی نے اس سے ہزار ہا حدیثیں کہیں ہیں۔ قاضی محمد بن عمر کا بیان ہے۔ حافظ دارقطنی حافظ بن مظفر کا سید اکرام کرتے تھے۔ ان کی موجودگی میں ہمارے سے نہ بیٹھتے تھے۔ (۱)

حافظ مستدانی فرماتے ہیں کہ حدیث کے لیے رحمت اللہ علیہ تواس سفر میں حافظ ابو حنیفہ مروی سے حدیث کا سامان کیا۔ (۲) ابن ابی اخوان کہتے ہیں کہ ان کی ثقاہت ثابت اور حسن حافظ بن قاتل، ان میں بدگمانی تھی۔ انہی لبہ لحدیث و حفظہ و علمہ حدیث، حدیث کا علم حدیث کا حافظ بن قاتل پر تھم ہے۔ (۳) حافظ کا عام یہ تھا کہ حافظ بن ابی اخوان نے ایک بار ان سے یہ روایت کے بارے میں دریافت کیا۔ اس روایت کا تعلق حدیث یا فتویٰ رائے ریدار عمر بن محمد سے تھے فرمایا ہے۔ پاس نہیں۔ سائل نے عرض کیا کہ یہ حدیث شاید ہونے یا ارمونی تو مجھے یاد ہوئی۔ میرے پاس اس راوی کی صرف ایک حدیثیں ہیں لیکن ان میں یہ سلسلہ سند نہیں ہے۔ (۴)

حافظ مستدانی نے اس کی تصانیف میں سند ابی حنیفہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (۵) ان کی تاریخ وفات ۳۹۹ھ ہے۔ دارم خورری رقمطراز ہیں کہ اس سند کی مجھے اس مشائخ سے اجازت ملی ہے۔ ابوالحسن الدین ابو محمد یوسف بن عبد الرحمن بن اخواری۔ اور شیخ ابو مظفر یوسف بن علی بن حسین۔ سامعی بن معانی۔ چہار شیخ عبد الملک عم حدیث اور حافظ حدیث میں اپنے دور کی ایک مثالی شخصیت تھے۔

6- حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد:

پورا نام حسین بن محمد بن احمد وثنی ہے۔ حافظ ابن مبارک کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حافظ ابی نے ان کو محدث ملا کہا ہے۔ حافظ مستدانی فرماتے ہیں کہ حافظ سعدی نے جو تاریخ بغداد لکھی ہے۔ اس میں ایک مہم سادہ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ امام مہموف مفید بغداد ہیں۔

(۱) تذکرہ الحفاظ (۲) لسان المیزان ج ۵ ص ۲۸۲ (۳) تذکرہ الحفاظ ج ۸ ص ۷۸
(۴) لسان المیزان ج ۵ ص ۲۸۲ (۵) قبیل الصدقہ ص ۶

اور حافظ عبد القادر قرطبی نے جو کہ تصنیف میں سر میں سارے تذکرے میں ۵۰۰
سمعی سے نقل کیا ہے۔

کتاب الاحادیث التي رواها ابو حنيفة جمع عبد الله بن محمد
الانصاري لجلده الفاسي صاعد برواية عنه۔ (۱)

ان کی تاریخ وراثت ۳۲۰ھ اور تاریخ وفات ۳۸۰ھ سے ۴۰۰ھ آپ ۱۰۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائے دار بجا ہو گئے۔

12- حافظ طلحہ بن محمد:

پرانام طلحہ بن محمد بن جعفر شہ ابو جعفر ہے۔ مشہور محدث ہیں۔ محدث خطیب بغدادی
نے تاریخ میں ان کے حالات قلم بند کیے اور ان کے اساتذہ کی بھی فہرست دی ہے حافظ مسعودی
نے ان میں سے ان میں سے مشہور فی رص الدار قطبی صحیح السماع۔ (۲) بن ابی
عمر نے ان کی تاریخ وفات ۳۸۰ھ بتائی ہے۔ اس میں ان کی تاریخ وفات قطبی کی
خطی سے مدد لی ہوئی ہے۔ جامع مسند میں ۳۸۰ھ سے اور تاریخ قطبی ۳۸۰ھ ہے۔

محدث خوارزمی فرماتے ہیں

كان معظم العدول والنفات الانساب في زمانه وصف المسند لابي
حبيفة۔ (۳)

حافظ آبی ابن السکری نے ان کی سند سے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے
فی مسند الامام ابی حنیفة تصنیف ابی القاسم طلحة بن محمد بن
جعفر الشاهد۔ (۴)

13- حافظ ابن عساکر دمشقی:

ابوالقاسم علی بن الحسن بن حماد تاج العارفین محدث در مورخین ہیں۔ ۵۹۵ھ تک ان کو

امام ابی حفص البلیغ محدث شامی نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے۔ یہ وہ ہے جو
سے علم حدیث حاصل کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے ان کے تذکرے میں ان کے حالات
لکھے ہیں۔ محدث خوارزمی نے حافظ ابن عساکر کے تذکرے میں ان کے حالات
میں عراقی کلمہ بن کوفی مشرقی اور ابن عساکر نے ان کے حالات میں ان کے حالات
لکھے ہیں۔ ان کے حالات میں ان کے حالات میں ان کے حالات میں ان کے حالات
۵۲۵ھ میں بنی ہاشم کی تصانیف میں تاریخ دمشق، تاریخ دمشق، تاریخ دمشق، تاریخ دمشق
اعظم کے مسند کا، کرؤ انوار علی نے تاریخ دمشق کے مقدمہ میں بھی یہ تذکرہ کیا ہے۔ محدث
نے تبیین کذب المستغری فہما تب انام شہری ان صاحب مسند میں یہ ہے۔ ان کی
تاریخ وفات ۵۵۰ھ ہے۔

14- محدث امام یحییٰ جعفری مغربی:

یہ یحییٰ مغربی شہ ولی محدث بغدادی ہے۔ ان کے حالات میں ان کے حالات میں ان کے حالات
وفات ہوئی شہ صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا تصور ان میں سے ہے۔ یہ
الاسانید کے نام سے ایک مکتب تصنیف یا سب سے تاج محمد بن امام احمد بن حنبلہ سے ہے۔ یہ
مسند جس میں ان کی ہے اور اس میں جس شراط و شروط کا یہ ہے ان کا بعد روایت صاحب
اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

مسند برائے امام ابو حنیفہ تالیف کردہ وہاں جامعہ متصل ذکر کردہ در حدیث۔

انہوں نے امام ابو حنیفہ کی اپنی مسند تالیف کی ہے جس میں اپنے کے امام
صاحب تک متصل ذکر کیا ہے۔ (۱)

در غور فرمایا کہ ان کا مطلب اس سے ماوریا واکہ جب تک محدثین کی
حدیثوں کے لیے کتابوں میں آجائے گئے بعد ان کی تصانیف باقی نہیں رہے اور ان
احادیث نے روایات مسند کی حیثیت اختیار کی اور خود محدثین نے اسے اس میں حصہ نہ لیا۔

شک ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں پر بھیجے اور یہ ہے یہاں کوئی واقعی حدیث کی کتابوں تک روایتی اتصال نہیں ہے بلکہ ارسال ہے لکھا ہے کہ:

مست و سبب تعلق کے ساتھ کتابوں میں آتی ہوئی ان کے مضمینوں کی طرف سے نسبت درست ہے کیونکہ علماء کی عادت یہی ہے کہ کتاب کا حوالہ دے دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ اخراج البخاری۔ اپنا بخاری تک سلسلہ سند بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

مراصل میں قومی ترہ مراصل علماء ہیں جو ان کتابوں کے سلسلے میں علماء کرتے ہیں۔ (۱)

اس کے علاوہ آثار یہ صرف عام تصدیقی و نصیحتی ہونی کی روایت میں آتے ہیں۔ تصدیق سے اس طرح شائبہ بھی ہے غفلت میں ان لوگوں کی غلط فہمی اور غوی حوشتے میں کہ حدیث کے سلسلہ میں آن علی اتصال نہیں۔ فرماتے ہیں
 آزاد بظلالِ زعم کسی کہ گویند کہ سلسلہ حدیث امر و زمتصل نہ اندہ واضح تر میشود۔

سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔ (۲)

• پچھلے بار ہم نے حدیث کا سہارا لیا تھا تو یہ حدیث کا نام متصل امام صاحب سے لے کر شاہ صاحب تک کیسے وجود میں آ گیا ہے۔

یہ مشاہیر حاکم اور محدثین میں محسوس ہے کہ امام اقصیٰ کی احادیث کو مستقل تصنیف میں اپنی روایت کے ساتھ نقلی صورت میں نقل کیا تو اس کے علاوہ اور بھی حفاظ میں جن کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بھی امام اقصیٰ کے مکتبہ پر قلم اٹھایا ہے۔ مشہور مفسر راہب و مفسرین کے تصانیف حسب یہ میں ان سب سے امام اقصیٰ اور حواہی ان شاہیں کا بھی نام لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وكان مع الخطيب عبد ماحل دمشقي مسد أبي حنيفة بغدادی
ومسد أبي حنيفة لابن شاهين۔ (۱)

یہ دونوں مسدیں اس مسدید کے طرہ میں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ محدث
خواری نے حسن نامہ اور محدثیں کے مسدودہ جامعہ مسدید میں ایک جا کرنے کی کوشش کی ہے اور
ان کی تصریح کے مطابق حسب ذیل ہیں:

- ١٥٠ مسند امام حافظ ابو عبد الله الحارثي المديني
 ١٥١ مسند حافظ ابو القاسم طلحة بن محمد
 ١٥٢ مسند امام حافظ ابو الحسين محمد بن المنظف
 ١٥٣ مسند حافظ ابو نعيم الاصبهاني
 ١٥٤ مسند امام ابو بكر محمد بن عبد الباقي
 ١٥٥ مسند امام ابو احمد عبد الله بن هدي
 ١٥٦ مسند حافظ عمر بن الحسن الاشثاني
 ١٥٧ مسند امام ابو عبد الله حسين بن محمد قسرو
 ١٥٨ مسند امام ابو القاسم عبد الله بن ابي العوام

اصل میں مسانید تو صرف یہی ہیں ان کے علاوہ جو دوسرے مسانید کا اس مجموعے میں تذکرہ ہے مثلاً:

- ❁ مسند امام حافظ محمد بن الحسن
 ❁ مسند امام حافظ قاضی ابویوسف
 ❁ مسند امام حسن بن زیاد
 ❁ مسند امام حماد بن ابی حنیفہ

اس سلسلے میں یہ سید نہیں بدلتا اب اس کے لئے نئے ہیں جس کی تعلیمات آپ نے پڑھ چکے

اطراف حافظ ابن القيسرانی:

[illegible]

() ماہنامہ مسکن ذیل میں طائفہ کے تحت درج ذیل طور پر کاربند ہوگا۔

ان کی تاریخ وفات ۱۷۵۰ء ہے۔

مسئله اول: احكام اخلاقي و شرعي

چنانچہ جانتے اس بار میں امام حنفیہ کی متعدد مسائل پر کافی راہیں موجود ہیں۔ ان سے متفرقین میں ان کتابوں کی شہرت کافی ہے بڑے بڑے علمائے محدثین سے ان کی شہرت بھی ہے۔ ان میں سے مشہور کتابیں ہیں قرآن مجید، حدیث، مکتوبات سے یہ نہایت عمدہ شرح ملتی ہے۔ یہ کتابیں ہیں جو ان کی شہرت بھی ہے ان کا نام

السانید فی اختصار اسماء بعض رجال الامانیہ ہے۔

امام ابو بکر احمد بن ابی الحسین محمد اقرشی نے اس کا جو مختصر حصہ اس کا نام
المستدرک فی مختصر المسند ہے۔ ایب درمندی کا مختصر شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل نے بھی حصہ لے کر
درمہ حافظہ الدین محمد بن احمد بن ابی اسد دینی نے رواد مسند ابی حنیفہ کے نام سے اس روایت
کو جو مسند ابی حنیفہ میں صحاح ستہ سے زائد ہیں جمع کیا ہے۔

مہر جو شخص رین مدینہ میں احمد اشجاء نے بھی ایک اختصار نقطہ ام جہاں میں
مسند ابی حنیفہ العسمان کے نام سے کیا ہے۔

مترجموں میں علامہ السید مرتضیٰ زبیدی محدث نے جامع المسد سے امام عسکری
اس اثبات کا نام کا انتخاب کیا۔ جس کی روایت میں مصنفین سچا ہے امام صاحب سے
شریک میں اس کتاب کا نام مقتول ابوہریرہ مدینہ فی اوتہ مذہب امام ابی حنیفہ سے اس کی تالیف
الواب نقد پر ہے۔

ہم حال احادیث ابی حنیفہ کی جو خدمت کی گئی ہے یہ ساری یہ بھلائی ہے۔
نظر میں ہے۔ اس لئے بطور ہدیہ پیش کی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ سارا نسخہ و نسخہ تیار شدہ
نکھ سے امد کرے۔ کوئی صاحب علم برکت اس بھی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے۔
وہادالک علی اللہ بھرہ۔

حدیث کا دوسرا مجموعہ موطا امام مالکؒ:

کتاب الآثار سے بعد حدیث کا دوسرا مجموعہ جو اس وقت امت سے ہاتھوں میں ہے
وہ امام مالک بن انس کی مشہور تصنیف موطا ہے۔ یہ اہل مدینہ کی روایات اور قوی کا
مستند ہے۔ موطا میں بھی کتاب الآثار کی طرح مسائل و احکام سے یہ احادیث جمع و
تقریباً اسی درجہ پر تاہم بعض کو نقش ثانی قرار دیا ہے۔ حکیم امت شاہوں نے یہ کتابیں
جانا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے چاہے وہ مسند موطا میں
نہ حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمرؓ کے نقل سے اسناد اس پر تاہم بعض
مدینہ کے قادی کے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کی مسند کا
متفق ہو امام مالکؒ کے مذہب کا اصول ہے۔ (۱)
فتح الباری کے مقدمہ میں حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:
یہ امام مالکؒ نے موطا تصنیف کیا اور اہل بخاری حدیثوں میں سے قوی اور صحیح
روایتوں کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحیحہ کے اقوال اور تابعین دوران کے بعد
والے علماء کے قادی کو بھی اس میں ضم کر دیا۔ (۲)

(۱) حافظ ابن الدین نقوی کے بارے میں رہنے والے شیعہ تھے۔ تاہم وہ مالک سے اقتداء
کے مقدمہ میں بتا رہے ہیں کہ انہوں نے بھی امام اعظمؒ کی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا
عنوان النسخۃ المسببہ فیما وقع له من حدیث امی حنفیہ ہے۔ حافظ نقوی نے مشہور کارنامہ
میں سے میں نے ہم عمل پر خود اہل علم کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ ان کی کتابوں کو
وہ العظیمہ لہ از من الحفاظ المتأخرین مثلاً۔ (بہار احادیث ج ۲ ص ۱۶۵)

(۱) مصنفی ج ۱ ص ۱۶۵ (۲) بی الساری ص ۳

موطا کے بارے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے

ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک۔

یہ اس کے بارے میں پر قسین حکیم کے حوالہ سے امام مالک سے روایت کی گئی ہے کہ کتاب میں (۱)
حافظ سیوطی نے تو یہ احوال سے مقدمہ میں امام شافعیؒ سے اس کتاب کی تعریف
میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ بعد و شافعیؒ نے مقدمہ کے بعد امام شافعیؒ سے اس کتاب کی یہ
توجیہ کی ہے:

اما قول الشافعی لدالک قبل وجود کتابین۔ (۲)

اور اصل اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں چونکہ موطا میں مسائل منقطع
اور بلاغات ہیں اس لیے موطا کا درجہ اب بخاری و مسلمہ کے بعد ہے۔ لیکن حافظ عسقلانی
فرماتے ہیں

لا فرق بین الموطا والبحاری فی دالک لوجودہ بصف فی البحاری من
الصالحین ونحوھا۔

اس معنی میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ بخاری میں بھی
تعلیقات موجود ہیں۔ (۳)

حافظ طبرانی نے حافظ ابن حجرؒ کی حوالہ موطا میں سے اس معنی میں
کا یہ جواب دیا ہے کہ:

موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو
روایتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کا اس امام مالک سے ایسا ہی کیا ہے۔ اور یہ ان کے میں
میں محبت ہے۔ لیکن بخاری میں اس قسم کی جو روایات ہیں۔ ان کی سندیں ان دونوں کا پتہ
حذف کی گئی ہیں جن کی تعلیقات کے سلسلے میں تشکیک برپا ہوئی ہے۔ (۴)

(۱) تہذیب المالک: ص ۳۳ (۲) تنقیح الافکار ج ۱ ص ۳۰

(۳) تہذیب المالک: ص ۳۷ (۴) تہذیب المالک: ص ۵

امام ابو یوسف فرماتے ہیں

سفیان الثوری اکثر متابعة لابی حنيفة منی۔ (۱)

امام ابو یوسف ہمیشہ اپنے استاد جامع سفیان ثوری کی قیادت سے مطالعہ کے بعد امام زفر کا اثر یہ تھا

هذا كلاما ينسب الى غيره

یہ بات تو ہماری ہے لیکن منسوب اوروں سے ہے

امام زفر نے جامع سفیان سے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ اس کے متبعی میں سے متعلق ہے۔ بعض ان فقہی مسائل کو جو کہ کے مابین اختلافی ہیں اور جن میں تمام محکمہ امتیاز اور ولایت کا ہے اس کا اہمیت اسے تھے اور اتنی اہمیت کہ ان کو ملے۔ اس کے بعد اسے اسے اسے تھے اس کا نذر اس واقعہ سے ہوتا ہے جو حافظ ابی نے لاکائی کی اسناد کے حوالے سے لکھا ہے۔

شعیب بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے عرض کیا کہ سنت سے موضوع پر وہی بات لینی کتاب تومیر سے یہ غلطی ہو اور اس کی پختہ ہو کہ کتاب لینی میں اس سے حوالہ سے اس کی باتوں اور آپ کی تربیت ہو جائے فرمایا ہو بسند اللہ الرحمن الرحیم قرآن اللہ کا ہے توفیق نہیں ہے اللہ ہی اس کا مدد اور معاون ہے۔ تو میں اس سے حوالہ نہ دیا فرمایا ہے اور ایمان قس و قس اور نیت کا کام نہ رہتا اور گھٹتا ہے اور شکوک و مقدمات رکھو۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ شعیب اصفہانی بات سے مدد نہ ہوگا جب تک تم مسیحی فتنہ کو نہ مانو گے اور جب تک نماز میں کھڑے نہ ہو گے نہ پڑھو گے نہ سجدہ دار سے پڑھو گے نہ مقابے میں فصل نہ چانو گے اور جب تک عقول پر ایمان نہ آوے اور جب تک ہر ایک و ہر کے پیچھے غار نہ پڑھو گے اور جب تک جہاں کو قیامت تک ضروری اور ہر عام و حال حکومت کے تحت نہ رہو

(۱) الجواہر المفیہ ج ۲

شعیب سے دریافت کیا کہ سب مہاجرین ان لوگوں کی امامت میں پڑھیں ضروری ہیں فرمایا جہد و میدان تمام یہی کی امامت میں پڑھوں سے مدد میں تمہیں اختیار ہے صرف اس کے پیچھے یا جو نہ فرماتے ہو کہ اہل سنت سے ہے۔ جب تم خدا کی جناب میں جاؤ تو تم سے دریافت کیا جائے تو اللہ ان خداوند مجھ سے یہ بات سفیان ثوری نے کہی ہے۔ (۱)

امام سفیان ثوری نے اپنے شاگرد بھی امام اعظم کی مجلس درس میں حاضر ہونے میں درس سے حدیثیں روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فتاویٰ انہوں نے علی بن مسعود سے حاصل کیا ہے جو امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ امام سفیان ثوری نے اپنی جامع کی تصنیف میں یہ دو ترانہ ہی سے مدد لی ہے خود علی بن مسعود کا بیان ہے کہ:

امام سفیان میرے پاس عشرہ کی تعداد کے بعد سے اور میرے سے امام اعظم کی کتابیں عاریطہ لے گئے۔ (۲)

امام سفیان کی جامع ایک زمانے میں محدثین نے یہاں بڑی مقبول و مستند رہی تھی امام بخاری نے حسب علم حدیث کی تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتابوں کی طرف توجہ دی اور سفیان ثوری کی جامع اور عبد اللہ بن مبارک اور ابی بن جراح کی تصانیف تھیں۔ امام بخاری نے جامع ثوری کا سامع اپنے اہل بیت میں امام ابو حفص سے یہ تھا۔ شعیب بخاری نے

محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ ایک حرف کتاب میں جو میرے یہاں نہ تھا میں نے ان سے دریافت کیا انہوں نے وہی بتایا میں نے اس سے پھر پوچھا انہوں نے پھر وہی بتایا آخر میں سے تیسری بار مرہمت کی تو فوراً چپ ہو رہے اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اسماعیل کا نانا کا محمد ہے فرمایا میں نے صحیح بتایا ہے یاد رکھو یہ ایک روز مرد میدان ہوگا۔ (۳)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ اسحاق بن رسیہ سے کسی سے دریافت کیا کہ جامع سفیان اور موطا میں کون سی کتاب زیادہ اچھی ہے فرمایا کہ کتاب ماکہ۔ (۴)

(۱) ترمذی و ابی داؤد بن مسعود (۲) ابن مسعود (۳) ابن مسعود (۴) ابن مسعود

نیں مام ابوہریرہؓ روایت ہیں کہ لوگوں نے اس موضوع پر بحثی کتابیں لکھی ہیں۔
میں جامع غیون سب سے اچھی ہے۔ (۱)

اس دور کی اور کتابیں:

اس دور میں ان کے علاوہ دوسرے ارباب علم نے میدان علم میں داخلہ کیا ہے۔
مذہب میں سے اور کتابوں کی تعداد بھی ہے کہ مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھی گئیں۔
مثلاً: یہ روایت میں پھر زائے امت ان کے اس احسان عظیم سے کبھی عہد و آراء نہیں
ہو سکتا۔ حنفی روایت میں

علمائے کبار نے سنن کی تدوین فقہ کی تالیف اور زبان و ادب پر کتابیں لکھی ہیں۔ ہارون
شید کے زمانے میں اس کی بہت سی روایتیں تصانیف مدون ہو گئیں۔ (۲)
حافظ ابن جریر عسقلانی فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

ماہنامہ نے حدیث اہل جہادوں میں سے روایتیں تالیف پر مشتمل موطا۔ ابن جریر
نے حدیث امام ابراہیمؓ نے شام میں اور سنن ثوریؓ نے کوفہ میں حماد بن سلمہ نے
بصرہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ (۳)

حافظ سیوطی تاریخ الخلفاء میں ۱۴۰ھ کے حوالے سے حنفی روایت میں حافظ ابی کی اہم سے نقل
ہے۔

قد سلفی شرح علماء الاسلام فی هذا العصر فی تدوین الحدیث
والفقه والتفسیر لصف ابن حریج بمكة و مالک الموطا بالمدينة والا
وراعی بالنسب و ابن اسی عروہ و حماد بن سلمہ و غیرہما بالنسرة
ومعمر باليمن و سفیان الثوری بالكوفة و صف ابن اسحاق المعاری و
صف ابن حبیبة الفقه و الرازی ثم بعد یسیر صف ہیثم و اللیث و ابن
لہیعة ثم ابن المبارک و ابو یوسف و ابن وہب و کثر تدوین العلم و
تبویہ و حونت کتب العربیة و الفقه و التاريخ و امام الناس۔

(۱) ماہنامہ محمدیہ ص ۱۰۰ (۲) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۱ (۳) الہدی الباری ص ۵

علمائے اسلام نے اس زمانے میں حدیث فقہ مذاہب و ادب میں لغت اور
تاریخ کی تدوین شروع کی۔ (۱)

مؤرخین نے اس اہمال کی کچھ شرح فرمائی ہے:

کتاب السنن ابن جریر:

یہ کتاب محدثین کے یہاں سنن ابی الوید کے نام سے مشہور ہے۔ استانی نے اس
نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

یہ سنن کی کتابوں میں سے سنن ابی الوید ہے۔ لوگ اس کو ابو حامد بھی کہتے ہیں۔
کا نام عبد الملک بن عبد حمز بن جریر ہے نہ جاتا ہے کہ او میں مصنف ہیں۔
وفات ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ (۲)

حافظ ابی کی نے ان کا پیروا لیتے ہوئے تذکرۃ الحفاظ میں بتایا ہے کہ صاحب
التصانیف۔ احمدؓ اہل علم اور علی بن احمد بنی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک کتاب تھی ابو حامد بن
مزار کہتے ہیں کہ ۱۵۰ھ میں میں اس تاریخ کی کتابیں لے کر ان کی خدمت میں ہاضمہ وقت
کے لیے حاضر ہوا مگر فسون کے ان کی وفات ہو چکی تھی۔ (۳) اس اندیک سے ان کی کتاب
السنن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

لہ من الکتاب کتاب السنن و یحتوی مثل ما یحتوی علیہ کتب السنن۔
اس کی کتابوں میں کتاب السنن ہے اس کے مضامین بھی سنن جیسے ہیں۔ (۴)
امام حسن بن ربیع و بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حافظ ابی کی نے
تاریخ کبیر میں خود امام حسن کی زبانی نقل کیا ہے۔

میں نے ابن جریر سے بارہ بار حدیثیں وہ لکھی ہیں جن کی فقہ کو ضرورت تھی
ہے۔ (۵)

ابن جریر کے اس بیان سے جو حافظ ابی نے مدون بن حماد سے نقل کیا ہے

(۱) تذکرۃ الحفاظ ص ۲۶۳ (۲) انوار السنن ص ۳۰ (۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶۰

(۴) بھرست لابن النعمان ص ۳۲۰ (۵) الاصحاح ص ۵۰

کے یہ مصنف نے امام اعظم سے اس قدر استفادہ کیا ہے۔ حافظ ابن قدامتہ میں۔
روایت میں جہالت میں کہ جب ان کو امام اعظم کی وفات کی خبر ملی تو ان سے قرآن
محمّد یہ تھے واللہ لقد ذهب علم کثیر بخلاف ما ستہمت بظلم و جحش (۱)

کتاب الفرائض لابن مقسم ۱۸۶ھ

میرزا بن مقسم کوفہ کے نامور محدثین سے ہیں۔ امام شعبہ جیسے رئیس المحدثین کا
بارہ میں تاثر یہ تھا کہ تمام سے زیادہ حافظ ہیں۔ امام احمد ان کو ذی حافظہ اور صاحب سنت
فرماتے تھے۔ روایۃ صحاح ستہ میں سے مشہور امام حدیث و فقہ ہیں۔ ابوبکر بن عیاض کا بیان ہے
کہ میں نے ان سے زیادہ افتخار نہیں دیکھا اس لیے ان ہی کی خدمت میں روپڑا خوا
روستے تھے کہ جو چیز میرے کان سے سن لی جی ہو نہیں بولیں۔ فقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام
ابن ابی شیبہ نے ان کو امام اعظم کا شاگرد بتایا ہے۔ حریر بن عبد اللہ قاضی بیان ہے کہ میں نے ان سے یہی مقسم
مسائل میں گفتگو کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلہ پر ان سے کوئی اختلاف کرتا تو فرمایا کرتے کہ
امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں۔ (۲)

اللہ کہ اعظم ابی حنیفہ اتنی جرات قدرت کے خلاف کے وقت ان کو بطور استاد
پیش کیا جاتا ہے ابن الدیم نے لکھا ہے کہ:

لہ من الکتاب کتاب الفرائض۔ (۳)

کتاب السنن لزامدہ بن قدامہ:

زامدہ بن قدامہ کوفہ کے مشہور محدث ہیں امام ذہبی نے ان کو امام شعبہ کا ہمسرہ بتایا
ہے۔ ان کی عملی جرات قدر کا اندازہ کرنا ہو تو ترجمہ کی میں امام احمد کا یہ بیان پڑھیے۔
ابو اسحاق کی حدیث کے سوا جب قرآن اور زبیر سے کوئی حدیث سن لیا تو اسے
دوسرے سے سننے کی فکر ہی نہ کرو۔ (۴)

(۱) مناقب لدینی ص ۱۸ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۸ (۲) الجواب النصیحہ ج ۲ ص ۱۷۹

(۳) فہرست لابن الدیم ص ۳۳۰ (۴) تذکرۃ الحفاظ

علامہ ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب السنن کتاب التہذیب کتاب
الغیر کتاب الزہد اور کتاب المناقب کا پتہ دیا ہے۔ (۱)
حافظ ابی بن زید نے زہد میں قدامہ کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ
عبد القادر نے الجواهر النضیہ میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

کتاب السنن یحییٰ بن زکریا ۱۸۴ھ

ان کا بھی حافظ ابی بن زکریا صاحب النصاب نے تصانیف میں ذکر کیا ہے۔
ان کی تالیفات میں کتاب السنن کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲)

ابن ابی شیبہ یوسف بن زکریا بن ابی رعدہ مدنی ہے۔ حافظ حدیث و فقہ
فقہ مدنی متروک اور ان کا بار مل علم و فضل میں سے تھے جنہوں نے قدامہ حدیث و علوم
کا کام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر مقدسی نے فقہی باری کے مقدمہ میں امام یوسف بن ابی شیبہ
سے نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری نے بعد ولہ میں آپ سے زیادہ شہرت و فتنہ نصیب
بخدا ہی رقمہ از ہیں کہ آپ سے پورے سال تک دروازہ ایک قرآن حکیم نہ تھا۔ بغداد میں
ایک مدت در تک درس حدیث دیتے رہے آپ کے تلامذہ میں امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور
یوسف بن ابی شیبہ ہیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے علم یحییٰ پر ان کے رہانے میں تحریر کیا۔ (۳)
یحییٰ بن زکریا امام اعظم کے صرف ان تلامذہ میں سے نہیں جنہوں نے امام اعظم بن عمر بن
تدوین کتب کا کام کیا ہے بلکہ ان میں اشخاص میں سے ہیں جن کا شمار تلامذہ و حقد میں میں ہوتا
تھا۔ چنانچہ حافظ ابو حفص علی بن زکریا نے سند متصل اسد بن اغرات سے روایت کی ہے

کان اصحاب ابی حنیفہ الدین دونو الکتب اربعین رجلا وکان فی
العشرۃ المنقلب من ابو یوسف ورفروداؤد الطائی و سدد بن عمرو
یوسف بن خالد السمنی و یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔

امام اعظم نے وہاں تک کہ ان کے تلامذہ میں کتب کا کام کیا وہ چاہیں تھے۔ ان
میں جو درجہ قیادت رکھتے تھے وہ وہیں تھے۔

(۱) فہرست ص ۳۳۰ (۲) فہرست ص ۳۳۰ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۶

بند یہ بھی بتایا ہے کہ یحییٰ بن زکریا ہی میں مکمل تدوین پورے تیس سال تک کتابت و خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس بن جریر ہی فرماتے ہیں۔

وهو الذي كان يكتبها لهم لئلا ينسئ (۱)

کتاب السنن و تالیف بن جریر الجراح ۱۹۷۷ء:

بن ندیم نے اس کی تصانیف میں کتاب السنن کا ذکر کیا ہے۔ (۲) ائمہ ثانی نے بھی بن جریر کا مصنف و تالیف کے نام سے تعارف کرایا ہے۔ (۳) حافظ ذہبی نے اس کی تصانیف کے بارے میں امام احمد کا یہ اقبالی ارشاد نقل کیا ہے کہ:

عليكم بمصنفات و كبح (۴)

اور ان کے چہرہ امام ذہبی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے امام ابی نعیم۔ المصنف محدث حرق احد الامت الاطلام۔ و تالیف بن جریر اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں فقہ و حدیث کے امام عابد و اذکار و اتباع تابعین امام شافعی و امام احمد کے شیخ ابوسفیان کسیت قمی امام اعظم سے فقہ میں درجہ تخصیص حاصل کیا اور حدیث میں امام اعظم، امام ابویوسف امام زفر بن جریر، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور فی الثعلبی وغیرہ ان کے اساتذہ ہیں اور عبداللہ بن مبارک، امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن منیع اور یحییٰ بن ائیم جیسے بہار محدثین آپ کے تلامذہ ہیں۔ یحییٰ بن ائیم فرماتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں آپ کی رفاقت میں رہا آپ ہمیشہ روزہ رکھتے ہر رات قرآن حکیم ختم کرتے تھے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (۵) امام اعظم کی خدمت میں کافی عرصہ رہے ہیں اور علم کا بہت بڑا حصہ ان سے حاصل کیا ہے امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے رکن بھی ہیں۔ الصمیری نے کہا ہے کہ فتویٰ میں امام ابوحنیفہ کی رائے کو اپناتے تھے۔ (۶) عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے اور امام اعظم سے بہت زیادہ حدیثوں کا سماع کیا ہے۔ (۷)

(۱) جوہر: تصنیف بن جریر ۳۱۱ (۲) تہذیب المستدرک ۳۳۰ (۳) انوار المستدرک ۳۳۰

(۴) تذکرۃ الحفاظ بن جریر ۳۳۹ (۵) تذکرۃ الحفاظ بن جریر ۳۳۲ (۶) الجوہر المستدرک ۳۰۸

(۷) اساتذہ بن جریر ۳۳۹

کتاب السنن سعید بن ابی عروبہ ۱۶۵ء:

امام ذہبی نے ان کو بصرہ میں اولین مصنف بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

اول من صنف الابواب بالبصرة۔ (۱)

علامہ ابن الندیم نے ان کی ابواب کو ان کی تصانیف میں کتاب السنن کہا ہے۔

(۲) حافظ ابن عبدالبر نے سند متصل ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سعید بن ابی عروبہ کے یہاں امام اعظم کا یہ علمی مقام تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

سعید بن ابی عروبہ سے ایک ہزار ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ مسئلہ کا تحقق حلقہ سے تھا جواب دیا اور فرمایا یکذا قال ابو حنیفۃ امام ابوحنیفہ بھی یکن فرماتے ہیں۔ بعد

ازیں ارشاد فرمایا کہ امام ابوحنیفہ تمام عراق کے عالم ہیں۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ سعید امام اعظم کے حلقہ سے یہ استفادہ کرتے تھے اور یہ کہ امام اعظم کی شخصیت صرف علمی نہیں بلکہ استدلال ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے سند متصل سعید بن ابی عروبہ کی روایت جو دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ سعید بن ابی عروبہ امام اعظم کے درس میں شریک ہو کر ان کے سامنے زانوئے ادب قہہ کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میں نوذ آیا تو امام اعظم کے درس میں حاضری دیتا تھا ایک روز امام اعظم نے

حضرت عثمان کے ذکر پر حمد اللہ فرمایا۔ میں چونکہ یہ عرض کا کہ آپ پر بھی اللہ رحم

کرے میں نے تو اس بستی میں آپ کے سوا حضرت عثمان کے لیے دعا سے رحمت

کرنے والا نہیں دیکھا یہیں سے مجھے امام اعظم کا مقام فضل معلوم ہو گیا۔ (۴)

یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ سعید بن ابی عروبہ نے امام اعظم سے اس قدر علمی

استفادہ کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے خود بن جریر کو بھی ان کا رفیق تصنیف بنا کر پیش کیا ہے۔

هو اول من صنف مع سعید۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۷ (۲) تہذیب المستدرک ۳۳۱ (۳) الانوار المستدرک ۱۴۰

(۴) الانوار المستدرک ۱۴۰ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۱

ابن الندیم نے بھی حماد کے مؤلفات میں کتاب السنن کا نام لیا ہے غالباً یہ ایک ہی کتاب سے مراد ہے۔ ایک جگہ یہ ہے کہ ایک ہی کتاب دونوں کی طرف منسوب ہے۔

کتاب التفسیر بشیر بن ۱۸۳ھ:

امام حنفی سے روایں امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کی جاتی ہیں۔
روای عنہ عباد بن العوام و ابن المبارک و ہشام۔

ان کی تصانیف میں علامہ ابن الندیم نے مندرجہ ذیل تین کتابیں بتائی ہیں:

کتاب السنن، کتاب المعسر اور کتاب الفراءت۔ (۱)

امام حماد بن زید نے فرمایا کہ میں نے محدثین میں ان سے زیادہ بلند مرتبہ نہیں دیکھا۔ محدث ثوری فرماتے ہیں کہ شیم لام اعظم سے تلامذہ حدیث میں ہیں۔ عبد الرحمن بن سعدی فرماتے ہیں کہ شیم میں ثوری سے بھی زیادہ حافظ تھے۔ ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے جلیل القدر محدثین ہیں۔

کتاب الزہد عبد اللہ بن المبارک:

حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ میں ان کو صاحب تصانیف الزہدین سے علامہ ابن

ندیم نے ان کی تصانیف میں متعدد کتابیں نام لگائی ہیں مثلاً کتاب الزہد، کتاب السنن، کتاب التفسیر، کتاب التاريخ اور کتاب البر والصلہ۔ (۲)

مشہور محدث امام یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ جب مجھے یقین اور مشکل مسئلہ سے سنا کہ پڑھتا ہے تو ہمیشہ ان کتابوں میں سے ایک کتاب پر ہوجاتی ہے جو وہی کتاب ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے ان کتابوں میں مندرجہ حدیث کی تعداد بھی بتائی ہے فرماتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں مندرجہ حدیثوں کی تعداد میں ہزار تھی۔ (۳)

یہاں یہ بتانا چاہئے کہ ابن الندیم نے عبد اللہ بن المبارک کا ذکر کرتے ہوئے ان کے وہ اشعار بھی درج کیے جو انہوں نے امام اعظم بن حنفیہ سے کہے ہیں۔ فرماتے ہیں

لقد ان البلاد ومن علیہا
بساتیر وفہ فی حدیث
لما فی المشرقیں لہ نظیر
رایت العانیس لہ سواہا
امام المسلمین ابا حنیفہ
کتابات لربور علی الصفہ
ولا بالمعربین ولا بکوفہ
حلاف الحق مع جمع صغیر

حافظ عبد القدوس فرماتے ہیں کہ ایک بار عبد اللہ بن المبارک کے ہاتھ تلامذہ ایک مجلس میں جمع تھے باہم گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ ابن المبارک کی خوبیاں شمار کریں۔ سب کا فیصلہ یہ تھا کہ عبد اللہ میں طرافت ادب، نفاذت زہد، شعر فصاحت، پارہائی، تصانیف، شہادت، یداری، سلامت، رائے، تقیید کلام اور تفسیر سے قوت اختلاف جسکی ساری خوبیاں آتی تھیں۔ (۱)

خطیب بغدادی نے عباس بن مصعب کا بھی ایسا ہی تاثر لکھا ہے۔
ہاؤ جو ان مناقب و آثار کے عبد اللہ بن المبارک امام اعظم کے اصحاب اور تلامذہ میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک ہی ابو حنیفہ اور یحییٰ بن ثوری سے مدد فرماتے تھے جسکی عام لوگوں کی طرح ہوتا اور ان کا اقرار ہے۔

تعلمت الفقه الذی عندی من ابی حنیفہ۔

امام اعظم کے تلمذ پر فخر کرتے ان کی مدح فرماتے تھے۔ (۲)

سیرت و مغازی:

ان کے علاوہ بھی دوسرے محدثین نے حدیث کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں اور ساتھ ہی دوسرے موضوعات پر بھی علمی سرمایہ شہور پڑا مثلاً سیرت و تاریخ، اشعار، ادب و شعر پر اس دور میں کتابیں لکھی ہیں۔
ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں کہ

سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے عروۃ بن الزہر نے قلم اٹھایا بعد ازیں ابان بن عثمان قسری نے کام کیا۔ ان کی علمی تحقیقات کو ان کے شاگرد عبدالرحمن بن المغیرہ نے سیرۃ اربعوں کے نام سے کج کیا اور محمد بن شہاب الزہری موسیٰ بن عقبہ نے ان کے بعد مغازی لکھے ہیں۔ بلاخر محمد بن اسحاق نے ان سب کو سیرۃ الرسول کا نام رکھ کر کج کیا ہے۔ (۱)

الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن اللطیف نے المہرست میں ان کا جتہ جتہ تذکرہ کیا ہے۔

فقہ و شراعی

ان موضوع کی تفصیلات ہم یہاں نہیں پیش کر سکتے۔ اس پر سیر حاصل مباحث کے سینہ آپ کو ہماری کتاب "امام اعظم اور علم شراعی" کا انتظار کرنا چاہیے لیکن ہم یہاں تاریخی ربط قائم رکھنے کے لیے چند اشارات کریں گے۔

علمی حیثیت سے کتاب وسنت اگر دلائل ہیں تو فقہان دلائل سے پیدا شدہ نتائج کا نام ہے یا جیسا کہ الخطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت اگر اسس اور بنیاء ہیں تو فقہان بنیاء اس پر علمی مبنی اور نت کے نام ہے یا جیسا کہ عیسیٰ بن عیسیٰ نے بتایا ہے کہ قرآن وسنت اگر ہیکی ہیں تو فقہ کی حیثیت اسی ہیکی کے اندر موقی کی ہے۔

زمانہ نبوت میں خود ذات نبوت فقہ و فتویٰ کے مرکز تھے آپ کے بعد کار بھی ہو جو شریعت کے رازوں و احکام اسلامی کے محروم تھے فقہ و فتویٰ میں آپ کے جانشین تھے۔ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن القیم نے نام حرمی سے نقل کیا ہے۔

فقہ و زمانہ نبوت سے آج تک فقہ میں اور تمام احکام میں قیاس سے کام لیتے رہے ہیں۔

حافظ ابن عساکر نے جامع بیان العلم میں حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن حزم نے احکام الاحکام میں فقہ کی تاریخ پر جامع تصدیق کیا ہے۔

مشہور جرمین مؤرخ بروکلمان نے اقرار کیا ہے:

اسلام کا دامن جزیرہ عرب سے باہر جید تو محدود نہ رہا بلکہ اس مکتبہ پر مشتمل ہوا۔ اس کا پورا پورا ثبوت ہے اجتہاد شراعی۔ اس طرح اسلام میں فقہ کا تصور ہو۔ یعنی اس عقلی تہذیب و عمل کے مجموعہ شراعی میں مختلف فیہ مقدم کیے گئے۔ (۱)

گولڈزیہر کی رائے ہے

فقہ و اجتہاد پر اسلام کے شروع ہی سے کام شروع ہو گیا تھا لیکن اس دور کی علمی حیثیت کچھ نمایاں نہ تھی۔

ان تصدیقات سے مجھے صاف یہ بتاتا ہے کہ فقہ و شراعی کا تاریخی رشتہ ذات نبوت اور صحابہ سے وابستہ ہے جیسا کہ ابن القیم حتیٰ نے کہا ہے کہ فقہ اسلامی کا دستور ضابطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ کہہ کر بتایا تھا کہ:

اے معاذ! پیش پا افتادہ معادلات و عمل ایسے کرو گے؟ جو لوگ کہ قرآن سے حضور نے دریافت فرمایا اگر قرآن میں تمہیں معادہ کامل نہ ملے تو پھر یہاں کرو گے؟ یا نہ۔ حضور آپ کی سنت سے۔ حضور نے پھر پوچھا کہ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر یہ کرو گے؟ بولے کہ اجتہاد کروں گا۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا الحمد للہ الہی وہی

رسول رسول اللہ لما یرضاه۔ (۲)

یہ درست ہے کہ جیسے سارے صحابہ حفاظ حدیث نہ تھے کہ ایک ایک چوٹی میں شریعت میں سے حدیث نبوت کو نقل کرنے والے صحابہ پر اور ان کی تعداد کے بارے میں امام حاکم نے للمدخل میں لکھا ہے کہ

فلروی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابة اربعة الاف رجل وامرأة ۳

یعنی صرف چار ہزار مرد اور بیس ہزار عورت تھے روایت کی ہیں۔ ایسے ہی سارے صحابہ فقہاء بھی نہ تھے بلکہ ان کی تعداد جیسا کہ حافظ ابن القیم نے اعلام میں بتائی ہے۔

سے تہذیب و تمدن اور حفظ و بقا کی تہذیب میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ بعد میں اس کتاب کی تصانیف میں اس پر امام مالک کی نسبت کا باعث بنی ہے لیکن عبدالحسن سے اس کا نام نہ لیا گیا۔ اس سے زیادہ کچھ مختلف نسخے ہیں جو ابو بکر محمد بن موسیٰ نے عبد اللہ بن عباس سے قرائن کتابی صورت میں جمع کر کے انبیا میں ہے۔ یہ اس دور کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ بعد کا ہے۔

فقہ و شرائع میں امام عظیم کی تصانیف:

اور میں فقہ و شرائع پر میرا آپ پسندین چکے ہیں سب سے پہلے کام امام عظیم سے یہ ہے۔ ذائقہ فہم حتیٰ کہ حدیث میں امام عظیم کے بارے میں یہ بتانے کے بعد کہ کان میں ابو زید الدین نحر حوا علی لشعبی الامام ابو حنیفہ المشہور۔ (۱) امام حنفی کے علاوہ میں سے مشہور امام ابو حنیفہ ہیں۔ یہ بھی سمجھ ہے کہ جوں تک فقہ و شرائع کا تعلق ہے اس کی ساری دنیا قائم کرنے کا سہرا امام عظیم ابو حنیفہ کے سر ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

الامام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ الذی وضع الاساس لاول مدارس الشوع الاربع فی الاسلام۔

ابو حنیفہ کی وہ ذات گرامی ہے جس نے فقہ و شریعت کی اسلام میں اولین اساس رکھی ہے۔ (۲)

فقہ کے موضوع پر ابو حنیفہ کے نام سے اگرچہ کوئی تالیف نہیں ہے اور اس سے ہم کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ فی الواقع اس موضوع پر امام عظیم کا کوئی سرمایہ علمی نہیں ہے لیکن دراصل امام عظیم کے مذاق تالیف پر غور کرنے کی وجہ سے دوستوں و یہ غلط فہمی ہوئی۔ ان کو یہ علم ہوتا کہ تالیف میں امام عظیم کا مذاق یا تھا تو وہ یہ کہہ کی حرارت نہ کرتے۔ اس کا طریقہ انداز تھا۔ بانی بولتے تھوڑے لکھتے۔ امام محمد کے نام سے جو کتابیں ہیں اس کی اصل امام عظیم ہی کا سرمایہ علمی ہے۔

فقہ کے موضوع پر امام کی قدیم ترین کتاب کتاب المسیر ہے آپ نے اسے اپنے حلیہ الحسن بن زید محمد بن حسن ابو یوسف اور سعد بن ابی ہشام بن علی بن یونس بن یونس وغیرہ کو املا کر رکھی۔ امام عظیم کی یہ کتاب جب امام محمد بن حسن بن علی بن یونس اور علی بن اس کا جواب تھا۔ قاضی ابویوسف نے امام حنفی کی کتاب کا بار بار اس دور میں قرائن کتابی صورت میں جمع کر کے انبیا میں ہے۔ یہ اس دور کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ بعد کا ہے۔

ابو یوسف کی کتاب "الروای سیر الاوزاعی" کو روایت کیا ہے۔ (۱)

امام عظیم نے فقہ میں امتداد دینی۔ کے نام سے بھی کتاب تالیف کی ہے۔ امام عظیم کی اس تالیف کے بعد ان کے شاگردوں نے اس میدان میں جو بھی حدیث نبویہ تالیف کی وہ سب کے سامنے عیاں ہے۔

اس میں قاضی ابو یوسف کی کتاب اور ابن ابی شیبہ کی کتاب اور ابی حنیفہ کی کتاب ہیں۔

امام محمد کی تصانیف میں المسیر صحیح اسے تفسیر یا مجمع علیہ کتاب بھی ابی الدین الجامع الصغیر زیادات مبسوط مشہور ہیں۔

امام حسن بن زید کے بارے میں علامہ ابن اندلیج نے طحاوی کے نقل کیا ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں مثلاً کتاب آداب القاضی کتاب حصان کتاب معانی الایمان کتاب القلالت کتاب القرائن کتاب الخراج۔ (۲)

اسی ابی حنیفہ کے بارے میں ابن اندلیج نے انکشاف کیا ہے کہ اس نے کتاب القرائن تالیف کی ہے نیز محمد بن عبد الرحمن جو بنی ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہیں اس کی تفصیلی تالیفات میں بھی کتاب السنن کا ذکر آیا ہے۔

الفرض اس دور میں تصنیف و تالیف کے نام میں کافی ترقی ہوئی اور امت سے علماء نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں۔

دور صحابہ ۱۰۲ھ سے ۲۰۰ھ تک حدیث:

یہ تو آپ پہلے سن آئے ہیں کہ علم حدیث کے نام سے جو علمی ذخیرہ آج دنیا میں موجود ہے، وہ حسب تہمت امام حاکم۔

قد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابة اربعة الاف رجل و
امواف۔ (۱)

میں صرف چار ہزار مرد سنی۔ سے حاصل کیا ہے۔ جن تابعین نے صحابہ سے یہ علم حاصل کیا اور بعد ان کی طرف منتقل کیا ہے ان کی تعداد اندازہً ان سے زیادہ ہوتا ہے۔ صرف طقات ابن سعد میں چند مئری شہرہوں کے جن تابعین کے حالات ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں

حدیث	۲۸۳	وفد	۲۱۳
مکہ	۱۳۱	بصرہ	۱۶۳

تاہم کوفہ اور مدینہ میں ان تابعین کی اس کثرت قدر آپ جی ان ہوں لیکن حجت بن وحی بات نہیں اس واسطے کہ وہی نقد و حدیث میں مزایت حاصل تھی۔ آپ چھپے امام صاحب کا یہاں پرہیز ہے کہ عین ان میں صرف ان واسطے اس ویت حق حاصل ہے کہ علمی مباحث میں اس کا ذکر کیا جائے۔ علامہ یاقوت حموی نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ

خففوا الغرات عن اهل المدينة وخذوا الحلال والحرام عن اهل
المكوفة۔ (۲)

قرأت مدینہ والوں سے اور حلال و حرام کی باتیں کوفہ والوں سے لو۔

یہ باتیں جن کے اتفاق و تباہی میں نقل کیا جاتا ہے جیسے اہل مدینہ سے تہذیبی مسائل کا تذکرہ امام صاحب کو وہاں اس طرح کرتے ہیں البسہ النسی لا اختلاف فیہا عدد۔ ایسے ہی اہل مدینہ کے ہم نامی مسائل کو بتانے کے لیے ایسے موقع پر امام محمد یہ فرماتے ہیں

(۱) المدخل: ص ۷

(۲) علم البلدان ج ۲ ص ۶۳

ہو لولول اسی حبیطہ و العامة من فقہائنا۔ اور ائمہ مدینہ والوں کو کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو امام مالک فرماتے ہیں ہذا احسن ما سمعت۔ اور امام محمد اہل کوفہ کے اختلاف کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرماتے ہیں ہو احب البسا۔ الغرض مدینہ اور کوفہ میں ائمہ تابعین کی یہ کثرت کوئی حیرت والی بات نہیں ہے۔ ان ائمہ تابعین کے حالات کتابوں میں پڑھتے ہیں آپ کو یہ علم جائے گا کہ ان لوگوں نے صحابہ کے زمانے کا بہت بڑا حصہ پایا ہے ان میں سے بیشتر وہ ہیں جنہوں نے صحابہ کے گھروں اور صحابیات کی گود میں پرورش پائی ہے۔

مدینہ میں تابعین میں حدیث و آثار کا سرچشمہ، سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر اور قاسم بن محمد ہیں تو کوفہ میں مسروق، عقیقہ اور اسود بن یزید تھے ہیں۔

سعید کو حضرت ابو ہریرہ جیسے راوی کبیر کے دواہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عائشہ کے بھانجے اور قاسم کے بھتیجے ہیں اور ان دونوں کی حضرت عائشہ سے ہی پرورش کی ہے۔ کوفہ کے مسروق بن ابی ابراہیم حضرت عائشہ سے بھی اور لے پائے ہیں۔ عقیقہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی تربیت فرمائی ہے اور ان کو براہ راست فاروق اعظم بھی مرتضیٰ، ابو الدرداء اور عثمان غنی سے استفادے کا موقع ملا ہے۔ اسود بھی عقیقہ کے بھائی اور ابراہیم غنی کے ماموں ہیں۔ یہ ایک نمونہ ہے۔ درنہ سارا گلستان ہی سدا بہار ہے۔ ان تابعین کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص سے صحابہ کے علم و تہذیب کی کئی کئی فیصوں، ورفی وکی کے تعلق و اقییت بہم پہنچائی ہے۔ احادیث کا اثر و اثر و خیر و ان ہی تابعین کی وساطت سے اس کے علاوہ کے وسیع امت کو وراثت میں ملا ہے یہ سب اس کے علاوہ جن حضروں نے اپنے اس اساتذہ کے علوم و سنین سے صحیفوں میں منتقل کیا ہے۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ جن کی تحصیل ہم پر دے چکے ہیں وہ ایک نظر اس نقشہ پر بھی ڈال لیجئے تاکہ اس دور کی تاریخات کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ نقشہ ہم نے اعتدالی کی کتاب الرسالۃ المستطرفة سے تیار کیا ہے۔ ہم یہاں صرف مختصر کے ساتھ اس کی پیش کرتے ہیں۔

کتاب اسمن	الوید بن مسلم ترقی	۱۹۰۶ھ
کتاب اقرا	اسحاق الوراق	۱۹۰۵ھ
کتاب سنس	ابراہیم بن مہربان	۱۹۰۳ھ
کتاب الفیہ		

اور جو شخص کہ ان مذاہب کے اصول پر عمل سے وہ اس بارے میں کوئی شک نہیں کرے گا۔ کہ ان مذاہب کی اصل ذوقِ اعظم کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان مذاہب میں ایک امر مشترک ہے اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہاء جیسے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں۔ اور بہارِ تابعین فقہاء سید اور صحابہ تابعین مدینہ میں سے زہبی اور ابی حبیہ حضرات پر اعتماد امام مالک کے مذاہب کی بنیاد ہے اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے احادیث میں اعتماد اور حضرت علیؓ کے فیصلوں کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب روایت کرتے اور مانتے ہوں اور اس کے بعد ابراہیم نخعی اور شعبی کی تحقیقات اور ان کی تخریجات پر اعتماد امام ابو حنیفہ کے مذاہب کی بنیاد ہے۔

آپ ان صدی میں طرہ حدیث پر مصنفین کے حالات رجحان کی کتابوں میں پڑھیں
آپ معلوم ہو جائے گا کہ ان میں بیشتر راہِ عقلم کے تانہ ویدیں یا چھ دو ہیں جو امام اعظم کے

۱۵۸	محمد بن عبدالرحمن بن ابی زب	کتاب السنن
۱۵۹	عبدالرحمن بن ریحان بن اسم	کتاب التلخیص والتمیخ
۱۶۰	عبدالملک بن محمد بن ابی جعفر	کتاب المعاری
۱۶۱	محمد بن اعظم بن محمد بن	کتاب السنن
۱۶۲	اسامیل بن حمید	کتاب التفسیر
۱۶۳	عبد الرحمن بن ابی ریحان	کتاب السنن

علمی جلال سے بحد متاثر ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں امام اعظم کے تلامذہ اسلامی دنیا کے چپے چپے پر پیتے ہوئے تھے۔ اور ہر جگہ علوم اسلامی کی خرد و اشاعت کا کام کر رہے تھے۔

حافظ عبد القادر قرطبی نے کتاب التعلیم کے حوالہ سے امام اعظم کے تلامذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور امام حافظ الدین محمد بن محمد انکری نے امام اعظم کے خاص تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد من روئے عہد الحلبہ و الفعہ کا عنوان قائم کر کے ان کا شمار تلامذہ کر دیا ہے۔ ان شہروں کو آپ دے ہوئے نقشہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔

امام طحاوی نے ان چار ہزار میں سے چالیس کو مدونین اور مصنفین کتب میں شمار کیا ہے حافظ عبد القادر نے اسد بن عمرو کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

کان من اصحاب ابی حنیفۃ الدین دو مائة و اربعون رجلاً۔ (۱)

اصحاب ابو حنیفہ میں جو ارباب تصنیف ہیں ان کی تعداد چالیس ہے۔

اسد بن عمرو کا بھی شمار ان چالیس میں ہے ان کے بارے میں حافظ ابو نعیم کی تصریح

ہے کہ

اول من کتب کتب ابی حنیفۃ اسد بن عمرو۔ (۲) حافظ ابو جعفر طحاوی

نے چالیس کی جو تعداد متصل اسد بن الفرات (۳) کے حوالہ سے بتائی ہے ان میں سے قاضی

ابو یوسف (۱) امام محمد (۲) امام زفر (۳) کنج بن الجراح (۴) یحییٰ بن زکریا (۵) اور

(۶) عبد اللہ بن البرک کے بارے میں تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ ارباب تصنیف ہیں۔ باقی

کے حالات پر تفصیلی تبصرہ انشاء اللہ آپ کو امام اعظم اور علم الشرائع میں ملے گا۔ یہ اوراق اس

کے متحمل نہیں ہو سکتے سر رہے صرف ان کے اسمائے گرامی پیش کرتا ہوں

(۱) الجوامع المفیدۃ: ج ۱ ص ۱۳۰ (۲) المراجعات ص ۲۳۰

(۳) یہ بزرگ قیروان کے مشہور قاضی ہیں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے دوران درس پوچھتے

بہت زیادہ تھے امام مالک نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ دیا کوفہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد سے استفادہ

کیا۔ علامہ ابو اسحاق شافعی اسی نے طبقات اہل علم میں یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ موصوف معہ تشریف لے

گئے اور مالکی مذہب کے ترجمان عبد اللہ بن اہب کی خدمت میں حاضر ہوئے ﴿باقی صفحہ ۵۰۳ پر﴾

(۷) امام داؤد بن نصیر الطائی (۸) امام حفص بن غیاث (۹) امام یوسف بن خالد التمیمی (۱۰) امام حنفیہ بن یزید (۱۱) امام سہب بن علی (۱۲)

امام مندل بن علی (۱۳) امام علی بن مسعود (۱۴) امام القاسم بن عیسیٰ (۱۵) امام اسد بن عمرو (۱۶) امام فضل بن عیسیٰ السدوسی (۱۷) امام علی بن طیار (۱۸)

(۱۹) امام بشام بن یوسف (۲۰) امام یحییٰ بن سعید القطان (۲۱) امام شعیب بن

اسحاق دمشقی (۲۲) امام حفص بن عبد الرحمن بن یحییٰ (۲۳) امام حکم بن عبد اللہ بن یحییٰ

(۲۴) امام خالد بن سلیمان بن یحییٰ (۲۵) امام عبد الحمید بن عبد الرحمن بن یحییٰ (۲۶) امام ابو

عاصم بن حاکم بن محمد بن یحییٰ (۲۷) امام یحییٰ بن ابراہیم بن یحییٰ (۲۸) امام یحییٰ بن

عبد اللہ بن ادریس (۲۹) امام عیسیٰ بن عیسیٰ (۳۰) امام یحییٰ بن یحییٰ (۳۱)

امام نوح بن دین الجراح (۳۲) امام ربیع بن معاویہ (۳۳) امام شریک

بن عبد اللہ قاضی (۳۴) امام نصر بن عبد اللہ (۳۵) امام مالک بن مغول (۳۶)

(۳۷) امام جریر بن خازم (۳۸) امام جریر بن عبد الحمید (۳۹) امام الحسن بن زیاد

(۴۰) امام حماد بن ابی حنیفہ (۴۱) امام ابو عاصم نوح بن مریم (۴۲)

بہر حال بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں علم حدیث کی اتالی خدمت کی

مکنتی ہے۔ اور اس خدمت کا فرض امام اعظم اور امام مالک کے تلامذہ نے انجام دیا ہے۔ تیسری

صدی میں آنے والے محدثین بخاری و مسلم دیگر ارباب سنن اور مسابغ نے ان ہی سے علم

حدیث حاصل کیا ہے۔

﴿بقیہ صفحہ ۵۰۲ پر﴾ اور عرض کیا کہ ہمدہ کتب ابی حنیفہ یہ امام اعظم کی تالیفیں ہیں مجھے کچھ

سوالات کے جوابات مذہب مالک کے مطابق درکار ہیں۔ ابن اہب طرح اسے گئے وہاں سے ابن

القاسم کے پاس آئے اور پھر قیروان واپس آ گئے۔ لکھا ہے کہ قیروان میں ابو حنیفہ کی کتابوں کے

مصدقے ہی نہ تو علمی جلال کا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کتابوں کی ایک نقل ابن القاسم کی درخواست

پر موصوف نے ابن القاسم کو بھی دے دی۔ (الانشاء ص ۵۰)

قد كان السلف يطلقون المحدث والحافظ لمعنى (۱)

سلف کے نزدیک محدث اور حافظ کے ایک ہی معنی تھے۔

تیسری صدی میں ابجدیث صاحب حدیث یا محدث اس وقت تک کسی کو کہا جاتا جب تک میں ہزار حدیثیں قلم بند نہ کرے چنانچہ حافظ ابوسعید اسماعیلی نے حافظ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بتایا ہے کہ

جو شخص بیس ہزار احادیث نہیں لکھتا اس کا شمار اہل حدیث میں نہیں ہو سکتا۔

جب کہ تیسری صدی میں محدث ہونے کے لیے صرف حفظ حدیث ہی کافی تھا چنانچہ شہید ابن شہیر امام احمد کے استاد فرماتے ہیں جو شخص حفظ حدیث نہیں کرتا وہ ہرگز محدث نہیں ہے۔ (۲)

بلاخرہ ترقی کر کے تیسری صدی میں محدث ہونے کے لیے اہل حق سے ہونے کی گرفت بھی اچھلی کر دی گئی اور اہل حدیث صرف فن کاروں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حتیٰ کہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے اعلان کر دیا کہ

هؤلاء هم اهل الحديث من اى صنف كانوا وكذا لك اهل العربية واهل اللغة فان اهل كل فن هم اهل المعرفة فيه۔

خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں ابجدیث ہیں جیسے اہل لغت اور اہل عربیت اہل فن وہی کہلاتے ہیں جو اس میں فنکار ہوں۔ (۳)

جب کہ دوسری صدی کے مؤرخین احادیث لینے میں تدوین کو پیش نظر رکھتے تھے۔ امام مسلم نے مقدمہ میں سیدنا ابی جعفر امام ابن سیرین کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ علم دین ہے یہ دیکھو کہ لے کس سے رہے ہوا پناہ دین۔

امام نسائی نے ابراہیم نخعی کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں دستور یہ تھا کہ جب کسی سے حدیث لینی ہوتی تو اس کے اخلاق دیکھتے اس کی نماز دیکھتے اس کے احوال کی پچھان جین کرتے پھر ان سے حدیث لیتے۔ (۴)

(۱) تدریب روای میں ۸

(۲) تدریب

(۳) التعلیق علی توطیع الامام ترمذی ج ۱ ص ۱۱۵

(۴) الروض الباسم ج ۱ ص ۱۳۲

حدیث میں مولفات کا توسع:

علم حدیث کی اسی پہنائی اور وسعت کا تعنیف و تالیف پر بھی تیسری صدی میں اثر پڑا اور اس کے نتیجے میں جوامع و سنن کے ساتھ تعنیف و تالیف کی بے شمار انواع و اقسام کے مصنفات پر آگئیں مثلاً

مساید، مصنعات، صحاح، مستخرجات، اجزاء، معجم، طبقات، موضوعات، مشیخت، اعلل، العوان، الاطراف، لزوائد، تنزیجات، افراد، انساب وغیرہ وغیرہ۔

دوسری صدی کے مؤرخین چونکہ براہ راست مشاہیر تابعین یا کہاں تابعین کے فیض یافتہ تھے اس لیے ان کو اسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت پیش آئی تھی نیز تیسری صدی میں اسنادی وسائل پہلے سے کئی گنا بڑھ گئے اس لیے تیسری صدی میں محدثین کو اس سلسلے میں ایک سے زیادہ فنون سے دوچار ہونا پڑا۔ اور جمع روایات، تنقید احادیث اور اصول روایت کے سلسلے میں بہت سی ایسی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں جن کی بناء پر اس دور کے مصنفین کو حدیث کی تدوین اپنے اپنے مذاق کے مطابق کرنی پڑی اور تعنیف و تالیف میں یہ گونا گوں انواع و اقسام رونما ہوئے۔

علم حدیث میں مسانید کی تالیف:

سب سے پہلے تیسری صدی کے مؤرخین نے حدیث کو آثار صحابہ سے علیحدہ کر کے مسند حدیثیں جمع کیں۔ ہر راوی کی تمام پریشان اور غیر مرتب روایات کو یکجا کیا اور اس طرح مسانید کی تعنیف کا آغاز ہوا۔ حافظ ابن حجر مسندی نے تیسری صدی کے مشاہیر محدثین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

تا آنکہ کچھ انہی کی یہ رائے ہوئی کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل طور پر علیحدہ کیا جائے اور یہ تیسری صدی کے آغاز میں ہوا چنانچہ عبید اللہ بن موسیٰ کوئی مسند دہیں سرحد صحریٰ اسد بن موسیٰ اموری اور فضیم بن حماد خزاعی نے ایک ایک مسند تعنیف کی۔ دوسرے انہی بھی ان کے نقش قدم پر چلے اور حفاظ حدیث میں

مثال بنی سے کوئی امام ہوگا کہ جس سے اپنی احادیث کو مسابیح پر مرتب نہ کیا ہو۔ چنانچہ امام محمد بن فضیل، اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور ان جیسے دیکھنے والے بھی یہی طریق اختیار کیا اور بعض محدثین نے جیسے ابو یوسف بن ابی شیبہ و ابی مسانید دونوں عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ (۱)

امام حاکم المدخل میں رقمطراز ہیں۔

یہ مسابیح حوالہ میں تصنیف ہوئے ہیں صحابی کی روایات ہیں ان کا مسند مسند احمد اور بخاری۔ قسم کے راویوں پر مشتمل ہے مثلاً مسند حمید بنہ بن موی اور مسند بنی ہاشم۔ یہ دونوں پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے مسابیح بھی ہیں ان دونوں کے حدیث بن فضیل اسحاق بن راہویہ زبیر بن حرب اور عبید اللہ بن عرقا امری نے مسابیح ترتیب دیئے۔ بعد ازیں کثرت سے تراجم رجال پر مسابیح مرتب ہوئے اور ان سب سے بچ کر نے میں صحیح ائمہ کے تیار کا کوئی نہ ہو سکا یہ گیا۔ (۲)

علامہ محمد بن اسماعیل یحیائی نے مسند کی یہ تعریف کی ہے کہ:

بعد کفریہ ماوراء دکن ذالک الصحابی جمعہ فی جمع الضعیف و غیرہ۔ (۳)

الکتابی نے جو مسند کی تعریف فرمائی ہے وہ بھی گوش گزار فرما لیجئے

وہ کتابیں جس کا موضوع صرف یہ ہے کہ وہ صحابی کی حدیثوں و ائیک ایک ہیں یا جاتے چاہے یہ صحیح ہوں یا ضعیف ان کی ترتیب اس کے مطابق ہے کہ وہ حدیثوں کے مطابق ہوتی ہے۔ (۴)

یہ مصنفین مسابیح کا پیش ہوا مصنف یہ بتاتے ہیں کہ حدیث کے تمام منقشہ نسخے اس میں جمع کیے گئے ہیں اور ایک صحابی کی جس قدر احادیث ملتی ہیں ان کو سمیٹ دیا جائے اور چنانچہ یہ مسابیح نہیں ہے کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سند و اعتبار سے لے لیے جس سند سے اس حدیث سے بھی وہ روایت مصنف کو پہنچی ہو۔ وہ سند درست نہ آتا ہے۔ بدین ہر مصنف

صحیح روایات کی بقولی اس کے موضوع سے خارج اور اس کی شرط تصنیف کے منافی ہے۔ یومہ اس کی شرط تو صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک صحابی کے نام سے تمام صحیح صحیح اور غلط صحیح قوی و ضعیف قوی قابل قبول اور ناقابل قبول سہ ماہیہ ہر طرف سے تلاش و جستجو کے بعد فراہم کر دیا جائے تاکہ کوئی روایت حدیث ہونے سے روایت نہ ہو سکے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزير فرماتے ہیں

و شرط الھدھا ان یفر دورا حدیث کل صحابی علیحدہ من غیر نظر الی الا یوت و یستقصون جمیع حدیث ذالک الصحابی کلہ سور من یحتج بہ ام لا فقصہم حصر جمیع ما روی عنہ۔ (۱)

اس کا مطلب یہی ہے کہ اس مسابیح کے پیش نظر ہر قسم کے سرمایہ کی فراہمی ہوتی ہے شاید آپ حدیث محسوس کریں کہ اس فراہمی سے ان بزرگوں کا مقصد یہ تھا کہ ایسا کریں کہ ہر قسم کے دراصل اس بزرگوں کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ سارا ذخیرہ دیکھی ہو کر آجائے گا تو اس فن اصول تنقید اور قواعد روایت کے مطابق اس تمام روایات کی جانچ پڑتال کر کے ہر روایت کے بارے میں رائے قائم کر سکیں اور ساتھ ہی ایک ایک حدیث کے سے طرق و اسابیح کا پیش ہر نسخہ و جمع و کر حدیث کے روایتی اسابی اسکا سہارا دیا ہو جائے۔ چنانچہ حافظ محمد بن وزیر الوزير فرماتے ہیں

ہذہ المسانید الکبار التي بدخر فيها طرق الاحادیث۔ (۲)

ان مسابیح سے حدیث کے طرق اور اسابیح کا علم ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث اگر متعدد صحیح طرق سے آتی ہے تو وہ روایتی نقطہ نظر سے قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے اور اگر ضعیف طرق و اسابیح سے بھی آئے تو یہ ضعیف طرق صحیح حدیث سے ہے تو اعلیٰ اور شواہد کا کام دیتے ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

مالھا من المناہات والشواہد۔

اس دور میں اگر مسابیح بہت کچھ گئے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین کی صیافت جمع کے لیے چند مہتممین کا ذکر کرتے ہیں

۳۰۳ھ	مسند امام ابی داؤد طیالسی	۲۲۳ھ	مسند مسند ابن مسعود
۳۱۳ھ	مسند حمید اللہ بن موسیٰ کوئی	۲۲۶ھ	مسند ابی جعفر عبد اللہ بن محمد
۳۲۸ھ	مسند یحییٰ بن عبد الحمید حنفی کوئی	۲۲۶ھ	مسند ابی جعفر محمد بن عبد اللہ کوئی
۳۳۹ھ	مسند ابی اسحاق براہیم بن سعید	۲۵۲ھ	مسند ابی یعقوب ہمدانی
۳۵۰ھ	مسند ابی حسن علی بن محمد بن حسن	۲۵۲ھ	مسند ابی حسن محمد بن مسلم
۳۹۶ھ	مسند ابی زکریا محمد بن زکریا	۲۶۱ھ	مسند ابی زکریا محمد بن زکریا
۳۶۵ھ	مسند ابی محمد بن منصور	۲۹۰ھ	مسند ابی سعید عثمان بن سعید
۳۹۶ھ	مسند ابی حسن علی بن عبد حمزہ	۲۹۰ھ	مسند ابی عبد الرحمن بن محمد بن اسحاق
۳۳۸ھ	مسند ابی یعقوب اسحاق بن ابراہیم	۳۳۳ھ	مسند ابی جعفر احمد بن محمد بن علی
۳۹۳ھ	مسند ابی حارث بن محمد	۳۳۹ھ	مسند ابی حسن عثمان بن محمد
۳۷۳ھ	مسند ابی عبد اللہ محمد بن یحییٰ	۳۳۹ھ	مسند عبد بن حمید
۳۱۹ھ	مسند ابی ہریرہ عبد اللہ بن ابی ہریرہ	۳۱۲ھ	مسند محمد بن یوسف انصاری
۳۵۹ھ	مسند محمد بن عثمان	۳۲۶ھ	مسند یحییٰ بن یحییٰ
۳۹۳ھ	مسند ابی محمد بن محمد بن محمد بن محمد	۳۲۶ھ	مسند محمد بن محمد بن محمد
۳۵۲ھ	مسند احمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد	۳۲۵ھ	مسند اسحاق بن منصور بن محمد بن محمد
۳۵۳ھ	مسند محمد بن براہیم بن مسلم	۳۵۲ھ	مسند یعقوب بن ابراہیم بن ابراہیم
۳۵۴ھ	مسند محمد بن حسن ابی عبد اللہ	۳۲۲ھ	مسند یعقوب بن شریک بن محمد بن محمد
۳۹۹ھ	مسند ابراہیم بن اسماعیل	۳۹۹ھ	مسند یحییٰ بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد
۳۹۳ھ	مسند احمد بن علی بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد	۳۹۵ھ	مسند ابراہیم بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد
۳۳۱ھ	مسند محمد بن فضیل	۳۲۶ھ	مسند قی بن محمد

مسند میں اولیت

ان تمام مسند میں تاریخی طور پر آخر چھ اولیت کا مرتبہ جیسا کہ الی تم نے لکھا ہے۔
اول من صف المسانید علی ترجمہ الرجال فی الاسلام عبد اللہ بن
موسیٰ العباسی و ابو داؤد الطیالسی۔ (۱)

حمید اللہ بن موسیٰ کوئی کے مسند کو اولیت حاصل ہے کیونکہ مسند طحاوی کی حقیقت ابو داؤد
طحاوی کی تصنیف نہیں بلکہ اس کے جامع حراسان کے ہندو محدثین ہیں۔ امیر یمنی فرماتے ہیں کہ
اس کی حیثیت مسند شافعی سے کم ہے۔ علامہ نقاشی کہتے ہیں کہ مسند طحاوی و جن
برہمنوں نے ان مسند قرار دیا ہے ان کے پیش نظر صرف یہ ہے کہ مصنفین مسند میں رہائی کا خط سے
ابو داؤد کا زمانہ سب سے پہلے ہے اور یہ مسند ابو داؤد کی تصنیف ہے مگر یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ

ابو لیس من تصنیف اس داؤد اما جمعه بعض الحفاظ الحرا سانیس۔ (۲)
یعنی یہ ماہنامہ ابو داؤد کی تصنیف میں بدل بعض خراسانی محدثین نے بعد میں یہ ماہنامہ
انجام دیا ہے۔ اور حمید اللہ بن موسیٰ کے بارے میں محدثین کی ترشح کہ مسند خود ان کا تصنیف
کردہ ہے۔ حمید اللہ پر تشیع کی نسبت ہے۔ ابو داؤد نے اس کو شیوخ لکھا ہے۔ لہذا یہی ہے
میں تیار ہوا۔ شیوخ سے اس کا چھوٹا ہونا یا یہ ہے کہ اس دور میں شیوخ ہونے کا مفہوم
آج کے مطابق نہ تھا۔ اس دور میں شیوخ ہونے کا مفہوم یہ مطلب ہوتا تھا کہ حضرت علی و باقی
صحابہ پر مقدم کیا جائے چنانچہ حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ:

النسب و هو تقديم علی علی الصحابة رضى الله عنهم اجمعين۔ (۳)
اور شیوخ محقق یا جان ہونے کا مطلب دوسری صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی
رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ

لنسبى العالی فی زمان السلف و عرفهم هو من نكتم فی عنان
والربر و طلحة و طائفة من حارب علیاً و نقرض بسهم۔ (۴)

(۱) ترمذی لاؤد ص ۲۲۹

(۲) مسند مسند ص ۵۲

(۳) لسان المیزان ج ۱ ص ۱۰

(۴) ترمذی لاؤد ص ۲۱۹

میں نے یہ جید نصاب مقرر کیا تھا جس میں اس دور میں اس نوع کا تھا۔ اس نصاب پر مضمون
 کا عقیدہ تھا کہ مقرر ہوئے۔ چنانچہ ماسی کی نے تدریجاً اصلاح میں ان ۱۰۰۰
 مہدین کے ساتھ امام اعظم کے ملازم میں شمار کیا ہے۔ (۱)

اس کا مطلب اس ہے کہ اگرچہ حدیث اربعہ میں شریعت میں
اہلیت کا سوا امام ائمہ کے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔ لیکن امام عین
مقام عظمیٰ حاصل ہے۔ عید مذکور میں یہ طرف امام عظمہ سے تادم میں ہے۔ یہ تو
دوسری طرف امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ میں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر مستدری نے فق
ابہاری کے مقدمہ میں عید ائمہ میں امام بخاری کے ساتھ ہے۔ چنانچہ فقہوں میں سے "ابن
طبقات میں آیا ہے اس طبقہ میں امام بخاری کے ساتھ وہ ہیں محمد بن عبد اللہ انصاری اعمیٰ بن
ابراہیم جو امام اہل بیت عید اللہ بن موسیٰ جو فیما بین اہل بیت عید اللہ بن موسیٰ جو فیما بین
خالد اور محمد بن یحییٰ ہذا، کلہم میں الیہم ان کے ساتھ ہیں۔ (۴)

مسند امام احمد بن حنبلؒ کی عظمت:

اگرچہ تاریکی حفاظتِ قدمیتِ جمید بندہ بن مومن کو حاصل نے تئیں اس صدی۔
قومِ مسیہ میں حوشرف اور بلند منداہم بندہ کو حاصل سے وہ کی اور۔ وہیں اہم
مہصوف نے مع ترتیب کا کام ۱۸۵۰ء میں شان یا تھا چہ چک میں۔
۱۸۵۰ء میں منداہم کام شروع ہوا تھا۔ (ص ۲۱۰)

اس کی تائیف کا پس منظر جو نام نہاد یہ ثابت ہے کہ علماء میں بھی کسی حدیث میں اختلاف ہو تو یہ کتاب یعنی مسند احمد اس روایت کے استناد و عدم استناد میں استوار ہو جائے۔
 اسکے چنانچہ امام ممدوح کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کا بیان ہے:

میں نے اپنے والد محمد بن محفل سے دریافت کیا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں؟ انھوں نے خود بھی مسند بھی ہے آپ نے جواب میں فرمایا یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے نہیں ہے جب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سلسلے میں لوگوں میں کوئی اختلاف رہا نہ گا وہ اس کی طرف رجوع کریں گے۔ (۱)

اور آپ کے برادر زادے ضبل بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہم سے امام احمد نے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ روایتوں سے اکتاب کر کے جمع کیا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہونا اس کتاب کی طرف رجوع کرو گے اس میں وہ روایت مل جائے تو فیہا ورنہ وہ حجت نہیں۔ (۲)

اگرچہ مسند کی تالیف کا کام ۱۹۷۱ء میں شروع ہوا ہے لیکن اس کا موصوف اس کی جمع و ترتیب کا کام ساری زندگی کرتے رہے اور یہ کام چھوٹے بچوں کے ساتھ یا کہ اس کی جو بیبہ تنظیم اور ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہو سکے ان کے پیش نظر صرف جمع و تدوین تھی اس کی خاطر انہوں نے پوری زندگی کے شب و روز صرف کرنا ہیہ صورت کی صورت میں ارقی متفرقہ کا یہ مجموعہ ان کے پاس موجود تھا اور انہی کتبہ تکمیل تھا کہ امام محمود کو سنہ آخرت پیش آ گیا۔ حافظہ ابوالاحسن شمس الدین جزری المصنف احمد بن محمد مسند امام محمد میں فرماتے ہیں

امام احمد سے مسند کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اسے درقوں میں ایک ایک نسخہ پہلے
اسے جدا جدا اجزاء میں تقسیم کیا تا کہ اس نے ایک مسودے کی صورت اختیار کر
لی۔ بعد ازیں تکمیل سے پہلے ہی یہ مسموعات آمینہ انہوں نے اپنی اولاد اور اہل
بیت کو اسے یہی فرصت میں سنایا اور قبل اس کے کہ اس کی تصحیح و تہذیب پوری
ہوتی آپ دینی جمل کو منہ بہ منہ سے در مسودہ جوں کا توں رہا۔ چنانچہ اسے
صاحب اسے عبد اللہ بن محمد نے روایات کے مشابہ اور مماثل مسموعات بھی اس میں
شامل کر دیئے۔ (۳)

اور ان میں سے یہاں اختلاف ہوا ہے ان سے صاحب نے یہ حدیث لے لی ہے
مسند میں جو حدیثیں ہیں جن میں اختلاف ہے ان میں سے بعض حدیثیں ہیں جن میں
موضوع حدیثیں زیادہ کر دی ہیں۔ حقیقت میں سے اختلاف کو سمجھتے ہیں کہ یہ
موضوع حدیثیں بھی امام احمد بن حنبل کی روایت میں ہیں حالانکہ یہ خیال نہ پانچ خط ہے۔ (۱)
امام احمد بن حنبل سے ان لوگوں کی بڑی شہادت ہے قرآن میں سے جو یہ نہیں کرتے

ہیں کہ نہ

مسند میں تین یا چار حدیثوں کے سو کوئی ہے اصل یا موضوع نہیں ہے۔ (۲)

امام احمد بن حنبل سے ان لوگوں کی بڑی شہادت ہے قرآن میں سے جو یہ نہیں کرتے
مسند میں وہی حدیث صحیفہ میں ہے۔ پھر میر محمد بورہ نے اپنی مشہور کتاب "تذکرہ
صحیح" میں ان امور کی کتاب سے لے کر جو کتابیں ہیں ان میں سے فرماتے ہیں
مجھ سے بعض صحابہ حدیث نے دریافت کیا کہ مسند میں جو حدیثیں ہیں جن میں
تصحیح نہیں ہیں میں سے کیا کہہ سکتا ہوں یہ بات ان لوگوں پر اس قدر مبنی جو
ہر سب صحیح سے تعلق رکھتے ہیں میں سے ان لوگوں کی بات تو اس پر محکم ہے کہ
یہ گروہ حوام ہے اور ان کی بات ناقابل التفات ہے۔ اسی دوران میں ان لوگوں
نے فتوہ کیے ہیں ان کی بات پر بعد میں سواہر میں کہا کہ اس قدر
جرات اور افواہ کا مقام ہے کہ ان میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے بعض حدیثیں
مسند میں سے ہیں کہ ان سے حدیث کا نام تو سن یا مگر ان کو صحیح اور صحیح کی
پرکھیں گے۔

برہ حال میں موضوع پر علماء کی راہ مختلف ہیں اور یہ بات ہمیشہ سے بحث و نظر کا مرکز
رہی ہے کہ مسند میں کوئی روایت موضوع ہو جو ہے یا نہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں حافظ ابن تیمیہ کا
فیصلہ پسند ہے جو انہوں نے اس سے متعلق اپنی کتاب "التوسل والوسیلہ" میں درج کیا ہے۔

اور موضوع سے مراد یہ ہے کہ کسی کتاب میں کوئی حدیث مسند میں سے تو یہ قطع
خط و رتبہ بیاد ہے اور اگر قصداً یہ ہے کہ حضور کی وہی بات کی یہ روایت کی راہ
سے آئی ہے جو خط و رتبہ کی حالت میں باقی رہے تو یہ باقی درست ہے مسند و سنی
میں ایسی حدیثیں موجود ہیں۔ (۱)

پھر یوئین مسند احمد کی خصوصیت ہے کہ ان میں یا جانتا ہے کہ حدیث اور نہ تمام
مسند سے زیادہ صحیح ہے۔ جیسا کہ حافظ نور الدین شمس نے مایہ المقصد فی رد مد مسند میں
تفصیل کی ہے:

مسند احمد اصح صحیحاً من غیرہ

مسند احمد دوسرے مسندوں سے زیادہ صحیح ہے

اگرچہ مسند احمد بن حنبل سے زیادہ وسعت رکھتا ہے جیسا کہ حافظ محمد بن
ابراہیم الوزیری کی رائے ہے کہ:

ومن اوسعها مسند ہش بن مغلہ (۲)

مسند میں سب سے وسیع مسند احمد بن حنبل ہے

اور اس کی وسعتوں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس
میں تیرہ سو صحیح حدیثیں زیادہ ہیں روایت کا وغیرہ سے۔ (۳) اور اس میں ایک خونی یہ بھی ہے
کہ یہ ایک وقت مسند میں سے اور مصنف بھی۔ اور کتاب کو صحیح کہ ناموں پر کتاب کی بات اور
پھر اس کی روایت وقت تیسرے قصبہ یعنی یہاں سے اس خط سے یہ کتاب مسند اور مصنف انہوں
کا مبنی ہے ان کے باوجود مسند احمد میں اسے مقبول نہیں ہے ہر حال مسند احمد میں اور
تو مسند میں علی شرف اور حدیث کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ نیز یہ بات قویہ بھی
تھی کہ تیسری صدی میں تین اور جو جمع کے ساتھ مسند بھی مصنف صحافت پر آئے۔

آپ نے تمام مسند کے معنی ان کی تاریخ و اوقات ان کے اصحاب و روایت آپ

جو محسوس کریں گے کہ اس وقت کے تمام عام حدیث کے سارے شہادہ میں حدیث کا چھپا عام ہو چکا ہے اور کوئی شہر بھی ایسا نہیں ہے جہاں حدیث نبوی نہ پہنچی ہو۔ (صفحہ ۲۱۷) میں اس صدی کا آخری مسند ہے۔ اس وقت کی اسلامی فتوحات کے نقشہ کو سامنے رکھ کر بتائیں۔ وہ یہی بتائے کہ جس ارشادات نبوت کو پایا نہ گیا ہو۔ درحقیقہ دو زمانہ سے جب امام اعظم کے تلامذہ ہر جگہ پہنچ گئے تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ:

روى عنه من المحدثين والعلماء عدة لا يحصون۔

اگر آپ تاریخ میں ان کا۔ درباب مسند سے ملے گی سب ناموں کو تلاش کریں گے تو آپ ان کے علمی رشتے امام اعظم سے ملتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جید مذہب نبوی کے بارے میں آپ سن چکے ہیں۔

امام احمد بن حنبل جو میں الحمد میں ہیں۔ ان کے بارے میں محدثین کی تصدیقات یہ ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ الاسماء میں ان کے ساتھ کی ایک طویل فہرست دی ہے اور اس میں امام شیعہ بن شیعہ امام جریر بن عبد الحمید امام عبد اللہ بن ابی اسحاق بن ابی رافع قاضی ابو یوسف و ابی الجراح یزید بن ہارون اور عبد الرزاق کا نام نمایاں طور پر دیا ہے اور ان سب سے متعلق امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور حافظ ابی نعیم نے تذکرۃ الحفاظ میں شہادت دی ہے کہ یہ سب کے سب امام اعظم کے تلامذہ ہیں۔ امام وائج بن الجراح کہتے ہیں کہ کوئی میں اس جیسا نہ جوں کوئی نہیں آیا۔ یہی بات امام اعظم کے دوسرے شاگرد حمص بن غیاث نے بھی کہی ہے۔ امام اعظم کی مجلس تدریس کے رکن رکن اور کینڈی القطن بھی امام احمد کے استاد ہیں سے ہیں۔ امام ذہبی نے ان کا قرار بھی اس قسم کا نقل کیا ہے۔ انھوں نے ان درباب مسند میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر ایک کا شجرہ علمی امام اعظم سے ملتا ہے۔

علم حدیث میں مصنفات:

اس صدی میں مسانید کے ساتھ مصنفات بھی مندرجہ صحافت پر آ گئے۔

مصنف سے مراد اصداغ محدثین میں دو کتابیں ہیں جن میں احکام اور ان سے متعلق باتیں ترتیب فقہی یک جا ہوں۔ مصنف اور جامع میں تمیز سافرق ہے۔ جو من و

کتابیں ہیں۔ جب میں مقام امام قاضی کھاتے پینے سفر مجلس میں گئے ملتے۔ اب تفسیر تاریخ کے فتن اور منقب کی روایت ہوں۔ میں مصنف میں صرف دو احادیث فقہ احکام ہوتی ہیں جن کا تعلق شہری زندگی میں فقہ اور قوانین سے ہے۔ دوسری صدی میں سنن سے مصنف کا کام یہ جاتا تھا مگر تیسری صدی میں سنن کے ہی یہ مصنف کا کام وجود میں آ گیا۔ اگرچہ بعد کو سنن میں خصوص اور مصنف میں کچھ عموم سا آ گیا۔

تیسری صدی میں مصنف کے نام سے جو کتابیں وجود میں آئی ہیں وہ انہی چھ ہیں تو بہت کم الکافی نے الرسالة المسطر فی میں دو کا ذکر کیا ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۲۱۱ھ):

یہ مصنف نامی ایک ضخیم تالیف دو حصوں میں ہے اس کی ترتیب فقہی ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ چونکہ یہ دور تابعین میں بھی ہے اور باتفاق محدثین میں کے مصنف کو تابعین سے شرف تلمذ حاصل ہے اس لیے اس میں اکثر احادیث شامل ہیں یعنی ایسے نبوی ارشادات جو ان کو صرف تیسری واسطوں سے معلوم ہوئے ہیں چنانچہ احواف النعماء انھیں میں ہے۔

اکثرش علاقائی است۔ (۱)

کتاب کے آخر میں شامل نبوی ہیں اور شامل کو حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پر فتح کیا گیا ہے۔ اور آخری حدیث یہ ہے:

حدثنا معمر عن ثابت عن اسحاق قال كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى انصاف اذنيه۔ (۲)

اس کتاب کا شمار حدیث کی ان کتابوں میں ہے جو اسلام کے مکی سرمایہ میں بہترین شمار کی جاتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف عبد الرزاق بن ہمام الہمدانی ہیں اور اس دور کی پیداوار ہیں جس کے بارے میں تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ اس دور والوں میں اتباع تابعین کو شرف قبول حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ مسقلانی نے تصریح کی ہے:

ثم استغوا ان حرم من كان من سماع التابعين ممن يقبل قوله عاش لي
حدود ٢٢٠ هـ ثم ظهرت البدع - (١)

اس پر اتفاق ہے کہ اباحہ تابعین سے آخری شخص جس کی بات قبول کی جاتی ہے
 ۲۰۰ تک زندہ رہا ہے بعد ازیں بدعتوں کا ظہور ہو گیا۔

امام عبدالرزاق ہی صحیفہ ہمام بن منہ کے اپنے استاد معمر بن راشد سے راوی ہیں۔

امام محمد رقی سے تلاذخہ میں دیکھ کر محمد شمس احمد بن حنبل میں۔ ہمام کا یہ صحیفہ جسے آج بھی امام احمد سے مسجد میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ ہمام بن صحیفہ کے مصنف نہیں بلکہ اپنے استاد حضرت امام ربیعہ سے راوی ہیں اور ہمام سے اس کے راوی معمر اور قثم سے اس کے راوی ان کے شاگرد امام عبدالرزاق ہیں۔

امام عہد رراقی نے صرفی معلم بن راشد ہی سے سب فیض نہیں لیا بلکہ امام فہمی اور حافظ بن حجر مقدنی نے تصنیف کی ہے۔ عہد رراقی نے حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے امام عظیم کے سامنے بھی رونق دیب تھی۔ یہ عقوبت انہماں میں ہے کہ امام اعظم کی خدمت میں زیادہ رہے ہیں۔ حافظ بن عبد الجبار نے سند متصل احمد بن منصور ہادی کا یہ بیان قلم بند کیا ہے کہ

میں نے امام عبدالرزاق سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے
 دیکھا اور کوئی نہیں دیکھا میں نے ان کا مسجد حرام میں یہی حالت میں دیکھا ہے
 کہ ان کے ساتھ ایک شخص تھا جس کی وجہ سے ہوتی تھی یہ شخص کوئی
 مسجد دریافت کرتا تھا اس وجہ سے کہ اس سے کوئی ائمہ میں کرتا کہ اس
 مسجد میں اس میں ہوتا تھا۔ وہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس میں سے خطی کوئی
 ہے عبداللہ بن مسعود ہی فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے اصل مسجد
 کو فرمایا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود اور ابوحنیفہ میں ہر آئینہ ہے۔ جلد اسباب
 عبداللہ کی بھی ان کو تائید حاصل ہوتی۔ (۲)

ان کے مصنف کی قدر و منزلت کا اندازہ اس وقت تو امام بخاری کی تاریخ کیسے ملے یہ رائے پڑھے کہ ان کی کتابیں حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ امام بخاری نے صحیح میں ان سے بکثرت حدیثیں لی ہیں۔ اور غلام ہے۔ کہ سب سے زیادہ صحیح ہونے کے بعد یہ ان کے مصنف ہی سے امام بخاری کا استفادہ ہے۔

۱۔ ائمہ حمید اللہ کی مجلس کاوشوں سے معلوم ہوا ہے کہ مصنف عبد راق کے مخطوطات
استنبول، اور مصر، میں کابل اور حیدرآباد، کراچی، لاہور، سندھ اور مدینہ منورہ میں ناقص
ملتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اہل علم کو یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ:
عربی کے فاضل پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف اے آئی جی کل ایڈٹ کر رہے ہیں اور جنوبی افریقہ
سے عالم کورمیل، دست جبرمہ، نام محمد موسیٰ اس کی اشاعت میں کچھ پیسے لگاتے ہیں۔ (۱)

مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ:

اس کتاب کا شمار حدیث کی ان چند بے شمار کتابوں میں سے جو اسلام کا نام و فخر
عالم کی جاتی ہیں۔ حافظ ابن کثیر دمشقی بن ابی شیبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

صاحب المصنف الذي لم يصف أحد مثله قط لا قبله ولا بعده.

اس مصنف کے مصنف ہیں کہ اس بھی کتاب نہ پہلے اور نہ بعد میں لکھی گئی ہے۔ (۲)
حافظ ابن حزم نے کتاب و عظمت کے لحاظ سے موطا امام مالک کے بھی مقدم
رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تدریقا لحاظ میں ابی جابر منسوب کر کے حدیث کی کتابوں کے
حوالہ بھی ملاحظہ کیے ہیں اس میں انہوں نے موطا و حدیث کی تیسہ درجہ کی کتابوں میں شمار
کیا ہے جب کہ مصنف بن ابی شیبہ کو ارجح ثانیہ کی کتابوں میں غلط کیا ہے۔ اور مصنف
عبد الرزاق کو بھی اس کا ہم پلہ بتایا ہے لیکن جہاں تک میں سمجھا ہوں درجات کی اس زمین میں
ان کے پیش نظر صحت نہیں ہے بلکہ احادیث مرفوعہ کی زیادتی ہے چنانچہ درجہ اولی کی کتابوں کا
ذکر کرنے کے بعد وہ خود فرماتے ہیں۔

امام مالک سے امام یحییٰ بن احمد کا ادھار چاہیے جو حافظ بن قیصر سے احادیث موقوفہ
کی تیسری حد میں پارہ تیسرا ہے۔ آپ محسن کریں گے کہ سلف میں عقیدہ معیار تھا بعد
تھا۔ یمن و یثرب سے واشکاف انداز میں پیش کرتے اور امامان آپ و احادیث و احادیث
کاتے۔ میں یہاں اس خط کے چند اقتباسات ناظرین کی غیفت طبع کے لیے پیش رہا ہوں۔
فرماتے ہیں

اس موضوع پر کہ عمل بل مدینہ محنت سے آپ نے جو قرآن کی یہ آیت پیش کی
سے والساہفون الاولون من المهاجرين من۔ تو اس کے بارے میں عرض
کے کہ ان ساتھیں اسی کی اشیاء میں فی سبیل اللہ کی خاطر مدینہ چھوڑ کر
اور سے مقامات پر گئی۔ فوج میں داخل ہو کر یہ وہ مختلف شہروں میں پہنچے وہاں
نے اس سے استفادہ کیا۔ انہوں نے وہاں کے روپر و کتاب و سنت کو بلی و کماست
پیش کیا اور اس میں سے وہی بات روپر کر لیں رکھی ہے۔ فوج اور لشکر میں یہاں
مقدس لوگوں کا ساتھ جو ان کے کتاب و سنت تھا اور ضرورت پڑنے پر ان مسائل
میں اجتہاد کیا تھا جو قرآن و سنت میں مخصوص نہیں ہیں ان کے سامنے ہونے لگا،
مثلاً تھے جن و مسکنوں نے مقدم قیادت کیا تھا یہ ہم سے بڑے مسکن فوجیوں
سے تھے۔ تھے چھوٹے تھے چھوٹے معاملے میں بھی دین قائم کرنے کی خاطر اور
کتاب و سنت میں اختلاف سے بچانے کے لیے فوجیوں سے لگا مار خط و کتابت
کے ذریعہ رہے۔ قائم رہتے تھے۔ میں نے اس کا قرآن کی تفسیر سے سنت کی
توضیح و ان کے ایمان سے تعلق ہونا اور فوجیوں و قاتلے اور صلوات ہے۔ بعد
کر مٹی یا معدہ و پیش آجائے جس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے نے
معدہ شام اور ارق میں رہا۔ و کما قرآن و حدیث میں عمل کیا جو اور اس پر عمل کرتے
وہ وہاں سے ملت و ملت و ملت ہو گئے ہوں تو حد میں آج کی بھی یہ حق
میں کھپتا۔ عمل کا وہی یہاں ہوتا ہے جس کی این کی رہی میں ان لوگوں
سے عملی تاکید ہو۔

ایک اور جہد فرماتے ہیں

آپ و ہارش والی رات میں انہوں نے جمع کرنے پر میری رفت معلوم ہوئی
یقیناً میں نے اس پر رفت کی ہے۔ شام میں بہ نسبت مدینہ کے ہارش زیادہ ہوتی
ہے مگر یہاں آنے والے صبح پہ میں بھی کسی نے یہ کام نہیں کیا اوراں حایہ میں
الاحیاء و الخد من الایذایہ بن ابی سفیان و عمرو بن اھل و رمی بن اھل سے
احادیث پہ تھے۔ بعض میں تا مدین تھے۔ عرق میں عبداللہ بن مسعود، حدیث میں
ایمان، عمران بن حصین، جی مرتضیٰ ابن کے سب ائمہ فقہاء تھے یمن میں سے
کبھی کسی نے مغرب اور عشاء کو جمع نہیں کیا ہے۔

یہ نمونہ ہے اس دور میں ان بزرگوں کی آزادانہ عقیدہ کا جس سے استنباط و اجتہاد کے
فن میں باخ و بہرہ آتی ہے اور اس وجہ ان میں پختگی کیا کہ مدین کے ہر مسند کا علم وہ
شریعت کی روشنی میں تلاش کر سیتے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ یکاے قیام یکاے بھی ہوں پڑے۔
اور تھیں میں فقہاء اس کے حوالہ دیتے تھے کہ انہوں نے مسائل میں یمنی اہل
اقول نبوت میں نبوت کا مثلاً معلوم ہوا اور مثلاً نبوت معلوم کرنے کا یہ پاس
سجدہ کی رہی کے سامنے فرج نہ تھا۔ صبح سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو حضور
انور کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے
عمل، ایسے اور کانوں سے ارشادات سنے۔ اس دور میں جو شخص اس روشنی سے جتنا
زیادہ قریب تھا اتنا اس کے فقہی نتائج زیادہ وسیع تھے۔ (۱)

یہ تو خیر ایک معاصر پر تنقید تھی خود امام شافعی جن و امام مالک سے شرف تلمذ بھی سے
انہوں نے بھی امام مالک کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ثابت یہ ہے کہ ان کے
بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں یہ کتاب آج بھی کتاب الام میں اختلاف مالک
والشافعی کے نام سے موجود ہے۔ حافظ بن جریر اندلسی اپنی کتاب ماتب الدیات میں لکھتے ہیں
کہ موطا میں سے "پراپی حدیثیں ہیں کہ جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا۔" (۲) اور

(۱) عقیدہ و شریعت کا تاریخ و مقدمہ، مدنی ص ۳۶ (۲) تدریب راوی ص ۶۴

میں مذکور ہے یہ مستعمل کتاب میں مسائل و فتاویٰ جمع کی کتاب ہے۔ جن میں امام ابو حنیفہ کی روایتیں جمع کی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فرماتے ہیں

قد جمع بعض المعارف کما فیہا خلاف فیہ لمالیکہ مصوص المعطوف (۱)
محمد بن مہدی بن احمد بن ابی نعیم نے جوہر کے مشہور فقیر اور محدث تھے۔ امام شافعی
نے شافعی روایتیں امام شافعی نے روایت کی ہیں۔ کتاب نامی ہے جس کا نام ابلی شافعی
ماخلف فیہ الکتاب والحدیث ہے۔ (۲)

امام حنفیوں کتاب السنن پر امام ابو حنیفہ نے تفسیر
کی تھی۔ جو حنفیوں نے روایت کی ہے۔ کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالیں گے اس کا نام ابلی
الادوی ہے۔ امام شافعی کتاب الام میں اس کتاب کے راوی ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں جو امام حنفیہ پر ایک خاص باب میں تفسیر کی تھی
مذکور ہے کہ یہ بھی مجھ پر تفسیر کی ہے۔ روایت کی ہے کہ اس میں وصیہ امام حنفیہ
مذکور ہے۔ جن کے نام ہیں ابلی شیبہ۔ ان کے نام ہیں
حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ فیہ روایت
ابلی حنفیہ ہے۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔ (۳)

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

ابن ابی شیبہ کے رد میں ایک مستقل کتاب مسمیٰ ثرون کی تھی اور اس حدیثوں تک
جواب بھی لکھ لیا تھا مگر بعد کو قلم روک لیا۔

لیکن اس عقیدہ و تہمید سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ
ان امر میں باہم اکرام نہیں ہے۔ ان کی ناقہ اند تخریروں کا فضا ان کی باہم رنجش ہے۔
معاذ اللہ ثم سعاد اللہ یہ امر حدیث کی مخالفت کرتے تھے۔

ان باتوں میں سے ایک بات بھی ہوتی تو اس کی امت میں امامت کون مانا؟
بات یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں ان میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو روایت ایک
قابل قبول ہو وہ حتمی سب کے نزدیک قابل پذیرائی ہو۔ کیونکہ حدیث کی صحت کا مسئلہ مخصوص
نہیں بلکہ خواہ اجتہادی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نے علم کے مطابق اس کی سند میں کوئی کمزوری ہو
یا پھر اس کے ذہن میں اس کا تحمل اور صدق اور موافق ہو۔ اس موقع پر حافظ ابن عبد البر کیسی پتے کی
بات فرما گئے ہیں:

علم امامت میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ ایک حدیث کو حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت مانتے ہوئے امام راہ سے۔ یا تو وہ اس حدیث کے نسخے کا انکسار کرتا
ہے یا اجماع کی تائید کا اعلان کرتا یا اس کا کوئی ایسا عمل تجویز کرتا ہے جس کا اس
کے اصول پر ماننا ضروری ہے یا پھر حدیث کی راہی حیثیت کو وہ مشکوک سمجھتا ہے۔
ان باتوں میں سے کوئی مات نہیں ہے۔ درپہر وہ حدیث کو رد کرتا ہے تو اس کا امام
ہونا تو درکنار اس کی توہمالت بھی مخدوش ہو جاتی ہے۔

بہرحال مصنف بہت اونچے درجے کی کتاب ہے اس کے مصنف امام ابو بکر بن ابی
شیبہ (۳۳۵ھ) کو فہمے رہنے والے ہیں۔ ان کے اساتذہ میں حافظ ابی بن تھریق کے مطبق
شریف القاضی سفیان بن عیینہ عبد اللہ بن مبارک اور جریر بن عبد الحمید ہیں اور حافظ ابن حجر
نے ان کے ساتھ مشیم بن شیر اور ابو بکر بن عیاش ابو اسد ابو معاویہ ولید بن الجراح محمد بن فضیل
اور یرید بن ہارون کا اضافہ فرمایا ہے۔ حافظ ابی نے سفیان بن عیینہ کو چھوڑ کر سب ہی و امام
اعظم کے ساتھ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے ابن ابی شیبہ سے تیس حدیثیں روایت کی ہیں۔

حدیث و روایت کی ہے۔ کتاب کا نام امام حنفیہ کی روایت میں ابلی شیبہ
فیہ روایت کی ہے۔

مسلم نے ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس حدیثیں روایت کی ہیں۔

آپ اس سے امام عظمیٰ کی جلالت قدر کا مدارہ لگایے یہ اتنی سے اتنی مثال سے کہ تمام دو دمان علم حدیث اسی گھر کا خوش بختن ہے۔

تیسری صدی میں صحاح کی تدوین:

صحاح سے مراد وہ کتابیں ہیں جن سے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں صحت کا مدار کیا ہے۔ الکتانی لکھتے ہیں:

کتاب الترمذی علیہا الصحة لیہا۔

تیسری صدی میں صحاح کے نام سے جو کتابیں مندرجہ ذیل پڑتی ہیں وہ چھ ہیں
صحیح ابویوسف (۲۵۶ھ) صحیح امام مسلم (۳۰۳ھ) جامع ترمذی (۲۷۱ھ) سنن ابی داؤد (۲۴۸ھ) سنن ابن ماجہ (۲۵۱ھ) سنن نسائی (۳۰۳ھ) چونکہ صحاح کے نام سے یہ چھ کتابیں مشہور ہیں اس لیے ہم نے ان ہی کو صحاح سے لکھا ہے ورنہ حافظ ابن مندہ نے خزینہ صحاح میں صرف امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی و شمار کیا ہے۔ اور بجائے ست کے صحاح چار ہی لکھے ہیں۔ بعد کو حافظ ابویوسف ہر سنی نے جامع ترمذی کو بھی مذکور کیا، چار کتابوں کے ساتھ شمار کر کے تصحیح کی ہے۔ ان پانچ کی صحت پر مشرق اور مغرب سے علماء اتفاق ہے۔ لیکن حافظ عسقلانی نے ان دونوں پر بڑی برہنہ کا اظہار کیا ہے جو ترمذی ابوداؤد جیسی کتابوں پر صحیح ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ومن علیہا اطلاق الصحیح ما فقد اتی تسامیاً صریحاً۔

حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی نے قائل اعتماد کتابوں کے سلسلے میں صرف پانچ کتابوں کے مصنفین کی وفیات کا ذکر کیا ہے، امام اسحاق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

ابن ماجہ ان مقاصد سے خالی ہے جن پر ہمیں کتاب خمسہ سے قنوی سے درج من پر تدریجاً و غور۔ محدث و مشق ہوتی ہے خاص طور پر ہندس میں نہایت ضعیف ہندسہ مگر حدیثیں بھی موجود ہیں۔ (۱)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابن ماجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
ابو عبد اللہ بن ماجہ کی کتاب بہترین ہے قائل اس میں تھوڑی احادیث وہابیہ نہ ہوتیں۔

اور خود امام ابن ماجہ کی زبانی حافظ ابوزرعہ کا یہ تاثر نقل کیا ہے
میں نے اس کتاب کو حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا تو فرمایا کہ میرے خیال میں اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو یہ جوامع یاں میں سے اکثر بیکار ہو جائیں گے پھر فرمایا شاید اس میں حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں جن کی اسناد میں ضعف ہو۔ (۲)

حافظ ذہبی نے حافظ ابوزرعہ کی رائے و تذکرہ میں گھر چڑھا تبہ و نقل یا سے یمن میرا سلام الخلاء کے حوالہ سے علامہ بیانی لکھتے ہیں کہ

ابوزرعہ کا یہ خیال کہ شاید اس میں حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں جن کی سند ضعیف ہو صحیح ہے تو ان کی مراد ان میں حدیثوں سے نہایت بڑی ہوئی اور ساتھ تسمیہ کی روایتیں ہیں ورنہ ناقابل اعتقاد روایات کا تو اس میں ایک ذخیرہ ہے۔ شاید اس کی تعداد ہزار سے قریب ہو۔ (۳)

غالباً ان ہی میں کو حافظ ذہبی نے تاریخ میں سنن ابن ماجہ کے ذکر میں قائل سے تعبیر کیا ہے فرماتے ہیں

انما غرض من رتبہ سننہ ما فیہا من المناکیر و للیل من الموضوعات۔

سنن ابن ماجہ کا اپنے مرتبہ میں نہ آنے کی ضروریات اور قصائی کی حیثیت
موضوہ ہیں۔ (۱)

اور سنی و تہذیبی ہیں جن و مشہور محدث بن جوری نے موضوعات میں شمار
کیا ہے یا غیر محدثین نے ان میں سے بعض سے موضوعات کو نکال کر تصنیف کی ہے۔
یہ سب گفتگو اس مقدمہ پر ہے کہ جب کہ روایتی طور پر حافظ اور محدث کا یہ بیان ثابت
ہو جائے کہ حافظ سیوطی حافظ درود سے ان بیان و تاریخی طور پر صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ
فہامات ہیں

بنی عام سے اور حد سے جو یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا
کہ شاید کہ میں پوری تہذیبیں بھی بن نہیں جن میں مصنف ہو۔ یہ روایت درست
نہیں ہے بلکہ سنن سنن میں تصانیف سے اور اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید انہوں نے
تفاتی ملاحظہ روایت و مراد یہ ہے کہ یہ کتاب کا صرف ایک ہی حصہ دیکھ ہے جس
میں اس کی قدر میں کا اور یہ واقعہ ہے۔ ہذا مراد سے اس کی بہت سی حدیثوں سے
تعلق حاصل یا ملاحظہ ہو کہ ہاں یہاں سے جو ان الی حدیثوں میں ہیں۔ (۲)
میں اس سے ہذا خود متاخرین سے سنن ابن ماجہ کو سنن ستہ میں شمار کیا و درحق شہاد
مصدقہ اس کتاب کو شامل کر کے ان کتابوں و مصولات کتاب ستہ صحیح ستہ و جامع کا۔

ابن ماجہ سنن داری یا موطا کا صحاح ستہ میں شمار:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سنن ابن ماجہ کو کتاب قرار
دیا یا متبادل تجدیدی دو الفاظ اور بعض محدثین کا یہ مقدمہ ہے کہ سنن ابن ماجہ
امت مسلمہ سے نام سے کتاب تصنیف کی و اس میں مرتبہ کے ساتھ ابن ماجہ کی شرط پر بحث
کی ہے واریب دومنی کتاب میں کتاب ستہ کے خلاف کو جمع کیا۔ بعد و قہم مصلحتیں نے
ان کی رائے سے اتفاق کیا حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

تابعہ اصحاب الاطراف والرجال۔ (۱)

حافظ ابن طبرانی کے معاصر محدث زرین بن معاویہ عبد رزق مانگی نے ۵۲۵ھ میں اپنی
کتاب التجرید للعیج السنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا کا ذکر کیا و
رکھا ہے۔ حافظ عبد الغنی مقدس ۶۰۰ھ نے کہاں فی اسماء الرجال میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن
ماجہ کے رجال کو ایک جا مرتب کیا ہے۔ (۲)

اس بنا پر بعد کے علماء میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ صحیح میں کتب خمسہ کے ساتھ بعض
کتاب موطا ہے یا ابن ماجہ؟

علامہ ابن حبان نے اپنی مشہور کتاب جامع الاصول میں محدث زرین کی رائے
کو ترجیح دی ہے اور اور یہی ہے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں
ہے۔ اسی طرح حافظ ابو جعفر بن زہیر غزالی کی تصریح ہے کہ:

جو کچھ بتایا گیا ہے کہ سب میں اس دو کتاب میں ہیں کہ جن کے اعتبار پر مسلمانوں
کا اتفاق ہے اور یہ وہی کتب خمسہ درموطا ہے۔ جو تصنیف میں درموطا میں ان
سے کم نہیں ہے۔ (۳)

اور علامہ عبد الغنی بن ابی و جی مشہور کتاب ذخائر الخواریت فی الدلائل علی مواضع
الحدیث کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

صحیح میں چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہے علی مشرق کے نزدیک تو ابن
ماجہ ہے و داراللم مطرب کے نزدیک موطا ہے۔ (۴)

طالب المتأخرین علی الہ سادس السعۃ۔

حافظ سیوطی نے ابن ماجہ کو مقدمہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں بہت سی تراجم
حدیثوں کی وجہ سے افادیت پیدا ہوئی ہے۔ اور بہ صحت اور قوت روایات کے لحاظ سے سنن ابن
ماجہ تو یہ صحیح ستہ کی کوئی کتاب بھی موطا کے مقدمہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ چھوڑ دینی رائے

اب میں اس ماجہ کی جگہ سنسن دار موصیحت میں پھنسی تاکہ ہونے کا مقصد حاصل ہے۔ یہاں پر حافظ شاہی نے کچھ لوگوں کا یہ خیال نقل کیا ہے کہ

جس شخص ابن ماجہ کے سوا سب یہ ہے کہ راوی کی کتاب کو چھٹی قرار دیا جائے۔
یونہی اس میں ضعیف راوی مگر معتبر و شام حدیثیں ماری ہیں۔ اور اگرچہ اس میں
احادیث مسند و مقولہ موجود ہیں تاہم دوسری ابن ماجہ سے زیادہ مستتر ہے۔ ()

حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۰ھ کی ہجرت کی ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں
 "ش. ا. سلام حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ درمی کی کتاب رتبہ میں سنن رجسٹری
 نہیں ہے بلکہ اس کو اُرکب خمر کے ساتھ لکھ دیا جائے تو ابن ماجہ کی نسبت یہ
 زیادہ اچھا ہے کیونکہ وہ سنن ابن ماجہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔" (۲)

لیکن اس تہمت کے باوجود حافظ ابن عمر کا عمل اس کے خلاف ہے چنانچہ محدث محمد بن اسماعیل البانی لکھتے ہیں

صحابہ کرامؓ کے ساتھ مواظ بھی ہے جیسا کہ جامع الأصول میں ابن اثیرؒ نے کیا اور
جو لوگوں نے اس کی جگہ ابن ماجہؒ رکھا ہے اس سے پیش نظر حافظ ابن حجرؒ کی
تہذیب النہال میں رجال کی ترتیب کا ذکر کی ہے اور اسی راوی کو اس کتاب سے
اختصار میں حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں اور طالعہ خوارزمی نے خلاصہ
میں اختیار کیا ہے۔ (۳)

اعراض بتائے چکے ہیں کہ تیسری صدی میں یہ چھ کتابیں مسیح کے نام سے منسوخ
شہرہ آفاق تھیں۔ آئیے اب سراپے خالص محمدانہ نقطہ نظر سے ان کتابوں — بارے میں
محدثین کی کچھ آراء بھی پڑھ لیجئے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم:

مسجد کے ذریعے جب حدیث کا تمام ذخیرہ دستی ہوگا اور احادیث کے متنے ہوں گے

(۱) فی انویٹ ص ۲۳ (۲) تقریب الزامی ص ۵۷ (۳) توسیع الزامی ص ۵۵

چاہو گی تو اس دور کے محدثین سے اس دخی سے انقلاب و انتشار کے لیے قدم اٹھاؤ۔
سبح کی تدوین عمل میں آئی۔ حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ ان زری سے ابراہیم بن معقل سنی سے
حوالہ سے خود امام بخاری کی زبانی بتایا ہے کہ:

میں ایک روز اسحاق بن راہویہ نے پاس تھا وہاں ہمارے اصحاب میں سے کسی نے کہا کہ کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن پر مشتمل کوئی مختصر تیار کرتے یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں نے حدیث کا ایک مختصر جمع کرنا شروع کر دیا۔ (۱)

صرف احتساب رہی نہیں بلکہ اس میں صحیح احادیث کے انتخاب کا بھی پورا اہتمام فرمایا۔

جہانگیر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب التبیان میں صرف اسی حدیث درج کی ہے جو صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔ (۲)

امام مسلمہ نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا اور احادیث کی صحت سے مارے میں صرف اپنی ذاتی تحقیق پر استغناء نہیں فرمایا۔ بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر صرف وہی حدیثیں جمع کیں کہ جس کی صحت پر مشائخ وقت کا بھی اجماع تھا چنانچہ ان کا بیان ہے۔

ليس كل منى عدى صحيح و صفة هما اما وصفت هما اما اجمعوا عليه. (۳)

حافظ ابن الصلاح، حافظ جلال الدین اسیوطی اور علامہ الجزائر می سے تصنیف کی ہے

(۱) شوال ۱۲۵۱ (۲) مقدمہ فتح باری ص ۵ (۳) کتب مسلم میں جس مقام پر یہ مسلم نے اپنی تصحیح میں یہ بات فرمائی ہے وہ بھی قوش کہہ دے۔ جب کہ یہ مسلم نے باب التکفیر میں ہے۔ مثنیٰ سعید بن منصور۔ تصحیح ابن سعید ابوالفضل محمد بن عبدالمطلب کے حوالہ سے یہ سید ابوالوفاء ابن خلیس من جرح ارحطان بن محمد بن حفص بن جریج و اشعث بن یزید طویل حدیث پیش فرمائی ہے اور پھر اس حدیث سے بارے میں بتایا ہے کہ مجھے یہ حدیث میں تیس طریقوں سے مل گئی ہے۔ اول ابوالخیر ابوالسوار سعید بن ابی حمزہ۔ دوم وصال اسمی الزمخانی مشاہیر پیش میں سوم سحاق بن ابی اسحاق۔ چار تین طریقوں میں سے چار تہ ہیں۔ کتب حوالہ عن صحابہ و ائمتہ ۳۴۵

حادثہ میں جو مستحالی اور اودھ سے محدثیں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ صفات جن پر صحت کا مدار ہے بخاری میں مسلم سے زیادہ ہیں۔

اور بخاری کی شرطیں مسلم کی شرطوں سے زیادہ قوت والی اور زیادہ سخت ہیں۔ (۱) اس پر تعمیلی گفتگو آپ تندرہ اوراق میں پڑھیں گے کہ ان دونوں میں زیادہ صحیح و ثقیل سے اس موضوع پر مختلف علماء کے کیا خیالات ہیں۔

العرض اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں کتابیں صحت کے لحاظ سے تمام کتابوں سے اونچی ہیں۔ چنانچہ امیر ایمانی فرماتے ہیں

قد افق الكل على انهما اصح الكتب
ان دونوں کے اصح الکتاب ہونے پر اتفاق ہے

صحیحین میں صحت کا معیار

یہاں پہلے کراہت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دعویٰ اتفاقی کی کیا دلیل ہے؟ تمام حدیث کی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح میں کیا ہے؟ آخر وہ معیار کیا ہے جس کی وجہ سے اسے صحت ان کہ وہ دوسری تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہوئی ہے۔

دوسری معلومات کے مطابق اب ہم اس مسئلے میں جو پوچھ رہے ہیں وہ تمہیں باتیں ہیں

☆ ایک یہ کہ ان کتابوں کی سب سے برتر ہونے کی وجہ خود ان پر روگوں کا تہ امت صحت ہے۔

☆ دوسری یہ کہ ان کتابوں کے اصح ہونے کی وجہ ان پر روگوں کی قائم کردہ شرطیں ہیں۔

☆ سومی یہ کہ ان کتابوں کے اصح ہونے کا ارادہ دراصل اس پر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر دینی امت کی جانب سے شرف قبول حاصل ہے۔

بات اگرچہ طویل ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس سے

(۱) توضیح الافکار ج ۱ ص ۸۵

التزام صحت اور اس کا مطلب:

التزام صحت کا مراد یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کتابوں کو مؤلفین کا طمان ہے کہ ان کی حدیثیں صحیح ہیں۔ ہم نے اپنی کتابوں میں صحیح حدیثیں درج کی ہیں۔ تو یہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ ان دونوں پر روگوں کی اس قسم کی تصریحات موجود ہیں۔ اور یقیناً یہ بیان صحت کا یہی مقصود ہے چنانچہ امام ایمانی لکھتے ہیں:

ولا ولى عدى لى لاسند لال على تقدم الصحیحین احبار مؤلفهما
بان احادیثها صحیحة۔

میرے نزدیک صحیحین کے مقدم ہونے کی مدد صرف یہی ہے کہ ان کے مؤلفین نے چھوڑ دیا ہے کہ ان کی احادیث صحیح ہیں۔ (۱)

اور احادیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ:

رواه هذه الاحادیث عدول صابغون ولا شذور فیها ولا عله۔ (۲)
یاد رہے کہ ان کتابوں و مؤلفین کے بارے میں یہ کتابوں کی اہمیت کا مدار ہے تو یہ شرف یقیناً ان کتابوں کو حاصل ہے۔

بخاری و مسلم کی شرطیں:

ان کتابوں کی اہمیت کی صحت ان کتابوں کے مؤلفین کی پیش کردہ شرائط ہیں تو ہمیں افسوس ہے کہ ان پر روگوں نے اپنی شرائط کو نہ تو نہیں بیان کیا ہے اور نہ ہی اس موضوع پر اس سے کوئی بھی سرمایہ بحثوں سے جلد و قند یہ ہے کہ متاخرین نے خواہی چند شرطیں ان کی کتابوں کو دیکھ کر مقرر کر دی ہیں۔ بعد ازیں دوسری کتابوں میں آمد و حدیثوں و اپنی بنائی ہوئی شرطوں پر قول قول ایسے گئے۔ چنانچہ علامہ طبرانی نے لکھتے ہیں

اعلم ان البخاری لم یوجد عنده تصریح بشرط معین وانما اخذ
ذالك من تسمية الكتاب والاستفراء من تصرفه۔ (۳)

(۳) توحید انظر: ص ۸۸

(۲) توضیح الافکار ج ۱ ص ۹۵

حدیث میں محمد بن ابی بکر میں سے توفیق افکار میں ماہ بخاری اور ماہ مسلم دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اعلم انہ لم یقل عن الشیخین شرط شرطہ وعبادہ اما تسمع العلماء المحدثین عن اسالیبہما طریقیہما حتی تحصل لہما ما طردہ شرطہما۔ شیخین سے یہی کوئی شرط متفق نہیں ہے صرف یہاں سے ان کے اسلوب طریق سے تلاش کر کے اپنے خیال کے مطابق شرطیں بنائی ہیں۔ (۱)

حتی کہ امام نووی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

فی شرطہما شیخین کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے رجال سناد شیخین کی کتابوں میں آئے ہوئے رجال پر مشتمل ہوں یہ سناد ان کی اپنی کتابوں میں اور کوئی شرط نہیں ہے۔ (۲)

اور چونکہ سند شرط پر ان دونوں سے خود کوئی تہذیبی یا عقول نہیں سے بقدر حد میں نہ آئے والوں کی تلاش و تحقیق میں مست ہیں اس لیے اس شرط کی تعین اقتدار میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

اختلوا فیہ لا اختلاف فیہا مہم

یعنی اس موضوع پر مختلف حدیث کی قیمتی آثار معلوم کر دیجئے۔ محمد بن طہر مقدسی کہتے ہیں

شرط البخاری و مسلم ان یحررا الحدیث الجمع علی ثقہ بقلہ الی الصحابی۔

یعنی اس شرط یہ ہے کہ وہ حدیث اس راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ جن کی ثقاہت ثقاتی ہو۔ (۳)

(۱) توفیق افکار ج ۱ ص ۱۰۰

(۲) تہذیب الراوی ص ۶۷ (۳) شرط الامم الخمسہ ص ۱۰

لیکن راویوں کی ثقاہت یا اتفاق کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ حافظ زین الدین کو این طہ کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے یہ بخاری سنادی نے اپنے بہت راویوں کی تصدیق کی ہے جس سے شیخین سے روایت کی سے مدد حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے ایک قدم اور بڑھا کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

مدنی سنادی کی خصوصیت نہیں ہے جس میں معاملہ میں ایک سے زیادہ راویوں سے امر جرح و تعدیل امام سنادی کے ہم زبان ہیں۔ اگرچہ علامہ وزیر نے یہ کہہ کر کہ

لکنہ تصنیف مطلق غیر مبین السبب

حافظ عراقی کی بات کو بے وزن ماننے کی کوشش کی ہے لیکن مشہور محدث امیر بخاری نے بات کو واضح کر کے پیش کیا اور حافظ ابوبکر بن قریب نے یہ کراہی۔ چنانچہ امیر موصوف فرماتے ہیں

صحیحین کے راویوں میں سے جن پر جرح ہوئی ہے ان میں ہر ایک پر جو مطلق ہی نہیں ہوئی بلکہ ان میں ایک جماعت ہی بھی ہے جن پر جرح اور اصل جرح کی کئی سے جماعتیں ہیں جس و مراد یہ ہے کہ مثلاً ابوبکر بن عبد بنی و سلم کے راویوں میں ہیں ابو ہریرہ اور سنانی کے ان و مراد یہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ مابین بتایا گیا ہے جیسے ثور بن یزید بخاری کے راویوں میں سے ہیں جریر بن عثمان بخاری کے راویوں میں سے ہیں۔ فارس مشہور ماقد رجال نے بتایا ہے کہ یہ حضرت علی سے بعض رکھتے تھے۔ خالد قحطانی بھی بخاری کے راویوں میں سے ہیں محمد بن سعد کی رائے میں غالی تعبیر تھی۔ (۱)

علامہ حارثی نے اس موضوع پر شرط امت الخمسہ کے نام سے کتاب لکھی ہے اور اس میں ماہ بخاری کی امام مسلم امام ابو داؤد و ترمذی اور امام نسائی کی شرائط پر تبصرہ کیا ہے۔ حافظ جلال الدین السیوطی نے اس کا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ

(۱) توفیق افکار ج ۱ ص ۱۰۲

شروط بخاری یہ ہے کہ اس حدیث روایت کی جائے جس کی سند متصل ہو جس سے
ایک میں صرف ثقات و راویان ہی نہیں بلکہ ہوں گے جن سے وہ حدیث کی
ہے ان کے طرز صحبت بھی ہوں اور صحبت بھی طویل ہوگی مگر بخاری کی روایت
وہوں کی روایت بھی ہے کہ جس میں جو طرز صحبت نہ ہوں اور امام مسلم کی شرط یہ
ہے کہ روایت طبقہ ثانی کی ہو اور کسی کھراں سے بھی روایت بیٹے ہیں۔ امام
نہوں کی روایت ان پر قدرے سخت بھی ہوئی ہو۔ (۱)

نہیں علامہ بیانی نے امام بخاری سے تعلق یہ ہے۔ بخاری کی بیانیہ روایتوں
مذکورہ بتا دیا ہے کہ۔

هذا لا يوافق ما نقل عن البخاري من انه يشترط اللقاء ولو مرة

بخاری کی روایت کا امام بخاری نے یہ تصدیق کرنا نہیں چاہی ہے کہ روایت میں روایت
کے لیے ملاقات شرط ہے چاہے ایک ہی بار ہو۔

اور ایسی ہی بہ مسلم کی طرف منسوب شرط بھی انہوں نے یہ بتا کر روایت کر
ان مسلماً لا بشرط اللقاء اصلاً کما صرح به فی مقدمہ صحیحہ۔

امام مسلم ملاقات کو قطعاً شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔

امام حاکم نے مدخل میں بخاری و مسلم کی یہ شرط بتائی ہے کہ۔

ایسی حدیث جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور صحابی روایت کرے اور اس
صحابی سے روایت کی حدیث بخاری میں۔ چنانچہ سند ایسا کوئی شخص جو حفظ و نقل میں
مشہور ہو اور اس کے طبقہ میں روایت کے واسطے ہیں سے روایت کی ہو
حدیث بخاری و مسلم کے وہ شیوخ و حفاظ و محدثین میں مشہور ہوں روایت
کریں۔ یہ درجہ اول کی روایات ہیں۔ (۲)

یہ شرط اگرچہ ہے حدیثی و روایتی ہے لیکن علامہ بیانی نے اسے یہ
کہہ کر سب سے جان بتا دیا ہے کہ۔

ان الشَّعْبَيْنِ لَهُم بِشْرُطَاهُ الشَّرْطُ وَلَا يَنْفُلُ عَنْ وَحْدَانِهِ قَالِ دَالِكُ
وَالْحَاكِمُ قَدَرَهُ الْقَدِيرُ وَشَرْطُ لِهَمَّا هَذَا الشَّرْطُ عَلَى مَا طُرُقُ

شعبین نے یہ شرط لگائی کہ دونوں میں سے کسی سے یہ نقل ہے امام نے جواب دیا
اپنے کلام سے کہ روایت بخاری کی ہے۔ (۱)

اور امام بخاری نے حافظ ابو حنیفہ سے اس پر حوالہ نقل کی ہے کہ وہ
کافی سخت اور محکم سے فرماتے ہیں

حدیث سب اخبار صحاح ہیں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ جو دو عاصی کی روایت کی
قید سے آئی ہو اور پر امام بخاری نے روایت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے
پہنچا ہو۔ جب یہ صورت ناممکن اور غلط ہے تو ثقات کو عاصی کہ حدیث اخبار صحاح
ہیں۔ اور جو شخص اس قسم کی شرطیں عائد کرتا ہے وہ تو دراصل اس روایت کو
ترک سننے کی دعوت دے رہا ہے کیونکہ سننے تو ساری ہی اخبار آحاد ہیں۔ (۲)

امام بخاری نے اس طرح کی اس تنقید و طوط الی الصواب قرار دیا ہے اور چرچا

بھی امام بخاری نے حیا کی اپنے شمار پر پورا زبردستی ہے۔ بہرحال یہ شرط چاہے
طریقہ ثانی میں یا عام روایتی کے متحرکین کی مانی ہوئی میں ورنہ شعبین سے اس مسئلہ
میں کچھ بھی ناس نہیں ہے۔

اسماہو نطق و تحمیل من العلماء

تاکہ یہ باتوں کے بخاری و مسلم کی کتابوں کی اور ان کتابوں کے مقدمہ میں صحیف
کا اردو اور شریعت پر نہیں ہے۔

تلقی امت بالقول اور صحیحین:

حدیث کی اور ان کتابوں کے مقدمہ میں صحیحین کی اصحیت کو ثابت کرنے کے وجود
۱۱۔ جو تالیفات ہیں ان میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ صحیحین کو تلقی امت بالقول ۱۵

شرف حاصل سے صحیحین کے بارے میں یہ حدیث توفیق حافظ ابن الصلاح کی قدامت سے انہوں نے مقدمہ میں لکھ دیا کہ:

الاتفاق الامة على تلقى ما اتفقنا عليه بالقبول۔ (۱)

صحیحین کے بارے میں یہ موقف ایسا ہے کہ حدیث صحیحین کو ناجائز چاہیے چنانچہ ابو محمد بن ابراہیم الوزیری قضا نے فرمایا:

والوجد في هذا عند اهل الحديث هو تلقى الامة بالقبول ولا شك انه وجه ترجيح۔

محدثین کے ایک گروہ نے تلقی امت بالقول سے اور یہ واقعی حدیث ہے۔ (۲) اگرچہ امام نووی نے اس مسئلہ پر حافظ ابن الصلاح کے خلاف بہت بڑی قدامت یا درجہ تلقی امت بالقول کی چیز کی صحت میں تردد کرنے کی نہیں بلکہ وجوب عمل کی ضرورت ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

تلقى امت بالقول کا دعویٰ احادیث میں ملتا ہے اور یہ حدیثیں صحیحین میں ملتی ہیں اور منقہ ظن ہیں یہی صحیحین کی دلیل ہے۔ (۳)

امیر یحییٰ نے حافظ ابن الصلاح کے موقف پر دو سوال قائم کر کے صورت حال کو ابھی تک حل نہیں کیا۔

تلقى امت بالقول میں کیا امت کا ایک ایک فرد خاص و عام مراد ہے؟

یہ تلقی امت سے یہ مراد ہے کہ پوری امت جاتی ہے کہ یہ کتابیں ہر گروہ کی نسبت ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ امت کے یہ ایک فرد نے صحیحین کی ایک ایک حدیث کو اپنا یا ہے۔ لیکن پوری بات ان کی زبانی سن لیجئے

جو شخص یہ کہتا ہے کہ صحیحین کی تلقی امت بالقول حاصل ہے اسے اس دعویٰ کو ثابت

کرنے سے لیے اس کی ضرورت ہے۔ اس دعویٰ پر ۲۱۱ روایتیں ہیں ایک یہ کہ امت سے کیا مراد ہے سب کے سب ہر خاص و عام یا صرف مجتہدین۔ ظاہر ہے کہ سب تو مراد انہیں ہیں یقیناً مجتہدین ہی مراد ہوں گے۔ اگر دعویٰ یہ ہے کہ امت کے تمام مجتہدین میں سے ایک ایک فرد نے عمل کی دنیا میں اپنا یا ہے تو یہ خواہ مخواہ دلیل ہے اور معلوم ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں۔ اس مسئلہ کا ایسا ہے جیسا کہ صحاح کے دعویٰ پر۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ صحاح میں ۱۵۰ روایتیں ہیں اور امام احمد میں صحیحین کے وجود پذیر ہونے سے پہلے یہ حدیث ہے تو پھر صحیحین کے لیے اس کی تائید اور تشہید کے بعد اس قسم کا دعویٰ یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ علماء میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن کو صحیحین کا یہ بھی نہ ہوگا۔ اور اس سوال یہ ہے کہ خود تلقی بالقول سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں ان دونوں بزرگوں کا تائیدی کارنامہ ہیں۔ صرف اتنی بات تو ان کتاب کی صحت کی ضمانت سے بے ہدفی نہیں ہے بلکہ یہ تمام امت کے ان کتابوں کی تمام حدیثوں میں سے یہ حدیث حدیث کے بارے میں یہ مانا جائے کہ یہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس دعویٰ کی صداقت سب احادیث کے بارے میں ناقابل تسلیم ہے۔ (۱)

صرف یہی نہیں بلکہ امام نووی کی معنی اور حافظ ابن الصلاح کی غفلت میں اور بھی بہت چوڑا ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو زری فرماتے ہیں کہ یہ بھی معترض یا گیا ہے۔

صحیحین کے بارے میں تلقی امت بالقول درست ہے۔ لیکن یہ صحیحین کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کو بھی یہ مقام حاصل ہے مگر اس کے باوجود ان کتابوں کی اہمیت کا وہی بھی قائل نہیں ہے اگر امت سے پوری امت مراد ہے تو اس سے زیادہ کوئی گھٹ بات نہیں ہے کیونکہ ان کتابوں کی تائید بخاری اور احمد مذہب کے بعد منصف مشہور پر تائی ہے اور اگر امت سے ساری امت نہیں بلکہ

وہ حضرات مراد ہیں جو کتابوں کے مؤلفین کے بعد سوک چکے ہیں تو یہ ساری امت نہیں ہے اور کچھ لوگوں کی تلقی مفید نہ رہی ہے۔ (۱)
 نہ بامحمد بن اسماعیل یحییٰ کے بعد ایش سے گلو خدا صی نے لیے متاخرین میں جواب صدیق حسن خاں مازوم نے تلقی امت بالقول میں تھوڑی سی ترمیم کر کے تلقی امت بالقول کا عنوان اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اعلیٰ فیہ تراویح السنہ میں فرماتے ہیں

ونلقاھما الاثمة بالقول۔ (۲)

اور اثناف الامامہ المتکلمین میں لکھتے ہیں

اثر دین تلقی کردہ اندازیں ہر دور القبول۔ (۳)

اور مولانا آرا نے اپنے مخصوص خطبات انداز میں ان سے بے پروا ہو کر لکھ دیا ہے کہ سمیعین کو ترجیح محض ان کی شراط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو گیا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ مولانا نے اس دعویٰ پر کسی دلیل سے بحث نہیں فرمائی ہے اور متکلمین کو سب میں تلقی سے یہی شکایت ہے کہ وہ نہ تو دعویٰ کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے پاس دلیل کا سرمایہ ہے۔ عقیدت بیشی کی حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے مگر اس عقیدت کا نہیں ہے بلکہ علم و نظر اور تحقیق کا ہے۔

بہر حال یہ بحث متاخرین محدثین کے یہاں طویل الذیل ہے اصل بات وہی ہے جو اس سلسلے میں امیر یحییٰ نے توفیق الکار میں فرمائی ہے کہ

فالاولیٰ عندی فی الاستدلال علی تفہدہ الصحیحین ہو احراز مؤلفہما بان احادیثہما صحیحۃ۔ (۴)

صحیح یہی ہے کہ سمیعین کے مقدم ہونے کی وجہ ان کے مؤلفین کا یہ ہونا ہے کہ ان کتابوں کی احادیث صحیح ہیں۔

(۱) توجیہ الخیر: ص ۱۳۱

(۲) الخط: ص ۸۲

(۳) توفیق الکار: ج ۱ ص ۹۵

(۴) اثناف الامامہ: ص ۳۸

اور اس بات کا مطلب کہ ان کتابوں کی احادیث سنی ہیں یہ بھی علامہ یحییٰ کی رہائی ہی من لکھے

امام بخاری کا یہ کہنا کہ یہ احادیث صحیح ہیں ان کے مترادف سے کہ ان حدیثوں کے راوی عابد اور ضابط ہیں اور ان میں کی قسم کا وہی شدہ اور وہی صحت نہیں ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں مولانا نے یہ صنف اتنی بات سے کہ ان حدیثوں کے راوی عدالت و ضبط کی صفات سے موصوفہ ہیں ان کی یہاں ضروریات شدہ اور ضابط کے داغ سے پاک ہیں اور اس کے علاوہ ان بزرگوں کی نہ قائم کردہ کوئی شرط ہے اور نہ اس کی وجہ تلقی بالقول سے تو چرچہ سمیت ان کتابوں میں محدث کرنا اپنے ہر راوی خاص اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ یونہی بن بناؤ کسی کتاب کو اسے مناسبت ان کے بھنے والے بڑے بزرگ ہیں کوئی بھی اور تحقیقی بات نہیں ہے۔ اس لیے حافظ ابن ابی شیبہ کا یہ سننا بالکل بوجہ ہے کہ یہ خود بخود کی تصحیح اور تھمید محض ہے جو وہ اہمیت کا راز اور توفیق اس پر ہے کہ سمیعین کے راویوں کی شراط سے تحت میں جو اس کے مؤلفین سے پیش نظر ہیں۔ باغرض اگر یہی شرطیں ان کتابوں سے ملدیں اور کتاب میں سوں ورائے کے راوی اسی معیار پر پورے اترتے ہوں تو چرچہ سمیعین کی حدیثوں کو صحیح کہنا ہی اہمیت نہیں رکھتا۔ (۱)

اور صرف یہ حافظ ابن ابی شیبہ کا ہی خیال نہیں ہے بعد ان میں مولانا بھی حافظ ابن ابی شیبہ کے منوالی۔ حافظ ابن ابی شیبہ کے شاگرد علامہ ابن حجر نے یہاں عجیب بحث چھوڑا ہے کہ بخاری اور مسلم کا اہمیت میں مقدمہ بخاری اور مسلم کے بعد آئے ان کے ساتھ ہے۔ ان مجتہدین کی کتابوں سے ان میں سے جو امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے آئے چکے ہیں۔ (۲)

یہ بھی یہ تصاف کی بات ورنہ بڑی ہی بے انصافی ہوگی کہ سلف مجتہدین کا مقدمہ بعد کے ان محدثین سے کیا جائے جو فضل و کمال و اجتہاد اور تحقیق و تھمید میں ان کے برابر نہ

(۱) توفیق قدیر: ص ۳۱۲ (۲) توفیق قدیر: ج ۱ ص ۳۰

تھے۔ شاید یہی چیز ہے۔ جس سے عظیم امت شادولی مذکور کتاب حدیث میں
کی اصحیہ کے اعلان پر مجبور کر دیا۔ نواب علامہ صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

شادولی اندکھٹ ہوئی اس حال تو۔ سب در حدیث و فقہ موطا امت
بستر بخاری بستر مسلم۔ (۱)

شود صاحب نے اس سے قرین دلیل اور حوالہ نہایت شرح وسط سے اپنی مشہور
کتاب مصنفی میں بیان کیا ہے۔ ان ضمن میں حدیث راہ کوثری کا ایک بیان بھی ملتا ہے
۔ جو انہوں نے شرط امت کے تحت کی تصدیقات میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں

تفلیس میں یا صاحب غرض سے سے سے حفاظت حدیث باہم معاصر ہیں اور تہذیب
فقہ حدیثی سے بعد مفسر شہود پر آئے ہیں در حدیث کے ایک خاص حصہ پر اپنی
توجہات کو مرکوز کیا ہے ان سے پہلے محدثین کے سامنے حدیث کی ساری
نوع مرفوعہ موقوف امرسل اور موقوفہ ہیں۔ فروعی و فروعی۔ کیونکہ تکرار احادیث میں
حدیث کی تمام اون روئی ہیں۔ چنانچہ اس دور کی جوامع اور مصنفات اس کی شہ
جس کی حدیث کی ساری قسمیں مدور ہیں جس کی ایک مجتہد وضو درست ہوتی ہے
اور ان جوامع سے موافقین روایت صحیح سے پہلے امام مجتہدین کے تالیف ہیں یا
تالیف کے ساتھ ہیں۔ (۲)

یہ حدیث امام بخاری کی سبب جس کا پورا نام خواہم جاری کا تجویز کردہ جوامع
میں اسناد میں حدیث رسول مدلسی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہے اپنے اور ان ایک متفرق
جامع تصنیف سے اس کی بڑی خوبی یہ ہے۔ امام موصوف سے جس احادیث کا ایک مجموعہ
تیار کیا ہے۔ اس سے ساتھ اور بھی بہت سے فوائد اور فوائد کی طرف اشارات فرماتے ہیں۔
اسوں سے فقہ کا بہ ثمرہ فروعی و فروعی میں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے مناسب آثار بھی یہ اور احادیث
مرفوعہ پیش کی ہیں تاکہ حدیث اور فقہ کا ربط ہو جائے۔ چاہے باب میں احکام کے مناسب

مناسب قرآنی آیات تلاوت کی ہیں تاکہ فقہ کے تمام بواب قرآن کریم میں ایسا نظر
آجائے اور ان سے مناسب احادیث کی کوثر قرآن کی جامعیت کا پورا مشاہدہ ہو جائے اسی
کے ساتھ قرآن اور حدیث کا ربط بھی معلوم ہو جائے اور اس طرح ایک ہی تصنیف مکتوبین فقہ
اور مکتوبین حدیث دونوں کا جواب بن جائے۔ فقہ کو براہین والے احادیث سے مسائل کے
استنباط کا طریقہ سکھائیں اور حدیث کو قرآن کے حروف کے ذریعے قرآن میں احادیث کا مفہوم
معلوم کر لیں۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں

کل ابواب الصفة ليس منها الاولة اصل في القرآن نعمة والحمد لله
حاشا القراء۔ (۱)

فقہ کے تمام موضوعات کی قرض کے علاوہ قرآن میں اصل موجود ہے۔
اس لحاظ سے کیا امام بخاری کی صحیح تمام علوم و فنون کا مجموعہ بن کر رہی جو اس دور
تک اسلاف کی محنتوں سے بھرپور پرائے گئے تھے۔ چنانچہ عظیم امت شادولی اندکھٹ
فرماتے ہیں

معلوم ہوتا چاہیے کہ امام بخاری دو سو سال بعد روایا ہوئے اور اس سے قبل شہاد
عدم ایضاً میں مختلف فنون کی کتابیں تصنیف کر چکے تھے چنانچہ امام مالک سفیان
ثوری سے فقہ میں اور ابن جریر سے تفسیر میں ابو عبید نے غریب قرآن میں اور محمد
بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیرت میں عبد اللہ بن مبارک نے زاد و مواضع
میں احادیث کے پیدائش میں اور یحییٰ بن یحییٰ نے صحابہ و تابعین کے حالات میں
یہ متعدد احادیث کے فن روایا اب اسباب شامل اصول حدیث اصول فقہ اور راہبہدین
پر کتابیں تصنیف کی تھیں۔ امام بخاری سے ان تمام مدونہ و مدونہ علوم کا ایک حصہ کہ
جس و انہوں نے بھرا امت یا حدیث ان حدیثوں میں پایا جو امام بخاری کی شرط پر
تھیں اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ (۲)
حافظ ابو یوسف بن موی جاری فرماتے ہیں کہ

ماہ جاری ۵ پیش ہوا صرف یہ تھا۔ حدیث ۵ میں مختصر مجموعہ دیکھیں۔ ہاتھ میں آجیے۔ تو اس احادیث ۵ استیعاب میں ۵ تصور ہے۔ تو اس کی شرط صرف یہ تھی کہ وہ حدیثیں ان کے درمیان صحیح ہیں۔ اس بات کو یوں یاد رکھو کہ وہ خوف مات ہیں۔ اس نے اس کتاب میں صرف حدیثیں روایت کی ہیں۔ (۱)

امام بخاری سے اس کتاب کو اگرچہ نو ہزار لوگوں نے سنا ہے لیکن امام مہوف ۔۔۔
نہ سنا نہ دیکھا کی روایت ہے ۔۔۔ مدظلہ اویں پر رتبہ ہیں

(۱) براہیم بن معقل (۲) حماد بن شاذان (۳) محمد بن یوسف افریزی (۴) وکیل منصور بن محمد ہمدانی۔ ان چار میں پہلے اور تیسرے اور چوتھے مشہور دینی عالم تھے۔ حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ سلسلہ سیدس ائمہ کے ناموں سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ مانتے ہیں

ومن طريق ابراهيم بن معقل بن الحجاج السلمي وكان من الحفاظ وله تصانيف - ومن طريق حماد بن شاكر النسوي - (٢)

اس چاروں میں ہر ایک اور تھا کہ یہ خاص شرف حاصل ہے کہ ان کو امام بخاری سے
جانشین روایت کا سب سے پہلے موقع ملا۔ علامہ برکات الدین نے وفات ۷۲۹ھ
۱۳۲۷ء میں بخاری کی تہذیب فرمائی اور جو خطبہ وفات ۷۳۰ھ ۱۳۲۸ء میں بخاری سے روایت
حقیقت سے کہ اس پر یہ دونوں فتویٰ برکت امام بخاری کی کتابوں سے روایت نہ کرتے تو جامع
کی روایت کی منہات تنہا فرمائی پر رد جاتی اور اس طرح روایتی نقطہ نظر سے صورت حال بخاری
نازک ہو جاتی۔ علامہ کوثری نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

هذا الحجازي لولا ابراهيم بن محمد السفي وحماد بن شاذكر
الحسن لكاهنفر والغوري عنه في جميع الصحيح سماعاً (۳)
بالفاظه في سنة ۳۱۰ هـ بمصر في دار كرامته من زمرة فاضل في حال

بانتظار اس لیے کہ ہم بخاری و صحیح کا روائے مزید احاطہ ہی تھے۔ بہر حال

امام بخاری کی کتاب صحیحہ کا نام اسی سے چارن سو میں صدیوں تک رکھا گیا۔ اس میں اصل اور اسنادی نقطہ نظر سے لوگوں کے لیے علم کا بہترین سرمایہ ہے۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں موازنہ:

اس پر توجہ کرنا یہ ہے کہ میں سب کی مباحثات ہے یہ بھی نہیں ہے اور
اپنے حدیث تماموں پر نفاذ رحمت میں چاہیے وہ اب صدیق اس خاص فرمات ہیں
لا ريب في تقديم الشخص على النعمه عصورهما ومن بعدهما في معرفة
الصحيح والعلل۔ (۱)

یہ سب باتیں آپ کے پاس تقدیر کی حمت اور مہیا میں سے چوٹی رائے میں ان
زیریں ہاں کتابوں میں تشریح سے درجہ سے انہاں میں اس کی حمت سے یہ کہیں وقت
کرامہ شریوں میں درجہ سے ہیں۔ اس کی حمت تلقی حمت واقفوں سے۔ اس پر حواء سے
مختلف دنیا سے آپ کی جہت میں۔ اصل بات سب کے یہاں تقریباً متفق علیہ سے یہ ہیں کہ
پایہ دوسری کتابوں کے مقابہ میں مند سے۔ اس پر حواء کے بعد البتہ اس میں حواء کا اختلاف
سے کہ دونوں میں سے اردو سے حمت خالص محمد خانہ نقطہ نظر سے کس کا مقام اونچی ہے؟

تے۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک کتاب ہے جس میں وہ اپنے اعمال کی تمام تفصیلات لکھی گئی ہیں۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک کتاب ہے جس میں وہ اپنے اعمال کی تمام تفصیلات لکھی گئی ہیں۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک کتاب ہے جس میں وہ اپنے اعمال کی تمام تفصیلات لکھی گئی ہیں۔

اور اس وقت بغداد جو سے ثابت کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مغارہ کی راے۔ عباسیہ بخاری سے
مسلم کے حق میں ہے۔ اور ان مغارہ میں حضرت بن حزم حنفی ابو علی الحسین ابو علی غیثی پوری وغیرہ
داخل ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو محمد القاسم بن القاسم حمیری نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم حنفی کے
متعلق لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلم کو امام بخاری کی کتاب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور مشہور عالمی محدث
قاضی میاض نے امام ابن ابی عمر ان طبری سے نقل کیا ہے کہ یہ ہے چھ شیوخ صحیح مسلم کو ترجیح
دیتے تھے۔ (۱)

علامہ زرشکی تصریح سے معصوم ہوتا ہے کہ یہ خیال صرف پتھر کا نہیں بلکہ اشد مغایرہ کا ہے چنانچہ امیر ایمانی فرماتے ہیں:

لا يخفى ان مقالة الزركشي ان دائرة الحلاف اوسع والداهور الى
توحيد مسلم اكثر ممن ذكر -

بعض علماء نے مغاربہ سے اس میاں کی وجوہ بھی قلم بند کی ہیں۔ چنانچہ علامہ
الجزاوی فرماتے ہیں کہ:

امام ابوعلی میث پوری نے صحیح مسلم کو بخاری پر حنفیت دی سے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب خامس اپنے شہر میں اپنے استاد کی موجودگی میں لکھی وہ بیان التحریر اور الفاظ میں بے حد محتاط تھے۔ برخلاف امام بخاری کے کہ وہ اکثر احادیث کو صرف حافظ کی مدد سے لکھتے اور راویوں کے الفاظ میں امتیاز نہ کرتے اسی وجہ سے آپ کو شک ہو جاتا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نئی حدیثیں بصرہ میں سنی ہیں مگر ان کو شام میں پہنچ کر قلم بند کیا ہے۔ (۲)

حافظ عسقلانی نے مختار پر کے اس تاثر کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میری رائے میں اس کا تعلق صحیح مسلم کی اصحیت سے نہیں بلکہ اس کی وجوہ توثیق اور تیس ایک وجہ وہ ہے جو حافظ ابن حرم نے بتائی ہے کہ اس میں خطبہ نہ بعد حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت بالعموم کے قابل ہیں۔

نیز وہ ایک حدیث و فقرے پرے پیش کرنے و درست سمجھتے ہیں۔ یہ خلاف امام مسلمہ کے کہ وہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔ جب یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ کتاب ایسا جدید و قیام کی حالت میں نہیں بلکہ سفر میں بھی سے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی حدیثیں بصرہ و میں سنی ہیں مگر بھینے کی نوبت خراسان میں آئی ہے اس وجہ سے یہ اوقات حدیثیں صرف حافظ کے حوالہ پر قلم بند کرتے اس لیے روایت کا حفظ نہ ہوتی تھی بلکہ روایت صرف اس کے حوالہ و احادیث اپنے الفاظ میں پیش کرتے تھے یہیں امام مسلمہ نے اپنی کتاب قیام کی حالت میں اپنے اساتذہ کے سامنے لکھی ہے وہ الفاظ میں یہ حدیث اور روایت باللفظ کے پابند تھے۔ (۱)

افسوس سے کہہ سکتا ہے کہ امام بخاری کی حدیث میں امام بخاری کے حامیوں کا سب
 دلچسپ ناموار محدث تک پہنچ گیا چاہے تو یہ تھا کہ ان مغربہ کی تنقیدات کا بھی اور تحقیقی جواب دیا جاتا
 لیکن ہر ایک امام مسلمہ اور امام ابوعلیٰ نیشاپوری تک پر نہایت رکیک الزام لگائے اور انکی زبان
 استعمال کی جو بھی زبان نہیں ہے اور نہ میدان تحقیق میں محققین کے شایان شان ہے۔ چنانچہ
 حافظ ابوسعید الخدری کو جب امام مسلم کی برتری کے بارے میں امام ابوعلیٰ کے تاثرات معلوم
 ہوئے تو فرمایا کہ:

امام اہل سنت پر مکی کو صحیح کا پتہ ہی نہیں ہے۔ (۲)

اور مشہور حاکم کبیر ابو احمد نے اس معاملہ میں حد کر دی۔ حافظ ابن حجر ان سے

امام محمد بن اسماعیل پر رحمتیں برسائے انہوں نے اصول پر تالیف کی اور لوگوں نے
لیے یہاں کیا ہے اور جس نے بھی آپ کے بعد کوئی کام کیا ہے وہ آپ ہی کی
کتاب کے ذریعے کیا ہے جیسے امام مسلمہ انہوں نے امام بخاری کی کتاب کے ریا و
دعے کو اپنی کتاب میں بکھیر دیا اور اس میں اسی اُصناف کا معیار دیا کہ امام بخاری کا
نام تک نہیں لیا۔

حدیث میں جو حدیثیں ہیں جن کی بات و نقل سے پرانہ تعلیم فرمایا جہاں سے آئے قدم بڑھ کر باقی اقطار میں ۱۰۰ بار حدیثیں بھی نقل یا ہے جو امام مسلم کی حدیثوں کے ساتھ مخالف ہے۔ لکھتے ہیں

وہ قطعی سنتیں ہیں کہ امام بخاری نے سوائے وہ امام مسلم کا نام تک نہ سوتا۔

نہ اس میں حدیثیں نہ فرمایا کہ

امام مسلم کے امام بخاری کی کتابوں سے اور ان کی دستخط ہاں اس میں ہر حدیث کا اضافہ کر دیا ہے۔ (۱)

باللہ فانی اللہ العسکری۔ امام مسلم کا حدیث میں جو پایہ ہے اس کو دیکھتے ہیں یہ اقطار میں بعض مرقاں کے جو ساتھ واقعات کے خلاف ہے۔ ان کی بات سب سے جانتے ہیں۔ امام بخاری و حدیث کی معنویت میں ساتھ سے حاصل ہوئی تھیں وہی ساتھ قریب قریب امام مسلم کے بھی تھے اور حدیث اور حدیث کا مجموعہ امام بخاری نے پیش نظر قرار دیا تھا امام مسلم کے بھی جانتے تھے۔ امام بخاری بن معین امام احمد بن حنبل امام علی بن مدینی امام محمد بن مبارک امام مصنف امام محمد امام ابو یوسف کی جس قدر تصانیف امام بخاری کی نظر سے گذری ہیں۔ امام مسلم کی نظر سے بھی گذری تھیں۔ پھر یہ ہمارے قدر ہے تصانیف سے کہ امام مسلم جیسے امام سے جو چھ اس فن میں محدثوں امام بخاری سے کہ ان نقل کر کے اس پر عمل اور اس کی حدیثوں کا امام سے یہ تھا۔ امام بخاری کا نام بھی نہیں آیا۔

حدیث میں امام مسلم کا بیان:

امام مسلم کا حدیث میں جو پایہ ہے اس کا اندازہ صرف مصر ابو العباس بن مقدو کے اس بیان سے ملتا ہے جو حافظ ابی کے ساتھ قاضی میں نقل کیا ہے۔ اس سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ بخاری و مسلم میں حدیث میں مقدمہ اس کا انچا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ دونوں جہات میں۔ اس کے ساتھ کہ میں سے ہر دو اس سے بھی زیادہ فرمایا کہ

امام بخاری سے اہل شام کے بارے میں حدیثیں ہوتی ہیں جو محدثوں نے اس کی کتاب میں لے کر منہ دیا تھا جس سے اشیاء ہوتا ہے کہ ایک جہد نیت کے ساتھ ایک شخص مذکور ہوتا ہے۔ اور دوسرے مقدمہ پر اس کا نام آتا ہے تو یہ اس کو انھیں سمجھ دیتے ہیں لیکن امام مسلم و محل میں خطی بات ہی نہ ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے صرف مسند حدیثیں بھی تھیں، مقطوع و مسلسل روایات نہیں لکھی ہیں۔ (۱)

یہی بات متاخرین محدثین میں سے امام ابو حنیفہ صدیق حسن کی کتابوں میں لے کر اور وضاحت سے پیش فرمائی ہے

امام مسلم نے اپنی تصنیف میں علم حدیث کے ہی بات کا خزانہ فرمایا ہے خصوصاً احادیث کی سندوں اور متون میں ایک کے مثال میں نمونہ ہے اس کا پانچ حدیث و ضعیف حدیث سے متاثر رہے میں امام بخاری کی کتاب کے مقابلے میں امام مسلم کی کتاب و شرف تقدیم ہے۔ امام بخاری اہل شام کے بارے میں حدیثیں لے کر ہیں کیونکہ وہ ایک شخص کو ایک جہد نیت کے ارد گرد ہی جہد نام سے ذکر کرتے ہیں اور اس طرح ایک ہی شخص کو ایک شخص سمجھ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی روایات کثیر اہل شام سے بطور سداہ ہوتی ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے کہ وہ کسی مقدمہ پر ایسی خطی کا حکم نہیں سوتے۔ صحیح بخاری کی حدیثوں میں تقدیم و تاخیر حذف و اسقاط کی وجہ سے متون حدیث میں پیچیدگی آجاتی ہے لیکن یہ بات صحیح مسلم میں نہیں ہے کیونکہ امام مسلم حافظ حدیث و بخاری کی ترتیب سے درحال حدیث کو اس طرح لاتے ہیں کہ کبھی کوئی تعریف نہیں ہوتی ہے۔ (۲)

صحیح مسلم کی شدت اگرچہ مصنف سے تو تری حد تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کی روایت کا سلسلہ جس برکت کے ساتھ قمر رہا ہے وہ مشہور فقہ حنفی شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد غنی پوری رحمہ اللہ ہیں۔ چنانچہ امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں رقمطراز ہیں:

اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے سنن نسائی روایات کا سلسلہ مندرجہ ذیل ہے۔
زمانے میں صرف ابو اسحاق ابراہیم بن محمد کی ذات سے وابستہ ہے۔

سنن نسائی اور صحاح میں اس کا مقام:

امام نسائی نے اپنی سنن میں امام بخاری اور امام مسلم کے نقل قدم پر چلنے و چلنے کی سب سے زیادہ روایات ہی کو اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے اور اصل حدیث کا بیان اس پر مستند ہے اور اس کے ساتھ سنن ترمذی اور جوامع تالیف کا بہترین نمونہ ہے۔ حافظ عبد اللہ بن سیوطی نے زہبی میں حافظ ابو حمزہ محمد بن رشید سے نقل کیا ہے کہ:

”عمر بن مسعود میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں یہ کتاب اس سب میں علیٰ خط تالیف نامی و در اعتبار ترتیب بہترین درمیان ہے بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے نیز اصل حدیث کا بھی ایک معتد بہ حصہ اس میں کیا ہے۔“ (۱)
حافظ ابو علی النیشاپوری حافظ ابن عساکر حافظ ابن قسطنطین حافظ عبد الغنی اور امام حاکم نے اس کتاب کی صحت کو سراہا ہے بلکہ حافظ ابن مندو نے تو یہیں تک دعویٰ کیا ہے کہ:

الدین حوحو الصصحیح اربعة البحاری و مسلم و ابو داؤد و النسائی۔
یعنی جن چار نے صحیح احادیث کو روایت کیا ہے ان میں ایک امام نسائی بھی ہیں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ:

ابن حاکم کا بیان ہے کہ میں نے سعد بن علی النجفی سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ ثقہ ہے۔ عرض کیا کہ امام نسائی نے اس کی تصنیف کی ہے بولے کہ برخوردار جال کے بارے میں امام نسائی کی امام بخاری اور امام مسلم سے زیادہ کڑی شرطیں ہیں۔

لیکن حافظ محمد بن ابراہیم بن یونس کو اس دعویٰ کی صحت میں تاہل ہے وجہ یہ ہے کہ حافظ

ابن مندو نے لکھا ہے کہ امام نسائی کی شرط یہ ہے کہ اس شخص سے حدیث روایت کریں گے جس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔ حافظ ابن خرفات ہیں کہ اجماع سے اجماع عام مراد نہیں ہے بلکہ حقیقت ناقدین میں سے ایک خاص طبقہ کا اجماع مراد ہے۔ حافظ سخاوی کے بیان سے جو انہوں نے اس موضوع پر احادیث باتحیح میں لکھا ہے۔ اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

امام نسائی کا مذہب یہ ہے کہ کسی راوی کی حدیث اس وقت تک نہ چھوڑی جائے گی جب تک اس راوی کے ترک پر سب کا یکسان ہو جائے۔ امام نسائی کا مقصود یہ ہے کہ ناقدین میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ثقہ بن اور متوطن۔ ثقہ بن میں امام شعبہ اور سفیان ثوری ہیں۔ متعدد میں میں یحییٰ القطان و عبد الرحمن بن مہدی ہیں۔ تیسرے طبقے میں یحییٰ بن مہین و امام احمد ہیں۔ چوتھے طبقے میں ابو حاتم اور بخاری ہیں۔ امام نسائی کا مذہب یہ ہے کہ کسی راوی کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک سب کا اس کے چھوڑنے پر اتفاق نہ ہو جائے یعنی اگر ایک راوی کو عبد الرحمن بن مہدی ثقہ بتاتے ہیں مگر یحییٰ القطان اس کی تصنیف کرتے ہیں تو اسے نہ چھوڑ جائے گا کیونکہ راویوں کے بارے میں یحییٰ کا تشدد معلوم ہے۔ (۱)

یہ صاحب تصنیف انکار نے امام ابو القاسم سعد بن علی النجفی کی اس بات پر ہاسی ان لامی عبد الرحمن فی الرجال شرطاً اشد من شرط البخاری و مسلم۔

کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کی یہ وجہ تو حافظ ابن مندو کی بالارویت و قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ اس روایت و حافظ ابن الصلاح اور حافظ زین الدین عراقی نے ذکر نہیں کیا ہے اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہے لیکن حافظ ابنی نے تاریخ میں تصحیح کی ہے کہ امام ابو القاسم سعد بن علی النجفی نے جو چھوڑا ہے صحیح ہے اور حافظ ابنی کے علاوہ خود حافظ ابو حفص بن حاکم مقدسی نے شرط اس میں بھی یہ ذکر کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ناقدین

نہ سے راویات جات میں سے حدیث سے مام نسائی کا پیہ نام مسند سے بھی اپنے سے پہلے پہ
حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

نہ رجال میں مام بن فی بن یحییٰ حدیث سے مام ماسلم پر بھی فوقیت ان سے
اور دارقطنی وغیرہ نے ان والے ان میں اور دیگر حدیث میں مام ماسلم سے
مخریج پر مقدم کیا ہے۔ (۱)

اور حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ
یہ مسلم ترمذی اور ابوداؤد سے حدیث ممل حدیث اور علم الرجال میں زیادہ ماہر ہیں
اور امام بخاری اور امام ابوزرعیہ کے ہم عصر ہیں۔

بہر حال امام نسائی بڑی جلالت قدر کے مالک ہیں ان کی کتاب سنن نسائی کے نام
سے مشہور ہے یہ کتاب دراصل مام ماسلم نے حدیث میں علی بن محمد بن حاتم بن حاتم
نہیں سے حدیث کی کتاب کا اختصار ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ کتاب کا
مخریج ان کے مقدمہ میں منقذ ہے ان کا نام تحقیق ہے چنانچہ فرماتے ہیں

اختصار السنن وسماء المجتبى۔ (۲)

چونکہ یہاں ہے کہ تحقیق خود مام نسائی کی تفسیر ہے۔ ان خیوں کی تائید میں اس
واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ مام نسائی نے جب سنن تفسیر ومانی تو اس کو امیر رواد کی خدمت
میں لے جا کر پیش کیا۔ امیر موصوف نے مام موصوف سے دریافت کیا کہ اس میں جو چہرے
سے پہنچے ہیں مام نسائی نے جواب دیا کہ میں نے ان پر میرے فرائض کی تائید سے یہ صرف
صحیح روایات و متبع کرنا کہ جب مام نسائی نے اس سے یہ سنن صمدی تفسیر ومانی۔ اس
واقعہ کو کہ مام نسائی نے جب مام موصوف میں یہ سنن یہ مام موصوف سے یہاں میں صحیح
نہیں ہے امیر یحییٰ نے حافظ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے بتایا ہے کہ:

ان هذه الرواية لم تصح بل المجتبى اختصار ابن السني تلمیذ
السناني۔ (۳)

امام نسائی کے ساتھ میں بزرگ ترین اتنی مشہور محدث امام اسحاق بن راہویہ
ہے۔ امام اسحاق نے حدیث میں امام عبداللہ بن مبارک حریری بن عبداللہ بن مبارک
کے سامنے رونے اور کہا ہے کہ آپ یہ سن کر حیران ہو گئے کہ حافظ ذہبی کی تصنیف کے
مطابق یہ تینوں مام مہتمم کے تلامذہ ہیں۔ اور مام نسائی سے جس کو کوفہ تلمذ
حاصل ہے ان میں حافظ ابو شیبہ اندونی اور حافظ ابو یوسف شیبہ کی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حافظ ابو شیبہ اندونی محمد بن محمد حدیث کے شہور حافظ اور بن جریج و تھعلی کے مام
ہیں۔ طلب حدیث میں حسب تصنیف حافظ ذہبی حرمین عراقی مام و رش مکاسبیہ اور بہت سے
شیوخ سے حدیث کا مام حاصل کیا۔ علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حدث عن اشباح فیہ
کثیرہ احادیث شیوخ سے حدیث بیان کی ہے۔ (۱) امام بخاری سے بھی تلمذ حاصل ہے چنانچہ
امام بخاری سے ان کی کتاب المصنف تصنیف سے راوی بھی ہیں۔ حافظ ابن یونس کہتے ہیں

كان الدولابي من اهل الصنعة حسن التصنيف۔

حافظ مسلم بن قاسم فرماتے ہیں

كان مقدما في العلم والرواية و معرفة الاخبار۔

دولابی علم وروایت اور معرفت اخبار میں پیش پیش ہیں۔

اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ:

جالس العلماء و تفقه لابی حبیبة۔

علماء کی ہم نشینی اختیار کی اور ابو حنیفہ کا فقہ حاصل کیا۔

نہ حدیث میں اس کا یہ لحاظ ہے کہ آپ نے اپنے راویوں کے شاگردی تلمذ کیا ہے۔

ان میں امین عدی طبرانی اور ابن المقرئ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سنن ابی داؤد کا صحاح میں مقام:

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب کا یہ خط میں تفصیلی تعارف کیا ہے۔ خط المثل کہ

۱۰۰۰ کا جواب ہے جس میں انہوں نے کتاب سنن ابی داؤد کے متعلق ماہنامہ صوف سے دریافت کیا تھا۔ یہ کہ اس موضوع پر ماہنامہ صوف سے بیان کو جو اہمیت ہے وہ کسی اور کے بیان کی نہیں ہو سکتی۔ ہم یہاں اس رد کے ساتھ کتاب صدیق حسن خاں کی کتاب کے نقل کرتے ہیں۔

آپ دونوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ میں آپ کو یہ کتاب سنن میں جو حدیثیں آتی ہیں یہ وہ ہیں جو علم کے مطابق صحیح ہیں آپ وہ معلوم ہونا چاہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ لیکن میں حدیثیں جو اس طرح طریقوں سے مراد ہوں اور ان میں ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہوا اور دوسری کا حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں بھی پہلی و صحیح ہوتی ہوں اور بعض اقد میں سے ایک طویل حدیث و محققہ ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنی نقل کرتا تو بعض راویین پر پتہ بھی نہ چلتا اور اس میں جو فرق کا مسئلہ تھا وہ مجھ میں نہ آتا۔ اس بنا پر میں نے اختصار کیا اور جب کسی باب میں میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے تو اس لیے کہ اس میں وہ بات زیادہ تھی۔ اس کی اس میں اور سی احادیث ہیں۔ بہت سی لفظ زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو حدیثیں میں نے اپنی کتاب السنن میں درج کی ہیں ان میں اکثر مشہور ہیں جو میں نے ان کے پاس موجود ہیں جس نے قبلاً بہت حدیث لکھا ہے لیکن ان میں تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ (۱)

سنن ابی داؤد کی افادیت کے پیش نظر ماہنامہ صوف نے تمیز کی ہے کہ حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد سے یہ کافی ہے۔ مشہور محدث روایت کیا جاتی ہے لفظ میں

کتاب اللہ عزوجل اصل الاسلام و کتاب السنن لابی داؤد عہد الاسلام۔ (۲)

حافظ حمیدی کا بیان ہے کہ یہ رد حافظ ابن حرم کی مجلس میں صحیحیں اور ان کی رفعت شان کا رد و سوال تو حافظ ابن حرم سے کیا کہ حافظ حمیدی بن سہل کے پاس ایک محدثیں

کی جماعت آتی اور انہوں نے کہا کہ ہم حدیث میں کتابیں بہت زیادہ ہیں اس شخص سے مسئلے میں ہماری رہنمائی کریں اور کتاب میں کہ ہم ان کی کتابوں کو چاہے میں تو اس ہم ان کی پر اکتفا کریں۔ حافظ ابن سہل نے سنن کا خاموش ہو گئے۔ اور کمرے اندر چلے گئے۔ اندر سے کتابوں کے چور گھنٹے اوپر نیچے رہے اور اسے اور فرمایا۔

ہذا قواعد الاسلام کتاب مسلم کتاب البخاری و کتاب ابی داؤد و

کتاب النسائی۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جس حدیث پر امام ابو داؤد کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے جبکہ اس کی یہ ہے کہ خواہ امام ابو داؤد کی تصریح یہ ہے کہ میں نے کتاب السنن میں دو حدیثیں درج کی ہیں جو میرے علم میں نہ تھیں۔ موضوع پر سب سے زیادہ صحیح ہیں اس سے حافظ ابن الصلاح اور ماہ نواری نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جن حدیثوں پر ابو داؤد نے کوئی کلام نہیں کیا ہے وہ قابل عمل ہیں اور اس کا مقام صحیح نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن رشید سے یہاں ہے کہ ابو داؤد کے کلام نہ کر کے سے حدیث کا ضعیف ہونا ضروری نہیں آتا۔ بہرحال محدثیں نے یہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ وہ حدیثیں جن پر ابو داؤد نے کلام نہیں کیا صحیح ہیں یا حسن یا عامہ یا ضعیف نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی:

فالمصواب انه يحتمل الثلاثة الحسن والصحة والوهن غير الشديد لا

كما قاله ابن الصلاح ولا كما قال ابن رشيد۔

نہیں یہ ہے کہ تین باتوں کا احتمال ہے کہ صحیح حسن ہوں یا پھر ضعیف لیکن رد و بے کی۔ نہ ابن الصلاح کے خیال کے مطابق اور نہ ابن رشید کی رائے کے موافق۔ (۲)

حافظ خطابی نے سنن ابو داؤد کا تعریف کرنا ہوئے معالم السنن میں کیا ہے کہ ماہنامہ صوف کی کتاب السنن پر رشید کی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی عمدہ کوئی

کتاب نہیں ہے اس نے سب کی جانب سے سند قبولیت حاصل کر لی ہے چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں کی جانب سے اور فقہاء کے سارے طبقوں میں باوجود اختلاف کے حکم مانی جاتی ہے۔ سب لوگ اسی گھاٹ آتے ہیں اور یہیں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اسی پر اہل مصر۔ اہل عراق بلاد مغرب اور روئے زمین کے بہت سے شہروں کے رہنے والے واقف ہیں۔ البتہ فرامان میں بیشتر لوگ محمد بن اسماعیل مسلم بن الحجاج وکوفی کی کتابوں کے والدہ ہیں کہ جو جمع صحیح میں ان دونوں حفاظ کے قدم قدم پہنچے ہیں اور جنہوں نے جائی پڑتال میں ان کی شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے لیکن یہ دونوں کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت اچھی اور لحاظ قہار بہت اچھی ہے۔ (۱)

فقہائیت میں بہت اچھی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دیگر مصنفین صحیح کے مقابلے میں امام ابو داؤد پر فوق فقیہی ریادہ غالب ہے۔ چنانچہ تمام باب صحیح میں صرف امام ابو داؤد ہی یہ اپنے برکت میں جن حدیثوں کو اسحاق شیبہ نے طقات الفقہاء میں جمع کیا ہے۔ امام موصوف نے اسی فقیہی ذوق کی بنا پر اپنی کتاب میں صرف احادیث کا نام پر اتنا فرمایا ہے۔ اگرچہ ان پابندی کی وجہ سے اس کی یہ کتاب احادیث کے بہت سے ابواب سے خالی ہو گئی ہے لیکن احادیث فقہ کا جتن بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے چنانچہ حافظ ابو جعفر غزالی نے حوالے سے حافظ باب الحدیث ایسی ہی رقمطراز ہیں

لاہی داؤد فی حصر احادیث الاحکام واستنباطها ما لیس لغيره۔ (۲)
احادیث احکام کے بیان میں جو مقام داؤد کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہے۔
امام ابو داؤد کے اساتذہ بخاری اور مسلم کے ہی اساتذہ ہیں۔

احمد الحدیث عن مشائخ البخاری و مسلم کا احمد بن حنبل۔
ابو داؤد نے بخاری و مسلم کے اساتذہ مثلاً امام احمد سے کسب فیض کیا ہے۔

ان اساتذہ میں امام احمد کی شخصیت اس صدی کے محدثین میں پھر بزرگوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاید تیسری صدی کے محدثین میں کوئی ہو جس کا علمی نسب نامہ بالواسطہ یا بلاواسطہ امام موصوف سے نہ ملتا ہو ہر حال میں امام احمد سے تمام اساتذہ میں یہ خصوصیت بتائی ہے

کان يشبه باحمد بن حنبل في هديه ودله وسمنه۔ (۱)

یہ خصوصیت امام ابو داؤد کو امام احمد کے دوسرے شاگردوں سے ممتاز کرتی ہے اور حدیث میں امام احمد و حسن اساتذہ کے ساتھ راوی۔ اب تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس میں بشیر بن بشیر امام حریز بن عبد الحمید امام ابو یوسف بن میثاق عباد بن العوام وکیع بن الجراح ابن نمیر عبد اللہ بن مبارک یزید بن ہارون مہدی رقی بن ہمام اور یحییٰ بن ابی زائدہ وہ گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کی حدیث میں امام عظیم کے ساتھ راوی۔ اب تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤد امام عظیم کی ساری حدیثوں کی نقل و نقل سے روایت تھے اور بڑے۔ اب واقف امام سے ان کا نام یہ تھے جو ان میں مدایہ بعد متصل انتقاء فی فضائل الشائخ الاکابر الفقہاء میں ان سے نقل ہیں۔

حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد المؤمن بن يحيى قال اخبرنا
ابو بكر محمد بن بكر بن عبد الوراق التمار المعروف بابن واسه قال
سمعت ابا داؤد يقول رحم الله مالكا كان اماماً رحم الله الشافعي
كان اماماً رحم الله اباحنيفة كان اماماً۔ (۲)

ابو داؤد کہتے ہیں خدا مالک پر رحمت فرمائے۔ ہم تھے اور یحییٰ رحمہ اللہ امام تھے۔

سنن ترمذی کا صحاح ستہ میں درجہ:

سنن ترمذی کی کتاب السنن ابو داؤد اور مسلم بن الحجاج کی جامع ہے۔

اس قسم کے اور بھی نئی مواقع ہیں۔ ان سے جو ب میں اُنچہ بہت چھو بہا جاتا ہے بین اصل بات یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس طریقہ میں یہ ب حد ام اور ہا آدھ نہ گفتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ اپنے محضوں سے دشمن میں یہ بات بھانا چاہتے ہیں۔ کہ حدیث اگرچہ ہم وروایتی اور اسنادی طور پر مزور طریقہ سے چکی ہے لیکن اسے اہل علم کی تائید حاصل ہے۔ اور اہل علم کا کہ حدیث کو پناہ میں بھی حدیث کی صحت کی ضمانت ہے چاہے روایت کی انیا میں اسے قابل اعتماد اسناد کی قوت حاصل نہ ہو۔ یہی بات حافظ عدل الدین السیوطی نے امام ترمذی کے اس طرز اور انداز میں سے لکھی ہے۔ پناہی حافظ صاحب حدیث با اور اس کے متعلقہ نوٹ پر رقمطراز ہیں:

اشارہ الکب الی ان الحدیث اعتصد بقول اهل العلم وقد صرح عبیر
واحد من اهل العلم بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به
وان لم یکن له اسناد یعمد علی مثله۔ (۱)

امام ترمذی نے یہ بات بتائی ہے کہ حدیث میں اہل علم سے قوت آگئی اور اس کی بشارتوں نے ترمذی کی ہے کہ یہ حدیث سے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی کتابوں کی صحت میں برتری کا درجہ راہین الصلاح و دروس کے متاخرین محدثین کے نزدیک ان کے اثر و صحت اور شرائط پر نہیں بلکہ اس شہرت اور قبول پر ہے جو امت کی جانب سے ان دونوں کتابوں و حاصل ہے تو پھر یہ ماننے میں کیا تاثر ہو سکتا ہے کہ شہرت اور قبول میں بذات خود صحت کی ضمانت ہے پناہی ایک سے زیادہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ حافظ سیوطی تدریس میں رقمطراز ہیں کہ

یبحکم للحدیث بالصحة اذا اتفاه الناس بالقول وان لم یکن له اسناد
صحیح۔

حدیث کو صحیح قرار دیا جاتا ہے جب اسے لوگ شرف قبول عطا کریں چاہے اس کی کوئی صحیح سند نہ ہو۔ (۲)

حافظ ابن عبد البر نے اتہید میں حضرت جابر کی اس مرفوع حدیث پر کہ

الدینار اربعة وعشرون قیراطا

لکھا ہے کہ علماء کی جماعت کا اسے اپنا لینا اور رائے عامہ کا اس پر مجتمع ہونا اس

حدیث کو سند سے بے نیاز بنا دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الانصاح علی نکت ابن الصلاح میں لکھا ہے کہ

حدیث کے مقبول ہونے کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ علماء اس حدیث کے

مدول پر متفق ہو جائیں کیونکہ وہ قول ہوتی ہے تاکہ اس پر عمل واجب ہو جائے

ہے اگر اصول میں سے ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔

حافظ شمس الدین سیوطی رقمطراز ہیں

جب کسی ضعیف حدیث کو امت شرف قبول عطا فرماتے ہیں تو اس پر عمل یا جائے گا

تاکہ اسے حدیث متواتر دیا جاتا ہو۔ حاصل ہو جائے گا جس سے قطعی ثبوت کو

منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

یعنی یہی سوال امام عصر محدث شیخ امیس بن محمد بن یحییٰ سے بھی کیا گیا ہے انہوں

نے اس سوال کا جواب مفصل دیا ہے اور یہ مجموعہ فی صغیر سے آخر میں فقہ امیر صیغی فی حل بعض

المشکلات الحدیثیہ کے نام سے ملتی ہے اور تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے جواب کا

لب لباب یہی ہے کہ ضعیف حدیث وہ ہے۔

حيث لم یکن فی سندہ کتاب

یہاں امام ترمذی نے یہ بات بھائی ہے کہ حدیث مقبول وہ ہے جسے اہل علم کی

تائید حاصل ہو اور وہ کامل عمل ہے چاہے وہ نہایت کچھلے میں گزارا جائے یا شکار ہو گئی ہو۔ اس

لیفظ سے امام ترمذی کی کتاب کو دوسری کتابوں کے مقابلے میں بہت اونچا مقام حاصل ہے۔

امام ترمذی نے جن اساتذہ کے ساتھ ساتھ اب تہدیا ہے ان میں امام بخاری کی

تھیو بن حید محمد بن غیلان احمد بن علی بن محمد بن عثمان بن ابی شیبہ اور ابوہریرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں

ہاں یہ بات کہ حدیث باطلہ میں اور ان میں حدیث ضعیفہ کا مسدود ہے وہ تو ابن ماجہ میں کم از کم ایک ہزار حدیثیں ہیں۔ (۱)
اسی بنا پر حافظ ابو الجراح الحرمی کا فیصلہ یہ ہے کہ:

ان الغالب فیما تفرده به الضعف۔ (۲)

ابن ماجہ کے تفردات میں زیادہ تر ضعیف ہے

یعنی اس نے باوجود اس کے کہ فریقین سے سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ شمار کیا ہے وہ نہ ضعیف حدیثوں کا سوا ابن ماجہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ صحاح ستہ کی اسری کتابوں میں بھی وہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سنن میں اور ابن ماجہ میں زیادہ ہیں۔ اور ان سب کتابوں کو باوجود ضعیف روایت ہونے کے صحاح ستہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سنن کی روایت صحیح ہے۔ جناب علامہ ذیل نوب صدیق حسن خاں مسند حاتم میں فرماتے ہیں

ان چھ کتابوں کو اصول ستہ صحاح ستہ کہتے ہیں۔ شہ
مبدائی محدث ابوی نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا ہے کہ چھ کتابیں جو اسلام میں مشہور ہیں یہ ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ اور چھٹی کتاب میں بخاری، ابن ماجہ، موطا ہے اور صاحب جامع
اصول نے موطا کی کو اختیار کیا ہے اور کتابوں میں حدیث (۳) کی قسمیں صحیح، حسن اور ضعیف سب موجود ہیں اور ان کو صحاح کہا محض تکلیف ہے۔

مؤلفین صحاح کے نقطہ نظر کا اختلاف:

اگرچہ ایک ہی موضوع پر ان بزرگوں کا یہ تصنیفی کارنامہ ہے ان کے شیوخ بھی
مختلف ہیں اور اس لیے یہی طبقہ کہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ تالیفی یہ بھی ایک ہی تھا۔ اس
سے باوجود ان بزرگوں نے جدا جدا میدان تصنیف میں وہ تحقیق کی ہے۔ اس میں ان کا
یہ خاص نسب حسین خاص مطہر نظر اور خاص پیش ہوا ہے ایک ہی موضوع پر ایک ہی قسم کی
حدیثوں کو الگ الگ پیش کرنے میں ایک گہری معنویت ہے۔

امام بخاری کا نقطہ نظر

امام بخاری کا مطہر نظر پیش کرنے میں حدیث سنیہ کا استیعاب نہیں ہے نہ وہ نہ

فرماتے ہیں

لہ اخرج فی ہذا لکتاب الاصحاح وما یرکت من الصحیح اکثر۔

میں سے اس کتاب میں صحیح حدیث روایت کی ہیں اور زیادہ صحیح احادیث میں نے

چھوڑ دی ہیں۔ (۱)

امام بخاری نے یہ طور پتہ کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصود حدیث سنیہ کا ایک انتصار

تیار کرنا ہے احادیث صحیحہ کا استیعاب ان کے پیش نظر نہیں ہے۔

علامہ زہد عثمانی نے امام بخاری کا مطہر نظر وضاحت سے ساتھ سمجھا دیا ہے کہ

صحیح میں امام بخاری کی فرض صرف یہ ہے کہ حدیث صحیح مقصد کی تحقیق کی جائے

اور اس کے ساتھ ان احادیث سے فقہ میرت اور تفسیر کے مسائل کا استنباط کیا

جائے۔ اور استشہاد میں صحابہ تابعین اور فقہاء کی آراء سے مدد لی جائے اسی بنا پر

وہ متون احادیث میں تظہیر بھی کرتے ہیں۔ (۲)

علامہ ذیل نوب صدیق حسن خاں نے بھی امام بخاری کا یہی مطہر نظر بتا دیا ہے چنانچہ وہ

فرماتے ہیں

امام بخاری نے صحت احادیث کے ساتھ فقہی فوائد و مسائل۔ فقہوں کے تسلیم و کفر بھی

الزام کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

امام بخاری نے محسن یا کہ اس کی صحیح فقہی مددیں اور صیرن فقہوں سے مددیں

ہو۔ آپ نے اپنی سمجھ کے مطابق متون احادیث سے بہت سے نئے معانی

نکالے ہیں اور ان ہی معانی کی مناسبت سے احادیث کو ایک سے زیادہ بابوں میں

الک ایک کر کے پیش کیا ہے۔ (۱)

اور امام نووی فرماتے ہیں کہ

امام بخاری کا مقصد صرف احادیث کا تعارف نہیں ہے بلکہ کتاب میں ان کا اصلی پیش نباد یہ ہے کہ احادیث سے احکام استنباط کیے جائیں اور زندگی کے مختلف مسائل کے لیے ان سے استدلال کیا جائے اسی وجہ سے بہت سے ابواب اسناد سے خالی ہیں۔ (۲)

اس کے ساتھ ان کے پیش نظر دوسرے مقاصد بھی ہیں۔

امام مسلم کا مطمح نظر:

ماہنامہ میں پیش کیے گئے یہ مقصد نہیں ہے بلکہ کتاب میں تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کے لیے زیادہ سے زیادہ صحیح طریقہ فراہم کیا جائے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا جائے۔ چنانچہ خود امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اس بات کی توجیہ کر دی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

جمع فیہ طرقہ النی ارتضاھا فاختار ذکرھا و اورد فیہا اسانیدہ المتعددة والعاطہ المختلفة۔

ماہنامہ میں پیش کیے گئے یہ حدیث ہے۔ پھر اس حدیث کے ساتھ پیش کیا ہے۔ (۳)

علامہ زاہد کوثری نے اسے زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا ہے:

ماہنامہ کا مقصد صرف صحیح حدیثوں کو پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ان حدیث سے مسائل کا استخراج بھی ہے اور یہ حدیث کے بارے میں ایک نئی توجیہ ہے۔

لے سمیٹ دیتے ہیں تاکہ دیکھنے والے کے سامنے متون کا اختلاف اور اسانید کی نیرنگی بہترین شکل میں نمایاں ہو کر آجائے۔ (۱)

بہرحال، ماہنامہ کا مقصد صرف حدیث کی اسنادی اور راجعی حیثیت کو نگاہ میں رکھنا ہے۔

امام ابو داؤد کا تالیف میں مقصد:

امام ابو داؤد کا مقصد صرف حدیث کی اسنادی اور راجعی حیثیت کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے حدیث کی تفسیر اور اس کے مسائل پر بھی بحث کی ہے۔ ان کے پاس صدیوں کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ اجتہاد کے میدان میں صرف ابو داؤد کافی ہے۔ حافظ ابوبکر الخطیب فرماتے ہیں کہ:

ابو داؤد کی سنن علم دین میں ہے مثال کتاب ہے اسے فقہاء اور محدثین کے یہاں بیس حدیث کا شرف حاصل ہے۔ محدثین اسے یوں اور مل مغرب کا ہے اکتا ہے۔ ابو داؤد سے پہلے بے شک علماء نے جوامع اور مسانید تالیف کیے ہیں اور ان میں سے بہت سے احادیث کو جمع کیا ہے مگر ان میں سے کوئی حدیث نہیں ملے گی جو اس حدیث کی جگہ لے سکیں۔ (۲)

امام خطابی ابو داؤد کی شرح میں رقمطراز ہیں:

اس میں کوئی حدیث نہیں ہے کہ اس حدیث کے ساتھ اس حدیث کی تفسیر اور اس کے مسائل پر بحث کی ہے۔ (۳)

حافظ ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں کہ:

کتاب ابو داؤد کا مقصد صرف حدیث کی اسنادی اور راجعی حیثیت کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے حدیث کی تفسیر اور اس کے مسائل پر بھی بحث کی ہے۔

صحاح ستہ کی علمی خدمت:

چند صدوں سے سچے سچے تائید و تحریف عریضوں سے علمی خدمت کی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی سیادت میں سے ایسی سیسے کی وہ ہماری پیش کریں۔ ان کا نام مستخرجات اور اطراف ہے۔

مستخرجات صحیحین اور استخراج کے فوائد:

محدثین کی مصداقی زبان میں استخراج صیغہ کا طاقی اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے لکھا ہے کہ

ان باتی المصنف الى الكتاب فيخرج احاديثه ما ساعد له من غير طريق صاحب الكتاب۔

مصنف کوئی حدیث کی کتاب نے اور اس میں مدرج حدیثوں کو اپنی سندوں سے روایت کرے اور یہ صاحب کتاب سے الگ ہو۔

اس میں شرط یہ ہے کہ مستخرج خود صاحب کتاب سے کوئی حدیث روایت نہ کرے بلکہ صحیح سند کے ساتھ اور اس سے روایت کرے۔ چنانچہ صاحب تہذیب القرآن فرماتے ہیں

شرط المستخرج لا يروي حديث البخاري و مسلم عنها بل يروي حديثهما عن غيرهما۔ (۱)

محدثین۔ استخراج کے فوائد پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ چند فوائد یہ ہیں اس کے ذریعے حدیث میں زیادہ الفاظ کی تسکین یا کسی محذوف کی تیسرین ہو جاتی ہے۔ کبھی مستخرج کی حدیث کی سند اصل سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

کثرت طرق اور حدیث میں قوت آ جاتی ہے اور احادیث میں باہم تضاد کے وقت یہ قوت قرینہ میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ جسی قاضی کے وقت اس حدیث کو راجع

قرار دیا جاتا ہے جس کے طاقی زیادہ ہوں اور کثرت طرق معصوم۔ نے ہاں یہ حدیثیں کے یہاں استخراج ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر مقدسی جیسے ہیں۔ استخراجی نے ان سے بہت دور بھی بہت دور سے ہیں (۱) تحریج کی حدیث بھی اس سے صاف اور کثرت سے آ جاتی ہے۔ (۲) کسی بھی روایت میں سماع کی تصریح مل جائے تو ضعف کے ذریعے پیچہ شدہ ابہام تدریس کا شہدہ دور ہو جاتا ہے۔

(۳) احادیث میں یہ بڑا اور ہمہ سداں کوں ہاں سے حدیث حرم میں اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ اختلاف حافظ کی خبرانی یا کسی درقی اوکی وجہ سے ہو جاتا ہے اصل کتاب میں آمدہ روایت کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نقل اور اختلاف ہے۔ یا بعد از اختلاف۔ استخراج یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ روایت کس دور سے متعلق ہے۔

(چہارم) اصل کتاب کے متن یا سند کے بارے میں ابہام ہوتا ہے۔ استخراج میں تصریح آ جاتی ہے اور اس طرح چہرہ ابہام بے نقاب ہو جاتا ہے۔

(پنجم) کبھی اصل کتاب کی حدیث میں ردی کے لفظ خاص ہوتے ہیں باقی روایتوں صاحب کتاب مشہد یا معوہ کہہ کر آگے چل دیتا ہے۔ استخراج کے ذریعے اس میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

(ششم) احادیث کی سند یا متن میں گادگا و راوی کی جانب سے اراج ہوتا ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا۔ استخراج کے ذریعے اراج صحیح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

(ہفتم) حدیث بجا ہر مرفوع ہوتی ہے لیکن واقعہ میں وہ منقوف ہوتی ہے۔ استخراج اس معاملے میں قاضی کا کام کرتا ہے۔ (۲)

امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں یعنی صحیحین کے جو مستخرجات لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- ❖ مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم الاسامیل الجرجانی ۳۷۵ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو احمد محمد بن ابی حامد القطرانی ۳۷۷ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو عبد اللہ محمد بن العباس بن ابی ذعل ۳۷۸ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ مردویہ الاصہبانی ۳۷۹ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابی حواء یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی ۳۸۱ھ
- ❖ مستخرج حافظ محمد بن محمد طیب پوری ۳۸۵ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو الفضل احمد بن سلیمان اور ۳۸۶ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو نعیم الاصہبانی ۳۹۰ھ

احادیث صحیحین کے طرق و اسانید کی تعداد:

سارے مستخرجات کا یہاں استقصاء مقصود نہیں ہے صرف یہ دکھانا ہے کہ اس سلسلے میں محدثین نے کتنے عرق ریزی سے کام لیا ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ حافظ ابن عبدین حنفی حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن کثیر کی تصانیف کے مطابق صحیح بخاری میں آدھ حدیثوں کی تعداد تیسروں و چوتھوں طرف چار ہزار ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور حافظ ابن کثیر کی رائے کے مطابق صحیح مسلم میں حدیثوں کی تعداد بھی چار ہزار ہے۔ لیکن استخراج کی وجہ سے ان چار ہزار حدیثوں و متن میں طریقوں سے روایت یا کیا ہے اور حدیثوں کی یہ تعداد جن اسانید سے آریے آتی ہے۔ باتوں میں موجود ہے اس کی تعداد صرف چار ہزار نہیں بلکہ پچیس ہزار چار سو اسی ہے۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل الیسانی رقم طراز ہیں:

صحیحین کے سارے طرق اور اسانید کی تعداد کے بارے میں حافظ ابن حجر نے حافظ حنفی کی تصنیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے صحیحین کی ایک ایک حدیث کا استخراج کیا ہے۔ تمام طرق اسانید کی مجموعی تعداد پچیس ہزار چار سو اسی ہوئی ہے۔ (۱)

اللہ انہر اصف چار ہزار اشادات ہوتی امت کو پچیس ہزار چار سو اسی طریقوں اور اسانید سے ملے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اتنے بڑے انبوہ نے ان اشادات کے یاد کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہوگی۔ ظہور بند کیجئے اور اس لوگوں کی گفتگوں اور عرق ریزیوں کی داد دیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین میں ایک بڑی بھاری جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیحین کی تمام احادیث قطعیت کو مفید ہیں۔ حافظ ابن حزم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک حدیث کے لیے کتنے راویوں کی ضرورت ہے جس سے حدیث حدیث دست طر کا فائدہ دے سکے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی خاص عدد مقرر نہیں ہے اگر وہ شخص بھی کوئی خدایں اور ان سے بارے میں ہمیں یہ یقین ہو کہ اس سے پہلے وہ بھی ایک دوسرے سے ملے ہیں ورنہ اس خبر ان کے لایق یا خوف کو کوئی دخل ہے۔ چہ ایں دوسرے کی اٹھی میں اس خبر کو بھارے سامنے بیان کریں۔ وہ بھی رخصت نہیں بلکہ ایک جماعت کے واسطے سے۔ تو ہمیں ان کی سپاہی ہدایتی طور پر یقین آجائے گا۔ ہر وہ شخص جو ان کے حالات سے روزمرہ کی زندگی میں آگیا ہوتا ہے۔ ہمارے اس بیان کی شہادت دے سکتا ہے کسی کی موت و اولاد کا گواہیت و اس قسم کے تمام واقعات کا بدیہی علم ان طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱)

بہ حال صحیحین کے طرق و اسانید کی یہ تعداد بتا رہی ہے کہ احادیث صحیحین صحیح ہیں اور یہ صرف صحیحین کی خصوصیت نہیں بلکہ دوسری کتابوں کے بھی مستخرج لکھے گئے ہیں۔

حافظ جلال الدین السيوطی فرماتے ہیں

مستخرج صحیحین کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ محمد بن عبد الملک نے سنن ابی داؤد کا بھی طبری نے ترمذی شریف اور ابو نعیم نے ابن خزیمہ کی کتاب کا مستخرج لکھا ہے۔ (۲)

صحیحین اور دوسری کتابوں کے اطراف:

محدثین کی زبان میں مسانید اور اطراف دونوں میں مرکزی توجہ روایت کنندہ صحابی پر ہوتی ہے یعنی ہر صحابی کی روایات کو ملا لحاظ مضمون کیا جاتا ہے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے

کہ مسانید میں پوری حدیث بیان کرتے ہیں مگر اطراف میں صرف حدیث کا وہی مشہور حصہ بیان کر کے صحیحین اور سنن کے تمام مشترک اور مخصوص طرق کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابوالفتح حدیث کے ثروں سرے کو بتایا کرتے ہیں کہ جس سے ماتی حدیث کی یاد دہانی ہو جائے اس کی تمام اسانید کو باہر سے یاد کیا جاتا ہے یا اس کا پتہ دے دیا جاتا ہے کہ جن میں یہ حدیث مروی ہے۔ اس موضوع پر بہت سے حفاظ حدیث سے دریافت کی گئی ہے۔ ان میں سب سے پہلے جن بزرگ نے صحیحین پر اطراف میں ہیں وہ حافظ ابوالفتح شافعی (رحمہ اللہ) ہیں۔ ان کے بعد حافظ ابو محمد خلف بن محمد (رحمہ اللہ) حافظ ابو نعیم اسماعیلی (رحمہ اللہ) حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) یہ بھی خدمت انجام دی ہے۔

صحیحین کے علاوہ کتب خمسہ کے اطراف حافظ احمد بن ثابت ازہری نے بھی لکھے اور کتب ستہ کے اطراف لکھنے والے یہ بزرگ ہیں

حافظ ابو الفضل محمد بن طہر مقدسی (رحمہ اللہ) حافظ ابو الجوزی جرجس الدین مروی ۶۳۲ھ حافظ شمس الدین ابو الحسن محمد بن علی شافعی (رحمہ اللہ) حافظ ابوالقاسم بن عبد کریم حافظ سراج الدین ابو ابو صف عمر بن نور الدین علی بن احمد انصاری معروف بابی المصلح اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کتابوں کے اطراف لکھے گئے ہیں۔ حافظ ابن طہر نے امام اعظم کی احادیث پر اطراف لکھے ہیں جس کا نام اطراف احادیث ابی حنیفہ ہے۔

دوسری اور تیسری صدی کے مؤلفین حدیث:

ہم نے بالا ارادہ تیسری صدی کے محدثین میں ابواب صحیح کے تالیفی کارناموں پر ذرا کچھ تفصیلی تبصرہ کیا ہے کیونکہ اس صدی میں فن حدیث سے ارتقاء کا یہ وہ نقطہ نکلا ہے جہاں پہنچ کر علم حدیث ایک فن کی حیثیت سے ہر قسم کی قوت سے آراستہ ہو کر منصف شہود ہوا آیا اور اس فن کا ایک ایک شعبہ محدثین کی مختلف سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس صدی کے محدثین اور ابواب روایت نے حدیث کی خاطر خشکی اور تری کو چھن مارا اور دنیا کے اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں جا کر تمام منقشہ اور پر گندہ روایتوں کو جمع کیا اور اس طرح مسانید وجود میں آ گئے۔ صحت سند کی چھان بین کی گئی۔ اسناد ارجح کی

تہذیب ہوئی جرت و تعدیل نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی تا آنکہ صحاح جیسے پیش بہا کتابیں تصنیف و تالیف کے بازار میں آ گئیں۔

چونکہ تیسری صدی میں اسلامی وسط کا دامن زیادہ سے زیادہ وسیع ہو گیا حتیٰ کہ جو حدیث دوسری صدی میں صرف دو واسطوں سے معلوم ہوتی تھی وہ تیسری صدی میں چھ اور سات واسطوں کی قوت میں ہوئی۔ اس دور کے محدثین کو تاریخ رجال کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اسناد الرجال کا عظیم الشان فن مدون ہوا۔

ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ کہنا ایک واقعہ اور حقیقت کا اقرار ہے کہ

”کوئی قوم دنیا میں نہ گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ۳۱۰ء اور ۳۲۰ء خیر اثنین پیدا کیا جو جس کی بدولت ہم آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔“ (رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۰)

محدثین کے اس کام کے لیے بڑے بڑے جتن کیے اور پاپڑ بنیے ہیں۔ ہر ہر راوی کے پورے پورے حالات معلوم کیے۔ اس سے نتیجہ میں روایت کے بارے میں اسناد کے لیے بجا قوت، ضعف، صحت، بطلان اور اتصال و انقطاع نئی نئی بحثیں پیدا ہو گئیں اور حدیث کے فن میں نئی اصطلاحات منصف شہور پر آ گئیں۔

مناہ حدیث تیسری صدی کے محدثین کی راہ علم حدیث کے سلسلے میں دوسری صدی کے محدثین سے جو ممتاز نمونی ہوئی دوسری صدی کے محدثین براہ راست مشاہیر تابعین یا کبار اصحاب تابعین سے تھے اور اس لیے ان واسطوں کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت تھی بین تیسری صدی میں روایت میں سادہ واسطہ پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئے تھے اس لیے تیسری صدی کے محدثین و سنے حالات اور حدیث تقاضوں کے تحت اپنی شاہراہ بنانی پڑی۔ علم حدیث کے مختلف گوشوں میں اس کا مایاں طور پر ظہور ہوا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس پر قدرے تفصیل سے بحث کریں تاکہ اس طریق کے سامنے خالص روایتی نقطہ نظر سے دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کے مابین فرق نمایاں ہو کر آجائے اور ان اختلافی حدود کی شہادت ہو جائے جس کی بنا پر علم حدیث و یہ حالات درپیش آئے ہیں۔ سب سے پہلے اس

موقعہ پر نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں شیخ، مت شداولی، ندۃ الودیان پیش کر
دیں جس سے ان دونوں صدیوں کے محدثین کے طرز عمل پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ شاہ صاحب
تیسری صدی کے مؤلفین کا چہرہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

غرض احادیث کی تدوین اور ان کو رسالوں اور کتابوں میں جمع کرنے کا زمانہ تمام اسلامی
شہروں میں اس قدر عام ہو گیا کہ محدثین میں شاید ہی ایسے حضرات تھے جن سے پاس
حدیث کا کوئی مجموعہ رسالہ یا کتاب نہ ہو۔ ہر شخص ان میں سے حدیث درج کر
مصدقہ تھا۔ بڑے بڑے علماء نے حدیث کی خاطر حجاز، شام، عراق، مصر میں اور
خراسان کی خاک چھان ماری۔ کتابیں جمع کیں، نسخے تلاش کیے۔ حدیث غریبہ اور
نادرہ آثار کو بہت محنت سے فراہم کیا اور ان کی توجہ سے وہ احادیث مندرجہ شہور پر
آئیں جو پہلے نہ تھیں اور ان کو وہاں اس علم میں نصیب ہوئی جو پہلے کسی و نصیب نہ
تھی اور احادیث کی سندیں اس کثرت سے وجود میں آئیں کہ بہت سی حدیثوں کی
سینکڑوں سندیں معلوم ہوئیں۔ اسانید کی کثرت نے بہت سی مستور اسانید سے پردہ
بنا دیا ہر حدیث کی فراغت اور شہرت کا پتہ لگ گیا۔ مساجد اور شہرہ وجود پذیر ہو گئے
وہ احادیث سامنے آئیں جن سے پہلے ارباب فتویٰ باخبر نہ تھے اور باخبر نہ ہونے کی
وجہ یہ تھی کہ بہت سی حدیثوں کو خاص خاص شعبہ واسلے ہی روایت کرتے ہیں۔ مثلاً شام
واسلے عراق واسلے یا پھر خاص گھرانے کے آدمی روایت کرتے ہیں جیسے بریدہ کی
کتاب اور عمرو بن شعیب کا رسالہ۔ یا پھر مثلاً کوئی روایت بیان کرنے والا صحابی غیر
مشہور ہے اور اس سے چند حضرات کے سوا کسی نے روایت نہیں سنی ہے۔ تیسری
صدی کے محدثین سے پہلے لوگ اسامہ، الرجال اور مراتب عدالت کے بارے میں
صرف اپنے مشاہدے اور قرائن پر اعتماد کرتے تھے لیکن محدثین نے اسی کو موضوع بنا
کر خوب چھان بین کی اور بحث و تدوین کے ذریعے اسے مستقل فن بنا دیا جس کے
نتیجے میں حدیث کا اتصال و اتصال واضح ہو گیا۔ (۱)

آئیے شاہ صاحب ہی کی زبانی دوسری صدی کے محدثین کا بھی حال سن لیتے۔ دو
اصناف اور حجت اللہ میں رقمطراز ہیں کہ:

اس طبقہ کے علماء کا طرز عمل ایک دوسرے سے متماثل تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا جائے چاہے وہ منسلک ہو یا
مسند۔ نیز صحابہ و تابعین کے اقوال سے استدلال کیا جائے کیونکہ ان کے ہم میں یہ
اقوال یا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہیں جن دانہوں سے فقہاء
کے موقوف بنایا تھا یا پھر قلم مصدقین سے ان کا استنباط تھا یا پھر ان سے ان کا
اجتہاد تھا۔ اور ہر صورت میں صحابہ و تابعین اپنے طرز عمل کے اعتبار سے بعد میں
آئے والوں سے کہیں بہتر تھے اور کئی زیادہ صاحب اثر تھے۔ نیز زمانے کے
 لحاظ سے سب سے مقدم اور علم کے اعتبار سے سب سے بڑھ چڑھ کر تھے لہذا
سوائے ان صورتوں کے کہ اس میں باہم کسی مسند میں اختلاف ہو اور انہی کرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے قول کے ساتھ مخالف ہو۔ ہر حال میں ان کے اقوال
پر عمل کرنا لازم ہے اور جس صورت میں کسی بھی مسند میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیثیں مختلف ہوں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر صحابہ کی حدیث
کے نسخے قائل ہوتے یا اس کو حسی معنی سے چھو دیتے یا اس کے بارے
میں کوئی تصریح نہ کرتے لیکن ترک حدیث یا اس پر عمل نہ کرنے میں متعلق ہوتے تو
ان کے نزدیک یہ بات حدیث کے معطل ہونے یا منسوخ ہونے اور یا پھر منوں
ہونے کی علامت ہوتی۔ ہر حال میں ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے علماء
نے صحابہ کا اتباع کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے کتب کے برتن میں منہ
ڈالنے والی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ حصاء الحدیث ولا ادوی
ما حقیقہ حدیث تو ہے مگر مجھے اس حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ امام مالک کا مطلب
یہ ہے کہ میں نے اس پر فقہاء کو عمل کرتے نہیں دیکھا ہے۔ اور جب صحابہ و تابعین
کے مذاہب میں بھی اختلاف ہوتا تو ہر عالم کے نزدیک اپنے ہی المی شہ اور اپنے

اساتذہ کا مذہب بنی سمجھا جاتا۔ چونکہ اس سے صحیح اور غیر صحیح اقوال سے باخبر ہوتا اور جو اصول ان اقوال کے مناسب ہوتے ان کو محفوظ رکھتا۔ (۱)

ای رشتہ میں ۱۱ صدی کے مؤلفین نے اپنے مسائل کی تدوین کی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب تاریخ میں چارے دور سے اس کو سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں

اور جو شخص مذہب کے اصول سے واقفیت رکھتا ہے اس بارے میں شک نہیں کر

سکتا کہ ان مذہب کی اصل و سبب اور اسی عظیم الشان اجرائی مسائل ہیں اور یہ ان

تمام مذہب کے رموز ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد مدینہ و حجاز میں فقہاء

مسیحیہ مثلاً احمد بن حنبل اور حاکم بن محمد اور کبار تابعین حدیث میں سے فقہاء و محدث اور

مفسرین حدیث میں سے روایتیں جیسے حضرت پر اعتقاد امام مالک کے مذہب کی

میان میں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود کے فتاویٰ پر اعتقاد کثرت میں

اور حضرت علی مرتضیٰ کے ایضاً پر جمع حالت میں بشرطیکہ حضرت علی سے ان

فیصلوں و عقل کرنے والے مداندہ بن مسعود کے ایضاً ہوں اور اس سے بعد امام

ابو یوسف وغیرہ کی تحقیقات و رائے کی تحریکات پر اعتقاد امام ابو حنیفہ کے مذہب

ن مقرر ہے۔ (۲)

آپ کے شاگرد صاحب بن ربیع سے ۱۱ صدی اور تیسری صدی کے علماء محدثین میں

فرق و تفریق اور خطوط اختلاف پھیلے ہیں۔ یقیناً آپ اس ادارہ سے اس نتیجے پر پہنچیں گے

کہ ۱۱ صدی اور تیسری صدی کے محدثین سے ہمیں ایک سے زیادہ مسائل علم حدیث کی حدود

کے درمیان ہو گئے تھے۔ حدیث کی صحت قیاس حدیث احسن و حدیث روایت حدیث کے راوی

قوی و کمزور حدیث شریعت و حدیث حدیث و حدیث حدیث اور مختلف احادیث میں مباحث

شرعی حدیث و حدیث حدیث کے آئینی اور قانونی مقام جیسے ہم مسائل میں تیسری صدی کے

مؤلفین سے پتہ چلے گا۔

دوسری اور تیسری صدی میں صحت حدیث کا معیار:

اصول میں حدیث صحیح کی یہ تعریف کی گئی ہے

الصحيح ما اتصل بسندة بطل عدل صابط عن مثله من غير شذوذ ولا

علة فادحة۔ (۱)

حدیث صحیح کی یہ تعریف حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن لدین عراقی نے کی ہے۔

مگر جب اس تعریف سے امام خطابی صاحب معارف السنن کو اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ

محدثین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ: ما اتصل بسندة و عدلت نقله

اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ عامہ محدثین کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کے

بے ضروری ہے

سند میں اتصال ہو راویوں میں عدالت اور ضبط ہو اور حدیث شاذ اور معطل نہ ہو۔

اور امام خطابی راویوں کی عدالت و سند کے اتصال کے علاوہ کوئی شرط نہیں

مانتے۔ یہ تیسری صدی کے محدثین کا یقین ہے اور اسے ہی حافظ ابن الصلاح نے محدثین

احادیثی موقف قرار دیا ہے۔ اس میں تین چیزیں مثبت ہیں اور دو منہی مثبت یعنی اتصال سند

عدالت اور ضبط اور منہی یعنی شاذ نہ ہونا اور معطل نہ ہونا میری رائے فرماتے ہیں کہ محدثین کے

یہاں صحیح کی تعریف میں یہ پانچوں چیزیں بنیادی ہیں۔

ان پانچوں میں سے اتصال کی قید تیسری صدی کے محدثین نے اس لیے خلاف

ہے کہ ان کے زمانے میں اسلامی وسط ریاد ہو گئے تھے ان واسطوں میں باہم زیاں معلوم

کرنا اور پھر ان میں باہم اتصال کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ امام بخاری نے اتصال کے لیے یہ

شرط لگائی ہے کہ دور راویوں کا صرف معاملہ سوانہ کافی نہیں ہے بلکہ ملاقات بھی ضروری ہے

چاہے ایک ہادی ہو۔ مگر معاصرت کے ساتھ ملاقات ہو تو چارہ سلسلے سے روایت و قوی

ہوتے ہیں اور وہ اتصال و شہادت کی نظر سے آتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنے اس شرط کی

توضیح تاریخ میں کی ہے اور صحیح میں ان کا اسی پر عمل ہے۔

قد اظهر البخاری هذا المذهب في التاريخ وحري عليه في الصحيح۔ (۱)
 یمن ہر مسئلہ کے اتصال کے معنی اس قدر سنگین نہیں بنایا جلد وہ اس سنگینی پر
 ممانعتی نہ ہر ہم بھی نظر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر انہوں میں معاشرت ہو تو پھر
 اوقات کی شرط یہ ہے معاشرہ معاشرہ سے روایت بخلاف سے پیش کرے تو اسے
 نسب یا محمول یا بواسطہ اس پہنچنے کے مقدمہ میں یہ ہمسایہ تفریق نہ ہوتی ہے

ان بزرگوں نے اتصال کو اتنی اہمیت اس لیے دی ہے کہ اسانید کے سلسلہ
 میں وہ دن بہتات کی وجہ سے یہ کہنا ناگزیر تھا۔ ایک ایک راوی کے بارے میں یہ کہنا
 کہ اس نے کی ضرورت پیش آتی تھی کہ جس سے روایت لیتا ہے وہ اس کا معاملہ کیا
 تھا۔ معاشرہ معاشرہ سے اس کی ملاقات ہوتی یا نہیں۔ اور اگر ملاقات ہے تو اس سے یہ
 خاص حدیث اس سے کئی سہائی اور اس کی اس کا حوالہ دے دیتا ہے یہ بہت سی
 دشمنی یا بھائی میں محدثیں وہاں کی ہائی کافی پڑی ہے۔ یمن دوری صدی کے موفقیں و
 یہ کہ وہ راستہ مشاہیر تاجیں یا ہوا تاج تاجین سے شرف کلمہ تھا جس سے ان کو نہ ہوا
 کے بارے میں تحقیقات کی رہا، وضاحت پیش آتی اور نہ اس کے یہاں اتصال کو اس قدر
 محبت تھی۔ ان کے یہاں سند و مرسل کی کوئی تفریق نہ تھی مرسل بھی مسند کی طرح محبت تھی۔

حدیث مرسل محدثین کی اصطلاح میں دو حدیث کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور
 مشہور و برسی مدحیہ وسلم کے مابین جو واسطہ ہے اس کو بیان کیے بغیر قال رسول اللہ کہ
 صحابہ کا نام طور پر انہوں مثلاً ابو ایوب سعید بن المسیب اور حسن بصری اور دیگر تابعین کے
 معقول تھا۔ پھر اگر راوی نے "اور انہوں کے درمیان جو شخص واسطہ ہے اسے چھوڑ دیا جیسے ایک
 شخص حضرت ابو ہریرہ کا ہم عصر نہ ہوئے کے باوجود ہے قال ابو ہریرہ تو اسکی روایت محدثین
 کی روایت میں منقطع کہلاتی ہے اور اگر ایک سے زیادہ واسطے حذف کر دیئے تو اسے معطل کہتے
 ہیں اور فقہاء و اصولیین کے یہاں ان سب کو مرسل کہتے ہیں۔

حدیث مرسل اور دوسری صدی کے ائمہ حدیث:

حدیث مرسل کے بارے میں تیسری صدی میں ارباب روایت نے اپنا موقف
 دوسری صدی کے تابعین سے اتصال کی خاطر ایک بنایا ورنہ تیسری صدی سے پہلے شاہی
 اس کا ہونے کی وجہ سے سب ہی حدیث مرسل کہتے تھے یمن میں مسند کی طرح محبت دانتے تھے اور
 مسائل و فتاویٰ کی بنیاد اسی پر قائم تھی۔ حافظ ابن جریر فرماتے ہیں۔

تاہم سارے کے سارے مرسل کے قبول پر حقیق تھے ان سے پہلے اور ان کے
 بعد کسی بھی نام سے دوسری صدی کے محدث تک اس کا کارنامہ نہیں ہے۔ (۱)
 علامہ بیہقی نے ح ۸۲ ابن جریر کا یہ فیصلہ حافظ ابن عبد البر اور ح ۸۲ حقیقی سے نقل کیا
 ہے۔ امام ابو داؤد نے اپنے اس خط میں حوالہ دے کر کہتا ہے کہ مرسل حدیث کے بارے
 میں اقرار کیا ہے کہ:

باقی رہیں احادیث مسندہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حدیث مسندہ سمیں کوئی امام
 مانگا نام اور اسی سب ہی قائل استدلال سمجھتے تھے تا آنکہ امام شافعی کے اور انہوں
 کے اس پر سب شافعی فرمائی، امام احمد نے بھی اس موضوع پر ان کا جواب دیا۔ (۲)
 بلکہ حافظ ابن جریر تو یہاں تک کہہ گئے کہ یہ کہنا کہ مرسل محبت نہیں ہے

بدعة حدث بعد العائین۔ (تیسری صدی کی بدعت ہے)

و بعد یہ ہے کہ دوسری صدی کے بزرگوں و طبقات عدالت کی وجہ سے اپنے زمانے
 کے بزرگوں پر ایسا ہی اعتماد تھا جیسے اس زمانے میں ابن عمر اور اقطبی کو بخاری و مسلم پر ہے۔
 کیونکہ اس دور میں حدیث غالب تھی چنانچہ حافظ محمد بن ابی یوسف اور یوسف فرماتے ہیں

ولاشك ان لعالم عسى حاملة العلم النبوي في ذلك الزمان
 العدالة۔

بے شک اس زمانے میں اہل علم میں عدالت غالب تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک متدین متقی اور پرہیزگار شخص سے امید بھی ہوتی ہے کہ اس بڑی ائمہ داری کو ہوں نے اطمینان کے بعد ہی انہی پر ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کو منسوب کرتا کوئی معصوم بات نہیں ہے۔ آپ کی طرف کسی بات منسوب کرتا دراصل اللہ ہی نہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جس کے دین ایمان اس بات پر موقوف ہے یا جاتا ہو یا اس سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ قصد اللہ کے امین میں کی جاتی ہے۔ اس کے لئے جسے اوجہ جانتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے یقیناً ایک حیثیت سے یہ قطعاً ہی اللہ کی طرف ہے ورنہ ان میں یہ سے کیا دو مقامات پر اسے سب سے بڑھ کر روایت۔ جن بزرگوں کی حدیث مسند میں یقیناً اس کی توقع نہیں ہوتی یہ حدیث یقیناً قوی ہے۔ کی بناء پر اس بزرگوں سے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزی لکھتے ہیں:

مراسیل الصحابة والتابعين والمئة الحديث مقبولة۔ (۱)

سچو جاتا ہے۔ حدیث مرسل سے مراد بھی ہمارے یہاں کیا ہی ہے مقبول نہیں ہیں۔ حدیث کی جو کتابیں تاریخ میں یا کوئی کتاب ہے کہ اصول حدیث کے مقررہ اصول کے مطابق اس کا قصہ ثابت ہے اب اس کتابوں کی روایات کو ان کتابوں میں نہیں لکھتے۔ یہ حدیث پہنچتے ہیں اور جن رجحان کے اریحے ہم تک پہنچ رہی ہیں یا اس کی حدیث ثابت ثابت الفاظ و معنی ہم نے اسی طرح پہنچ چکی ہیں جس طرح امام بخاری و امام مسلم نے اپنے اسناد کو لے لے رکھی ہے۔ اس کتابوں کی روایات ان کی طرف منسوب کرنے کی ہمارے پاس اس کے سوا دلیل ہی کیا ہے کہ:

والدليل على ذلك ان العرب، ما را لواءيسون في مصنفاتهم الاحاديث التي من احوالها۔

اس بات کی اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہمیشہ سے علماء اپنی تصانیف میں حدیثوں کو ان محدثین کی طرف نسبت کرتے رہے ہیں۔ (۲)

اس لیے جیسا کہ ہمیں ان ائمہ حدیث کی بیان کردہ حدیثوں پر باوجود اتصال نہ ہونے کے اعتبار سے یہاں امام مالک و سعید بن مسیب کے اور امام ابو حنیفہ و امام شافعی اور ابراہیم نخعی کے روایات کردہ ارشادات پر اعتماد تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے ایک موقع پر حسب کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد اور عزانہ سے منع فرمایا ہے کہ ان سے کہا گیا تھا کہ یا تمہیں اس کے سوا اور کوئی حدیث ہی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی نہیں۔ کہا کہ یوں نہیں؟ ان میں یہ بہت ہوں۔ فل عبد اللہ اور فہال علقمہ مجھے یہ یاد دہند ہے۔ اسی طرح شافعی۔ جس وقت ان سے ایک حدیث کی بات ہو یا کیا اور کہا تو ان کے ان کورسوں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیا جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی قطعاً تک اس کو نقل کیا جاتا۔ اگر روایت میں کسی حدیث کو تو وہ حدیث کے قطعاً پرستی کرتے ہیں۔ (۱)

یہاں دوسری صدی کے مؤلفین کے یہاں حدیث کے صحیح ہونے سے یہ منہ ہونا ضروری نہ تھا اور مرسل اور قطعاً سب کو یوں دین میں حجت قرار دیتے تھے۔

چند مرسل کا اٹھارہویں صدی کے محدثین نے غامی و سادہ میں روایت کی ہے۔ اسے اپنے خیال میں احتیاط کی بنا پر یا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو متعدد مسائل میں جہاں مرسل کے علاوہ اور کوئی روایت مسند ان کے علم میں نہ تھی ان کے اختلاف کرتے پڑا۔ متاخرین میں، قطنی اور سیوطی نے یہ امور محدث گذرے نہیں ان دونوں کا حال یہ ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت اگر کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ضعیف ہونے کی اس سے پاس کوئی وجہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اسے مرسل ثابت کریں یا موقوف ہوں۔

یہ نہ جہاں جائے مصنفین صحاح میں سے اگرچہ امام مسلم کے اپنے مقدمہ میں قطعاً کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں لیکن یہ تمام ارباب صحاح کا متفقہ فیصلہ نہیں ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں:

ایسے ہی ذرائع سے ہمارے پاس پہنچتی ہیں۔ مثلاً سے پیشاب کی نجاست اس کے
فصل کا وجوب اور نماز کی عدد رکعات نقل ہو کر آئی ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اس
حدیث کا نسخہ اور علی اللہ علیہ السلام سے نقل کرنے والے صرف ایک حضرت عبد اللہ
بن عمر ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ سے روایت کرنے والے صرف عبید اللہ اور عبد اللہ
ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کے دوسرے تلامذہ مایق، سالم، ابوب اور سعید بن جبیر
ان کے اصحاب ہیں۔ ان کے علاوہ اس حدیث سے روایت کرنے والے صرف ان کے
اس حدیث کے اصحاب کے علاوہ حضرت سعید بن جبیر سے روایت کرنے والے ہیں۔ یہاں قلت
نقل اور یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر سے یہ حدیث معلوم ہو اور ان کے اصحاب اور
ان کے شاگردوں میں عام ہو جائے۔ نیز نہ وہ روایت نہ کریں۔ لہذا اگر یہ
حدیث حضرت ابن عمر کے پاس ہوتی تو ابن عمر کے اصحاب اسے روایت کرتے اور
اہل مدینہ کا یہ مسلک ہوتا۔ اس سے بلا کہ اس حدیث کا شذوذ اور کیا ہوگا؟ اور
چونکہ اس کا نقل و نقل نہیں ہے اس لیے اس مضمون پر حضرت عمر کے پاس حدیث کا
ہونا ثابت نہیں ہے۔ یہ اس روایت کے شاذ ہونے کا بیان ہے۔ (۱)

مکرم الامت شاہ ولی اللہ محدث نے بھی اس حدیث کے متردک العمل اور شاہ
ہونے پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں

کئی کتاب حدیث فقہیں کے یہود یہ حدیث صحیح سے اور نیک سے زیادہ طریقوں سے مروی ہے۔۔۔ سب کا ارادہ راہداری میں شیخ محمد بن یحییٰ بن ابراہیم بن عبد اللہ یا محمد بن حماد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن عبد اللہ ہے۔ انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے بعد اس کے دست سے طریقہ میں۔ عبد اللہ اور حمید اللہ کی ثقاہت میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ان علماء میں سے نہیں جس پر فتویٰ دیا اور راہروگوں کا مقصد تھا۔ اس بنا پر یہ حدیث نہ حمید بن المسیب کے حد میں ظاہر ہوئی اور نہ ہی سہرا سے میں اور نہ اس پر مالکیہ طے اور نہ احناف میں سے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔ (۲)

دیکھ لیجئے کہ شاہ صاحب نے اس روایت کے دونوں مرکز عبید اللہ اور عبداللہ کے بارے میں یہ کہا کہ

وان كانا من اللغات لكنهما ليس ممن وسد اليهم الفتوى وعول عليهم الناس -

اور اب بات ہی میں تہہ دل نہ تھی، وہ یہی بات قاسمی، جو سب نے باعترافہ القہواء، سے
ڈر رہے تھی۔

مہربان مدیث قلمیوں کی پڑھو تو فہم نہیں ہے اور بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

ابوداؤد کی حدیث تائمن:

اپو داؤد اور ترخی میں ہے

عن وائل بن حجر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قرا
ولا الضالين قال امين ورفع بها صوته.

مفسر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل الصائیں سے توہینچی آوار سے زمین تہ۔

حافظ ابن القیم نے اس حدیث پر نوٹ لکھا ہے وہ سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

حدیثِ واصل کو شعبہ اور سفیان دونوں نے روایت کیا ہے۔ سفیان کی روایت میں رفع بھا صوقہ ہے۔ اس حدیث میں چار چیزیں قائلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ شعبہ اور سفیان کا رفع اور دفع میں اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ دونوں حجر بن شمسیت میں مختلف ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ابوالعیسٰی حجر کی نیت ہے اور سفیان کہتے ہیں کہ نام ہی حجر بن شمس ہے۔ سوم یہ کہ حجر کا حال معلوم نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ ثوری اور شعبہ مختلف ہیں سفیان اسے حجر بن واصل کی روایت بتاتے ہیں اور شعبہ اسے حجر بن علقمہ بن واصل کی روایت بتاتے ہیں۔ اگرچہ امام دارقطنی نے ثوری کی روایت کی تصحیح کی ہے لیکن یہ محلِ نظر ہے اور اسی بنا پر امام ترمذی نے روایت کی تصحیح نہیں کی۔ (۱)

(۱) تهذيب السنن ج ۱ ص ۶۲ مصری مطبع انصار السنه الحمدية
(۲) الانصاف ص ۲۹

(۱) تہذیب السنن شریعت اہل داؤد ج ۱ ص ۳۹

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث خیار مجس اور دیگر حدیثیں سے معلوم ہوتے ہیں کہ اس میں تفریق سے تفریق اتنا ہے کہ جب بائع بیکہ کے لئے بیع دیا تو بائع کو رجوع کا حق اس وقت تک ہے جب تک خریداریہ نہ کہے کہ میں نے خرید لیا اور اگر مشتری کہہ دے کہ میں نے خرید لیا تو اسے رجوع کا اس وقت تک حق ہے کہ جب تک بیچنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے بیچ دیا۔ (۱)

یہی مفسر سمجھاتے ہیں کہ امام اعظم نے دو تفسیر کی ہے جو حافظ ابن ہمام نے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ:

میں نے امام ابو حنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی کہ البعان مالحصار مالم یبصر فہ توپ نے فرمایا کہ ترسو آنے والے دونوں شخص کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو ان میں افتراق کب ہوگا!

ایک ہی بات میں حدیث کی روایت سمجھائی اور بتایا کہ تفریق سے تفریق تو ان روایات پر چاروں میں عیینہ نے امام اعظم کی اس بات کو جو رائے یا اور بہر دیا

کہ ان سو حنفیہ بصورت الحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامثال فی ردہ۔

ابو حنیفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لیے مثالیں پیش کرتے تھے۔ یہ سفیان بن عیینہ کی خصوصیت نہیں ہے اس سے پہلے حفاظ حدیث نے فقہاء پر اسی قسم کی پختگی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ایک واقعہ آتا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا سامنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

نوهذو اصحابی التار

حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے حضور انور کا یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

اتوضاء من الحمیم

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بات سنی تو فرمایا: یا اس احی اذا سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حديث فلا تصرف له الامثال۔

اس پر یہ روایات اسباب تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سے تو اس کے لیے مثالیں نہ بنا۔ (۱)

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حدیث خیار مجس بھی اپنے اس مطلب کے لحاظ سے افواہ و غرائب میں سے ہے اسی طرح وہ تمام روایات جن پر عمدہ صحیح و تابعین میں ارباب فتویٰ قائل نہ تھا۔ ان سب روایات کے بارے میں دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر بالکل جدا جدا تھا۔ تیسری صدی کے محدثین اس کو صرف اتنی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اور اقصاء و عدالت کے دریچے اس روایات کو صحیح قرار دیتے تھے دوسری صدی کے محدثین فقہاء و مالکیہ اجماع اور تعامل و توارث اور مسند کی روشنی میں جانچتے تھے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ کے آرہا ہے۔

امام اعظم اور حدیث کی صحت:

محدثین کی زبان سے تو آپ صحیح حدیث کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ ان کے یہاں حدیث صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ راویوں میں حدیث و ضبط ہو مسند میں اتصال ہو اور حدیث شاذ در مطعن نہ ہو۔ حدیث کی صحت میں ان پانچ کی حیثیت اس میں اور بنیاد کی ہے۔ چنانچہ امیر ایمانی ان پانچوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں

فهذه الخمسة هي المعتمدة في حفيضة الصحيح عند المحدثين۔

یہ پانچ چیزیں محدثین کے نزدیک صحیح کی حقیقت میں معتبر ہیں۔ (۲)



یہاں ہم نے ان حدیثوں کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہیں اور ان میں سے بعض حدیثیں بھی صحیح سند سے مروی ہیں۔ یہاں ہم نے ان حدیثوں کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہیں اور ان میں سے بعض حدیثیں بھی صحیح سند سے مروی ہیں۔ یہاں ہم نے ان حدیثوں کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہیں اور ان میں سے بعض حدیثیں بھی صحیح سند سے مروی ہیں۔

فقال ابو حنیفہ لا ینفی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ۔

یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

امام ابو حنیفہ صرف وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں اور جن کے وہ حافظ نہیں وہ بیان ہی نہیں کرتے۔ (۲)

امام نووی نے تقریب میں اس کو مشدودین کا مسلک قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

فمن المشدودین من قال لا حجة الا بما رواه من حفظه وتذکرہ روی عن مالک وابی حنیفہ۔

یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

اور حافظ سیوطی نے امام اعظم کا روایت حدیث میں یہ ضابطہ بیان کرنے کے بعد

(۱) الجواب المفید (۲) تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۱۹ (۳) تقریب ص ۳۷۷



هذا مذهب شدید وقد استغفر العمل علی خلاف فعل الرواة فی الصحیحین من لم یوصف بالحفظ لا یلحقون الصف۔

یہ مذہب بڑی سخت ہے محدثین اس کے خلاف نہیں کرتے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

امیر یمنی نے تو اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

من مذاہب التشدید مذهب من قال لا حجة الا بما رواه الراوی من حفظه وتذکرہ وذلك مروی عن مالک وابی حنیفہ۔ (۲)

اس کا مذہب اس کے ساتھ ہے کہ وہ حافظ ہیں اور جن کے وہ حافظ نہیں وہ بیان ہی نہیں کرتے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

بعد کے محدثین نے ان حدیثوں کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

بہر حال امام اعظم نے ضبط صدور کو دوسرے محدثین سے الگ ہو کر بجا اہمیت دی ہے اور ان حدیثوں کی صحت حدیثات سے انکار کیا ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث کی روایت کی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے۔

(۱) تقریب ص ۳۷۷ (۲) تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۱۹ (۳) تقریب ص ۳۷۷

نے یہ سخت پروا نہ کی۔ جس قدر زمانہ گزرتا یہ لفظ کی جدت و تازگی ہوتی تھی۔ امام اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے۔ چونکہ حافظ نہ ہونے کی حالت میں احتیاط سے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ نہ آئے۔ ہم حال امام اعظم نے حدیث کے صحیح ہونے سے جو شرط لگائی وہ اگرچہ تیسری صدی کے محدثین کے یہاں ایک تشدید کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ فقہ سلام بروہی ضبط کی دقیق تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ضبطہ کا مفہوم یہ ہے کہ بات و ایسے طریق پر نہ جائے جیسے سننے کا حق ہے۔ پھر اس کے معنی مراد تو سمجھ جائے۔ مقامی کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اس کی صدا کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور سے دوسرے تک پہنچاتے وقت تک اس کے مذاکرات کا اہتمام کرنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔ (۱)

یہ تصریحات میں حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت قدر کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں غالباً جو لوگ امام اعظم کو حدیث میں تشدد وین میں شمار کرتے رہے ہیں ان کے پیش نظر امام اعظم کی یہی شرائط ہیں۔ جیسے اس خدو نہ سے نکلا ہے کہ

شدد فی شروط الروایۃ والتحمل وضعف رواۃ الحدیث البیسی ادا عارضها العمل النعی۔

امام صاحب نے روایت کی شرطوں اور اس کے تحمل میں سختی کی اور اگر حدیث فعل نفس کے معارض ہو تو اس کی تصحیف کی ہے۔ (۲)

لیکن جسے سختی کہا جا رہا ہے اسی کا نام احتیاط ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ میں نے زندگی میں دیکھا وہ سے زیادہ احتیاط برتی جائے۔ امام اعظم کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے قرار کیا ہے چنانچہ حافظ ابو محمد عبد اللہ حارثی بسند متصل امام اربع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

الحیرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف الصغار یقول سمعت وکیعاً یقول لقد وجد الودع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث عالم یوجد عن غیرہ۔
جیسی احتیاط حدیث میں امام ابو حنیفہ نے کی ہے کسی دوسرے نے نہیں کی۔ (۱)
اسی طرح علی بن الجعد سے جو حدیث کے بہت بڑے امام اور حافظ ہیں اور امام زہری اور ابو داؤد کے استاد ہیں یہ بیان منقول ہے کہ

امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آہار ہوتی ہے۔ (۲)
اور یہ امام اعظم کی احتیاطی کا نتیجہ ہے کہ روایت میں جرات جیسا کہ حدیث میں امام احمد امام ابن المذنبی امام یحییٰ بن یحییٰ اور امام عبد اللہ بن مبارک کا استماع سے امام اعظم کی ساری حدیثیں نوک زبان کرتا ہے اور جسے سید الحفاظ یحییٰ بن یحییٰ حفاظ حدیث میں سب سے اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر یحییٰ بن یحییٰ سے نقل ہیں۔
میرے ہم عصر میں روایت سے روایت ہوتی تھی مگر امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور اس کا امام ابو حنیفہ کی ساری حدیثیں یا تمہیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ (۳)

امام اعظم اور رد و قبول روایت

محدثین نے روایت کے رد و قبول کے لیے جو شرطیں ماضی میں اور جن روایات و قابل استدلال قرار دیات ان کے نقل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ بالغ عاقل ہونے سے ساتھ ہدایت اور ضبط کی صفات سے موصوف ہوں۔ حافظ ابن الصلاح نے تصحیح حدیث کا یہودی بتایا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے اس میں تین اضافہ کر کے لکھا ہے کہ
اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی مخدوش ہو جائے تو روایت مردود ہو جائے گی۔ (۴)

امام زہری نے تدریب میں اور حافظ سیوطی نے تدریب برائی میں اسی کی توثیق کی

(۲) جامع السانید، ج ۲ ص ۳۰۸

(۱) المناقب للوفی، ج ۱ ص ۱۹۷

(۳) تصحیح حدیث، ص ۹۲

(۴) جامع بیان حدیث، ج ۲ ص ۲۶۲

(۲) البیہقی ص ۳۳

(۱) صوفیہ، ج ۲ ص ۱۹۷

ان کتابوں میں صرف یہ ہے کہ

وہ اسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جس کے راویوں کی ثقاہت انتہائی ہو۔ (۱)
لیکن حافظ زید الدین عراقی نے حافظ ابن طاہر کی اس تجویز کو یہ کہہ کر بے جان کر

دیا کہ:

قوی روایت میں امام کی ہر حدیث کا یہ معتق نہیں ہے۔ بلکہ امام سے یہ
راویوں پر جرح کی ہے جن سے شیخین نے روایت کی ہے۔ (۲)

بتایا یہ چاہتا ہوں کہ محدثین اپنے دور میں امام اعظم کی عائد کردہ شرائط کی حدیث
کے رد و قبول میں پابندی نہ کر سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام اعظم کے اس بیان کی روشنی میں اگر سنت اصل مانی ہے تو
اس اصل میں ثانی سے مضاف ہر حدیث اس وقت قبول کی جاسکتی ہے جب وہ اصل
واقعی و معاصر سند سے ثابت ہو۔ ثانی دواور اس کا صدق و ضبط و عقل و عدل سے یہ
تصدیق و ثبوت ہو۔ آپ صرف ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ان میں سے
ہیں۔ ان کی ثبات سے اریعہ اثبات ہوتا ہے۔ امام سیوطی ثانی سے بھی حدیث سے
حفاظ امام اعظم کا یہی موقف بتایا ہے کہ

ياحدهما صحيح عنده من الاحاديث التي كان يحتملها الثقات وبالاخر
من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

جو حدیثیں ان سے ایک صحیح دینی میں اثبات میں روایت کرتے ہوں۔ اور
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہوتا ہے یہ اس کو لیتے ہیں۔ (۳)

اس لحاظ سے امام اعظم کی حدیثوں کا بیشتر حصہ مشہور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ
دور ہے جس میں ثبات کو صحابی حدیث حاصل ہے۔ اور ان کے بعد روئی حدیث ثبات
پر پہنچنے سے قوت نہیں ملتی۔ ثانی سے روایت میں حدیث و قوت حاصل
سکے۔ علامہ عبدالعزیز بخاری رقمطراز ہیں

(۱) شروط الامتداد ص ۱۰۱ (۲) توضیح الافکار ج ۱ ص ۱۰۱ (۳) مناقب ابی حنیفہ ذہبی ص ۲۰

احادیث کی شہرت کا اعتبار تو ان ۱۰۰ و ۱۰۰ میں ہو گا۔ تو ان کا ثبوت کے بعد شہرت معتبر
نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں - خداتہذا مشہور ہو گئی ہیں۔ حالانکہ ان کو مشہور
نہیں کہتے ہیں۔ (۱)

شاید آپ کو اس پر حیرت ہو مگر اس میں حیرت کو کون سی بات ہے؟ شہرت کا
درد و ارق تو انسانی وسط پر ہے۔ انسان کی وسط م سے متاثر ہوں اور موجب کی حالت کا خود
ان زمانوں سے تحقق ہو جن میں شہرت کو معتبر قرار دیا گیا ہے تو پھر اس میں حیرت کو کون سی بات
ہے۔ آپ اس فکر سے کتاب الامار کا مطالعہ کریں آپ کو یہ دو حدیثیں اس میں تفسیر و اسطوں
سے نہیں ملے گی اور یہ واسطے بھی معمولی نہیں بلکہ اجلہ ائمہ اور نقباء مجتہدین پر مشتمل ہیں۔ یہی
حدیثیں تیسری صدی میں سنائی دیاں گئے تھیں ان کے زیادہ ہونے کی وجہ سے آحاد بن گئی ہیں۔ امام
اعظم ایسے دور میں پیدا ہوئے ہیں جو زمانہ نبوت سے قریب تر ہے اس لیے آپ نے حدیث
کے راویوں کی حدیث کا فیصد صدیاں گزرے پر کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ مشاہد کے ذریعے
کہا ہے اس لیے احادیث کے بارے میں آپ کی رائے حتمی ہے۔ اسی بنا پر امام شعبہ نے امام
اعظم سے تحدیث کی درخواست کی تھی۔ امام شعبہ و حنفیہ ثوری امیر المومنین فی الحدیث اور امام
احمد حدیث میں امتداد دیتے ہیں۔ امام اعظم کے نام امام شعبہ کا یہ خط اتنی تک تاریخ سے
لیے سر یہی زینت بنا ہوا ہے۔ خط کا انکشاف کرنے والا بھی کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ سید الحفاظ
یحییٰ بن معین ہیں۔ (۲) خط کا مضمون یحییٰ بن معین نے یہ بتایا ہے کہ امام شعبہ نے امام اعظم کو
صرف مکہ نہیں بلکہ ان کے حدیث بیان کرنے کی مجلس کی۔ ذرا غور فرمائیے کہ امام اعظم سے صرف
ان کی ثبات حدیث امانت اور ان کی حدیث میں انکاری پر امام شعبہ کو کتنا بڑا اعتماد ہے اور
پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فرما رہے ہیں؟ فرما رہے ہیں ان محدث کہ حدیث بیان کریں۔ تحدیث
کی بات صرف اس شخص سے کہی جاسکتی ہے جس کی فن ثباتی پر کلی اعتماد ہو۔ کیونکہ یہ علم حدیث کا
ایک شہسوار بھی کسی ایسے شخص کو یہ بات نہیں کہہ سکتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ علم
الحدیث میں امام صاحب کے مامورہ اوجہ ہونے کی کیا یہ دلیل نہیں ہے کہ امام فن حدیث آپ

(۲) تذکرۃ الحفاظ: ج ۲ ص ۱۵۰

(۱) کشف الاسرار ج ۲ ص ۷

تہ حدیث یا روایتوں میں۔ اسی بارہوی نے بھی من مقلدوں سے سب حدیث میں امام اعظم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ فرما کر کہ:

نفاۃ ما سمعت احد اضلعہ۔ (میں نے تو کسی سے بھی ان کی تصدیق نہیں سنی)

یہ شعر حافظ کو دریا خطبہ شہادت میں یاد فرمایا کہ شعبہ شعبہ شہید
ہی ہیں۔ (۱)۔ غنی حسن و علم و عفت میں تان تان اور عظمت و قدر پر نام شعبہ و شعبہ و شعبہ
تو کسی کے لیے یاد رائے سخن نہیں ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں

فدكان الحافظ المشهور بعناية في هذا الشأن

امام ابو حنیفہ علم حدیث میں مشہور حافظ حدیث تھے۔ (۲)

بہر حال امام اعظم نے صحت حدیث کے لیے ایک بہت اونچا معیار قائم کیا تھا۔ ان کے شاگرد روایت کے لیے یہ معیار حقیقی کی حد تک مقدمہ حدیث میں زیادہ صحت تسلیم کیا کرتے تھے۔ آپ مقدمہ میں حدیثوں اور ائمہ ان کے حوالہ سے پانچ طبقے میں کہ امام ابو حنیفہ اپنی شرط میں تیسری صدی کے محدثین کی نسبت تشدد کرتے۔

امام اعظمؒ اور اہل ہونئی سے روایت:

روایت کے رد و قبول سے متعلق اس پر تو دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا
تحقق کے بقول روایت کے لیے اسامہ و حرادات ثقات و ثقات ہونے کا مطلب یہ ہے
کہ ہادی حیات میں اور فقیہ حیات نسق میں روایت مراد ہے اس موضوع پر بھی
اور میں نہیں جانی ہیں کہ میں میں اختلاف ہے کہ جو کہ بعض روایتوں کے اپنے
تفسیروں تخریفات کے حامل ہیں جس کے نتیجے میں عمومی مستندین شمار ہوتے ہیں انہوں نے
اپنی روایتوں میں مثلاً غورق دارائیں و صہب مختارہ و مردیہ و غیرہ بیان کی روایتوں
کے حصوں تخریفات کے باوجود ثقات قبول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ موضوع علم
حدیث کے مسلمات و مبانی میں سے ہے اس لیے علماء کے اپنے مختلف عقیدوں میں بی حد و
اس پر وارد تحقیق دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر الخلیل بغدادی و نظرائز ہیں۔

علاء میں اہل ہوئی سے روایت لینے کے موضوع پر ایک سے زیادہ مدارس فکر ہیں۔ سلف میں سے ایک جماعت اسے درست خیال نہیں کرتی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ کافر واریت کا تاویل میں پریشانی پیدا نہ ہو اور یہ حق جہاد سے حق ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کی روایت ناقابل قبول ہو اور کچھ کی رائے میں اہل ابواء کی روایت مقبول کر دیں۔ درست سے شیعہ و اہل سنت و جماعت کے سمجھنے میں یہ اختلاف ہے۔

سے یہ امام شافعی کی رائے ہے۔ اور کچھ کی رائے یہ ہے کہ اہل اہواء میں سے ان کی رائے قبول کر لی جائے جو ہوئی بدعت کے دائمی نہ ہوں۔ دعاۃ کی روایت قابل احتیاج نہیں ہے یہ امام احمدی نے لکھا ہے۔ مگر یہاں یہ بات ہے کہ سب اہل اہواء کی روایات قابل قبول ہیں چاہے وہ اپنے نظریات کی وجہ سے کفری کے میدان میں ہوں۔ (۱)

روایت قدیث میں تو ہمیں دو دفعہ اسٹاپ کی محبت حاصل ہے اور
 ان بیرونی مہینوں کے دو طریقے ہیں۔ پہلے تو یہ ہے کہ وہ مستعد سے مستعد
 صحابہ کے بارے میں اس کا موقف علم سے یہ بہت بڑا نقطہ ترقی کا
 ان کی صداقت و مشغول بناتا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر ہم فطرت کا فیصلہ
 المبارک نے یہ بتایا ہے

امام اعظمؒ سے ابو عصمر نے دریافت کیا کہ اہل ابواء سے روایت کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ سب اہل ابواء سے روایت لے سکتے ہو۔ شیعہ وہ حامل جو بنی شیعہ کی روایت سے روایت نہ کرنا چاہتے ہوں۔ فقید کی عمارت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تائیل پر ہے۔ (۲)

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ بھی دوسری اور تیسری صدی کے اختلافی مسائل میں سے

نہ تو روایت سے ہی جائے نہیں روایت سے روایت نہ لی جائے۔ شریک بن محمد بن اسے
 سے کہ جس سے قلم لکھتے ہیں روایت سے محمد بن عبد اللہ بن مبارک بن عمر بن ثابت کا
 نام سے بتایا ہے۔ اس سے حدیث نہ ہو یہ حدیث صرف کوثر کہتا تھا۔ (۱) یہ دوسری حدیث سے
 محدثین کے افکار ہیں۔ تیسری حدیث میں ان ائمہ کی بدشعور کو حیل کر کے ان و شیش شریک
 بنی ہیں اور انہیں ان سے دور سے میں محدثین سے پناہ مانگ کر دیا۔ امام شافعی سے عام
 روایت ان پابندی سے نکالی کہ اس خطبہ میں سے محدثین کو روایاں اور روایاں ان سے
 روایت نہ کی جائے۔ ان سے حدیث میں عام روایت تمام اہل بیت سے ہونے میں ہوا
 استثناء شیعہ قائم ہو گئی کہ

نقل غیر الدعاء من اهل الاهواء لما الدعاء فلا نقل اخبارهم۔ (۲)

ان میں جو داعی نہ ہوں ان سے روایت لی جائے داعی کی روایت نہ لی جائے۔

ان محدثین کی شریعت کی حدیث حاصل ہے بلکہ حافظ ابن حبان بتی سے اس پر
 مباح تعلق مل گیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کی دلیل کو قرآن سے اور اس سے
 خلاف روایت ہے۔ مگر امام محدثین میں سے نہ جرات بتایا ہے چنانچہ فرماتا ہے

والقول بالمع مطلقا مباح لشارع عن ائمة الحديث۔ (۳)

مطلقاً اسے روایت اس راہ سے دور ہٹانا ہے جو ائمہ حدیث سے مشہور ہے۔

۳ پہلی بات یہ ہے کہ جو محدث ہے یا کیا ہے اور جسے بدل اقول کہ کیا ہے یا
 وقعت اور اس سے بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ دنیا حاکم سے کہ خود بخود دیکھتے ہیں اس سے
 روایت ان میں چنانچہ حافظ ابن حبان نے کہا ہے کہ ساری دیکھتے ہیں اس سے روایت ان
 ہیں۔ حافظ ابن الدین السیوطی نے تحریر کیا کہ ساری دیکھتے ہیں اس سے روایت ان کی فہم سے
 ان سے جس سے تحقیق سے روایت ان میں اور بتایا سید کہ کہنے والوں نے سنا یا

کتاب مسلم ملا من رواة الشيعة۔ (۴)

(۲) توضیح الآثار ج ۲ ص ۱۰۴

(۱) تدریب الراوی ص ۲۱۸

(۳) تدریب الراوی ص ۲۸

(۴) انصار ص ۹۹ حدیث ص ۹۹

اور حافظ ابن الصلاح و ان نظریہ کو روایت سے روایت نہ مٹی چاہیے یہ حدیث
 مروج قرار دینے پر کہ اس کی کتب طبعہ سالروانہ علیہم محدثین کی کتابیں ان کی
 روایت سے لی گئی ہیں۔ امام ابی نے دعوت کی تقسیم کے ذریعہ محدثین کی صفائی پیش
 دلائی۔ چنانچہ دہشتہ ہیں

دعوت کی تقسیم میں مدنی ہے شریک۔ یادہ یا کم مثلاً وہ حضرات جنہوں نے حضرت
 علی سے جو آراء ہوئے انہوں سے دور سے میں لب لسانی کی ہے یہ طبقہ تابعین میں
 بہت سے اور اب ہی اتنا تابعین میں کہ ان کی روایت کو شریک بنی بنا پر روایت
 جائے تو حدیث کا پیشہ حصہ حصہ ہو جائے گا۔ در بدعت بھری جیسے نفس کامل اور اس
 میں غوث ابو مریم عمر کے دامن احقر کو ہاتھ کاٹا اور لوگوں میں اس کا پراپیگنڈہ
 کرنا۔ یہ قسم و شبہ ناقابل اعتقاد ہے۔ مجھے اس قسم کے لوگوں میں کون بھی صادق
 دامن نظر نہیں آتا۔ بدعتوں کا پیشہ ارتقاہ حاکم ان کا شیوہ ہے۔ (۱)

اگرچہ امام ذہبی نے بقول حافظ سیوطی ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ
 ان مضمون پر لکھتے مختلف خیالات ہیں چنانچہ اس میں شیعہ سے روایت قطع منع
 سے اور جہ سے روایت مطلقا جائز ہے اور تیسری راہ یہ ہے کہ جو شخص ان کی
 حدیث کو جانتا ہو اس کے لیے جائز ہے اور دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔ (۲)
 بعد ازیں حافظ ابن حجر مقدسی اور حافظ سیوطی نے شیعہ اور ائمہ کی کتابیں لکھی ہیں
 محدثین نے اس وجہ کو کار کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ساری مساعی صرف اس لیے ہونے
 لگتی ہیں کہ محدثین سے جوئے شدہ و پالیسی کے خلاف عمل ہوا ہے اس کا مدعا ہی ہو جائے
 لیکن ان مساعی و روشنیوں کی نوعیت اس سے زیادہ پتہ نہیں ہے کہ یہ کتابوں کی حد سے شیعہ
 و روایت کی تحقیق فرما رہے ہیں۔ ورنہ دوسری صدی کے محدثین مشاہدے اور واقعات کے روبرو
 سے بتا رہے ہیں کہ

فان اصل عقیدتہم تضلیل اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) تدریب ص ۲۱۸

اسی دور میں مشہور محدث حماد بن سلمہ نے یہ انکشاف کیا کہ:

احسنی شیح من الرافضۃ انہم کانوا یجتمعون علی وضع الاحادیث۔
مجھے رافضیوں کے ایک سربراہ نے بتایا ہے کہ وہ حدیثیں بنانے کے لیے باقاعدہ
اجتماعات کرتے تھے۔ (۱)

اور آپ انہیں بدنام نہیں لیکن حافظ رابطی نے نہار میں جہ سملہ کے موضوع پر خام
محدثانہ نقطہ نظر سے تبصیر کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے
کے موضوع پر جس قدر روایات آئی ہیں ان کا سچا شیعہ ہی شیعہ ہیں۔ پناغیہ فرماتے ہیں

وعالم الاحادیث الحہر نحلہ فی رواہا من ہو مسوب الی التشیع۔ (۲)

بسم اللہ بلند آواز پڑھنے کی زیادہ روایات شیعہ روایوں کی وساطت سے آئی ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ نہار میں بسم اللہ کے جہ پر خبر آ حد کا زیادہ دغیہ وضعی دور

بنائی ہے اور بنائی جانے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

لان الشیعة تروی الحہر و ہم اکذب الطوائف ہو صراحی دالک احادیث۔

کیونکہ ہمارے بسم اللہ بلند آواز بلند پڑھنے کے قائل ہیں اور شیعہ ترویہوں میں سب

سے زیادہ دروغ گو ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر حدیثیں بنائی ہیں۔

ان تصریحات سے آپ امام اعظم کے اس دور میں فکر کی صداقت کا اندازہ لگا سکتے

ہیں۔ اور آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس میں تھوڑا سا تبحر بہت بڑی بلا کا سامان ہے۔

جرح و تعدیل روایۃ حدیث اور امام اعظم

علامہ جزیری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلے میں ۵۲ قسم کے علوم کی نشاندہی

کی ہے۔ ان ہی علوم کے برتنے پر کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی حدیث کے مختلف طرق و اسانید

اس سے روایوں کی درست گنتاری اور ان پر جرح و تعدیل کی داستان پڑھے گا اس کو حدیث کی

عظمت کا اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ امر آخر ہے کہ کوئی شخص مطالعہ کی محنت سے پہنچتی

کر کے خواہ مخواہ انکار کر ڈالے۔

حافظ ابن خرداد بہتے ہیں کہ محدث کی مثال یہ صاف کی سی ہے باوقات میں

کی مکمل صورت اور آواز تک میں فرق نہیں ہوتا کیل صاف و چٹکی اس کا صوت تا آتی

ہے۔ یہ کھٹکنا لینے کا طرفین حدیث میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اسی کی مدد سے علامہ نے

صحیح احادیث کو غلط سے اور قوی کو ضعیف سے چھانٹ کر عینک ویا دور میں سلسلے میں علامہ نے

بڑے بڑے کاربانہ نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اسی کا نام علم جرح و تعدیل ہے۔ اس کی مر

میدان رجال یا علم رجال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس روایوں کی اہمات نکالتے ہدایت

اور قوت ضبط کو بتایا جاسکتا ہے تو یہ علم تعدیل ہے اور اگر اس کے برعکس ان کے کذب و غصت یا

نسیان وغیرہ سے بحث کی جائے تو یہ علم الجرح ہے۔ امام عظیم معرفت علوم الحدیث میں بہتے ہیں

وہما فی الاصل نوعان کل نوع منہما علم ہر اسہ۔

اصل میں یہ دو قسمیں ہیں ان میں سے ہر قسم مستقل علم ہے۔ (۱)

علم حدیث کے تفصیل میں یہ عظیم الشان علم، جو میں آیا ہے اور اقوام عالم کی تاریخ

میں اس طرح کے تنقیدی علم کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ اس فن کی تدریسوں مولیٰ حافظ سیوطی

الکافی فی تاریخ الاسنادی میں رقم طراز ہیں کہ:

بعد حدیث نوی صدر اول میں تینوں سے نہیں بلکہ لوگوں کے سینوں سے لی جاتی

تھی اس لیے احادیث کی حفاظت اور ان کو غلط سے بچانے اور مقبول میں تہیہ کی

خاص جرح کو جا کر کیا گیا۔ (۲)

حافظ ابن خرداد بہتے ہیں

لوگوں نے یہ علم صحابہ سے لیا اس کے یاد کرنے اور اس کے پانچنے میں اوقات

لگاے اور جانیں کھپا میں لیکن صحابہ نے بعد ہر دور میں ایسے لوگ اس میں داخل ہو

گئے جس میں اس کی صلاحیت و قابلیت تھی۔ انہوں نے نقل و روایات میں غلطیوں

کیں اور کچھ نے عمدہ اخلاف و ائمہ نقل میں دست اندازی کی۔ اس راوی سے حدیث

اس تاریخی استدوار میں حافظ سجاد کی طرف یہ نہیں بتایا ہے کہ جو عمر کا بعض میں جرح و تعدیل سے فن میں امامت کا مقام امام عظیم کو حاصل ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ امام روحانیوں ذاتِ برائی کا بھی ہونے کی حیثیت میں توثیق و تہمت کے میدان میں صرف حرافی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان استاد ان شخصیت ہے اور اسد جرح و تعدیل میں یہ کوہِ ساری حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ سجاد کی یہ تصریح ہے

نكلم في التوثيق والتجريح طائفة من الائمة فقال ابو حنيفة-

راویوں کی توثیق و جرح پر امام کی یہ جماعت نے سب دشمنوں کی چٹانچہ اوضیہ سے فرمایا
 کی بنا پر امام مرتضیٰ نے اپنی جامع میں جرح و تعدیل پر امام عظیمہؑ کے ان دو فقرے
 کو بالاسناد کتاب الععل میں روایت کیا ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان قال حدثنا ابو یحییٰ الحماتی قال سمعت ابا حنیفہ یقول ما رأیت احدا کذب من حاسر الجففی ولا الفصل من عطاء۔
 ماہ و ضعیف فرماتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جھوٹا اور عطاء سے زیادہ قاض کوئی نہیں دیکھا۔ (۱)

اس روایت کا تعلق راویوں کی حرج و تعدیل سے ہے اور امام نے اسے سند کے طور پر پیش کیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مامۃ ثانیہ سے ایک امام اعظم کا شمار ان اماموں سے جس کی مات حرج و تعدیل کے موضوع پر نہ ہے۔ باعظا و غیر اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کے سند سے نکلے ہوئے تعدیل میں عطاء کے متعلق اور حرج میں جابر جثلی کے متعلق دو فقرے مر حدیث میں وہ اہل فتنوں کی بنیادی اہانت ہیں۔ پہلا فقرہ یعنی ہر اہت الفصل میں عطاء میں اسی رواج علم تعدیل کی اور دوسرا فقرہ یعنی ہر اہت اکذب میں حاکم الحنفی علم الحرج کی۔ در تعدیل بھی معصوم روایہ کی نہیں بلکہ امام فتن کی فرمائی ہے۔ اور صرف امام ترمذی نے نہیں بعد امام شافعی نے بھی امام ابو حنیفہ کی اس موضوع پر استدہانی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں اسے متصل عبد الحمید الحنفی کے حوالے سے لکھا ہے۔

سمعت ابا سعد الصعالي وقام الى ابي حنيفة فقال يا ابا حنيفة ما تقول
في الاخذ عن الثوري فقال اكتب عنه فانه ثقة ما خلا احاديث ابي
اسحاق عن الحارث و حديث جابر الجعفي.

میں نے ابو سعید کو امام ابو حنیفہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ آپ کی سفیان ثوری سے روایت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا ان سے حدیثیں نکھو کیونکہ وہ ثقہ ہیں لیکن ان کی وہ حدیثیں نہ نکھو جو بحوالہ ابو اسحاق از حارث ہیں۔ اور حدیث جانہ بھی بھی نہ نکھو۔ (۱)

حافظ ابن تیمیہ نے تکرر الخلقہ میں ابو الزناد احمد بن قاسم کی تعدیل کرتے ہوئے
جہاں دوسرے اکابر فقہائے تعدیلی کلمات درج کیے ہیں کہ وہ احمد دہاتے ہیں کہ جو فقہاء
ربیعہ سے زیادہ عالم ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں ان سب سے
پہلے امام اعظم کے یہ تعدیلی کلمات نقل کیے ہیں
روایت ربیعہ وابو الزناد و ابو الزناد احمقہ۔

میں نے یہ اور اوقات کا ادوس کو بھیجے ہیں اور ہمارا واقعہ یہ ہے۔ (۴)
 حضور ہمارے جعفر صادق سے کون واقف نہیں ہے حافظہ یہی ہے ان کی قدیم سرت
 ہوئے جس کی بن معین وراو حاتم سے ان کی توثیق ملے گی سے اب اس ہمارے عظمیٰ ہے یہ قدیمی
 کلمات بھی نقل فرمائے ہیں۔

عن ابی حنیفۃ ما رأیت الفقه من جعفر بن محمد۔
ای ما پر ہمیشہ اس فن کے اماموں و جرن و تعدیل کے موضوع پر امام عظمیٰ
سائے سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں:
اعلم ان الامام نا حنیفۃ قد قل قوله فی الحرج و التعدیل و نقوہ عہ
علماء هذا الفس و عملوا بہ۔

حافظ ابن کثیر نے اسے مسلم زندگی اور جمہور مشرق کا مذہب قرار دیا ہے لیکن اس موضوع پر امام محمد و حنفیہ کا مذاکرات سے باقی حد کا نہ ہے۔ امام اعظم اس صورت میں حدیث کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ و دیگر خطیب فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے دریافت کیا کہ ایک شخص جس نے حدیث محدث سے کہا کہ اصل کی بنیاد اس سے ہے کہی شے نہ ہو حدیث کا ہے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے کہی شے نہ ہو یہ نہ کہ حدیثی فلاں اور سمعت فلاں۔ اور اس کا یہ کہن یہاں ہے جیسے کہ شخص کے ماتن قرآن و حدیث و ہر حدیث کے اس کے میرے سامنے اس بات کے ساتھ کہ حدیث کا قرار دیا ہے۔ (۱)

ایک اور سے موقع پر خطیب بعدوی بن قنطر فرمیں

امام ابو محمد میں کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا کہ انہیں ثوبی اور امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص شیخ کے سامنے حدیث پڑھ رہا ہے تو کیا اسے قائل روایت کے موقع پر حدیث کی روایت سے اس کا متفقہ جواب یہ تھا کہ وہی مضی کہیں۔

امام ابو حنیفہ کی ایک اور روایت میں سے یہ روایت شیخ کے فرماتے ہیں

میں نے امام مالک سے سنا کہ انہیں ثوبی اور ابو حنیفہ سے پوچھا کہ محدث کے سامنے ایک شخص خود حدیث پڑھتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ حدیث فلاں میں بارے میں آپ کا خیال ہے؟ اس کا جواب یہ تھا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ابو حاتم جتے ہیں کہ ان میں دو تجارتی اور دو عراقی ہیں۔

محدث محدث بھی اس سے کہتے ہیں

میں نے انہیں سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میرے سامنے امام ابو حنیفہ کے نبی میرے سامنے پڑھتا ہے حدیث فلاں۔ میرے خیال میں اس میں کوئی بھی مضی نہ ہوتا ہے کہ یہ اس کا تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ (۲)

امام نووی نے تقریب میں اسے دوسری صدی کے محدثین کا مذاکرات قرار دیا ہے ہونے اس موضوع پر امام بخاری کی کمالی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں

انہ منہب الزہری ومالک وابن عیینہ ویحیی القطان والبحاری وجماعة من المحدثین ومعظم الحجازیین والکوفیین۔ (۱)

قاضی میمنہ نے حافظ سیوطی کا لفظ اس شخص سے معاشے میں امام نووی کے ہم زبان ہیں۔

تخلیل روایت اور اجازت

تخلیل روایت کے طریقوں میں سے اجازت بھی محدثین سے یہاں یہ طریق سے محدثین کی روایت میں اجازت یہ کہ شیخ کی بھی شخص و اپنی روایت کی روایت کا رہائی یا تحریری پر ہے۔

اجازت کی ایک نہیں بلکہ محدثین کے یہ یہ متعدد صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو کسی خاص حدیث کی اجازت دی جائے مثلاً میں نے کہ میں نے تم کو حدیث کی اجازت دی ہے۔ جمہور محدثین اس کے حوالے قائل ہیں اور اس طریق سے بھی سرکاری کی روایت کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں

والصحيح الذي قاله الجمهور من الظرف واستمر عليه العمل حوار الرواية والعمل بها۔

اس کے برائے صحیح اور سب کا عمل جس پر سے وہی سے کہ اس کی روایت اور اس پر عمل درست ہے۔ (۲)

میں محدثین میں مشہور امام غفرہ نے فرمایا ہے کہ جو قائل نہیں ہیں امام ابو حنیفہ کے قریب میں امام احمدی کے قول سے امام حنفیہ اور ابو یوسف کا روایتی ہونا کہ حوالہ سے امام مالک کا بھی یہی موقف قرار دیا ہے۔ چنانچہ احمدی نے تصدیق کی ہے

قل ابو حنیفہ و ابو یوسف لا يجوز لروايه للاحاده مطلقا۔ (۳)

تحقیق روایت اور مناد:

تحقیق روایت کے طریقوں میں سے ایک طریق مناد بھی ہے۔

مناد یہ ہے کہ محدث طالب کو اپنی مسوعات پر مشتمل کتاب دے دے اور کہے کہ اسے قرینہ کی جانب سے روایت کرو یا طالب و کتاب کا نام بتا دے یا کہنے سے یہ کتاب روایت دے یا طالب شیخ کے پاس اپنی مسوعات کی کتاب لے کر اسے شیخ سے روایت کرے طالب کو کہے کہ تمہیں اس کتاب سے مشتقات کی قرینہ کی جانب سے روایت کی اجازت ہے اس و عرض سے کہتے ہیں۔ اس موقع پر محدث سے یہاں یہ سوال اجازت ہے کہ یہ روایت اس کا یہ ختم ہے؟ اس اجازت سے ہوتے ہوں کہ جواب میں علماء مختلف نمایاں ہیں۔ امام ہادی نے بتایا ہے کہ امام ربیع بن زید بن سعید مجذباہ شعیقی مقامہ ابراہیم واحدیہ روایت یہ کہ ابو اسحاق ناکب ابن ابی اسحاق القاسم ان سبب کی بات یہ ہے کہ عرض مناد قوت میں تحقیق روایت کی ہوگی صورت اس سے بڑا بڑا رہتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ سفیان ثوری امام اوزاعی اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ کہتے ہیں کہ عرض مناد ہر جگہ صحیح اور قرأت علی الشیخ دونوں سے کمتر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

والصحيح اهما مخطه عن السماع والقراءة وهو قول الثوري والاوزاعي وابن المبارك وابي حنيفة.

یعنی یہی ہے کہ مناد عرض کا مقدمہ اس وقت علی الشیخ سے نیچے ہے یہی ثوری اوزاعی ابن مبارک اور ابو حنیفہ کا کہنا ہے۔ (۱)

اور امام حاکم نے اسی بات کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے:

امامهم، الاسلام لدين التواقي الحلال والحرام فانهم لم يروا سمعاً منهم الشافعي والاوزاعي و ابو حنيفة والثوري وابن حنبل وابن المبارك.

فقيل: اسلام جو اسلام میں بدل و جرم کا قوی دیتے ہیں وہ عرض مناد۔ وہ صحیح قرار نہیں دیتے جیسے شافعی اوزاعی ابو حنیفہ اور ثوری وغیرہ۔ (۲)

بہر حال امام اعظم کا یہ سبب اس موضوع پر یہی ہے کہ عرض مناد ہر جگہ قرأت سے ہم پلہ نہیں ہے۔ اور متاخرین محدثین نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

تحقیق روایت کی باقی صورتیں یعنی کتابہ مدغم و بصیرت اور وجہ پر بھی محدثین نے یہاں تفصیلی بحث اصول حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علم حدیث کی ہر شاخ میں امام اعظم کی جلیل قدر خدمات موجود ہیں اور محدثین نے ہمیشہ سے اس فن میں ان کی جرات شان کا پابنا ہے۔ کی بنا پر حافظ ابن مبارک نے مشہور محدث یزید بن ہارون کا امام اعظم کے بارے میں یہ تاثر نقل کیا ہے:

ادرکت الف رحل و کنت عن کثره ما رایت فیهم افقه ولا اروح ولا اعلم من خمسة اولهم ابو حنيفة.

میں نے ہزار ہا محدثین کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور ان میں اکثر سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان سب میں سب سے زیادہ فہم سب سے زیادہ پارسا اور سب سے زیادہ عالم صرف پانچ ہیں۔ ان میں اولین مقام ابو حنیفہ کا ہے۔ (۱)

محدث صمدی نے شیخ سلام حافظ یزید بن ہارون سے بھی اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے۔

کان ابو حنيفة تقياً راهداً عالماً صدوق اللسان حفظ اهل زمانه. (۲)

اور امام ربیع بن سعید القطان نے مشہور مقدمہ حدیث اور شرح اقدس میں اسے امام میں وہ فرماتے ہیں

انه والله لا علم هذه الامة بما جاء عن الله ورسوله.

وانه امام ابو حنيفة اس امت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (۳)

امام ابو عبد اللہ ان کے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم حدیث میں نوع التاسع میں ان کے

میں ان امر کا تذکرہ کیا ہے جن کی حدیثوں کو حفظ و مذاکرہ اور برکت کے لیے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين و اتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ و المداكره و التروك بهم و يدكرهم من الشرق الى الغرب۔

یہ قسم علوم حدیث میں سے ان معتد مشہور تابعین اور تابعین تا مبعین کے نام لکھے گئے ہیں جن کی حدیثوں کو حفظ و مذاکرہ کے لیے لکھا گیا جاتا ہے اور جن سے روایات باطنی و شرقی سے مغرب تک جن کے ذکر سے برکت ملی جاتی ہے۔ (۱)

یہ عنوان قائم کر کے امام حاکم نے مزید کچھ شامیوں کی یاد دہانی جو یہ ذخیرہ حافظ و تراجم کے محدثین کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں امام ابو حنیفہ کا نام بھی مذکور کیا ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم محدث ہونے کی حیثیت سے محدثین کی فہرست میں صرف جانے بچنے کے نہیں بلکہ بارگاہ محدثین میں ان کی خدمات و امامت علم حدیث میں مسلمہ ہے۔

حدیث شاذ اور امام اعظم:

یہ امر واقعہ ہے کہ آج بھی تدوین حدیث کے بعد حدیث کے نام پر جو بھی سرمایہ موجود ہے وہ تمس قسم کا ہے۔ کچھ وہ حدیثیں ہیں جس کے الفاظ محفوظ ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو الفاظ تو محفوظ نہیں لیکن ان کے معانی محفوظ ہیں۔ اور کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ سن و سنا ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے۔ قسم اول اور قسم دوم حدیثیں "معتدہ" سے یہاں مفہوم و دلوں کی قیمن میں اختلافی ہے اور آخری قسم خواہ محدثین نے یہاں صحت اور ثبوت کے لحاظ سے اختلافی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر عثمان الحنفی فرماتے ہیں:

احادیث محدثین کے یہاں، مزہ ضبط میں اس طرح آتی ہیں کہ کچھ ایسی ہیں جن کی نقل میں ضرر اور غلطی حدیث کے بعد کے بعد احاطہ محفوظ ہو گئے ہیں۔ کئی وہ حدیثیں

ہیں جو قسمی صحت سے پاک و صاف ہیں۔ کچھ حدیثیں وہ ہیں کہ نقل میں جاتی تو محفوظ ہیں مگر اصل الفاظ تک محدثین کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔ اور کچھ حدیثیں وہ ہیں کہ جن کے الفاظ مختلف ہیں اور جن کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے کئی وہ حدیثیں ہیں جن میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ فنکاری اصول صحیح کے مطابق ان میں صحیح ضعیف کی تمیز کر سکتے ہیں۔ (۱)

محدثین نے صحیح حدیث کی تعریف یہ بتائی ہے کہ جس کے راویوں میں مضبوطیات کے ساتھ سند کا اتصال ہو اور اس میں شذوذ اور حجت قاطعہ نہ ہو۔ گو یہ حدیث کے کئی نمونے دیکھنا ضروری مثلاً یہ ہے کہ وہ شاذ نہ ہو لیکن شاذ کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں محدثین میں باہم اختلاف ہے۔

حافظ ابن کثیر نے حافظ ابو علی الفہرست سے شاذ کی یہ تعریف نقل کی ہے

والذي عليه الحفاظ ان الشاذ ما ليس له الاسناد واحد يشد به لفظه او غير لفظه۔

لفظ کے یہ ایک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک سند ہو اور اس طرح شاذ، یہ لفظ اس میں شذوذ پیدا کر رہا ہو۔ (۲)

اور امام حاکم نے شاذ کی یہ تعریف بتائی ہے

هو الذي ينفر دبه الثقة وليس له منابع۔

لقد راوی کا ایسا یگانہ بیان جس کا منبع کوئی نہ ہو شاذ کہلاتا ہے۔ (۳)

لیکن حافظ ابن الصلاح نے دونوں پر مبنی کئی تفسیروں سے ان میں سے ایک شاذ کہی ہے۔ تو امام بخاری کی پہلی حدیث بھی شاذ ہے اور اس پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

(۱) شذوذ: حدیث کی تعدد یا قیاس میں اختلاف یا اختلافی روایات۔

بحوالہ۔ (۲) اختصار علوم الحدیث ص ۵۵ (۳) معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

اس تحریف کی بنا پر یہ حدیث ہمارے احادیث میں شامل نہیں کی گئی ہے۔ یہ اندازہ یہ بھی یہ کہ اس حدیث کی نسبت نہ مشہور و رسمی نہ علیہ وسلم سے منقول روایت کرتے ہیں بلکہ حضرت عمرؓ سے ملنے بھی منقول روایت کرتے ہیں اور عقلمند سے اسے روایت کرنے میں محمد بن ابراہیم اور محمد بن ابراہیم سے بھی بن سعید منقول ہیں۔ محدثین کے ایک ہی ثابت ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح مثال مبدعہ بن ابی ہریرہ کی یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں عن اربع الولاء وحبہ۔ اس میں بھی مبدعہ بن ابی ہریرہ ہے۔ یہ بھی وہ حدیث جو بحوالہ مالک ازہری اور اس کی سند میں ہے کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر ڈھال تھی۔ اس میں مالک امام زہری سے منقول ہیں۔ یہ سب روایات صحیحین میں موجود ہیں اور ان کی سند بھی صرف ایک ہی ہے جس کا تعلق شیعہ کے تلامذہ سے ہے۔ غرض کہ صحیح میں اس کا اضافہ نہیں ہے۔ امام مسلم کا آپ قرار ہے۔ کہ امام زہری کی نوے حدیثیں ہیں جن کی اس میں دو منقول ہیں اور ان کی کوئی بحوالہ نہیں کرتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح سے اس زمین کا نام دینی میں مشکل کا خواہی عمل بھی پیش فرمایا ہے لیکن وہ بھی ان کی زبانی من لہجے وہ فرماتے ہیں:

اسل وبقیہ یہ کہ کوئی روایت منقولہ حدیث میں نہیں کرتا ہے تو ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اس کی یہ روایت اگر اس سے زیادہ کسی حافظ و ضابطہ کی روایت کے خلاف ہو تو یہ شاذ و نادر ہے۔ اور اگر اس کی روایت میں خلاف کا کوئی پہلو نہ ہو تو پھر اس منقولہ حدیث کو ارجح جگہ کا حافظ اس اور شدہ ہو تو اس کے بعد اور شرف پذیرانی دیا جائے اور اس میں یکایت قانع نہیں ہوئی جیسا کہ پہلی مثالوں میں سے اور ان راوی کے حفظ و اتقان پر مجبور نہ ہو تو اس کی روایت دائرہ محنت سے خارج تصور کی جائے گی۔ (۱)

قاضی بدر الدین بن محمد نے حافظ ابن الصلاح کی اس پیش فرمودہ قرار داد کی تائید فرمائی ہے کہ اس حدیث محمد بن ابی ہریرہ سے اس پر بھی ایک سو اس قدر کہ آیا ہے اور بہت جلد نہیں وچتاں کے بعد نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

شاذ اور کثرت کی بنا پر حدیث میں محدثین نے اسے قدح سے حدیث شاذ کوئی۔ (۱) یہ خالص محدثانہ رنگ میں اس حدیث کا قطع نظر ہے جن پر شاذ روایت مانا گیا ہے۔ دوسری صدی میں شاذی تحریف اور اس کی حقیقت و آشکارا کرنے سے لیے محدثین نے حوالہ دیا تھا کہ یہ حدیث اس سے بالکل جدا گانہ ہے۔ امام عظیم ابو حنیفہ۔ دینی حدیث و شاذ قرار دیتے ہیں جو اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن سے صرف ہو۔ پانچ حافظ ابن عبد البر نے امام اعظم کے نقطہ نظر و ایک مقدمہ پر محدثین و جواب دیتے ہیں۔ اس طرح واضح کیا ہے:

کثیر من اهل الحديث استحواروا الطعن على ابي حنيفة لورده كثيرا من اخبار الاحاد العلول لانه كان يذهب في ذلك الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث ومعاني القرآن فما شذ من ذلك روه رسما شاذاً۔

بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہ پر اس لیے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت سے حدیثوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب باوجود اس کے کہ وہ شاذ و نادر اس باب کی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن سے مجموعہ سے جدا کر دیتے۔ آخر واحد کا مضمون اس سے مطابقت حاصل ہوتا تو اس پر عمل دیتے اور نہ اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ حدیث فرماتے۔ (۲)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام اعظم اس حدیث کو شاذ بتاتے ہیں جو معانی قرآن اور اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں کے خلاف ہو۔ امام اعظم کا شاذ کے

مضمون پر یہ موقف قابل ملاحظہ ہے اور امام صاحب کی مہم صاحب کے ساتھ ہیں۔ کسی ناپہلک حدیث میں طلب کی تصدیق فرماتے تھے۔ شریعی فرماتے ہیں کسان مبالغہ بصرہ امام صاحب سے ضعیف تھے۔ (۱) تین حالات کے تحت طبیعتوں اور مزاجوں میں اختلاف رونما ہو گیا۔ جس سے مزاجوں میں عقد کا رتبہ غالب تھا انہوں نے امام اعظم کی سہولتی کی۔ چنانچہ امام شافعی کے حاشیہ کی قریب قریب تفسیر میں امام صاحب سے قریب قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ

شاذ یہ نہیں ہے کہ شاذ ہی وہی حدیث روایت کرے جس سے اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا بلکہ شاذ ہے کہ شاذ ہی حدیث روایت کرے جو عام دوسری کی روایت کے مخالف ہو۔ (۲)

جس تک میں سمجھتا ہوں کہ بحالف ضروری الناس سے امام اعظم کے موقف کی تائید فرمائی ہے۔ تین پانچ امام موصوف نے تیسری صدی کا کچھ حصہ پایا ہے اور اس میں محمد بن اسماعیل نے افادہ غریب پر اس میں عام کوئی نہیں اس نے تیسریں ماحول میں بھی تصا سے متاثر ہو گئی ہے اور معاملہ صرف روایت و اسناد پر آ کر ختم کیا ہے۔

قاضی ابویوسف نے ایسی روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔

جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہوں اور جو فقہاء مجتہدین میں معروف نہ ہوں۔

چنانچہ وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں

بابک و شاذ الحدیث و عذیبک بما علیہ الجماعة من الحديث وما

يعرفه الفقهاء ما يوافق الكتاب والسنة۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں

وهو عندنا شاذ و الشاذ من الحديث لا يؤخذ به۔

یہ حدیث شاذ ہے اور شاذ حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔ (۳)

سرخانی دوسری در تیسری صدی کے محدثین شاذ حدیث کے موضوع پر مختلف ادیان

ہیں۔

(۱) مناقب ابن ۳۱ (۲) توضیح الآثار من ۳ (۳) رد المحتار من ۱۵۵

روایت بالمعنی اور امام اعظم:

اس نقطہ پر متقدمین اور متاخرین سب کا قریب اتفاق ہے کہ اگر روایت کرنے والا حافظ و عارف نہ ہو تو اس کے لیے روایت بالمعنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں۔

أروني شخص حدیث بالمعنی روایت کرنا چاہے تو اگر الفاظ اور مقاصد روایت سے آشنا نہ ہو تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ اسے روایت بالالفاظ ہی کرنی چاہیے۔ (۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ:

أما إذا ورد مقصد من آثارنا هو اور معانی کے ذہانچہ سے ناواقف ہو۔ تو بال

اتفاق اس کے لیے روایت بالمعنی ناجائز ہے روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے۔ (۲)

حافظ ابن عساکر نے اختصار علوم الحدیث میں بھی تصریح فرمائی ہے۔ لیکن علماء کا اس

موضوع پر اختلاف ہے کہ اگر راوی عالم و عارف ہو تو کیا اس کے لیے روایت بالمعنی کی کوئی

گنجائش ہے حافظ و دیگر اعلیٰ کے کثیر سلف کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے کہ وہ اسے بھی

ناجائز کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

سلف کی کثرت اور حدیث میں ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی ناجائز ہے

بدون نیت ضروری ہے کہ روایت باللفظ ہو اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی اور کسی

طرح میں تقدیم اور تاخیر نہ کی جائے۔ اس موضوع پر کچھ روایات ہم پیش کر چکے ہیں

نہایت عام اور غیر عالم میں اس موضوع پر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ (۳)

حافظ جلال الدین السیوطی نے اسی کو سلف میں قاسم بن محمد امام ابن سیرین اور رجاء

بن حیوہ کا مسلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

كان القاسم بن محمد و ابن سيرين و رجاء بن حيوة يعبدون الحديث

على حروفه۔ (۴)

(۱) مقدمہ من ۹۵ (۲) تہذیب من ۳۱ (۳) لکھنؤ فی علوم العربیہ من ۱۸۸ (۴) تہذیب العربیہ من ۳۸

قائمہ نائن : یں رجاء و استقامت دیکھتے تھے۔

امام زکی نے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی نظر کا علم دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

کار نفس یسخری فی الاداء بشدد فی لروبه ویرحو بلاعنه عی
اسهاور فی صط اللفظ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، یحییٰ میں حلی رہتے تھے اور روایت میں یحییٰ رہتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ضبط الفاظ میں تھا ان سے بڑے زور سے روکتے تھے۔

اُچھا مگر ان کے کھٹکتلی میں باہر رنی کے محسوس میں علامہ قرنی سے شرح تفسیر
مقصود میں حافظ سیوطی نے قریب ۱۰۰۰ میں در حد ملاحظہ اناری سے توجیہ افسر میں یہ تاج سے
کہ امام ابو حنیفہ نقل روایت میں روایت ہائے کے جو کہ قائل ہیں لیکن مشہور محدث ماحول قاری
سے شرح مسند امام میں امام اعظم کے بارے میں حافظ ابو حنیفہ میں ان کی ایسے روایت کی وجہ سے
محمی یا ہے کہ امام اعظم کی امرے میں میں روایت ہائے کے جو کہ قائل نہیں ہیں۔ حافظ ابو
حنیفہ کی روایت جس میں میں ہر نہوں کے امام اعظم ہائے واقعہ بتایا ہے یہ ہے

حدثنا سليمان بن شعيب حدثنا أبي قال أعلنا أبو يوسف قال قال
أبو حنيفة لا ينبغي الرجل أن يحدث من الحديث الآم يحفظ من يوم
سمعه إلى يوم يحدث به .

امام اوصیہ دہات ہیں۔ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنی چاہیے جب تک اسے سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک یاد نہ ہو۔ (۱)
اور اس سے ملا علی قاری نے امام اعظم کا یہ مسلک مقرر فرمایا ہے کہ

حاصدہ یہ کہ بحور الروایہ بالمعنی و لو کان مراد فی لیس حلقہ
لجمهور من المحدثین۔

اہم اظہارِ رائے کے وقت جو رکتے ہیں چاہے اوجھڑاؤں انھوں نے یہ سنا ہے

ہو۔ جمہور مدنیوں کے خلاف ہے۔

یہی قرین قیاس ہے کہ وہ دو اسباب یہ پابندی گاتے ہیں کہ حسب کتاب روایت سے
کتاب سے بیان کرنے تک زبانی یا لکھ ہو روایت بیان نہ کرے اور وہ حفظ سے ساتھ یہ قید بھی
ممانعت کرتے ہیں کہ روایت کا حفظ ہونے کے ساتھ عارف بھی سو تو وہ یہ سب کور
ممانعت ہیں کہ روایت کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ بلکہ امام اقصیٰ نے تو اس میں اتنی
شدت اختیار کی ہے کہ اگر حفظ و معرفت کا سرمایہ راوی کے پاس نہ رہا ہو چاہے وہ روایت
بمفظح ہی ہو لیکن راوی کو یا نہ ہو مگر کماشی سولی سے پاس موجود ہو تو صرف کتاب سے
سہارے راوی کو روایت کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ امام نووی رقمطراز ہیں:

ادرجد سماعه فی کتابه ولایدکره فی اسی حجه وبعص الشافعه
لایجوز روايته۔

آخر حدیث راوی کے پاس کتاب میں لکھی ہوئی ہونیس سے زبانی یا نہ ہو کہ وہ
 ضیق اس کی روایت کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ (۱)

اس سے محدث قاری ہی کی تائید ہوتی ہے۔ خلیفہ بغدادی نے یحییٰ بن معین کا جو ہے اس سے امام اعظمؒ کے اس موقف پر جس کی نشاندہی مدعی قاری نے کی ہے یہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

محی بن معین سے دریافت کیا گیا کہ "اگر کسی شخص کے پاس اپنی مٹی، دھن، حدیث ہو تو اسے ربانی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟" فرمایا کہ "اوصفیہ قیوں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا آدمی حافظ اور عارف نہ ہو اسے بیان نہ کرے۔" (۲)

ظاہر ہے کہ حفظ کا الفاظ سے اور معرفت کا معانی سے ہی تعلق ہے۔ جس راوی کا لفظ ہوئے چاہیں اور الفاظ کے ساتھ معانی بھی اس کے جانے پہچانے ہوں۔ اس قید کے پیش نظر روایت جامعہ کی مام اعظم کے یہاں سب گنجائش ہوسکتی ہے؟ صاحب سرار نے اسی کو عزیمت قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

العزيمة ان يحفظ المسموع من وقت السماع والعلم الي وقت الاداء وهذا مذهب ابي حنيفة في الاخبار والشهادات۔

عزیمت یہی ہے کہ سنی ہوئی بابت کو سننے اور سمجھنے کے وقت سے نقل روایت کے وقت یا دور تک یہی اخبار و شہادات میں ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ (۱)

اور عزیمت کے مقابلے میں رخصت بنا کر جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ محدثین کی رخصت نہیں بلکہ اس کا مثالی ہے۔ اس کی قسمیں وہی حدیث معلوم ہو اور اس سے وہی قسمیں علمی استفادہ کرتا ہے۔ تو یہ آپ جواب میں حضور اور رسول اللہ علیہ السلام کے ارشاد اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسے ارشاد ہے کہ یہ وہی حدیث ہے جو اسے پہلے ہوئی تھی۔ لیکن اس میں بنیادی شرط یہ ہے کہ

اول:- ارشاد کا تعلق حکمت سے ہو۔

دوم:- بیان کرنے والا وجود حقیقت سے آشنا ہو۔ اس کا مثالی ہے کہ اگر ارشاد عام ہو تو اس میں روایت بالاعتقاد نہ ہوگی۔ یہی ہے کہ اگر ارشاد مشکل مشتمل ہے اور محکم کا حال ہو تو پھر روایت بالمعنی کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسبی رقمطراز ہیں:

والرحصة ان ينقله بمعناه فلان كان محكما لا يحتمل غيره يجوز نقله بالمعنى لمن له بصيرة في وجوده اسعة لا لغيره المجتهد وما كان من حوامع الكلم او المشكل او المنسرك او المحمل لا يجوز نقله بالمعنى للمكمل۔

رخصت یہ ہے کہ حدیث میں روایت بالمعنی کی جواز ہے بشرطیکہ وہ مقام ہو اور روایت کرنے والا وقت اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہو۔ اور اگر حدیث عام ہو تو پھر بالمعنی روایت غیر مجتہد کے یہ ناجائز ہے۔ ایسے ہی وہ حدیثیں جن میں حوامع العلم مشکل مشتمل اور محکم آئے ہیں ان میں روایت بالمعنی ناجائز ہے۔ (۲)

فقیر مجتہد کی قید بھی یہ تائید کے لیے کافی ہے۔ وہ وقت ہی میں روایت کے معانی اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اس موقع پر وہ الفاظ میں حرمی مذہب بات لکھ گئے ہیں

حضور و رسول اللہ علیہ السلام کی حدیث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کی روایت بالمعنی ہونی چاہیے۔ اس حالت میں اس قسم کا کوئی غیر وہی نہ ہو صرف ایک صورت میں

روایت بالمعنی درست ہے اور وہ یہ کہ وہی حدیث کا الفاظ ہو اور ساتھ ہی حقیقی طور پر اس کے معانی سے بھی پورا واقف ہو۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی مسئلہ

روایت یا جواب دہ تو یہ فقہ کی حیثیت میں حدیث کے ثبوت اور غلوں کو جواب میں اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ یا کسی سے مباہلہ کر رہا ہو تو ساتھ استدلال میں اپنے غلوں میں حدیث کے معنی پیش کرتا ہے۔ یہی قرآنی آیات کا حکم ہے۔

اس حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر راوی سونے کی حیثیت میں حدیث بیان کرے اور ارشاد حضور و رسول اللہ علیہ السلام کی طرف نسبت کرے تو

اس کے لیے ناگزیر ہے کہ الفاظ بات دیتے ہی پیش کرے جیسے کہ ہیں اس میں حرف کی تبدیلی جائز نہیں ہے چاہے الفاظ میں معنی تراویف بھی ہو۔ (۱)

میں بحث میں کہ مدعی قاری نے امام اعظم کے مذہب کی اس موضوع پر جو نقاب کشائی کی ہے اس کا مفاد بھی قریب قریب یہی ہے اور فقہاء اصولیین نے روایت بالمعنی میں جو

رخصت دی ہے ان کا مفاد بھی اسی قسم کی رخصت کی نشاندہی ہے۔ یہ حال امام اعظم امام مالک و زہریہ و احمدی کے الفاظ میں سلفین اثبات کا مذہب یہی ہے۔ لیکن جو محدثین

اس کی پابندی نہ کریں انہوں نے پہلے ثابت کے سارے الفاظ کی رخصت و ذہبی کیا۔ بعد ازیں راوی سے معرفت کی قید کو یہ بہرہ دیا کہ صرف سو یا نہ سو حدیث روایت کر سکتا ہے اور

معلوم ہے کہ الفاظ کی کمرانی اگر الفاظ کے ذریعے ہوتی ہے تو معانی کی تفہیم کا واحد ذریعہ معرفت سے نہیں محدثین کو اس میں شدت معلوم ہونی چاہیے کہ الفاظ سیوٹی نے بڑا اس کی گئی

کی یہ کہہ کر حکایت کی

هذا مذهب شديد فلداستقر العمل على خلافه۔

یہ مذہب بہت سخت ہے محدثین کا عمل اس کے خلاف ہے۔

اور اس شکایت کے بعد انہوں نے واشکاف لفظوں میں اقرار کیا کہ

لعل الرواة في الصحيحين ممن يوصفون بالاحفظ لا يبلغون النصف۔

شاید صحیحین کے نصف راوی بھی حفظ کی قید پر پورے نہ آتے ہیں۔

اس کے بعد محدثین نے بارگاہ میں روایت بالمعنی کی عادت اسے اپنی ہی ہے۔

اس سلسلے میں محدثین کی تصریحات یہ ہیں:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اگر راوی عالم ہو الفاظ اور اس کے دلالات سے واقف ہو۔ جمہور علماء نے روایت

بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ (۱)

حافظ ابو بکر الخطیب بغدادی لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کہتے ہیں عالم بموقع اصطلاح سے روایت بالمعنی جائز ہے اور علماء

اس میں اتفاق ہے کہ جاہل بمواقع الخطاب کے لیے یہ ناجائز ہے۔ (۲)

حافظ ابن الصلاح رقمطراز ہیں:

صحیح یہی ہے کہ سب صورتوں میں روایت بالمعنی جائز ہے بشرطیکہ راوی عالم ہو۔ (۳)

امام نووی فرماتے ہیں:

جمہور سلف اور خلف مختلف مروجوں میں سے کہتے ہیں کہ سب میں روایت بالمعنی

جائز ہے جبکہ قطعی طور پر معنی کی ادراک کی کر سکا ہو۔ (۴)

علامہ الجزیری نے اس موقع پر جو بیانات دیے ہیں اس سے پوری صورت حال

واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً ناجائز ہے یہی اکثر محدثین المتقدم

(۱) اختصار علوم الحدیث: ص ۱۴۱

(۲) الکلیات: ص ۱۹۸

(۳) مقدم: ص ۸۵

(۴) تقریب: ص ۴۱۲

اور مصنفین اور علماء یہ کا مذہب ہے۔ عبد اللہ بن عمر اور تابعین کی ایک جماعت سے

بھی یہی فتوا ہے اس سے دو سنی اسنادیں اور ابو یوسف رازی کا بھی یہی کہتا ہے۔ امام

قطعی فرماتے ہیں کہ امام کا یہ صحیح مذہب یہی ہے اور امام کا یہ ارشاد

کہ لا اکتب الا عن رجل يعرف ما يفخرج من راسه (میں صرف اس شخص

کی روایت قلم بند کرتا ہوں جو اپنے سر سے نکلے ہوئی بات کو جانتا ہے) اسی کا موید

ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ اس سال کے جواب میں فرمائی تھی کہ آپ نے روانہ

پانے کے باوجود بہت سے قلوب سے روایت کیوں نہیں لی؟ یہ امام مالک نے

اپنے بہت سے قلوب سے بھی روایت نہیں کی تھے جو فضل و تقویٰ میں مشہور تھے۔

مذہب یہ ہے کہ یہاں اپنی حدیثوں کے حارف نہ تھے۔ امام بیہقی در خطیب

بعد ازیں نے نقل کیا ہے کہ امام مالک حدیث میں روایت بالمعنی کے حوافر سے قائل

تھے اور باقی میں سے درست سمجھتے تھے۔ بعض برہمنوں نے روایت بالمعنی میں

تنہا اختیار کیا ہے۔ وہ حدیث کی تبدیلی کو بھی گوارا نہیں کرتے چاہے وہ حارف

نہی یہاں نہ سوا اور حدیث کی تقدیم و تاخیر و بھی پسند نہیں کرتے بلکہ بعض تو مشدد و

مختلف اور مختلف و مشدد ذریعے سے بھی روکتے ہیں اور اس کا موقف یہ ہے کہ اگر

روایت میں کسی اور جے میں بھی تبدیلی ہوئی تو اس سے راوی اس و مید کا مصداق ہو

جائے گا۔ جو اس سے کسی میں ہے اور اس لیے بھی روایت بالمعنی درست نہیں ہے

کہ حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت راوی جو افعیٰ افعیٰ کی صفت سے

موصوف ہے اور آپ نے اسے اور راوی کو وفادار و بدعت سے کہنے کی آپ کے

مقدمہ پر مشتمل و بعضی مذہب و علم کی روایت بھی نہیں پاسکتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے

اوقات روایت بالمعنی کے لیے چند مفسرین ہوتا ہے کہ اس کے معنی حلقہ و اثر

یا بین فی الواقع یہ ہیں جو اس حدیث میں مشہور ہو سکتا ہے۔ مثلاً کے

حرف و مشہور حدیث میں تو مقدمہ سب ہی جانتے ہیں نہیں شعبہ ہی نے

جب اسماعیل بن علیہ سے یہ حدیث سنی کہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و مسلم ان یتروعر الرجل لورائے اپنے لفظوں میں اس طرح پیش کیا۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الترمذی۔ تو معاملہ کہیں کا نہیں پختہ کیا۔ شعبہ کی روایت، لہٰذا نے ایک نمونہ ضابطہ کی صورت اختیار کر لی جبکہ اسماعیل کی روایت اسے مردوں سے مخصوص بنا رہی تھی۔ معاملہ میں قی پوری نزائست ہے اور راست بھی ایسی کہ شعبہ جیسا امام ابن محسوس نہ کر سکا لیکن اسماعیل نے تازی اور شعبہ کو تازیایا۔ (۱)

اور پوری وضاحت اور قوت سے یہ بات لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ
كان ينبغي ان يكون هذا المذهب هو الواقع ولكن لم يبق ذلك۔
اچھا تو یہی تھا کہ یہی مسئلہ اختیار کیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہوا تو پھر کیا ہوا؟ یہ بھی ان کی زبانی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

ذهب جمهور العلماء الى حوار الرواية بالمعنى لمن يحسن ذلك بشرط ان يكون جازماً بأنه ادى معنى اللفظ۔

جمهور علماء نے روایت بالمعنی سے جو روایت یا ہے بشطیکہ راوی کو مطلب کی پہلی پریقین ہو اور اسے اس کا ذہن آتا ہو۔ (۲)

کے محل نہ ہو گا۔ اس موقع پر ۱۲۵۰ھ تک یہ محقق کی رائے پر بھی نظر پڑا ہوا۔ حدیث میں روایت بالمعنی کے جوہر نے جو عام شکل اختیار کر لی تھی اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصلحت رقمطراز ہیں

روایت بالمعنی میں یہ اختلاف صرف زمانہ صحابہ تک ہے صحابہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش نہیں ہے چاہے راوی معنی کو اپنے الفاظ میں کیسے ہی بھر پور انداز میں پیش کرے۔ اگر ہم صحابہ کے بعد دوروں کے لیے بھی اس کی گنجائش پیدا کر لیں تو ہم حدیث کی روایت پر اعتقاد نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ ایک

ہمارے زمانے تک منتقل میں تبدیلی کرتا ہے اور اپنی۔ سے سے حرف کی جہد و ف لے آتا ہے اس طرح خبر ختم نہیں رہتی۔ صحابہ کا معاملہ باطل اس کے بعد میں اس میں دو اہم خصوصیتیں ہیں۔ ایک فصاحت و بدعت کیونکہ اس کی جہد و فنی سے اور ان کی زبان میں صحیح بیقت ہے۔ اور یہ کہ صحابہ نے حضور و رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو آکھوں سے لکھا ہے۔ مشاہدہ معنی کے لکھنے میں معین و مددگار ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ محمد و معین میں۔ میں آسان کا فرق ہوتا ہے۔ صحابہ احادیث میں جو یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہکذا۔ تو حضور کے الفاظ کو نہیں کرتے بات حضور کی ہوتی ہے اور الفاظ کا چارہ صحابہ کا ہوتا ہے۔ یہ خبر بالکل صحیح ہوتی ہے اس میں کسی انصاف پسند کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۱)

اس حد تک اور کی صدی کے محققین میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات صحابہ کی حد تک ایک عقلی ضابطہ کی بات ہے۔ واقعی یہ بہترین مسد کا حل ہے اور اس میں کسی بھی دور میں نہیں ہوئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہوا کیا؟ یہ فی الواقع روایت بالمعنی حدیث میں صحابہ تک محدود رہی ہے؟ افسوس ہے کہ اس کا جواب محدثین کے یہاں نفی میں ہے۔ مگر فی الواقع نبی محمدی اور مومنین روایوں نے احادیث کو بالمعنی روایت کیا ہے حتیٰ کہ اہل عرب و رملہ و لغت کے یہاں حدیث کی زبان بھی اس وجہ سے محبت و استدلال کی زبان نہ رہی۔ حالانکہ مال اللہ بن ایسیوطی نے اس پر سیر حاصل کیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو زبان کی حد تک اس کے صرف اس حصے سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ روایت بالمعنی ہوئی ہے اور یہ حدیث ہے حدیث اور تاہم ہے "وذلك سائر حداثاً" صرف چند گنتی کی چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو چھوڑ کر اکثر حدیثوں کی روایت بالمعنی ہے اور یہ روایت بالمعنی بھی عمیوں اور مومنین کے ماتحت مدین حدیث سے پہلے ہوئی ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ زمانہ سنیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بہت بڑا حصہ دو تھ جس کی حیثیت محض زبانی روایات کی نہیں تھی بلکہ صحابہ کے معاشقہ میں ان کی شخصی زندگیوں میں ان کے گہروں میں ان کی معیشت اور حکومت و عدالت میں ان کی پوری خطرانی تھی اور غلط فہمی اس کے آثار و نقوش ہر طرف و ہر جہت پر پڑتے تھے پورا معاشقہ اس کو متاثر کرتا تھا۔ فقہاء کی زبان میں اسی کا نام سنہ ہے اور حدیث اسی کی تاریخ ہے اور یہ السنہ ہی زمانہ تابعین میں حدیث کی صحت کا پیل معیاری بنانہ تھی۔

حافظ ذہبی نے دور تابعین کے بارے میں جملہ خلاصہ کے آخر میں جو نوٹ لکھے ہیں اس کو پڑھ کر آپ دور صحابہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مسلمان عزت و برتری میں اور علمی و فہمی میں بہت اونچے مقام پر تھے۔ جہاں کے پھر یہ لہر اڑ رہے تھے شہر و اعیان پر تھیں درمیتیں سرنگوں۔ احادیث حق کرنے والوں کی کثرت تھی۔ عبادت گاہوں کا ہجوم تھا۔ پوری انسانیت رمدگی میں تھی اور چمک کا سانس لے رہی تھی۔ اسلامی فوجیں اقصائے مغرب میں جہاز جوشہ اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (۱)

یہ دور تابعین کی نقاشی ہے صحابہ تو پھر صحابہ ہیں

قیاس کن زنگستان من بہار مرا

سہر حال سنیہ کی ذات ترائی کا موضوع بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر روایت بالمعنی کا ادراک کا رسی بہ کرام تک ہی محدود رہتا تو شاید معاملہ میں اتنی نیکی ہرگز نہ آتی۔ اسی بنا پر امام عظیم کے روایت بالمعنی کا عقباری مقدمہ سنیہ کے بعد ہے۔ چنانچہ ان کے یہ الفاظ صریح اس کی دلیل ہیں کہ:

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ۔ (۲)

سوال تو صحابہ سے لینے کے بعد روایت کرنے والوں کا ہے کیا ان کے لیے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش ہے جب کہ ان میں نیکی اور صدقہیں بھی ہیں۔ اس بارے میں امام عظیم کا موقف وہی ہے جو علامہ قاری سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ محدثین کے دربار سے اس پر تحدید کا تاثر و ساسیت سے یکن فی حقیقت تاریخ سنہ کی یہ بڑی ہی درد انگیز بے انصافی ہے جو حدیث کے اس عظیم الشان نام کے ساتھ باور رکھی گئی ہے۔ جس طرح بے درایت چینیوں نے سے سمجھنے کی کوشش میں ان کی طرح معتقدوں نے بھی اس کے فہم و بصیرت سے حدیث میں بے رحمی اختیار کر لی۔ دروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فخر الاسلام بزدلی نے ضبط کی تخریج کرتے ہوئے جو یہ لکھ دیا ہے کہ:

ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ علامہ وایت طریق سے نہ جائے جیسے سننے کا حق ہے یا پھر اس کی مراد سمجھ جائے پوری کوشش سے یہ یاد کیا جائے پھر اس کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے۔ "راستہ" اور "تہ" وقت تک اس کے مذکرہ کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔ (۱)

تو اس سے یہ ملاحظہ بھی ہونی چاہئے کہ ضبط میں غلط کا یا درکنہ اس کی حفاظت کرنا بنیادی شرط ہے۔ اس لیے یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک روایت بالمعنی کی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور فخر الاسلام ہی سے روایت بالمعنی پر شدید پابندی جو حافظ ابن امام نے نقل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں

والعریضة فی الاداء باللفظ ولو حصصه معاه ملاء نقص و ريادة للعالم باللفظ و مواقع الالفاظ و قال فخر الاسلام اللفظ محو المشرک والمحمل والمنشاء بحلاف العام والحقیقة المحتملتین للحصوص والمعاز اما المحکم منہما فتکفی اللفظ۔

عزیمت تو روایت میں حافظ ہی اور سنی ہے اور رخصت روایت بالمعنی ہے بڑے طیکہ رومی رہاں اس اور معاذ اللہ غلط سے اتفاق ہو اور کی زیادتی نہ کرے اور فخر الاسلام

یہ شرط بھی کافی ہے۔ روایت کا تعلق کمال ائمہ کے وقت سے نہ ہو بلکہ جمود
فصوص ہو تو اس سے مستثنیٰ ہے اور حکم اگر ہو تو صرف روایات میں ہونا کافی ہے۔ (۱)
اس کے اصولیں بھی فقہاء اسلام کے ہند ہیں۔ سعد ابن قتادہ اور اصول
الای کے شارح علامہ حلی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔

مراتب حدیث اور امام اعظم

یہ بات تیسرے طور پر قوت سے لکھتے ہیں کہ حدیث کا درجہ ایک نہیں ہے بلکہ اس
میں فرق مراتب ہے۔ فقہاء و محدثین دونوں کے نزدیک حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ متواتر
مشہور اور بخیرات۔ طبرانی نے حدیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

متواتر حدیث وہ ہے جس میں روایت کرنے والے ائمہ اربعہ میں سے کسی
حدیث کی حدیث در بعد مقامات کی وجہ سے اس حدیث کی کمال ہو
کہ یہ سب بھوت پر متفق ہوئے اور کمال پر نہ ہو تو اسے درجہ
تخلف اور اہل حدیث کے لحاظ سے یہاں جو حدیث فرما رہی ہیں حدیث
مقدور و قویہ۔ (۲)

تیسری روایتوں کی محکمات کے واسطے میں نہ جن کا بھوت پر متفق ہو تو حدیث
میں ہو۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نیز سے متواتر ہونے کی چار شرطیں بتائی ہیں۔ اس میں
سے اس کی حدیث ہے۔ وہ حدیث کا بھوت پر متفق ہو گا تو اس میں ہر حدیث
میں سے اس کے واسطے میں بھی حدیث اراحد شمار ہے۔ چنانچہ روایت کا یہی
محکمات و مشہور حدیث پر ہوں اور اس حدیث کے ساتھ اس کے واسطے جو حدیثیں حاصل ہو
رہا ہو تو یہ جو حدیث تواتر ہے۔ (۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ غلطی و مغلطی

(۱) حدیث بخیرات میں ۹۲
(۲) حدیث متواتر میں ۲۹
(۳) حدیث مشہور میں ۹۲
(۴) حدیث متواتر میں ۲۹

تواتر غلطی کی حد تک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بتا دیا ہے کہ حدیث
میں اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا کوئی حوالہ
نہیں دیا ہے کہ حدیث بخیرات میں بھی حدیث بخیرات ہے۔ حدیث بخیرات میں
اس کے واسطے سند میں بھی اس کے سند میں اس کے سند میں اس کے سند میں
نہیں ہیں لیکن حافظ حجر نے نیز سے انصر میں اس کی تفسیر ہے اور اسے ہی قاضی ابو حنیفہ
ہو یہ بھی بہ میل ہے۔ کہ حدیث بخیرات میں بخیرات کی شرط میں داخل ہے۔ ان شیعہ
نے صحیح کہا ہے۔

لقد كان مكفي المصنف في مطلق ما ادعى انه شرط البخاري ون
حدیث مذکور ہے۔

قاضی نے اس کے واسطے کی تفسیر ہے بخیرات کی پہلی ہی روایت کافی ہے۔ (۱)
بعض محدثین نے تو ترجمانی کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں

تواتر اس	تواتر کمال	تواتر قویہ
----------	------------	------------

تواتر اس

یہ حدیث کو شروع سند سے لے کر آخر تک تواتر حدیث روایت کرنے والی حدیث
کا بھوت پر یہ حال ہو۔ اس لحاظ سے محدثین نے حدیث میں کذاب علی معصدا قرار دیا
ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے واسطے حدیث ۹۲ اور حدیث ۲۹ کے واسطے حدیث
ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی تواتر پر مشتمل حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا
نام "الخواص المتواترة" ہے۔ اس کتاب کی تفسیر میں بھی اس کے ہی تفسیر
"ابزار المتواترة" کے نام سے لکھی ہے۔ محمد بن جعفر الدقنی نے اس کا اہل "علم المتواتر من
الحدیث المتواترة" کے نام سے لکھا ہے۔ اسے یہاں فرماتے ہیں کہ بخیرات کے وقت ربع
یہی حدیثیں اسی تواتر کی مثال ہیں۔ لیکن ان کو روایت کرنے والے پہچان سکتے ہیں

(۱) نیز سے نظر میں ۱۰

اس میں مشر و مشر و بھی داخل ہیں۔ حافظ ابن الدین عراقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے راویوں کو آنکھ کیا تو ان کی گنتی پچاس ہوئی۔ حافظ ابن مندہ در جامعہ سے روایت کرتے ہیں کہ مشر و مشر و اس کی روایت پر جمع ہیں۔ امام بیہقی جامعہ سے حوالے سے فرماتے ہیں

لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اتِّفَاقَ رَوَاتِهَِا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَمْسَ،
الْأَرْبَعَةَ ثُمَّ الْعَشْرَةَ الَّذِينَ شَهِدُوا لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِالْحَبَّةِ لَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَكْبَاهِرِ الصَّحَابَةِ عَلَى تَفَرُّقِهِمْ فِي الْبِلَادِ الشَّامَةِ
غَيْرِ هَذِهِ السَّنَةِ۔

ہمارے علم میں سن کوئی حد نہیں ہے جس کی روایت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے
خلفاء راشدین مشر و مشر و اور چار یا پچاس پر متفق ہوئے ہوں۔ اس سے اس حد تک کہ (۱)
یاد رہے کہ یہ تواتر تجرید کے وقت رفع یدین کو حاصل ہے میری رائے میں یہ
تصریح پڑھ چکے ہیں حافظ محمد بن ابی ایوب ۲۷۰ نے بھی یہ بات حدیث کا بھی سے کہ

فَمِنْ أَمَلَهُ ذَلِكَ حَدِيثَ رَفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ مَكْرُوهٍ الْآخِرَةِ بِالْصَّلَاةِ (۲)
یعنی وجہ سے کہ تجرید کے وقت رفع یدین پر امت میں بھی جمع ہیں اور میں نہیں
ہوئی ہیں۔ علامہ شافعی نے فی الاوطار میں حافظ ابن ترمذی سے منقول ہے کہ علامہ ابن کے
حوالے سے اور حافظ ابن حجر مستدری نے فتح الباری میں حافظ ابن مندہ سے حوالے سے تعبیر
تجرید کے وقت رفع یدین کو یہ کہہ کر چوری امت کا فیصلہ قرار دیا ہے کہ

جَمِيعُ الْعُلَمَاءِ عَلَى جَوَازِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْفَتْاحِ الصَّلَاةِ۔

تجرید کے وقت رفع یدین پر چوری امت کا اجماع ہے۔ (۳)

یہ اسنادی تواتر ہے اور یہی محدثین کے یہاں زیر بحث آتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اور
علامہ شافعی نے ختم نبوت سے متعلق حدیثوں کے بارے میں اسی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ علامہ
جزیری نے یہاں ایک فیصلہ کن نوٹ لکھا ہے اس بعد اس کا ذکر تحقیق حدیث سے خالی نہیں
ہے۔ وہ فرماتے ہیں

جب ملوے یہاں متواتر کا ذکر آتا ہے تو یہ شخص کا اس متواتر کی قسموں کی
حرف ہی جاتا ہے یعنی متواتر لفظی۔ علامہ کا چھ حدیثوں کے بارے میں اختلاف ہے چھ متواتر
ہماتے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں اس میں محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ بڑا محض غلطی سے انہوں
صحیح کہتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ متواتر سے ان کی مراد تواتر معنوی ہے اور جو انکار کرتے ہیں اس کا
دعا تو ترغیظی ہے علامہ اصول کہتے ہیں کہ آں تو تری سے ثابت ہے لیکن سنت تو تواتر
انہوں سے ثابت ہے لیکن سنت میں متواتر سے۔ بدرجہ فیصلہ یہی ہے کہ سنت میں تواتر
صرف تواتر معنوی ہے اور جو بھی سنت میں تواتر کا دعویٰ ہے اس کی مراد تواتر معنوی ہے۔

تواتر عمل:

اسی کو تواتر کہتے ہیں۔ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک کسی کام کو کرنے والے
اس قدر ہوں کہ حافظ ابن کثیر پر متفق ہو جائیں سو۔ اسلامی عبادت امت کو ان تواتر سے
ملی ہیں اور فاضل نہیں بلکہ واجبات و سنن بھی انی راہ سے آئے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی ہدایت کو ادا کرنا صحابہ کے معاشرے کے ہدایہ ان کی شخصیں رنگہ گوں میں اس سے۔ ان
میں ان کی معیشت میں ان کی تعمیر کاہوں میں ان کی عداوت اور ان کی صلوات میں حسن
صحیہ کرام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر گوشہ میں مس اسوۂ حسنہ کا شہد گاہ تھا اور جس و
ان سے والدین ابوہمیدہ ماحسان بن قیس میں تا یحییٰ بن یزید اور جس کی اس کی تا یحییٰ بن
کالی کی ہے اسی و محدثین تا یحییٰ بن زید میں اس کی تا امام فقہاء اربعہ میں سے
یہاں صاعیہ الجماعة سے۔ فاروق بن زید کی رقیقہ رمضان کے روزے اتان کی
رہتیں متواتر رکوع میں بخ و وضو اور ان کی وضو میں مسواک کا استعمال اسی تواتر عمل سے
ثابت ہے اور یہ بات سب سے اہم ہے کہ عمل میں قول سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ اس پر
جمالی تبصرہ نقلی الامت بالقول سے دلیل میں گذر چکا ہے۔ اس کی طاقت کا مدار اس سے ہوتا
ہے کہ اگر سند کے لحاظ سے حدیث ضعیف بھی ہو لیکن اس کی پشت پر عمل کی قوت و قوت حدیث
بھی صحیح قرار پائی ہے بلکہ حافظ شافعی نے لکھا ہے کہ

بَنْزِلُ مَنْزِلَةِ الْمُتَوَاتِرِ فِي أَنَّهُ يَنْسَخُ الْمَقْطُوعَ۔

(۱) توضیح ابکار بن ۲۳ ص ۲۳ (۲) تبيين بن ۱۲ ص ۱۲ (۳) فتح الباری ص ۱۲۰

اس کے ساتھ ساتھ جیسا معاملہ ہوتا ہے جیسی اس سے قطعی منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ (۱)
محدثین نے تواتر عمل کی وجہ سے ایک سے زیادہ ضعیف حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے۔
مثلاً حدیث "لا وصیة لوارث" الفاظ مختلفہ میں مروی ہے اور امام ترمذی نے اس کے پانچ طریقوں
کی تصحیح اور چھ کی تیس بھی فرمائی ہے لیکن حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں

لا یخلو اسناد کل منها عن مقال

اس کے باوجود انہوں نے لکھا ہے کہ۔

جصح الشافعی فی الام الی هذا السن مع الزم۔

اس کے متواتر ہونے کی وجہ خواہاں شافعی نے جو بتائی ہے وہ ان کی زبانی ہے
وحدنا اهل العباد ومن حفظا عنهم من اهل العلم بالمعاری من قریش
لا یحتلمون فی ان السی صلی اللہ علیہ وسلم قال عام الفتح لا وصیة
لوارث" ویاتر وہ من لفوہ من اهل العلم فکان نقل کافہ عن کافہ
فہو قوی من نقل واحد۔

ہم نے اہل قوی کو اور ان اہل علم کو جن سے ہم نے سماع کا علمی سرمایہ حاصل کیا ہے۔
پایا ہے کہ وہ اس میں متفق ہیں کہ حضور انورؐ نے فتح مکہ کے سال لاوصیۃ لوارث
فرمایا ہے اور یہ لوگ اس ارشاد کو اپنے سے قبل اہل علم ہی سے نقل کرتے ہیں۔ اس
لیے یہ نقل کا ذمہ کا فہ ہے یہ خبر واحد سے بھی قوی ہے۔ (۲)

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تواتر عمل کی کئی قدر طاقت ہے۔ اس پر تو
تاہین صحیح حدیثوں کا جانچتے تھے اور حدیث کی صحت کا یہ ایک معیار تھا۔

تواتر قدر مشترک:

حافظ سیوطی اس کو تواتر معنوی کہتے ہیں۔ اسی روایت جو متعدد طرق سے آئی ہو الفاظ
مختلف ہوں واقعات الگ الگ ہوں لیکن اس میں وہی قدر مشترک ہو مثلاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

ن شبہ بیداری سے سوسے میں وہی آتا ہے۔ آپ سے پانچ حدیثوں پر بھی۔ وہی بات وہ
کوئی گیارہ وہی تیرہ وہی پندرہ۔ ان دونوں سے دہانتا ہے۔ حدیثوں میں تواتر قدر مشترک
قدر مشترک ہے۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں۔ عام میں۔ حدیثوں میں حدیثوں میں بھی نہ قسم
کا تواتر ہے۔ اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے یہ وہ حدیثیں آتی ہیں۔

بیسے قرآن تو تراویح کے ذریعہ سنت ہوتا ہے۔ یہی سنت ہونے کی وجہ سے
امت کو تواتر عمل تو قرآن اور قدر مشترک کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور میں ثابت ہے کہ
میں بتا آیا ہوں۔ بیسے قرآن کے لیے قرآن و حدیث روایت ہیں۔ یہی سنت ہے کہ
محدثین کی روایات میں نہ تو قرآن پر روایات قرآن اور حدیث روایت ہیں۔ اور سنت پر روایات
محدثین۔ اور نہ قرآن کا قرآن ہونا قرآن و حدیث کی روایات پر موقوف ہے اور نہ سنت کا سنت ہونا
روایات محدثین پر موقوف ہے۔ حدیث تو اصل تواتر سنت اور اس کی روایت ہونا ہے۔
حدیث کے اس روایتی سلسلے سے پہلے بھی سنت ہو چکی اور اس سے بعد بھی ہے۔ اعلیٰ متہ شیخ
السید شاہ کشمیری نے کیسی عجیب بات فرمائی ہے کہ۔

کان الاسناد لشلابہ خل فی الدین مالیس منه لالیخرج من الدین
مائبہ منہ من عمل اهل الاسناد۔

روایت و اسناد کا سلسلہ اس لیے بروئے کار آیا تھا کہ دین میں وہ چیز نہ آنے پائے
جو دین میں ہے اس لیے یہ ہیں کہ دین سے غایت شدہ چیز خارج کیا جائے۔ (۱)
قرآن ہو یا سنت دونوں روایتی سلسلے سے الگ ہو کر متواتر ہیں۔ قرآن چونکہ ایک
مکمل چیز ہے اس لیے نہ ہوتا ہے کہ اس میں سے کچھ نکل جائے۔ یہی وہی ہے کہ
ہے۔ اسی بنا پر احناف نے حدیث مشہور کی عام شاہدہ سے بہت کر یہ تعریف کی ہے کہ

ماکان احاد الاصل متواترا فی القرن الثانی والثالث۔

اور حافظ بوہار نے اسی بنا پر مشہور متواتر حدیثیں حدیثوں میں تواتر قدر مشترک
جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں ہے کہ وہ اپنی حدیثوں سے امام اعظم کے صحیح کی تعریف

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں اور دونوں کا نام ایک ہے۔ یہ حدیث کی حکمت اور دوسرے حدیث کی مقبوضت۔ حدیث کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی قیادت میں تمام مقتدریں کاف ہے۔ وہی نہیں ہیں۔ یہی ہے۔

[illegible]

ملا علی قاری محدث نے اس حدیث کو جو جمعۃ الوداع میں قضائے عمر کے بارے میں آئی ہے موضوعات میں قطعاً باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

لا عمره سفل صاحب الہدیۃ و عبرہ من نقیۃ شرح الہدیۃ لسوا من
المحدثین والا اسند والحديث الى احد من المخرجین۔ (۱)

اس حدیث کا صاحب نہایت اہم ہے اور اسے شارحوں نے نقل کر کے اس حدیث کو
کئی بار دہرایا ہے نہ تو محدث ہیں نہ محدثین کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ (۲)

اور یہ نامہ ذاتی مضمون ہے، مگر اس کے اس فیصلے سے مدد ملے گی۔ یہ مقدمہ
میں جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی گوش گزار فرما لیجئے۔

مطلوبہ قاری اس فیصلہ سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی کہ نقدی کتابیں اپنی جگہ
مسائل سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے مانع نہیں ہیں۔ یہ کتابیں صدائے حق

۱۔ معتد بہ حدیث میں آئیں تو اس میں تردد نہ ہوگا۔ نیز حدیث سے کسی حدیث کا رد یا بابت نہ ہوگی۔ یہ حدیث میں اختلاف نہ ہوگا۔ تاہم اس میں
تیسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے۔
لیکن اس کی بیان کردہ حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا اگر مصنف حدیث کو کسی
حدیث کے حوالہ سے پیش کرے تو اس پر بھروسہ ہو سکتا ہے یا اس میں یہ ہے کہ
حدیث صحیح ہے یا غلط؟ یہاں پر احتیاط رہنا چاہیے۔ یہ حدیث میں سے حدیث نہ ہو
نوعی خصوصیات سے بالا مال کیا ہے کچھ محدثین ایسے ہیں جن کو روایت و اسناد ہی
سے کام ہوتا ہے۔ فقہان کا میدان نہیں ہے اور کچھ فقہاء ایسے ہیں جن کا مقام پس
فقہ میں سے حدیث میں ان کو کوئی مہارت نہیں ہوتی۔ (۱)

میں نے اس موضوع پر سیر حاصل کی ہے اور خود اس کی تاویلات بھی ہیں۔
 یہ کتاب سائنسوں سے تعلق رکھتی ہے اور آپ عاموں سے مسائل پر
 توجہ دے کر تحقیق کریں تو یہ بے غل بات ہے۔

اس موقع پر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے چنے کی بات فرما گئے ہیں:

کہ حقیقت کے ساتھ ساتھ ہر انسان کے سرے سرے فرقے میں پر تحقیق میں نہ ہو تو فن میں اس کے فنکاروں کی بات سے استدلال کیا جاسکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو ہمارے علم صرف غلط ہو کر رہ جائیں۔ یہاں جو دیکھائیں وہ یہ تو اس میں سب کافی حد تک کا اور نہ کے محققین کی عقل ہوگی۔ غور کرو قرآن و سنت سے غریب احادیث کی تحقیق تم قاریوں سے کرو یا قرات کے مسائل اہل سنت سے پوچھو۔ حدیث یا ان کو ان باتیں تم محدثین سے دریافت کرو اور علم ان اہل حدیث کی تحقیق سے لے کر تمام متعلمین کا رشتہ اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ علوم انہوں میں میٹ ہو کر رہ جائیں۔ (۲)

۱۱۔ یہی طریقہ ارباب روایت ہیں جنہوں نے محدثین کی تصحیح کو ہی سہ فہ حدیث کی

الفرض دوسری صدی کے محدثین کا اثر سراسر اخبار آحاد کے بارے میں واقع ہے۔
 یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

ادعاء الحبر معارضا لقاعدة من قواعد الشرع هل يحور العمل به
 لا فقال ابو حنيفة لا يحور العمل به وقال الشافعي يحور و تردد
 مالك في المسئلة قال و مشهور قوله و الذي عنده المعلوم
 الحديث ان عاصمة قاعدة اخرى قال به وان كان وحده تركه

یہ واقعہ کی قاعدہ و شریعت کے معارض ہو تو کیا اس میں کچھ ہے۔
 تو فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے۔
 مشہور اور قابل اعتماد یہی ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل
 کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

والاصل ان الحديث لماتت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
 وحب القول به و صار اصلا في نفسه
 حدیث جب حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب
 اور دو خواہ ایک اصل ہے۔ (۱)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

الحديث الصحيح اصل بقصد (۲) حدیث صحیح خود ایک اصل ہے (۲)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حدیث کی سیرت و عادت کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر و تشریح
 ہے۔ علامہ شافعی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

اس سے معلوم ہوتا ہے محدثین سے یہاں قطعی بات سے دو چیزیں متعلق ہیں یہ
تعلیق رہتا رہے گا نہ قطعاً ہے۔ اور فقہاء سے یہاں صرف یہی ہوتا تھا کہ وہ اس سے
مستحکم رہے۔ سناچوں میں بھی اخبار اور حدیث جڑ پکڑتے ہیں۔ یہ مثال سے ان کی قیاس رہا۔
تینہم اور دوسرے ارباب صحاح نے حدیث روایت کی ہے کہ

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المتابعان بالخبر مالم
یضربا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور حدیث ان تلامذہ میں متعدد طرق سے مروی ہے۔ محدثین نے
یہ حدیث پر غور کیا، غور و فکر کے بعد ان دنوں سند میں یہ جگہ ناک تین حدیث معلوم
ہوئی۔ بتانے والوں نے اس کا سلسلہ سند یوں ظاہر کیا

یعلیٰ بن عبید بن سفیان الثوری عن عمرو بن دینار عن ابن عمر عن النبی
حدیث متصل ہے لیکن الجہازی کہتے ہیں کہ اس میں علت موجود ہے اور اس علت
کی وجہ سے لحاظ سند صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وهو معلل غیر صحیح

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ علت کیا ہے؟ الجہازی نے بتایا ہے کہ

والعلة فی قوله عن عمر و بن دینار انما هو عن عبد الله بن دینار عن
ابن عمر هكذا رواه الائمة من اصحاب سفیان فوهم یعلی بن عبید
وعبدی عن عبد الله بن دینار الی عمر و بن دینار و كلاهما لغة۔

اس میں علت یہ ہے کہ سند میں عمرو بن دینار آیا ہے حالانکہ عمر و بن دینار میں حد
عبد الله بن دینار ہے۔ امد نے یہی روایت کیا ہے یعلیٰ بن عبید و عمر و بن دینار
عبد الله کی جگہ عمرو ذکر ہو گیا۔ (۱)

یہ محدثان قطعی ہیں لیکن حدیث میں جو فقہاء یعنی امام مالک و امام شافعی کے
حدیث تو یہ معلوم ہے وہ ان سے روایت کیا ہے کہ یہ حدیث روایت فقہاء میں

مستحکم پر نہیں آئی اور ان کے معاصرین اس سے آشنا نہیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

لہذا مالک و ابو حنیفہ ہذا علة قاذرة فی الحديث۔ (۱)

یہ حال امام اعظم اخبار آحاد و معانی قرآن سے سانچے میں توں کر حدیث کی
قبولیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ حافظ ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں

خلاصہ یہ کہ حدیث جب شریعت کے موافق ہو تو قرآن اس کا مصدق ہوتا ہے اور اس
کے مؤید ہوں تو حدیث کی تصدیق واجب ہے۔ لیکن اگر حدیث شریعت کے
خلاف ہو تو قرآن اس کی تکذیب کرتا ہو تو حدیث کا رد کرنا ضروری ہے اور یہ
اس بات کی کلی نصابی ہے کہ یہ فرمودہ نبوت نہیں ہے۔ (۲)

مشہور محدث ابو بکر خطیب بغدادی فرماتے ہیں

اخبار آحاد کو مندرجہ اہل صورتوں میں قبول کیا جائے گا جب عقل صحت سے عاری
ہو۔ جب علم قرآنی کے خلاف ہو۔ جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو اور جب کسی
ایسے عمل کے خلاف ہو جو سنت کے قائل مقام ہو مگر چل رہا ہے اور جب کسی بھی
دلیل قطعی کے خلاف ہو۔ (۳)

خطیب بغدادی ہی نے العقیدہ والحدیث میں یہ بات کی ہے ریا و وضاحت سے
پیش کی ہے۔ حدیث زائد کو ثری نے العقیدہ والحدیث کے حوالہ سے ان کا یہ بیان قلم بند کیا ہے اور
اسے مولانا ابوالحسن علی دہلوی نے درائی کی تحقیق میں نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں
جب فقہاء میں کوئی حدیث متصل "سنا روایت کرے تو اسے صرف ان
وجوہ کی بنا پر رد کیا جاسکتا ہے۔

(اولی) عقل کے صریح خلاف ہو۔ (۱) علم قرآنی یا سنت متواترہ کے خلاف
ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو قطعی حدیث ہے اصل ہے ورنہ پھر منسوخ۔ (سوم) جراثیم کے
خلاف ہو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حدیث صحیح ہو اور سنت کسی ایک چیز پر محتج ہو جائے
جو اس کے خلاف ہو۔ (چہارم) راوی کی ایک بات کے بیان میں منقاد ہو جسے سب

کو جانا چاہیے۔ (مجم) راوی کوئی ایسا ائمہ کرام نہ ہو جسے حدیث سے تصادم ہو۔
چاہیے۔ ان پانچوں صورتوں میں خبر واحد قابل پذیرائی نہ ہوگی۔ (۱)

حفظ ابوہریرہ سے قرآنی آیت منعوا ہا امرل البکم من رکم پر یہ نوٹ

نصا ہے

اس آیت قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا اتباع ہمہ جاہ واجب ہے، قرآن پر
عمل کرنا واجب ہے، قرآن سے پیروی قرآن کی اتباع اور قطعاً سے امت
سے امت کی مخالفت میں ہے۔ اس لیے کہ قرآن کی حدیث کی مخالفت قرآن سے
نہایت زیادہ ہے۔ (۲)

اس موقع پر علامہ محمد تقی عثمانی نے ان بیانی سے چشم پوشی کرتا ہوں کہ اس مقام سے
میں صرف یہی جو اسوں نے شریعت میں لکھا ہے

تقریباً قرآن کی حدیث کی مخالفت کی بنا پر روایت کیا ہے کہ قرآن
سے حدیث کی مخالفت ہے۔ یہ جو خبر ہے، وہ بھی متواتر کی طرح نقلی ہے۔ ان
کے کتب میں خبر واحد کو کتاب اللہ کو ایک تراذہ میں تو لا جاتا ہے ان سے اس
موضوع پر بات ہی بیکار ہے۔ (۳)

بہرحال امام اعظم اور امام مالک حدیث کی مخالفت کے بعد اس کی مقبولیت میں معانی
قرآن کے خلاف وہ سخت قہر و سب سے بھرپور ہیں۔ اور اس بنا پر انہوں نے ایک سے زیادہ
حدیثوں کو جعل قرار دیا ہے۔ ان کے خلاف قرآنی آیات۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف قرآنی حدیث سے
عس عبد اللہ ان عیال من مسلمہ التھمی اسمہ ولہ عشرة نسوة فی الجھنہ
فاسلمن معہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخیر منہن اربعاً۔

امام ترمذی نے اسے بحوالہ زہری من سالم من عبد اللہ روایت کیا ہے امام بخاری نے
تو محمد بن خالد میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ

(۱) المستدرک، ج ۱، صفحہ ۱۰۱، (۲) ج ۱، صفحہ ۱۰۱

(۳) المستدرک، ج ۱، صفحہ ۱۰۱، (۴) ج ۱، صفحہ ۱۰۱

ہذا حدیث غیر محفوظ

اور صحیح روایت کی نشاندہی کی ہے۔ شیخ علاء الدین مغلائی فرماتے ہیں کہ:

احادیث ہذا الباب کلھا معلولہ ولیست اصابتھا فویۃ۔

لیکن قاضی ابو یوسف نے اس کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس سے ان کی

حدیث وفقہ میں جرات شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

هو عندنا شاهدو الشاد من الحديث لا یز حدیثہ۔

یہ تو محدث ہیں۔ لیکن حدیث میں ان کے خلاف روایات ہیں۔ اس سے ان کی حدیث
مستند نہیں ہے۔

لا للہ تعالیٰ لہ یحق لایکاح لاریع فہا کان من فوقی دالک کلہ
فجرہ من اللہ فی کتاتہ۔

یہ روایت حدیث ہے۔ ایک وقت میں چارے تھے ان میں سے ایک کا ایک
بچہ تھا جس کا نام تھا۔

دیکھ لیجئے معانی قرآن سے تصادم ہونے کو شاذ ہونے کی علت قرار دیا ہے۔

اسی قبیل سے حدیث معراۃ ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ کی مندرجہ ذیل حدیث

حدیث ہے۔ یہ حدیث میں کہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ
اونٹ بکری کو معراۃ نہ بناؤ جو کوئی ایسا جانور خریدے تو وہ دودھ دینے کے بعد
اختیار رکھتا ہے چاہے اسے رکھے اور چاہے تو اسے واپس کرے اور اس کے ساتھ
بائع کو ایک صاع مجبور دیتے ہیں۔ (۲)

یہ حدیث میں حدیث و معانی قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے غیر مقبول

قرآن میں ہے۔ اس حدیث کی رو سے سورۃ النور کی صورت میں خرید رکھنا جائز ہے
مجبور کی صورت میں نہیں۔ امام مالک نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے
اسے باطل قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ امام حنفی نے اسے باطل قرار دیا ہے۔

(۱) ج ۱، صفحہ ۱۰۱، (۲) ج ۱، صفحہ ۱۰۱

ہیں اس لیے یہ حدیث اس اصول کے مخالف ہے۔ (۱)

امام اعظم کے موقف کی اساس سے بعد ان قیاس کی جانب سے جو بات بھی ملے
کے کسی حوالہ حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ یعنی نہیں منہ سے کہہ دیتے کہ یہ حدیث صحیح ہے
میں معلوم ہے معارض سے قابل قبول نہیں ہیں۔ چنانچہ اس وقت میں قیاس پر عمل نہیں کرتے

حص الرشد بحر الوحد بالمحال لہ للاصول لا بمعادہ فیہ
الاصول۔ (۲)

یعنی جو اب امام شافعی کی بات میں سب سے زیادہ شاندار ہے یہی حدیث ہے کہ
اصول معلوم سے نہیں بلکہ قیاس اصول کے خلاف سے ہیں علامہ ابن اقیق فرماتے ہیں اس
جواب میں یہ بہتر و فی ہذا مظهر (محل نظر ہے) ضروری کی طرف اشارہ فرمادے۔ علامہ ابن
نجر اور علامہ خطابی و سب ان سے انکار کی کوئی کوشش نہیں کی کہ حدیث صحیحہ سے اصول معلوم
کے خلاف ہے تو ہوں نے اصول اور قیاس اصول سے نظر ہٹ کر اپنے مخصوص مسائل سے ثابت
یہ حدیث پیدا کرانی کہ محدثین کی اصطلاحی صحت کے بعد یہ حدیث خواہی یہ اصل کی حیثیت
اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں:

ان الحدیث اذ انت عن رسول لله صلی اللہ علیہ وسلم وحب القول
به وحصار اصلا فی نفسه۔

حدیث جب منور نور علی منہ علیہ و ممت ثابت ہو جائے تو اسے ہٹانا واجب ہے
اور وہ حدیث خود اصل ہے۔ (۳)

علامہ ابن نجر و خطابی میں بھی یہی بات کہی ہے

الحدیث لصحیح صل بنفسہ۔ (۴)

یعنی یہ صرف یہ نہیں بلکہ قیاس کا نام ہے جو قرآن کے ساتھ بھی طہوت حدیث

کی قطعیت ثابت ہے۔ یہ عداوت کا موقف نہیں ہے۔ اس پر قیاسی تہدیب کا یہ ہے
مقدم پر آئے گا۔

حدیث معارضوں کے بارے میں امام اعظم کا موقف تو یہی ہے کہ یہ حدیث معانی
قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے درجہ قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔ لیکن انہوں نے بات یہ
ہے کہ خواہ مخواہ کے بھی امام اعظم کے موقف کا صحیح بخاری میں پیش نہیں کیا ہے یہاں یہ
در چند سوالات ابھر آئے۔

میں ہیں ہاں کے امام اعظم کے موقف کی ترجمانی میں طرفین کی کہانی نہ آج
جس کے لیے کسی صورت میں بھی قیاس میں کوشش نہ کی گئی ہے۔ ادنیٰ فقہ نہ ہوا ہے رائے
جائے اور یہ حدیث معارض آجی قبیل سے ہے۔ چنانچہ حافظ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

مدھب عیسیٰ بن ابی امان من اصحاب شرواط لفظ الراوی لتقدمہ لحرر عیسیٰ

القباس وخرج علیہ حدیث المصراۃ وناہیہ اکثر المتأخرین۔ (۱)

علامہ ابن نجر و خطابی علامہ ابن القیم حافظ ابن تیمیہ علامہ ابن اقیق و علامہ

شافعی کے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر قیاس تک فرماتے

هو كلام ادى قائمه به نفسه وفي حكاية عیسی عن تكلف الرد علیہ۔ (۲)

نہ اسلام یزدوی نے امام اعظم کی جو ترجمانی کی ہے وہ بھی بے شمار شہادتوں

تحقیق کا درجہ ہی ہے انہوں نے صرف قیاس کا شمار کیا ہے اور اپنے محققوں کو یہ پتہ کرنے

کی کوشش کی ہے کہ چونکہ حدیث معارض قیاس کے معارض ہے اس لیے اسے امام اعظم نے نہیں

اپنایا ہے چنانچہ دوسری حدیث کے قبول نہ ہونے کی دعوات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وودھ کے میں میں یہ صریح منہور کا دین ضروری سمجھ گیا ہے علامہ نے کہ وہ

خریداری اور بکری پر قبضہ کے بعد ہی وہاں گیا ہوگا لہذا وہ خریداری کی ضرورت میں

داخل ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اس لیے تاوان کا سواں ہی نہیں۔ وہ مال کی

حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایت ہے جیسے بکری کا بچہ۔ اس لیے شہادت پر تاوان کی کوئی وجہ

(۱) احکام الاحکام ج ۲ ص ۱۲۷

(۲) نقل الادوار ج ۵ ص ۱۸۵

(۳) معانی السنن ج ۵ ص ۸۶

(۴) کتاب النکاح ص ۴۱

(۵) فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۰

آپ سے ہم میں وہابی کا اشیاق محسوس یا تو رشا و مایا کے وہاں ہوا جس رہو
تعمیر جاری رکھو اور نماز پر محاسب رہو۔ کا وقت آئے پائے کہ تم میں سے ایسے
اذان کہے اور لیتو مکم اکبر کم جو تم میں جڑا ہو وہ امامت کرے۔ (۱)

اس واقعہ کو امام بخاری نے ایک حدیث میں جو یہ کہ اپنے مختلف اسناد سے روایت
کے نقل کیا ہے۔ ان میں ریاض مسبوط ۱۰۰۰ قندے جو وہاں کے توالہ سے نکلتے ہیں۔

مشقی الاخبار میں اس موضوع پر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت
عبد بن عباس کے قوالی بھی نقل کیے ہیں کہ اپنے آپ امامت نہ کچاں نہیں ہے۔ اور
قیام میں بیٹ بن سعد ابی بن حیدر صدیق ان کرتا کچاں نہیں اور ان کے قوالی سے
آثار بھی اسی موقف کی تائید میں آتے ہیں بعد میں میں مہاجر کا وہ کتاب بھی نقل کیا ہے جس
میں نبیوں نے اپنے مورخوں کو حجت کیا کہ پانی بتا کہ ان کے ہمارے یہ اپنے اپنے
امام بنا دیا تھا۔ لکھا ہے کہ:

قدم علامہ بحکمہ السنوہ مدحہ نذک الیہ امام المسلمین
فی صلاتہم۔

تم نے چھوٹے بچے کو امام بنالیا۔

امام اعظم نے ان صاف اور سیدہ حدیث کی روشنی میں پی خدایا فتوحات سے
امامت کے اس ضابطہ عام کو جو سنت کی راہ سے آیا ہے اپنی جگہ سے نہ ہٹے دیا۔

یہ تو سن خالص مجتہد نہ نظر تھی جس سے سنت سے دور میں ہونے کی وجہ سے حدیث
پایہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف یہی علت قائل ہے اس
حدیث کی صحت بالکل کھالی ہے۔

محدثین نے اس کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔ افطانی فرماتے ہیں کہ امام احمد فرماتے
ہیں کہ عمر بن سلمہ کا اقتضایہ سے اور حافظ ابن قیم کے بدیع الفوائد میں اس روایت کے
بارے میں لکھا ہے۔ فیکم رجل مجهول لہو غیر صحیح اس میں ایک مجاہد روایت ہے

لحدارایت صحیح نہیں ہے۔ اور تو اور حافظ بن عمر بھی حدیث کے باوجود یہاں بول پڑے۔
ان میں معلوم ہوا کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے معلوم ہو
جانے کے بعد اس پر غیہ میں فرمائی تو ہم بچے کی امامت ضرور جائز کہتے ہیں
نہایت میں یہ نہیں آتا کہ مرثیہ یا چاہے کہ عمر بن سلمہ بھی اپنے والد کے ساتھ
حضور کے پاس گئے تھے اور حضور بن والد و جب حکم دے رہے تھے تو یہ بھی موجود
تھے۔ پھر بھی اس امر کا آئی نامور ہے اور نہ تکلف ہے اس لیے عمر و امامت کے
لیے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ اس حکم کے مخاطب صرف مامورین ہیں۔ (۱)

اخبار آحاد کا توارث سے معارضہ:

امام اعظم اخبار آحاد کا توارث کے پیمانے میں بھی تولتے ہیں اور ہر اسی حدیث کو
معلوم قرار دیتے ہیں جو توارث کے خلاف ہو۔ ہی توارث کو الیہ اور ما علیہ الجماعة
کہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر امام اعظم و دیگر ممدی کے محدثین کی ہمنوائی بھی حاصل ہے۔
چنانچہ مصر کے مشہور محدث و نقیہ بیٹ بن حداد نے مامور کے نام جو خط لکھا ہے اس میں امام
صوفی کے اس معیار و وضعی طور پر پیش فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں

جب کو ایسا مسئلہ سامنے آجائے جس پر معزز شام عراق میں حضور نور صلی اللہ علیہ
وہ وسلم سے سنی ہے رہا۔ اور عمر و ممدی میں عمل کیا ہوا اور اسی پر تا آخر حیات رہے
ہوں تو ہماری یہ مسئلہ کے بارے میں رہے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کی منزل
منہ جارت نہ دی جائے کی کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جو صحابہ و تابعین میں اس
کے اسلاف کے سر تا سر خلاف ہو۔ (۲)

امام مامور کے عمل میں حدیثی حجت کے حوالہ ہیں اس کا معنی بھی توارث ہے۔ حافظ
بن قیم کی کو عمل مستمر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی یہ قابل اتباع حجت ہے۔ چنانچہ ایک
موقعہ پر وہ اعلام میں فرماتے ہیں:

فہد السبل وھد العمل حجة بعد اتباعہ و منہ مستند و یقول علی
الراس والعین و اذا طهر العالم بدالک قوت عینہ و اطاعت الیہ نفسہ۔
یہ نقل اور یہ عمل واجب الاتباع وکیل ہے اور ایک ایسی سنت ہے۔ جسے تنقیح باتوں
میں سے کمال و نیکوئی حاصل ہے۔ تو اس کی مخالفت اور انہیں باطل سمجھنا (۱)
واضح رہے کہ اگرچہ حافظ ابن القیم نے عمل الی مدینہ کی حجیت سے انکار کیا ہے
لیکن اسے آپ زاد چاہتے ہیں کہ وہ نہ صرف حدیث میں بلکہ حدیث میں نہایت سے قول
ہیں۔ اس لیے اس اختلاف کے بعد بھی اس کی شہادت مدینہ سے ہونے لگی ہے۔ اور اس
میں سے عمل کی نیت نہیں ملے گی۔ اور اس میں بھی شہادت ہے۔ اور اس کا
مورد اس میں۔ ہاں مگر وہی عمل ہے۔ اور اس میں حدیث میں حدیث میں حدیث میں
مدینہ کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اگر کسی یہ شہادت ملے کہ اس میں حدیث ہے۔ تو اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔
وہی نقل و نیکوئی حاصل ہے۔ تو اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔
ہے۔ (۲)

ان کو استمرار عمل اور تواتر کی حد تک اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف کا مرکزی نقطہ
اس میں ہے کہ اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔
اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔
اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔ اور اس میں حدیث ہے۔
نے جس بنیاد پر دیا ہے۔ وہ بھی تعامل اور تواتر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فہذا الحدیث وان لم یثبت فالتصال العمل بہ فی سائر الاعصار
روا الاعصار من غیر انکار کاف فی العمل بہ۔ (۳)
حدیث کے چار ثابت ہیں اس کی پشت پر اتصال عمل کی طاقت ہے اس لیے عمل
کے لیے کافی ہے۔

حافظ ابن عبد البر نے حدیث میں امام مالک کے حوالے سے یہ تصریح کی ہے کہ
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں آئیں اور ہمیں یہ معلوم ہو کہ
حضرت ابو بکر نے اس پر عمل کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس روایت پر
انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور مقبول ہے۔ (۱)

حافظ ابو بکر، قطیب بغدادی نے امام مالک کا ایک دوسرا بیان نقل کیا ہے۔
اس پر حدیث معمول ہے سوئی کہ امام ابو بکر نے پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر بیٹھ کر پڑھو اس
پر حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر و عمر و عثمان ضرور عمل کرتے۔ (۲)
اسی سلسلے میں امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں جو ضابطہ دیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔
جب دو حدیثیں حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف آئیں تو یہ ایک جائے گا کہ
آپ کے صحابہ نے کس پر عمل کیا ہے۔ (۳)

امام عثمان داری محدث کے حوالے سے مشہور محدث امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ
جب کسی موضوع پر احادیث مختلف ہوں اور راجح و مرجوح کا پتہ نہ ہو تو ہم یہ
سمجھیں گے کہ خلفائے راشدین سے حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس پر عمل کیا
ہم اسی کو راجح قرار دیں گے جس پر خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ (۴)
مشہور مجتہد اور اصولی امام حافظ ابو بکر الجصاص فرماتے ہیں کہ:

جب حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو احادیث مروی ہوں اور ان میں سے ایک پر
سلف کا عمل ہو تو کسی کو ثابت کیا جائے گا۔ جس پر سلف کا عمل ہے۔
اور یہی صدی میں تعامل و تواتر کی طاقت اس درجہ معلوم تھی کہ اس دور کے
مصنفین اپنی کتابوں میں صرف ان حدیثوں کو اپناتے تھے جن کی پشت پر تعامل کی قوت ہوتی
تھی۔ چنانچہ قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

عليك من الحديث ما تعرفه العامة۔

[illegible]

یہاں اس کی وجہ دینی نہیں جاتی تھی۔ خدا کا یہ بیان ہمیں ہمیں دین و ملت سے ملتا ہے۔ قوم کی نوعیت یہ ہے کہ اس کا خدا جس سے اس کا تعلق ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ ہمیں ہمیں مدد دینا اس میں اس کی دینی مسئلہ نہیں ہے۔ اور اس میں وہ ضعیف جانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔

کَانَ مَعِيَمِ يَصْعَ الْهَدِيثُ فِي تَقْوِيَةِ السَّهْ وَحِكَايَاتِ زَوْجَةِ نَبِ الْعَمَلِ
 کُلُّهَا كَلْب۔

نہیم سنت کی تقویت۔ یہ حدیثیں اُحزاب تھے اور امام الوضیف نے مثاب میں
مہولی حکایتیں بناتے تھے۔ (۱)

اور ان کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سی سمجھتا ہوں کہ میرے یہاں بھی اپنے ممالک کے مطابق سات کے ہزار کی سنت کو قوی سے قوی تر بنانے کے لیے یہ مہم چلا رہی ہو گی اور وہ شکیں ہیں کہ ہمیں کی روایات کو بخیر و برائی جانے اور اس کے لیے بچہ مرے عبد صمد و شامہ بتایا ورنہ عبد الملک کو جملہ محدثین کی حمایت حاصل ہے اور سب نے یہ ایک شہادتیں سے کافی قصور صرف یہ ہے کہ:

کان من احفظ اهل الکوفۃ (۲) (یہ آیت نے حفاظ مدینہ میں سے ہیں)

امام حیان ثوری کہتے ہیں کہ حافظہ حدیث وہاں میں جی بن سعید، عبد الملک بن لی
سعید بن اور اسامہ بن مل بن خالد ہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام شعبہ، عبد الملک
حافظہ پر بے حد حیران ہوتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے عبد الملک کی حدیث شفعہ سے بارے
میں جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ لوگوں نے اس حدیث پر روت کی ہے میں عبد الملک سے
ہیں صدوق ہیں۔ ان جیسوں پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

میں نے محبت کے لیے تہ نہ ملے محبتوں میں روئیں گے یہ انتہی ہے
میں نے تہ نہ ملے محبتوں میں روئیں گے یہ انتہی ہے

حدیث اب کی مضمون صحیح ہو جائے اور اس سے مقابلے میں کوئی دوسری حدیث صحیح نہ آئے۔ اس میں سے حدیث کو اپنا میں اور اس کے مخالف یا بچی کو تھوڑا دین اور نہ حدیث کو اپنی ہی غلطی کی وجہ سے نہ تھوڑی سے خود کو دینی نہ راوی یا غیر راوی۔ (۱)

اور علامہ شوکانی رقمطراز ہیں:

[illegible]

کان من احفظ اهل الکوفۃ (۲) (یہ آیت نے حفاظ مدینہ میں سے ہیں)

امام حیان ثوری کہتے ہیں کہ حافظہ حدیث وہاں میں تھی بن سعید عبد الملک بن لی
سعید بن اور اسامہ میل بن خالد ہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام شعبہ عبد الملک
حافظہ پر بے حد حیران ہوتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے عبد الملک کی حدیث شفعہ سے بارے
میں جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ لوگوں نے اس حدیث پر رُفت کی ہے میں عبد الملک سے
ہیں صدوق ہیں۔ ان جیسوں پر رُفت نہیں ہو سکتی۔

امام اعظم جو حنفی نے ان سے حدیثوں اور احکامات جو یہ کہتے تھے اور اس و
چونکہ نظر رکھ کر اس میں کسی مضامین کوئی سے کہ جس سے ان باتوں میں سے کوئی حدیث
جی اپنی جگہ سے نہیں ملتی ہے فرماتے ہیں کہ تمس بارہ صحابہ و سب سے اور سات بارہ صحابہ
کے لیے ہے۔ چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں

يحمل ما زاد على الثلاث في المرفوع والموقوف على ابي هريرة كسهما
على الاستصحاب لورودا لتطويع في المرفوع والموقوف عنه (۱)
تمن سے زیادہ عدد کو مستحب قرار دیا جائے گا۔

اور حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں

طهاره الاماء الذي ولع فيه الكلب لا يتوقف على السبع بل نسب قبل
السبع مائتات على ما ذكره الحاكم في اشاراته وهو ايضا مقتضى
مفهوم عن ابي حنيفة وجوبها واستصحاب الاربعة بعدها۔

جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا اس کا پاک بنانا سات پر موقوف نہیں بلکہ دوسات سے
پہلے ہی تمین سے پاک ہو چکا ہے جیسا کہ اس سے بتایا ہے اور یہی تقاضا ہے ماہ و حنفیوں
اس روایت کا جس میں کہا ہے کہ تمس بارہ صحابہ و سب سے اور سات بارہ مستحب سے۔ (۲)

اس طرح دونوں ارشادات میں دور دوری حدیث کے قوی میں مضامین کوئی اور

تمام حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل ہو گیا۔

جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں پڑھنا:

اسی قسم کی ایک اور مثال سنئے۔ صحیح مسلم میں حدیث آئی ہے

عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا قيمت الصلوة
فلا صلوة الا المكتوبة۔

خضوع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز قائم کرادی جائے تو فرض نماز کے

سوا کوئی نماز نہیں ہے۔

اگرچہ حفاظ حدیث کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضور پر مبنی ہے یا وہ صحابہ کرام
ہے یا حضرت ابو ہریرہؓ کا قوی ہے۔ جماعت ماہ شافعی نے کتاب امام میں سے احکامات
ابو ہریرہؓ کا قوی ہی قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہؒ کا مصنف میں اور طحاوی کا شرح معانی و آثار میں
یہی مبین ہے۔ حافظ ابن حجرؒ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ شاید ہی اختلاف ان کا امام قاضی نے
اس کی اپنی صحیح میں روایت نہیں کی ہے۔

ظاہر بینوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے تو کوئی
فحش سنتیں وغیرہ پڑھ رہا ہو تو اس کی سنتیں کا حکم درجہ اول میں ہوگی۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ نے
ظاہر یہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

واهل الطاهر انبالا تعقد صلاة تطوع في وقت اقامة الفريضة (۱)
ظاہر یہ کہ اسے میں فرض قائم ہونے پر کوئی عمل نہ کر نہیں ہوتی ہے۔

اور علامہ شوکانیؒ کا اپنا میلان بھی یہی ہے وہ ہذا القول هو الطاهر یعنی توں ظاہر
ہے۔ لیکن اس حدیث میں نماز کے باطل ہونے کے لیے دور کا بھی اشارہ نہیں ہے۔ نہ یہ اس کا
منطوق ہے نہ مدلول اور نہ مفہوم۔ اسی بنا پر امام احمدؒ میں سے یہ کسی مذہب نہیں ہے۔ ترمذی کا
مذہب یہی ہے کہ توڑ سے نہیں بلکہ پوری کرے۔ امام اعظمؒ کا مذہب صحیح یہ ہے کہ ایک رکعت
مکملی تو قیہ ہو تو سنتیں مسجد سے ماہ و کرے۔ رکعت کی قید اس حدیث سے لی گئی ہے۔

من ادرك الركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة۔ (رواہ ابو داؤد)

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

امام اعظمؒ کا یہ مذہب امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ان الفاظ میں لکھا ہے

رحل انتهى الى الامام في الفجر ولم يصل ركعتي الفجر فحنى ان
يعونه ركعة ويدرك الاخرى فانه يصل ركعتي الفجر عذاب
المسجد فان حنى فونهما دخل مع الامام ولم يصل ركعتي الفجر۔

میں اس حد بندی تا زیر ہے مگر اس سے کوئی عقل و دماغ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابوہریرہ کی شادی مسجد میں صبح کی جماعت نمازی ہوئے پر تو مردے زمین پر ہر قسم کی نماز حرام ہے اگر یہ واقعہ ہے تو پھر ادا فیما بین الصلوة میں مکاں سے مکاں یعنی مسجد ہی مراد ہے اس لیے نماز نمازی ہو جانے پر مسجد میں سنتیں نہ پڑھنی چاہئیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کا اصل مذہب ہے صلیب کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ محمد بن عقبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بتایا ہے

خرج عبد الله بن عمرو بن بنه فافيمت صلوة الصبح فركع ركعتين
فقل ان يدخل المسجد وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصلى
الصبح مع الناس ركعتين۔

عبداللہ بن عمرؓ سے صبح کی نماز نمازی ہو چکی تھی۔ آپ نے سنتیں مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دائیں بعد ازیں مسجد میں آئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔ (۲)

یہ اور اس قسم کے ایک سے زیادہ آثار بھی آئے ہیں امام ابو بکر بن شیبہ نے انہیں صحابہ کے آثار پیش کیے ہیں جن سے یہ ان مسجد صبح کی نماز نمازی ہو جانے کے باوجود اداء سنت کا پتہ چلتا ہے۔

شاید آپ یہاں یہ طش محسوس کریں کہ امام اعظم صبح کی سنتوں کی ادائیگی پر اس قدر اصرار کیوں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ امر بھی امام اعظم کا اپنا نہیں بلکہ براہ راست سراج رسالت منیر کا اصرار ہے۔ منہ احمد ابو داؤد میں ارشاد ہے:

لاتدعوا ركعتي الفجر ولو طرقتكم الخيل
صبح کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے روند ڈالیں

حضرت عائشہؓ نے حضور نورؐ کے عمل کی تصویر پیش کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شئ من الوافل اشد تعاهدا
منه على ركعتي الفجر۔

نعمت کے اسی مصداق بن کر امام اعظم نے جہاں سنتوں کی سنتی جماعت میں ہو جانے کے ساتھ ساتھ سنتوں کے ساتھ چاہتے ہیں۔ ان کے یہ کہ یہ اس مسجد میں ہو جائے کہ ان وقتوں کے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ اندیشہ محسوس ہوتے وقت میں شامل ہوجائے اور سنتوں کا طوق آقاؐ کے بعد پائے۔ مگر ان نماز کے بعد نہ پائے یہ حدیث کی روایت کے بعد حضور انورؐ کا بتایا ہوا عام ضابطہ یہ ہے

عن عمر بن الخطاب ان النبي صلى الله عليه وسلم يهيى على الصلوة بعد
العصر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس۔ (متفق عليه)
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا ہے۔

اس لیے جماعت نمازی کے میں بعد انہیں انہی میں حافظہ اللہ کی تائید ہے۔ مگر ان کی یہ بات جماعت کے یہ بات نہیں ہے۔ اگر آپ ان کے زمانہ کی یہ بات میں اپنا خود ساختہ مطلب ڈال کر اسے اس مشہور ضابطہ سے متصادم کر دیا۔

زمانہ میں قیاس بن لکھا یہ واقعہ سنتوں سے

خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فافيمت الصلوة فصمت معه الصبح ثم
انصرف النبي صلى الله عليه وسلم فوجدني صلي فقلت له اني صلي فقلت له اني
اصلا تان معاً قلت يا رسول الله اني له اكن صليت ركعتي الفجر قال فلا ادن۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے جماعت نمازی ہو گئی میں نے آپ کے ہمراہ صبح کی جماعت میں حضورؐ کے نماز کے وقت کے بعد مجھے نماز پڑھنے پایا تو فرمایا اسے قیاس چھوڑ دیا۔ انہیں انہی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے صبح کی دو سنتیں میں ادا کی تھیں فرمایا پھر بھی نہیں۔

اس حدیث میں فلا ادن کے معنی فلا باس ادن میں تہ وہی معنی میں ہے۔ اس حدیث کی روایت عمرؓ کے معنی میں آیا اور بطور غلطی کی نماز کے بعد قیاس کے پڑھنے کے لیے۔ اور اس واقعہ میں مہلایا قیاس (چھوڑا قیاس) کی بات ہے۔

بمعنی ہو اور فقیر جب وہی ایسی بات سنتا ہے۔ جسے علم پر مبنی نہ ہو اور وہ تو اس کے بارے میں بحث و گفتگو کرتا ہے۔ تاہم یہاں آئندہ وہی چیز پر مطلق ہو جائے گی جسے سے راہ کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ (۱)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

ویرحیح ماں بکوں روئے فقہاء لان عداۃ الفقیہ بما يتعلق من الاحکام و مثله من عناية غیره بدالک۔

اس حدیث کو اس سے راویوں کے فقیر ہونے کی بنا پر تریح کی جائے گی۔ فقہاء وہی مرکزی قضاہ امام ہیں۔ دوسری کے مقابلے میں زیادہ موقوف ہے۔ (۲)

بہر حال علامہ معین الدین سندھی نے یہ بیان اپنے محققوں و ایب تکمیل خط فہمی میں لکھنے کی وجہ سے۔ ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ روایات کی صحت کے لیے فقہاء کی کسی کے بارے میں بھی شرط نہیں ہے۔ فقہاء کی صحت کے لیے میں بد صنف اور صحیح روایات میں ترجیح کا وجہ ہے۔ صحیح روایت اور صحت روایت والے ایک ایک موضوع میں ان کو باہم خط ملاحظہ کرنا تکمیل مفید ہے۔

بہر حال فقہاء کی تریح روایت ہے۔ لیکن ہونے میں محدثین اور فقہاء کا قطعہ ہر ایک سے اور یہ ایک بے غبار حقیقت ہے۔ شیخ عبد الحلیف سندھی کا یہ فرمان بالکل بجا ہے کہ

لا یرتاب احدی ان فقه الراوی مما یثبت به الترجیح۔

راوی کی فقہیت روایت کی ترجیح سے ثابت ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے۔ (۳)

باں است اس میں اختلاف ہے کہ اگر انوں روایتیں صحیح ہوں اور انوں میں تعارض ہو اور انوں میں ایک کے راوی فقہاء ہوں اور دوسری متعدد طرق سے مروی ہو۔ تو اس میں علماء اختلاف ہے۔ محدثین اور ارباب روایت کا موقف یہ ہے کہ بیش اطلاق روایت و رائج قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ امام حاضی رقم فرماتے ہیں۔

(۱) تخریب الراوی ص ۳۹۹

(۲) الکلائیہ فی علوم الراویہ ص ۳۳۶

(۳) ذب ذبایات الدراسات ج ۱ ص ۱۵۱

کسی حدیث پر تریح قرار دینا یہ ہے کہ وہ اس سے ایک حدیث سے اس حدیث روایت پر خاص اثر ہوتا ہے اس طریق سے روایت کے بارے میں محدثین آئی ہے۔ (۱)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

ویرحیح بکثرة الرواۃ لاحد العبرین۔ (۲)

لیکن اس موضوع پر امام اعظم و محدثین سے اختلاف ہے۔ اس حدیث سے روایتوں میں ترجیح اس روایت کوئی حالت کی جس سے بیان کرنے والے فقہاء ہوں۔ چنانچہ رفع یدیں کے موضوع پر انہوں نے امام اور فقہاء کے ملاحظہ سے وقت اس اصول و بیان ہے۔ امام اور امی سے امام اعظم کا یہ منظر و موقوف ہے۔ امام ان روایت کے بارے سے سید مطلق نقل کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الخطا میں قاسم بن صبیح کے ترجمہ میں امام ان روایت کا الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

عاصم بن ابراہیم و محدث امام احمد بن محمد بن عبد اللہ بن یعقوب بن یحییٰ بن ابی حنیفہ۔ (۳)

امام حاضی نے اس واقعہ کی سند یہ لکھی ہے

حدثنا محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی حدثنا سليمان بن الشاذ کوفی قال سمعت سفيان بن عيينه يقول اجتمع ابو حنيفة والا و زاعي بمكة۔

حافظ ابن ابی شامہ نے فتح القدر میں علامہ سل الدین نے عنایہ میں مدعی قاسم نے شرح نمبر میں شیخ ابو الطیب سندھی نے ترمذی نے حاشیہ میں اور اسید مرقیہ ہمدانی نے مقولہ امام احمدیہ میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی معروف و مشہور اسناد سے بارے میں راویوں کی محاسن و چشمک سے ناچار زائد دواغ کر کے اصل ہونے کا دعویٰ کرنا فتن کا مرکز چلانے کے مترادف ہے۔ حجت ہے کہ علامہ محمد معین سندھی نے اس واقعہ کے مطلق ہونے کا یہ کہہ دیا ہے۔

(۱) کتاب الاخبار ص ۹ (۲) الکلائیہ ص ۳۳۶ (۳) تذکرۃ الخطا ص ۸۵۳

نے عدم رفق کی روایات و روایں نقل کی ہیں اور امام اعظم سے
عالی ہونے کی بنا پر ترجیح دی ہے۔ (۱)

امام اعظم نے روایت کے انداز میں بہت سے روایات نقل کی ہیں
جو قرار دیا ہے؟ اس لیے کہ:

فقہائے کرام نے فقہ میں سنی اور فہم کی تفریق کا تصور اور سیدھا سادہ اس کے
ایسی بات معلوم ہوتی ہے جس کا خلاصہ مزین شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ
اس کو اول نظر میں ہی روایت نہیں کرتا بلکہ اس کی حقیقت کا محقق ہوتا ہے اور اس
کے معنی میں سرگرواں رہتا ہے جب وہ مطمئن ہو جاتا ہے تو روایت کرتا ہے
برخلاف غیر فقہ کے کہ یہ اس کے پس کی بات ہی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی اولیٰ بات
کو آگے چلا دیتا ہے۔ اس قصید کا قصہ یہ بھی ہے کہ افتاد روایت و فقہ کی
روایت پر ترجیح دی جائے۔ (۲)

ترجیح روایت کے بارے میں دراصل امام اعظم کا یہی مذہب ہے اور فقہاء اس
کے نزدیک حدیثوں میں ترجیح کا سبب مؤثر ہے۔ لہذا امام اعظم نے تصانیف میں
کہ ہذا مذهبنا فی الترویج۔ اور حنفیوں نے امام اعظم کے اس قول سے حدیث میں مذہب منصوص
قرار دیا ہے اور ملاطی قاری نے واشکاف الغلوں میں بتا دیا ہے کہ:

والمذهب المنصور عند علماءنا الحنفية الا لفهية دون الاكثيرة۔

کامیاب مذہب احناف کے نزدیک اہمیت ہے اکثریت نہیں ہے۔

اس کا مطلب اس کے ساتھ ہے کہ حدیثی طاقت اور حدیث کی روایتی سے کسی

روایت کو راجح نہ قرار دیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ معنویت کہاں ہے؟

ظاہر بین بزرگوں نے امام اعظم کے اس رد میں مضبوط و خیرینگی قسم کا صبر و قہر و کد
بے جان بنانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن شاید اس کو محسوس نہیں ہے کہ محدثین کے علم حدیث کے
متعلق سارے ہی اصول و ضوابط و خیرینگی ہیں۔ اصول حدیث کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ بھی معصوم

نہیں ہے۔ یہ بات۔ قد علم کی جا چکی ہے کہ روایت و ترجیح کی جگہ خود بخود ہے اور اس کا پس
مذہب امام اعظم کے لیے کسی شائبہ یا شبہ کی کو آفر اور غراب کے لیے بتایا گیا ہے فن
سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس میں احتیاط کا قصہ تو یہی ہے کہ اس میں فکر و نظر اور
قد و سیرت رکھتے ہوں۔ اس بات کا پتہ صحابی ہوں۔ آفر و بیوقوف ہے کہ ہمارے صف اول کے
بارے میں منبر اور مصلیٰ مدحیہ و ثناء جو خوال ابو سعید انصاری اور خوال عبداللہ بن
مسعود منبر احمد مسلم ابو داؤد اور ترمذی میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

لیلیٰ اولوالاحلام النہی منکم

مجھ سے قریب نماز میں تم میں سے اہل عقل و فہم ہو اگر میں

ہیں علم و فضل و عفت و عفت میں رہنے والے ہوں تو ایسا نہ ہو سکتی ہے جو علامہ شافعی
نے بتائی ہے۔

لاحدو عن الامم و ما حد عنہم غیرہم لاہم اس مصط صعبہ الصلاة
و حفظها و نقلها و تلعبھا۔

تاہم وہ امام کے اہل و عیال کی ہر چیز و درائے عامہ ان کے اہل و عیال
کی ہر چیز ہے۔ یہ وہی مہم کی ہر چیز و طریقہ و ضابطہ اور حفظ کر سکتے ہیں اور
ان میں اسے آگے نقل کرنے اور پہنچانے کی صلاحیت ہے۔ (۱)

امام اعظم کے درباری کے ہوتے رفق و یاروں کے موضوع پر یہی سوئی چلی فرمائی
تہ۔ رفق و یاروں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے اور حدیث میں موضوع پر
حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی روایتی اور عادی حیثیت
دونوں باسلمت و امان دونوں روایتوں کی حاکمیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ امام اعظم نے حضرت
عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی ہے کہ روایت یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہر صحابہ سے
میں۔ نہ کہ میں یہ منبر اور مصلیٰ مدحیہ و ثناء کے پیچھے صف اول میں ہوتے تھے۔ حضور انور کے
مقدمین آئیں میں اب سے پہلے میں ہوں۔ اس کا کیا بگاڑ ہے جس پر وہ منبر کے لیے بن

مسعودی پسند کرے۔ میں تمہارے لیے اس پر راضی ہوں۔ (۱) اور فرمایا کہ ابن مسعود سے جبکہ اور تحقیق کی مضبوطی سے قائم رکھو اور اس پر چلے رہو۔ (۲) حضرت عمرؓ نے ان و ہمراہوں کو ہدایت دی اور ان کی طرف معلم قرآن و سنت بنا کر روانہ کیا اور ان کو یہ نصیحتیں کیں کہ عباد اللہ بن مسعود خلفائے راشدین سے بھی زیادہ عالم تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی اشعری کہتے ہیں کہ وہ وقت انصار اور مکہ کے پاس رہتے تھے اور حضور نورؐ ازل سے کی وقت حجاب نہ کرتے تھے۔ ان کی وفات بعد سال کی عمر میں ۲۲ھ میں ہوئی ہے مسلمانوں کے وہ اس میں یہ پہلے مسلمان ہیں اس لیے ان کا شمار ابوبکر و عمرؓ عثمانؓ اہل کے ساتھ السابغون الاولون میں ہے۔ ان کا بیان امام اعظمؒ کو پہنچا ہے۔ حضور انورؐ صرف بحکیمہ تحریر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے شک بزرگ ترین صحابی ہیں یکن حضور انورؐ کی حجت سے وقت ان کی موت کے وہاں تھی اور وفات کے وقت یہ عمر کی چوبیسویں ہمارہ کچھ ہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا شمار نہ السابغون الاولون میں ہے۔ اور نہ ابوبکر و عمرؓ کے علم و فضل میں ہم پڑ ہیں۔ ہمارے میں حضورؐ کے پیچھے دو مقدمہ عبداللہ بن مسعود کا ہے دو یقیناً عبداللہ بن عمرؓ کا نہیں ہے اس لیے امام اعظمؒ نے عبداللہ بن مسعود کے بیان کو راجح قرار دیا ہے۔

حدیث ضعیف اور امام اعظمؒ:

محدثین نے حدیث ضعیف کی یہ تعریف کی ہے کہ:

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں کسی شخص کی صفات نہ ہوں۔ (۳)

اور کچھ نے یہ بتایا ہے کہ

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جو حسن کے پائے کی نہ ہو۔

لیکن حدیث ضعیف کی یہ تعریف اس حد میں آئے والے محدثین کے خلاف ہے

ہے جن نے نزدیک حدیث تین قسموں پر مشتمل ہے۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔ اور نہ حقد میں

حدیث کی اس ثلاثی تقسیم سے آشنائے تھے۔ ان کے یہاں حدیث کی تقسیم ثلاثی تھی یعنی حدیث

کی دو ہی قسمیں بتاتے تھے صحیح اور ضعیف۔ چنانچہ امام محمدؒ نے روایت کی حدیث کی قسموں میں متعدد تھیں۔ ان کے درمیان حسن و راوی اور حدیث حدیث میں حدیث حدیث کی قسموں سے درمیان حسن کی صورت نکال لی۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث کی یہ تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف امام ابوہریرہؓ کی روایت کی، ثانی ہونی ہے۔ حدیث سے پہلے یہ تقسیم کی سے مروی نہیں ہے اور ترمذی نے اس سلسلے میں اپنی مروی روایت کر دی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ حسن وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی ہو اور جس کا راوی کذب سے محکم نہ ہو اور نہ ہی شاذ ہو۔ یہ مرتبہ میں صحیح سے کم ہے جس کے راویوں کی عدالت اور ضبط معلوم ہوتا ہے۔ ضعیف وہ ہے جس کا راوی محکم بالکذب ہو یا روای کی الخطا ہو۔ (۱)

علامہ خطابی نے حسن کی یہ تعریف کی ہے۔

جس کا مخرج معلوم ہو اور جس کے راوی مشہور ہوں۔ (۲)

لیکن حافظ ابن تیمیہؒ کو علامہ خطابی سے اختلاف ہے وہ امام ترمذی کے معنی میں۔ حدیث حسن وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی ہو اور اس کا راوی عدالت سے محکم نہ ہو اور نہ وہ شاذ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ متاخرین نے حسن کہتے ہیں وہ مقتدر ہیں۔ یہاں ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف هو الضعیف فی اصطلاح المتأخرین بل ما یسمیہ المتأخرون حسناً قد یسمیہ المتقدمون ضعیفاً۔

ضعیف کے بارے میں حقد میں اور متاخرین کی اصطلاحیں الگ الگ ہیں۔

متاخرین جسے حسن کہتے ہیں حقد میں کی روایت میں اس کا نام ضعیف ہے۔ (۳)

اسی ضعیف کے بارے میں محدثین نے امام اعظمؒ کا یہ موقف بتایا ہے کہ وہ اسے

امام نووی بھی علامہ سطاوی کے ہم زبان ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیثوں کی سندیں اگر الگ الگ ہوں چاہے وہ ضعیف ہوں ان کا مجموعہ ہاتھ تقویت کی وجہ سے حدیث کو حسن اور قابل احتجاج بنا دیتا ہے۔ امام بیہقی کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث ضعیف کثرت طرق سے آئے تو قوی ہو جاتی ہے۔ یہ حدیثوں میں مامونوں سے نہایت تندرست روایات ہیں۔ حدیث ضعیف اگر متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ ضعیف سے حسن اور مقبول و معمول پہ ہو جاتی ہے۔ (۱)

[illegible]

میں نے ابو بکر زکریا یا قہری سے سنا وہ فرماتے تھے کوئی حدیث اگر حلال کو حرام وار
حرام کو حلال نہ کرتی ہو اور کسی قسم کو واجب نہ کرتی ہو اور صرف ترغیب و ترہیب سے
تحقیق جمعی بہتوں سے باثر پائی نہ رہے کی وجہ سے روایوں میں اختلاف ہے
سائل سے کام لیا جائے گا اور جیسا کہ امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جب
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کی روایت کرتے ہیں تو
اسانید کے بارے میں سختی برتتے ہیں اور رجال پر نقد کرتے ہیں اور جب فضائل و
عقاب کی روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں

تسلی سے کام لیتے ہیں۔ نہرونی نے ماسند کا بھی یہاں بتایا ہے کہ عراقی کی حدیثوں میں تسلی مناسب ہے لیکن امام احکام میں نہیں۔ (۱)
علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ:

مر حدیث ضعیف ہوئیں موصوفاً نہ ہو تو محدثین اس کی اس میں تسامی کو چار سمجھتے ہیں اور یہ بھی جاہر قرار دیتے ہیں۔ یہ ضعف کی قسم کا ہے غیہ بیان بھی آرسطو کا ہے جب کہ حدیث کا حلقہ اقدام و مقام سے نہ ہو بلکہ موعظۃ القلوب اور فعاصل میں ترتیب و تزیین سے ہو۔ اور حدیث اقدام و مقام سے متعلق ہو تو اس میں تسامی قطعاً ناجائز ہے۔ اور حدیث میں عبد بن مسعود بنی عبد اللہ بن المبارک اور عبد بن فضال بنی زید کے واسطے۔ (۴)

حافظ ابن الہمام نے تصریح کی ہے کہ:

حدیث اگر ضعیف ہو اور موضوع نہ ہو تو اس سے انتخاب ثابت ہو جاتا ہے۔ (۳)

یعنی حافظ سیوطی نے تدریب الزانی میں اور حافظ سخاوی نے اقوال البدیع میں حافظ ابن کثیر سے روایت کیا ہے کہ حدیث ضعیف کی قیوت کے لیے جس شرط میں ہیں اس پر یہ کہ حدیث میں ضعف رہا وہ نہ ہو یعنی حدیث سے راوی ایسے نہ ہوں جو بدعت رکھتے ہو یا اس پر ارجاع کوئی نہ سمجھتا ہو یا کھلم کھلا غلطیوں کا شکار ہو۔

دوسرے یہ کہ حدیث جس مضمون پر مشتمل ہے اس کی اصل شریعت میں موجود ہو۔

یہ اصل اور کن گھڑت نہ ہو۔

۲۷۔ یہ عمل کے وقت میں اس کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ رکھ جاے۔ بلکہ اس واقعہ کی حقیقت اس پر عمل ہو۔ آخری دو شرطیں حافظ عبد بن عبد السلام رحمہ اللہ عنہ نے اتفاق کی بتائی ہوئی ہیں۔ اور پہلی شرط کو عطا کی نے اتفاق قرار دیا ہے۔

۲۸۔ عبد بن نے خضر اجماعی فی شرح مختصر اجماعی میں ان سے گمانہ شرطوں کا تذکرہ کر کے مثالیں بھی دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

فقہاء احناف کا قصد ہے کہ ان سے علت آستہ بہت دوری آوار سے اور علیہ
جدی ابہری آوار سے کہی جائے اور ایسا کرنا مستحب ہے اور اس پر اسوں نے
ترمذی کی کس حدیث سے استدلال کیا ہے جو کوائف حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ سے باہر جب ان
دو تو آہستہ آہستہ دو اور جب تکیر کو تو جلدی کرو۔ الخ۔ امام ترمذی نے اس
حدیث کے بارے میں تصدیق ہے کہ ہوا اسناد معہول۔ اور اس قائل نے اس کے
راوی عبد اللہ بن عمر کی تصدیق کی ہے اس سے باوجود چونکہ فضائل میں حدیث
ضعیف کافی ہو جاتی ہے اس لیے فقہاء نے اس پر عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔ نیز
فقہاء حنفیہ وضو میں کرنا سے منع و مستحب قرار دیتے ہیں اور اس پر وہ ایک ایسی
حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو خاص میں محدثانہ نقطہ نظر سے ضعیف ہے۔ وادار
میں ہے کہ ظہور بن مصنف اپنے والد اور اس کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہل کرتے ہوئے دیکھا تا کہ آپ نے
قدال تک مسح کیا۔ قدال آدن سے باری حصہ و سنت ہیں۔ یہ روایت صحابی شمار
میں بھی ہے لیکن یہ سب روایات ظہور بن مصنف سے ناقلین ائمہ ہیں۔ ان ائمہ
نے ظہور بن مصنف کے والد اور ان کے دادا کو معہول قرار دیا ہے۔ (۱)

علامہ دوانی کا شہ اور اس کا جواب:

علامہ دوانی نے انہوں نے علوم میں یہاں تک شہ افہ کران عوں وجو کہتے ہیں کہ
حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے ایک پریشانی میں آیا ہے۔ علامہ موصوف
کے اس شہ کو مولانا عبدالحی نے اجوت الفاضل میں مولانا صدیق حسن خاں نے جلد میں اور
علامہ جمال الدین القادری نے قواعد احمدیہ میں بڑی آب و تاب سے بیان کیا ہے۔ ان کے
شہ کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء ایک طرف فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور
جو امر معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ان کا یہی ارشاد ہے کہ استحباب ہو یا جوار۔

یہ بھی اہم شہ میں سے ایک حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث
ضعیف احکام سے استحباب و جو زامات کا تو اس سے نتیجہ میں اس سے ضرر شہی ثابت
نہا۔ اس لیے ایک طرف یہ کہ حدیث ضعیف سے استحباب و جو زامات ثابت ہو جاتا ہے اور
دوسری طرف یہ بتانا کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے دونوں میں اس حد سے
یقیناً تضاد ہے کہ استحباب اور جو زامات بھی خود غرضی ہے۔ کہ حدیث ضعیف سے غرضی ثابت
نہیں ہو سکتا تو لازماً استحباب بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

علامہ نے اس شہ کے متعدد جوابات دیے ہیں اور خود علامہ دوانی نے بھی اس کے
ازالہ کی بہترین کوشش فرمائی ہے۔

علامہ احمد انصاری نے تیسری بار شہ شہانہ غرضی عیاض میں جواب دیا ہے
کا خلاصہ یہ ہے

حدیث ضعیف سے نصیحت کا ثبات نہ ناسی حکم کے ثبات ہوئے جو سکر نہیں سے
یہ عمل جس کا استحباب صحیح حدیث سے ثابت ہو اس کا ثواب یا اس کے
ترغیب یا کسی نہ کی نصیحت یا فہار و ثروں نصیحت نہ کی ضعیف حدیث سے معلوم
ہو جائے تو اس کا ثواب یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل غرضی ضعیف سے ثابت ہو رہا
ہے۔ اعمال اور فضائل اعمال میں بہت بڑا فرق ہے۔ (۱)

علامہ خفایہ کی بات بڑی گہری ہے اور آپ اس بیان کے ذریعہ وہ پڑھنے والوں
کے دوسرے میں یہ بات تارنا پڑھتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے کسی عمل کا جو ثبات نہیں یہ
جوتا ہے بلکہ ثابت شدہ موجود عمل جس کا وجود اصل شہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہے صرف اس
کی نصیحت و حدیث ضعیف کے ذریعہ جاری یا حلال سے مثلاً نماز تہجد کی سلیت و اصل شہ
سے ثابت ہے اب اس ثابت شدہ سنت کی ترغیب کے لیے یا اس کی بڑائی کے ظہار کے لیے
حدیث ضعیف کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے اس طرح علامہ دوانی کی لٹائے
ہوئے سوال کا جواب دیا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں نے صرف علامہ موصوف کے جواب پر

کی تصدیقات اور اس مسئلے میں فی الواقع کوئی شک نہیں رہتا ہے۔ اس امر میں
تجربہ کے حامل مفسرین نے اس پر کافی غور کیا ہے۔ اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ
مستندین کی ہائی سٹیٹس و سب سے زیادہ مستند روایات کا یہ موقف تھا کہ درمیان میں
اوس کے خلاف ہے۔ فقہاء کے لیے یہ دو ضعیف حدیث سے ہرگز یہ عمل کے کتاب
و کتابت کے لیے نہیں ہے۔ انتخاب احادیث کے لیے کتابت نہیں ہے۔ حدیث کے لیے
یہ کہ وہ حدیث ضعیف کا افضل مرتبہ اور ترتیب و ترتیب کے موضوع پر اس سے
ہیں۔ ان مسائل میں سے کوئی چیز اس سے مختلف ہے۔ اسے میں تو اس کا مقدمہ نہیں
نہیں۔ اس میں قیادت سے نہیں ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ اس میں اس سے بھی حدیث
ہے جو انہوں نے الاذکار میں کی ہے۔

اذا ورد حديث ضعيف بمرأية بعض البيوع او الانكحة فالمستحب

ان يتزوه عنه۔ (۱)

جسب کوئی ضعیف حدیث کا یا بیوع یا انکح کے ساتھ آئے اس سے بچنا ہی چاہیے۔
اور حافظ ابن الہمام کے اس نظریہ کے بھی خلاف ہے۔

ثبت الاستحباب بالحدیث الضعیف۔ (۲)

استحباب حدیث ضعیف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ بات غرض و غیہ میں ہر واقعہ سے انسانی تاریخ ہے جس میں ان شرط میں کوئی
درایت نہیں رہتی جو قول ضعیف کے لیے محدثین میں سے حدیثیں جو اس قدر قوی تھیں کہ وہ
میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نصیحت کی بنیاد ملتی ہے جو حدیث صحیحہ سے
دریافتات ہو چکے ہوں تو پھر یہ قید و شرط سے بھی مراد رہ جاتی ہے کہ حدیث ضعیف جس
مضمون پر مشتمل ہو اس کی اصل میں کوئی اور یہ شرط بھی داخل ہے کہ اس میں کوئی حدیث
کے وقت اس کے ثبوت کا اقتدار نہ رکھتا ہو۔

مولانا عبدالحی رحمانی فرماتے ہیں

(۲) فتح القدیر کتاب الجنائز

(۱) الاذکار: ص ۷

اس مقدمہ پر واقعی اور کچھ بات یہ ہے کہ جب کسی حدیث کا یہ کہہ دیا جائے کہ اس حدیث
حدیث صحیحہ سے ثابت نہ ہو اور اس موضوع پر کوئی ضعیف حدیث کتابت میں نہ
ضعیف شدید نہ ہو تو اس سے جواز و استحباب ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کام کی کوئی
اصل شریعت میں موجود ہو اور یہ کام اصول شریعت اور اس کے سبب سے نہ ہو۔
خود مدنی کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چاروں مسئلوں میں اس سے یہاں
نہیں ہے۔ اس سے بات اصل کی رو جائے گی اس لیے یہاں اس کا خلاصہ دینا چاہیے۔
اس موضوع پر قابل غور یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی کوئی حدیث کے مقدمہ
ہو جائے اور وہ کام ناجائز اور مکروہ ہونے کے اندیشے سے بالا ہو تو ایسے موقع پر
ضعیف پر عمل جائز اور مستحب ہے یا نہ یہ ثابت کرنے کے اندیشے سے یہاں
اور اس پر ثواب کی توقع ہے اور اس توقع کی مدد سے اس میں استحباب کی
کشمکش ہوتا ہے۔ تاہم اس واقعہ کی وجہ کام کی امید پر عمل کی میں اقلیت ہے۔
خود مدنی کا جواز اور استحباب کے درمیان میں مقدمہ پر موت پر ناجائز و مکروہ ہے۔
جواز و استحباب سے دو چار سو تو اس میں قیود و غور کے لیے کوئی کشش
مل سکتی ہے اس کی صورت میں مکروہ و مکروہ ہو سکتا ہے اور کتابت میں
مستحب سے دستبرداری کی وجہ ہے۔ اگر کراہت کا اندیشہ قوی ہو اور استحباب کا
دلیل کمزور ہو تو اس کی حالت میں ترک و ترجیح مل جائے گی۔ اس سے
ندیشہ کمزور ہو تو عمل میں احتیاط کا یہی ہے۔ اور اگر طریقین برابر ہوں تو پھر بھی عمل
میں استحباب کو بنایا جائے گا۔ اس تمام صورتوں میں حدیث ضعیف پر عمل کی شرط
کے ساتھ شرط ہے کہ عدم جواز و استحباب نہ ہو۔ حاصل طرہ یہ ہے کہ اس کا ہونا
اس صورت میں حدیث ضعیف سے نہیں جہاں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استحباب
ہے۔ یہی حدیث ضعیف سے نہیں جہاں اس کو اہل شریعت سے ہوتا ہے جو اس کی روایت
میں احتیاط و مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لیے احکام میں سے کوئی چیز بھی حدیث

(۱) الاجوت الفاضل ص ۵۵

تیس سے سات تئیس دینی جہان میں حدیث ضعیف سے روایت کتاب کا اتنا رد و رد ہوتا ہے۔ ان سے حقیقہ اس پر عمل یا نہ اور احتیاجی عمل کا انتخاب خود توفیق خداوندی سے معلوم ہے۔ (۱)

دارم عظمیٰ نے اس موضوع سے تفصیلی مباحثہ و ران کی گہرائیوں تکلف و مانی میں ریٹ ان تین۔ بہر حال متقدمین میں یا متاخرین۔ ضعیف میں اختلاف سے باحوال بالضعیف پر متفق ہیں۔ اگرچہ اس کی وجوہات میں اختلاف ہے۔
متقدمین حدیث ضعیف پر عمل تاہین اور تاہین تاہین کی عملی تائید یہ ہے کہ کرتے ہیں۔ اور متاخرین تعدد و طرق سے آنے کی بنا پر۔

متاخرین کے مابین جس حدیث ضعیف پر عمل کے بارے میں اختلاف ہے وہ ان کی اپنی اصطلاحی ضعیف ہے۔ ان کا متقدمین کی ضعیف سے دینی قیاس نہیں ہے۔

حدیث و قیاس میں تعارض اور امام اعظم:

قانون کی اصول کی کتابوں میں قیاس کی نوعیت کی کمی سے ہم آپ کو جس میں مخصوص نہیں ہوتے۔ اس کی تفصیلی مباحثہ آپ کو کتاب دارم عظمیٰ اور طحاوی میں ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ احکام فتاویٰ میں اور حوادث و واقعات جو روزانہ نئے پیش آ رہے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ اشہر ستانی رقمطراز ہیں

نہیں اس کا قطعہ علم ہے کہ حوادث و واقعات خواہ ان کا قلعی مباحثات سے یا معاملات سے۔ بے حساب اور بے شمار ہیں۔ اور یہ بھی ہمیں پتہ ہے کہ ہر ہر واقعہ و حادثہ سے بارے میں صاف اور مستقیم حکم نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اس صورت حال پر سے کہ حوادث و واقعات کی گنت اور احکام مقررہ میں قیاس کا تکیہ دینا ہے کہ فتاویٰ فتاویٰ کی رفت میں میں آسکتا ہے یہ بات حق ہے اور قطعاً ہے کہ سام میں احتیاج و قیاس کا خاص مقام ہے تاکہ ہر پیش پا افتادوں کے لیے اجتہاد کے ذریعے راستہ معلوم ہو سکے۔

قانون کے حوادث سے بے شمار اور نہایت بے انتہا، امت و پورا عالم میں یہ طرف ساری قانون کو بارچہ اختلافات سے محفوظ کرنا اور دوسری طرف ساری معاشات و عس و روائی و تمدنی اور کے قید و بندی کی ہدایوں سے بچنا یا۔ اس کا پانچواں حصہ ہے۔
پچھلے لوگوں کو چھوڑ کر پوری امت نے قیاس کی شریعت کو مانا ہے۔

دارم عظمیٰ نے شہر شہر دارم عظمیٰ رحمہ اللہ قیاس پر مشہور تے ہوئے جیتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک یعنی معادلات میں فتویٰ قیاس سے برابر کام لیتے رہتے ہیں۔ اس کا اس پر جماعت ہے کہ حق کی خیر حق سے اور باطل کی خیر باطل سے مذاق قیاس کا کاردار است نہیں ہے بلکہ وہ معاشیاتی و پرمائش احکام کا نام ہے۔ (۱)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پیش آنے والے حوادث میں اجتہاد سے کام لیتے تھے اور بعض حکام و بعض پر قیاس کرتے تھے وہ ایک ظہر سے اور دوسری خیر قوم کرتے تھے۔ (۲)

امام ابوہریرہ (۳) رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر مفید اور بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

(۱) جامع بیان العلم و فضلہ (۲) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷۶

(۳) ابن کاثر محمد بن محمد بن عبد البر رقبہ شمس۔ مدت۔ ۳۲۰ھ کی تاریخ و حالات میں فتویٰ میں اس کی یہ کتاب کے مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس کی کتاب کا تعلق و رشتہ ہو کہ یہ اختلاف یا نہ یہ کتاب سنی کے حوالہ سے میل خانہ میں بھی ہے۔ اسے باب ثمود پر پہنچا دینی کوئی آپ کا بیان ہے اور اس کتاب کی تفسیر (۱) شمس طبع ۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ میں طبع شدہ ہے۔ اس طبعی کے پہلے کتاب میں عرب میں اس کی تصانیف کے حوالہ سے مبدائی کے مرفوعہ احکام کے حوالہ سے فتاویٰ کے اصول فقہی کی کتاب اور شان سے میں اس و شمس کے قید میں تصویف یہ احکام وقت و محنت کی پاداش میں قید ہے کہ تھوڑے الفوائد لیسہ (ص ۷۷) اس مشہور قلعے کی طرف اشارہ ہے (باقی صفحہ ۷۷ پر)

قیاس سے شریعت میں کام لینا صحابہ اور ان کے جدمائے عین اور ائمہ اربعین کا کام ہے۔ سب سے پہلا شخص جس سے قیاس کے جوہر کا انکار کیا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام سے جدمائے چوتھوں میں سے کسی کی پیروی کی ہے۔ بعد میں ایک سادہ لوح شخص اور امانی آئے اور انہوں نے حقد میں سے اس سے متعلق انکار معلوم کیا۔ بغیر ان قیاس پر عمل سے ظالم کا عدل نہ رہا۔ لوگوں کو بتایا کہ شریعت میں قیاس نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی پیروی میں وہ تمام ظالم یہ جو غور و فکر کی نعمت سے محروم ہیں بے یار ہیں۔ چوتھے نے گئے۔ اور ان میں سے کچھ نے یہی بات قیاس و مسروق اور ان ہی میں سے کسی طرف منسوب کی ہے۔ یہ ان بزرگوں پر بہتان ہے۔ ان کا مقام اس سے کہیں بالا ہے کہ وہ اس قسم کی بات کہیں۔ (۱)

ماہنامہ اہل حدیث میں ۱۰ نومبر ۱۴۱۸ھ کو اپنی کتاب مسود کے قلم مقامات پر تہہ در تہہ لکھا ہے۔ اس میں یہ تحریف مسدود ہے۔ اب کے بعد میں غلطی پڑی۔ یعنی حکمت کی جانب سے جدا ہو کر رہی نہیں گئی۔ اس سے قبل اس نے حجتوں یا اس نکوس کا تقدیر میں اس طرح درآپا ہے کہ الحدیث فی زمانہ بلاد فارس عسلی الحائط والفاع وغیرہہ للسلطان فی کل یوم والنہر اوانلاہ للنہر میں جیسے کہ ہے۔ اس میں بادشاہوں سے یہ دردی بگمراہ و غیور اور اندازہ ہند اور سرکاری نہیں پڑتا ہے۔ (۱۰ دسمبر ۱۳۳۲ھ) اس سے بعد حافظ ابن ابی نعیم نے یہ شمس الائمہ نے ان نکوس سے خلاف صدر امتحان مندرجہ کیا۔ اکثر النوائب نوحہ طلباً و من تمسک من دفع العلم عن بعضہ فہو حائلہ بدو نہیں چھائی یہ حالت ہیں اور جو شخص اپنی ذات سے علم اور رکھتا ہے اس کے لیے بہت ہے۔ وہاں یہاں سے اور اس وصف الیٰ ہر رتھ بدو یہ بھی کہتے تھے۔ کوئی شخص یہ نہیں دیکھتا چاہتا ہے کہ وہ یہ شخص اس کے علم کی حوصلہ نہ رکھتا ہو یا یہ فقیر و ید ہے جو کسی علم کا مقصد اس کے لیے ہے۔ اس میں اس کے لیے اس کا تحقق ہوگا (۱۰ دسمبر ۱۳۳۳ھ) بقا۔ حیل میں قیدی مدت است میں قیدی یہاں سے سووٹاں اسیر کہیں یہ اصول مذکور کا اثر حاصل کی میں تھا یہ ہے۔ شمس الائمہ میں قریب ۱۰ باب ۱۰۱۔ ان خطاں نے کتب شاہ سلوکی سے یہاں سے میں تھا ہے واسطیٰ المکوس والحدیث فی جمیع البلدان تمام نکوس وغیرہ ختم کر دیے۔ (۱) اصول نفی میں ۱۸۸۸ھ میں ۱۱

ماہنامہ اہل حدیث میں ۱۰ نومبر ۱۴۱۸ھ کو اپنی کتاب مسود کے قلم مقامات پر تہہ در تہہ لکھا ہے۔ اس میں یہ تحریف مسدود ہے۔ اب کے بعد میں غلطی پڑی۔ یعنی حکمت کی جانب سے جدا ہو کر رہی نہیں گئی۔ اس سے قبل اس نے حجتوں یا اس نکوس کا تقدیر میں اس طرح درآپا ہے کہ الحدیث فی زمانہ بلاد فارس عسلی الحائط والفاع وغیرہہ للسلطان فی کل یوم والنہر اوانلاہ للنہر میں جیسے کہ ہے۔ اس میں بادشاہوں سے یہ دردی بگمراہ و غیور اور اندازہ ہند اور سرکاری نہیں پڑتا ہے۔ (۱۰ دسمبر ۱۳۳۲ھ) اس سے بعد حافظ ابن ابی نعیم نے یہ شمس الائمہ نے ان نکوس سے خلاف صدر امتحان مندرجہ کیا۔ اکثر النوائب نوحہ طلباً و من تمسک من دفع العلم عن بعضہ فہو حائلہ بدو نہیں چھائی یہ حالت ہیں اور جو شخص اپنی ذات سے علم اور رکھتا ہے اس کے لیے بہت ہے۔ وہاں یہاں سے اور اس وصف الیٰ ہر رتھ بدو یہ بھی کہتے تھے۔ کوئی شخص یہ نہیں دیکھتا چاہتا ہے کہ وہ یہ شخص اس کے علم کی حوصلہ نہ رکھتا ہو یا یہ فقیر و ید ہے جو کسی علم کا مقصد اس کے لیے ہے۔ اس میں اس کے لیے اس کا تحقق ہوگا (۱۰ دسمبر ۱۳۳۳ھ) بقا۔ حیل میں قیدی مدت است میں قیدی یہاں سے سووٹاں اسیر کہیں یہ اصول مذکور کا اثر حاصل کی میں تھا یہ ہے۔ شمس الائمہ میں قریب ۱۰ باب ۱۰۱۔ ان خطاں نے کتب شاہ سلوکی سے یہاں سے میں تھا ہے واسطیٰ المکوس والحدیث فی جمیع البلدان تمام نکوس وغیرہ ختم کر دیے۔ (۱) اصول نفی میں ۱۸۸۸ھ میں ۱۱

لاحلاف ہیں فقہاء الامصار وسانر اہل لسنۃ فی نفی القیاس فی التوحید والہاتھ فی الاحکام الادنیۃ الظاہری فانہ نفاہ۔ فقہاء ورتما اہل سنت کا موقف یہ ہے۔ عقائد میں قیاس رو نہیں ہے اور امام میں درست ہے داؤد نے احکام میں بھی انکار کیا ہے۔ (۳) تمام اہل سنت کی قید پر حجت کی کوئی بات نہیں ہے یونکہ شیوخ کا موقف اس موضوع پر اہل سنت سے بالکل جدا ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف موٹی فرماتے ہیں: ایک طبقے نے قیاس سے موضوع پر شدید نفی امت میں سے ان میں سے سے محض شیعہ ہیں وہ اسے قطعاً محبت نہیں مانتے ہیں۔ ان کے بعد اہل نظام ہیں ورنہ ان کے سرکردہ و اظہار فی ورتما بظاہر یہ کہ مشہور تاثر صفا ابن حزم ہیں۔ (۴)

(۱) میرا یہ نظام خالی حق ہے اس سے حالت کے ہے الفرق میں فرق میں ۳۳ ص ۱۳۶۔ (۲) میرا یہ نظام خالی حق ہے اس سے حالت کے ہے الفرق میں فرق میں ۳۳ ص ۱۳۶۔ (۳) جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ (۴) تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۴۳۳

جس سے مطلب بدل جائے کیونکہ درباب عدالت راویوں کے بارے میں یہ کلی
دینی بات ہے کہ وہ اہل دین ہیں اور بدعتی کے ساتھ منہ کی تبدیلی کا کام نہیں
لیتا لیا ہے۔ اور ان کی حدیث اتنی ہی مانیں اس پر ریاضی وری کا حجب رہا جس
کے تحت ہے۔ یہ جس قیاس کی بنا پر روایت کو رد کیا جا رہا ہے خود اس قیاس کی صحت
نی کی یہ صحت سے قیاس صحیح سے واقفیت میں دشوار کے دشوار تر ہے مگر حدیث
کو اپنا ضروری ہے۔ (۱)

شیخ ابو الحسن رشتی نے بھی امام عظیم سے سخت کی تہمتی کی ہے۔ چنانچہ علامہ
عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں۔

شیخ ابو الحسن رشتی اور ان کے متبعین نے اس حدیث سے قیاس پر مقدمہ لگا
کے یہ دعویٰ کی تہمتیں شریعت میں سے حدیث کی قبولیت سے یہ صرف ان
میں عدالت اور ضبط ہونا کافی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ حدیث قرآن و سنت کے
خلاف نہ ہو بلاشبہ ایسی حدیث کو قیاس پر بھی مقدم کیا جائے۔ (۲)

انہی اس حدیث سے بھی امام عظیم کا یہی سخت تہمت ہے چنانچہ فرماتے ہیں

ادعاء من غير الواحد والقياس بحث لا جمع لعدم الخبر مطلقا
عند الاكثر منهم ابو حنيفة والشافعي واحمد۔

حدیث اور قیاس میں تخریض سے جو اس طرح کی بات بھی دونوں کا مخرج کرنا
ممکن نہ ہو تو پھر حدیث کو بلاشبہ مقدم کیا جائے گا اس کی رائے یہی ہے ان کی
میں ابو حنیفہ شافعی اور احمد ہیں۔ (۳)

اور اس کا برے امام عظیم کے اس موقف کی تائید میں جو ان کی پیش یہ ہیں اس
کی تائید میں یہاں موقوف نہیں لیکن علامہ عبدالعزیز بخاری نے اسی سلسلے میں جو بات چوری قوت
سے بتائی ہے وہ سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں

جو بات تخریض کا نام ہے پیش فرمائی ہے یہ ہمارے سب سے اعلیٰ متقون نہیں ہے
ان سے اس کے برعکس جو کچھ روایت ہمیں معلوم ہوا ہے وہ صرف یہ ہے کہ خبر واحد
قیاس پر مقدم ہے اور اس بارے میں تفصیلاً ان سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔
واقعتاً بھی یہی طریقہ ہے مزید ہیں۔ چنانچہ حدیث کی تہمت کی تہمت سے جوں پر
صاف پٹے سے رو روئے کا یمنہ و حنیفہ نے اسی بنا پر کیا ہے حدیث اگرچہ
مخالف قیاس سے لیکن اس کے باوجود اس کی پٹائی سے حق کہ امام عظیم سے متقون سے
کہ لولا الروایہ لقلت بالقياس۔ اس موضوع پر تہمت روایت نہ ہوتی تو میں
قیاس سے کام لیتا۔ اور یہ بھی امام عظیم سے متقون سے کہ صاحبنا نحن الله
والرسول فهو على الراي والعين۔ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جو
کچھ ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ اس بنا پر ہمارے اسلاف
میں سے کسی سے بھی روایت کی صحت کے لیے روای کے فقیہ ہونے کی شرط متقون
نہیں ہے بلاشبہ یہ بات بعد کو گھڑی گئی ہے۔ (۱)

فقہ احناف میں جن روایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے مثلاً حدیث عرابیہ حدیث صحابہ
اور حدیث قعدہ اور جن کے متعلق دونوں نے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ خلاف قیاس
ہیں۔ ان کا جواب دیتے ہوئے امام علامہ ابوالحسن کرخی رقمطراز ہیں:

یہ خط ہے کہ ہمارے صحابہ نے اس حدیث پر اس سے عمل نہیں کیا کہ یہ خلاف
قیاس ہیں بلکہ ان حدیثوں پر عمل نہ کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں کتاب
اللہ اور سنت رسول اللہ سے خلاف ہیں اور یہ بھی نہیں کہ ان کے راوی اقارب کی
فحمت سے محروم ہیں۔ حدیث عرابیہ مشہورہ کے خلاف ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ
لنصر بالنصر مثل بمنزل کمال بکمال۔ کھوکھ کے بدلے کھوکھ برابر ہر ہے۔ ہم
یہ تسلیم کرتے کہ ہم تیار نہیں ہیں کہ ابو حنیفہ فقیہ نہیں تھے۔ آپ زمانہ صحابہ میں فوتی
دیتے تھے انہوں نے ان کے میں یہ فقیہ کے ان دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیل اقدار صحابی تھے آپ کے ان کے حق میں دعائے حیر فرمائی ہے اور آپ سے روایت کردہ حدیثوں کو کافی شہرت ہوئی ہے۔ (۱)

بہر حال یہ حقیقت ہے غبار ہے کہ امام عظیمؒ اور آپ کے اصحاب سنت جملہ اخبار آحاد کو قیوں کے مقابلے میں رائج قرار دیتے تھے درہنہ امام عظیمؒ کے موافق کی گئی ترجمانی ہے۔

حدیث میں امام عظیمؒ کے اصول:

حدیث کی صحت اور اس کی قبولیت کے بارے میں امام عظیمؒ نے جو اصول وضع فرمائے ہیں اور اس فن میں جو یک فن کار کی حیثیت سے علمی خدمت سرانجام دی ہے ان میں ایک ان کی جھلک آپ مال صفحات میں دیکھ چکے ہیں اور آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں۔ تیسری صدی میں امام شعبہ اور یحییٰ بن یحییٰ کے زمانے تک امام عظیمؒ کی ذات کی شان میں ارباب حدیث کے یہاں صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی شخصیت تھی۔

امام عظیمؒ کے وضع فرمودہ اصولوں کے بارے میں کچھ بزرگ ایک عجیب خاص فہمی کا حامل ہیں اور اسوں نے اس سے نتیجے میں یہ دور کرنے کی تا کاوش کی ہے کہ امام عظیمؒ کے نام سے اس موضوع پر جو بھی سرمایہ سے دو سب یاد رکھوں گا کما اہو ہے اور اس کا احوال اکام آواز نے اپنے خاص خطبات انداز میں بر ملا کہہ دیا کہ:

امام بو حنیفہ اور ان کے سامعین وہاں اختہ فی اصول و قواعد کا وہم و خیال بھی نہ گذرا ہوگا۔ (۲)

میرے خیال میں یہ ان بزرگوں کی جانب سے بہت بڑی زیادتی ہے۔

اصل یہاں وہ چیزیں ہیں اور وہ اس اپنے مزاج کے حالات گنگ اٹھ ہیں۔

صحت حدیث اور قبولیت حدیث۔

صحت حدیث کے لیے اصول و قواعد اور قوانین وضوابط دینا اگر محدثین کا کام ہے تو قبولیت کے لیے شرط و قواعد مقرر کرنا ارباب اجتہاد اور فقہاء کا کام ہے۔ حدیث کی صحت

کے لیے یہ اصول اور مسلمہ نام سے جو شرط و قواعد اور ضوابط متاخرین کے ہاتھ میں اور کتاب میں ان میں ایک بھی معصمت ارتقاء و مستثنیٰ کر کے امام بخاری اور امام مسلم سے حدیث منقول نہیں ہے۔ جلد بتائے گا کہ ان کے کچھ بندوں یہ کشف کیا ہے

علمہ ان البخاری و مسلم و من ذکر ما بعدہم لم یقل عن واحدہم

انہ لعل شرطہ ان اخرج فی کسی مایکون علی الشوط الفلانی واسمہ

یعرف ذالک من سیر کتبہم فیعلم بذالک شرط کل وجہل منهم۔

امام بخاری در مسلم وغیرہ سے ایسی کوئی ثابت نہیں آئی جس میں یہ شرطوں

نے یہ کتاب میں تحقیق روایت کی فلاں شرطوں میں نے پابندی کی ہے ان کی شرطوں

پہ ان کی کتابوں کا مطالعہ سے ہوتا ہے اور بس۔ (۱)

الجزائری بھی علامہ مقدسی کے ہمزبان ہیں۔ فرماتے ہیں

اعلم ان البخاری لم یوجد عنہ تصریح بشرط معین وانما اخذ ذالک من تسمیة الكتاب والا مستقراء من تفرقہ۔

خود بخاری کی کسی شرط کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہے ان کی کتاب کے امام

اور کتاب میں ان کے تفردات سے لوگوں نے خود یہ اخذ کر لیا ہے۔ (۲)

اگر حدیث کی صحت کے لیے یہ شرط وضوابط چاہیے ان بزرگوں کے طریقے سے

معلوم کر کے یہ یہ جانتا ہے اور اسے ان بزرگوں کی طرف منسوب بھی کیا جاسکتا ہے تو پھر

محمد بن بو حنیفہ ابو یوسف اور محمد بن کثیر میں طریقے سے اگر متاخرین نے کچھ قواعد معلوم کر

کے ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے تو اس میں کون سی قباحت ہے۔

حجۃ الی بات ہے۔ صحت حدیث کے موضوع پر قوانین کی تحقیق کو صرف ہر بات نہیں

کیا جاتا ہے۔ اس پر قسین و آفرین کے غرے گاہ جاتے ہیں۔ لیکن قبولیت حدیث کے میدان میں

اس اجتہاد کی طرف منسوب اصول و قوانین طبعی ہرگز پر راسخ ہوتے ہیں اور ان پر تحقیق ہونے کی

یکھتی اور اختہ امت کا کام ہے۔ فی اللامع واللعاز والی اللہ العشکی۔

متاخرین فقہاء کے بارے میں وہی بات تکرر ہے کہ جو اس لہجہ کے متاخرین محدثین کے بارے میں کہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول و قواعد صحت حدیث سے متعلق ہوں یا قبولیت سے۔ دونوں تحریریں اور اختتامی اور بعد میں آئے دواوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ تو محدثین کے یہاں صحت حدیث کے اصول بذراہد قوی آئے ہیں اور نہ فقہاء کے پاس قبولیت حدیث سے متعلق قوانین منصوص ہیں۔ اگر قواعد و ضوابط کو یہ سمجھ کر پس انداز کر دیا جائے کہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں تو تمام نظام شریعت درہم برہم ہو جائے گا۔

اس میں بھی طور پر کوئی تک نہیں۔ اصول و قواعد تخلیقی ہیں اس سے اس کا نام اعتبار نہیں ہے۔ ہاں اس کی جگہ یہ بات حق و اہل رقی ہے کہ فن کے قواعد اہل فن کے ہاں ہوئے ہوتے چاہئیں۔ خود اس فن میں جو افکار اس کے استاد و فن سے عطا ہوتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر اس موقع پر بڑے سچے کی بات فرما گئے۔

تہم اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ ہر فن میں اس کے فنکاروں کی بات حجت ہو
گی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو علوم و فنون کی دیا ختم ہو جائے کیونکہ انسانی و تو ان
میں بات نہ کر سکے گا اور اگر بات کرے گا تو غلط کرے گا۔ (۱)

یہ بات تو مٹی پر انصاف ہے میں اس میں کوئی مضحکہ نہیں ہے۔ اصول و قواعد کو جو بنی بنیاد پر معتبر قرار دے لیا جائے۔ اسے اگر بطور اصل تسلیم کر لیا جائے تو فن و فتنہ میں تجوید کے اصول، ادب و لغت میں لغت و زبان کے قواعد فقہ میں اصول فقہ حدیث میں اصول حدیث تفسیر میں اصول تفسیر سب ہی انسانوں کے وضع کردہ اور تخفیفی ہیں۔ ان کو اگر یہ بہرہ رکھ کر دیا جائے کہ یہ وضعی اور تخفیفی ہیں تو مسلم کے پورے علمی سرمایہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اصول و قواعد حدیث کے ہوں یا فقہ کے۔ سب انسانی مخلوق کے مہربون منت ہیں اس لیے یہ کہنا چھوڑنا نہیں رکھنا کہ اختلاف نے چھ شریعتیں لگا دی ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے مجموعہ الرسائل میں لکھا ہے:

بہت سے اہل الرائے نے اکثر احادیث کا ایسی شرطوں کی وجہ سے انکار کر دیا جو انہوں نے خود لگائیں۔ (۱)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حدیث کی صحت کے لیے اگر محدثین متاخرین شریعت نہیں مگر یہ بات اور حسن خدمت سمجھی جائے اور حدیث حق و قہریت ہے یہاں میں بعد ازاں میں تعین فی حدیث اور احادیث شریفیں بتائیں تو اس وقت وہاں مانی شریعت قرار دیا جائے۔ دونوں آتی ہیں دونوں فن کی خدمت ہے۔ ان کی خاطر کرب کے میں دونوں کا پیش ہوا۔ ان کی محنت ہے، دونوں میں یہ امتیاز جو قرین انصاف نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ یہ اصول وضو اہل بخاری و مسلم کی طرح امام اعظم سے صریحاً
مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تدوین قاضی کا مقصد یہ تھا کہ جس
پیشوا یا محدث کے بارے میں کوئی شک ہو اس کے بارے میں کوئی حدیث نہ لے کر
وفاقوں میں استعمال نہ کرے۔ اس لیے اس کی یہ حدیث کی تصدیق سے مقصد یہ ہے
کہ ان کے بارے میں کوئی حدیث نہ لے کر پیش نہ کرے جن کی روشنی میں انہوں نے حدیث سے
پہچان لیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سے کچھ حدیثیں اس وقت
کوئی روایت نہیں لے سکتا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث سے یہ
روایتیں پیش نہ کی گئیں تھیں بلکہ یہ حدیث کی قیادت سے اس میں
محدثین اوصیاء و جہات اور محدثوں سے کوئی روایت نہ لے سکتے تھے بلکہ یہ
مطلب نہیں ہے کہ تدوین شریعت کے میدان میں یہ روایت حدیث کی حد تک ہی قیادت
نہیں لے پانے تھے۔ یہ بات یہ ہے کہ قاضی کا مقصد یہ تھا کہ انہوں نے
اس وقت اس سے مطلب نہیں کیا کہ ان میں سے کوئی حدیث تدوین شریعت کا
کام محض جزاف سے ہو رہا تھا۔

جن علماء نے اصول و قوانین پر تہ وین کی خدمت انجام دی ہے انہوں نے اس امر مذہب سے متعلق فوجی میں سرمایہ سے اخذ کر کے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسمی و مسعود

انہوں نے صرف ستہ حدیثیں سنیں۔ اس بنا پر حفاظ کہتے ہیں کہ ایٹ کی حدیثیں حوالہ الیٰ تحریر عن جابر صحیح ہیں لیکن مسلم میں جابر کی بحوالہ ابی اسیر بنی بھی حدیثیں ہیں جو ایٹ کی وساطت سے نہیں آئی ہیں اور جن میں صحیحہ ہے۔

یہ امام مسلم سے جابر اور اس عمر کے حوالہ سے تحت الودائع کے موضوع پر یہ روایت پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری ہی التوحید و توحید شریف نے کہ آپ سے وہاں طواف فاضل کیا پھر حدیث میں ہمار پڑھ کر منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ طواف فاضل کر کے منیٰ تشریف لائے اور نماز تہنہ منیٰ میں ادا کی۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے لیے یہ قویہ کرتے ہیں کہ ہمار تو حدیث میں "فی مکر منیٰ" میں بیان جوار کے لیے دوبارہ پڑھی۔ مگر حافظ ابن حرم کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں سے ایک بالاشبہ بھٹ ہے۔ یعنی کسی مسلم میں حدیث اسراء میں یہ اضافہ کیا ہے کہ واقعہ اسراء آپ کو وحی آنے سے پہلے پیش آیا ہے۔ حفاظ حدیث نے اس پر بڑی حساسیت کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ایسے ہی مسلم کی حدیث خلق اللہ لڑتے ہوئے مسند باقیات حفاظ ضعیف ہے۔ (۱)
الغرض بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جیسے امام مجتہدین قبولیت حدیث کی حد تک مسائل میں اتفاق رکھتے ہیں اور ایسے ہی محدثین بھی روایت حدیث کی حد تک صحت حدیث میں اختلاف رکھتے ہیں اور قبولیت وصحت میں ان کے فکری اختلاف کا مظاہرہ ان اصول و ضوابط میں بھی ہوا ہے جو اس موضوع پر ان بزرگوں سے منقول ہیں۔

تلاذہ حدیث اور امام اعظم

آری یہ صحیح ہے کہ رحمت آپ بھل سے بچانا جاتا ہے اور جیسا کہ امام ابن جریر نے صحت کہ امام اعظم کی عظمت شان کو سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ بڑے بڑے محدثان کے سامنے رونے شہرہ دی ملے کرنے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

مشائخ و مجتہدین "ہاں" انہیں میں سے بڑے بڑے فقیہوں سے امام اعظم نے شہرہ دی اختیار کی ہے مثلاً امام عیسیٰ مد مد بن المبارک جن کی حالت قدرہ با اتفاق عام ہے۔ اور جیسے امام لیث بن سعد اور مالک بن انس۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ ماہیک بھولا لاسفہ و طید و کھیت کے لیے ان سے مدد لینی۔

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حدیث میں امام اعظم کے یہ تلاذہ بتائیں
روانی عن ○ مہاجر بن اسم ○ بن المبارک ○ شیخ و شیخ و شیخ و شیخ و شیخ و شیخ ○
والقری۔ (۱)

شیخ سلامہ بن محمد عبد الرحمن بن فی حدیث روایتی نے ان پر بعد از قیاس امام ابو نعیمہ کا اضافہ کیا ہے۔ (۲) حافظ ابن حجر مستدقانی نے ان ناموں کا اور اضافہ کیا ہے۔

تہ ○ ایرابہ بن حبیب ○ خزاعہ بن حبیب ○ زبیر بن عبد اللہ ○ و یوسف
تاضی ○ ابو یحییٰ احمدی ○ یحییٰ بن یونس ○ یزید بن عرق ○ عبد بن محمد ○
دعیم بن یحییٰ ○ ارقی ○ خارجی بن مصعب ○ عہد مجید بن ابی داؤد ○ محمد بن مسلم ○
محمد بن شیر احمدی ○ مصعب بن مقدم ○ یحییٰ بن یونس ○ یونس بن ابی مریم ○
عاصم۔ (۳)

حافظ مستدقانی نے تحریر میں یہ بھی لکھا ہے کہ "و آخروں میں ابو حنیفہ کے حدیث میں صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی تلاذہ ہیں۔

خطیب بغدادی نے ان ناموں کی اور نشاندہی کی ہے۔

یزید بن ہارون ○ علی بن عاصم ○ یحییٰ بن نصر ○ عمرو بن محمد ○ ہواد بن غلیظہ ○ (۴)
حافظ ابنی نے مستدقانی کے نام صاحب کے سامنے رکھ کر اسے "ابن حنیفہ" کے نام سے
دعیم کے نام سے لکھا ہے۔ ایک دو تین حصوں کے فقہ میں امام صاحب سے استفادہ کیا ہے اور دوسرے
دو حصوں کے حدیث میں امام صاحب کے سامنے رانوں کے تلمذ کیا ہے اور ان کے لیے
حافظ ابنی کے حقیقی بیٹے اختیار کیے ہیں۔ ایک ایک نام کے لیے "ابن حنیفہ" لکھتے ہیں کہ

تعلق به جماعة من الكبار منهم **محمّد بن الهذيل** و **أبو يوسف الفاضل**
إلى آخره.

اور جسمانی کے لیے وہ فرماتے ہیں

روى عنه من الحديثي والعقلاء عدة لا يحصون.

اس کے بعد ان محنت محشین میں سے چند محشین کا بطور مشقے از خودارتہ کر دیا

[illegible]

ہم نے بالاراد و عکرار سے بچنے کے لیے ان ناموں کو چھوڑ دیا ہے جو پہلے آجپے
 ہیں۔ حافظ ابو الحجاج المزی نے تہذیب النعمان میں اگرچہ سارے تلامذہ کا استقصا نہیں کیا۔
 اس کے علاوہ، اس کے شاگردوں نے "تہذیب النعمان" پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔
 ان نے تذکرۃ الخفايا میں تلامذہ کی بہتات کا تذکرہ کرنے اور فضولہ کے چند نام ذکر کرنے کے
 بعد "وبشر كثير" اور مناقب میں "وعلاقی" فرمایا کہ تلامذہ کی کثرت کو بتایا ہے۔

اس بہتات کے اجمال تذکرے کو حافظ عبدالقادر قرشی نے یہ کہہ کر بے نقاب کیا

روى عن ابى حيفة نحو من اربعة الاف نفر۔ (۲)

تاہم وہ کی اسی کثرت اور بہتات سے تذکرے میں حاشیہ نساکی میں حافظہ ابن حجر کے حوالہ سے بعض امر کا یہ تاثر نقل کیا ہے کہ

اسلام کے مشہور اماموں میں سے کسی سے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جس قدر امام ابو حنیفہ کے ہوئے اور جس قدر علما نے آپ سے استفادہ کیا ہے کی مثال نہیں ملے گی۔ امام اعظم کے تلامذہ کا ذکر اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود مملکت بھی میں سے یہاں وسیع تھیں۔ امام حافظ لدین میں امام ابراہیم رازی کے امام عظیم کے مخصوص تلامذہ کا قلمبندی تذکرہ لکھنے کے بعد سات سو تیس مشاہیر علماء کرام کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور صوبہ داروں و شہر داروں کے نام بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ جس صوبہ یا جات و ملک کا اس سلسلے میں انہوں نے نام لیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

کے معجزہ دینے منورہ کوفہ بصرہ واسطہ موصل ۷۰ یروہ رقدہ
نصیبین دمشق رطلہ مصر یمن ہمارہ بحرین بغداد اواز
آرامہ اسفہان طران اسفہان ہمدان نہادہ رے و مغس
قوس طبرستان حرجان فیث پور فارس نسا مرو بغداد سم قند
شیر صفیاب تزدہ شہر است قزقان بستان روم حواریہ

من روى عنه الحديث والعقده حرفاً و غرباً بلنأ بلنأ (١)

حافظ الدین بن لہیز راگروری نے ان اسکول کے جن خاص خاص حلقہ کا تذکرہ
 زیر عنوان لکھا ہے ان کی تعداد سات تو تیس مشاہیر علماء ہیں۔

عالم دین اندیک نے القلم سے اس کی جہت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے
 العلم سرا و محر اسرف و عرنا بعد او فرما قدوبہ رضى الله تعالى عنه۔ (۲)
 اس سے آپ خدا کا نائب تھے۔ دوسری صدی کے نصف پائی میں امام اظمہ
 کا خدا کا نائب ہونا۔ چپہ چپہ پانچویں پائے تھے اور بعد عمر کی اشاعت میں مصروف تھے۔
 رکن ہادی کو شہسویا نہ تھا جس میں چار چہرے ہر ناموں۔ قدر خلعت سے دروس اور
 مائتوں تک ان کی ہر چہرہ پر ازاد تھا۔ بعد بقیہ کے یہ ان کی یہ مقبولیت اور شہسویا
 حیات پر قبضہ سامان رشک بنا ہوا تھا۔

اس کا چوتھا ازواج سے ہوتا ہے کہ اس میں آپ نے مرد و عورتوں کو
یہاں سے فقہ فہم کی ضرورت تھی، امام اعظم کے علاوہ کی ایک بڑی جماعت یہاں تھا
اقوام و رئیس میں مشغول تھی۔ مدینہ منورہ میں شریک بن بصرہ سے مامون کی بھی قدر و انصاف
کی شہرت سن کر یہاں آئے تو امام اعظم کے علوم کی یہ قیامت عام اور اشاعت عام ہوئی تھی
اور چوتھو علم حدیث و اپنے ساتھ امام اعظم کے علوم کے خلاف ایک منظرہ لکھ کر لائی۔ چنانچہ
صدر الامر نے یہ سب لکھا ہے کہ فتح بن عمر کہتے ہیں

نضر بن شملہ جس زمانے میں مدینہ میں مقیم تھے میں وہیں تھا۔ انہوں نے امام اعظم
کی کتابوں کو آپ رواں میں بھیج کر دیکھنا شروع کیا۔ خالد بن صبیح نے حواصیوں
مرد کے قاضی تھی یہ کہانی سنی تو وہ خود در خانہ صبیح کے دیگر افر و فضل بن سہل کے
پاس پہنچے۔ یہ مامون کا وزیر اعظم تھا۔ وراق کہتے ہیں کہ اس زمانے میں خانوادہ
صبیح میں پچاس یا اس سے بھی زیادہ ایسے علماء موجود تھے جو مدینہ میں کام کرنے کی
مداہمتوں سے ہمال تھے۔ خالد کے ساتھ ابراہیم بن رستم اور سہل بن حاتم بھی
تھے اس سب حضرات نے آکر فضل بن سہل کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ فضل نے
واقعہ سن کر جواب دیا کہ اس وقت تک اس معاملے میں ہاتھ نہیں کر سکتا جب تک کہ
صورت واقعہ کو خلیفہ کے روبرو پیش نہ کروں۔ یہ کہہ کر فضل مامون ارشد کے پاس
گیا اور سے سارے واقعہ سے آگاہ کیا۔ مامون نے فریقین کے بارے میں پوچھا
کہ یہ کون و کب ہیں؟ فضل نے بتایا کہ یہ نوخیز تو اسحاق بن راہویہ اور احمد بن زبیر
ہیں مگر نضر بن شملہ ان کے ساتھ ہیں اور دوسرے خالد بن صبیح، سہل بن حاتم اور
ابراہیم بن رستم ہیں۔ مامون نے دوسرے روز دونوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔
اسحاق اور ان کے ساتھیوں کو مامون کی گفتگو معلوم ہوئی تو اسحاق بن راہویہ کو یہ فکر
دامگیر ہوئی کہ مامون سے گفتگو کرے گا۔ آخر شور سے یہ طے پایا کہ احمد
بن زبیر مامون سے گفتگو کریں۔ چنانچہ دوسرے روز دربار میں حاضری ہوئی
مامون نے آتے ہی سلام کیا اور نضر بن شملہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ امام

صفیہ کی کتابوں سے متعلق آپ کو سننے یا روئے اختیار کیا ہے؟ عمر تو یہاں
رہے مگر احمد بن زبیر بولے کہ میں وہاں نہیں کر اجازت دیں تو میں چھوڑ
کروں۔ مامون نے کہا ہاں فرمائیے وہ بولے امیر المؤمنین اس نے سن لی کتابوں
کو کتابت و سنت کے خلاف پایا ہے۔ مامون نے کہا کتاب و سنت کے خلاف
کیتے؟ اتنا کہ خالد بن صبیح سے ایک مسداہ دریافت کیا کہ اس کے بارے میں وہ
ضعیف نے یا کہا ہے؟ خالد نے امام موصوف کے قول کے مطابق فتویٰ دیا۔ احمد بن
زبیر اس کے خلاف روایت ہیں مرنے تک مگر مامون نے امام و حنفیہ کی تائید
میں وہ حدیث پیش کی حواصیوں کے علم میں نہ تھیں۔ آخر میں مامون نے کہا
کہ لرو حد ماہا محالہ لکتاب اللہ و مسد و سولہ ما استعملناہ ابراہیم بن
و کتاب و سنت کے خلاف پاتے تو ان پر عمل کرانے کے خواہش مند ہیں
ہوتے۔ خبردار اب آئندہ اپنی حرمت نہ کرنا امام نضر بن شملہ قریب نہ دے تو میں
تم کو انکی سزا دیتا کہ یاد رکھتے۔ (۱)

احمد بن امام اعظم کے کا مذکور ہمدانی بھی نہ چاکی۔ اس کا نام و میں بن زکریا
قد رحمہ اللہ ہیں جو اپنے وقت میں نہ صرف حافظ حدیث بلکہ علم حدیث کے نقاب ہوئے۔
ان کا شمار بہت وسیع ہے مگر ہم یہاں صرف قریب کی خاطر چند کاتر فہم لکھ رہے ہیں
گزار لکھتے ہیں:

الحافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ:

حافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ میں ان کو صاحب بی صفیہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔
یوسف بن عتیبہ اور نوید کے رشتے والے ہیں۔ خطیب نے امام علی بن امدینی کے حوالے سے ان
کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ

حدیث میں روایت واسد کے سارے سلسل کا محور صرف چھ بزرگ ہیں۔ ان کے
نام تھے بن کے بعد ان چھ بزرگوں کا علم ارباب تصنیف سے لے کر آج تک

امام عبداللہ بن المبارک

حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں حافظ ذہبی نے مناقب میں
حافظ ابن ابی شیبہ نے تہذیب المستمیر میں حافظ ذہبی نے مناقب میں عبداللہ بن
المبارک کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک نے تلامذہ کا شمار ہوتا ہے جن میں سے کئی بڑے
پڑھے وہ فرماتے ہیں کہ

عبداللہ بن المبارک کے تلامذہ نے ایک میٹنگ اس ارادے سے منعقد کی کہ امام
موصوف کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ جن خوبیوں پر سب کا اتفاق ہوا یہ تھیں

۱۔ بے غش و بے ریا ۲۔ عفت و رزق ۳۔ فصاحت و قیام میل ۴۔ ج
۵۔ فی سبیل اللہ ۶۔ کھڑے نہ ہونے ۷۔ ساری بات سنی ۸۔ انصاف ۹۔ رفقہ ۱۰۔ لم

اختلاف ۱۱۔ یہ سب خوبیاں آپ کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔ (۱)

حافظ ابن ابی شیبہ نے کہا کہ امام عبداللہ بن المبارک کی کتابوں کو بزرگریا
تھیں جن میں ان کے تلامذہ میں امام بن قید کا نام ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن
مبارک کے تلامذہ میں امام اعظم کا تذکرہ ہوا ہے ان میں سے کچھ میں یا کچھ جاسے
تھیں۔ امام بن قید کا نام چار مرتبہ آیا ہے کہ اس کے تلامذہ میں امام بن قید
روایت میں کہ اس چیز کو کہتے ہیں یا جس سے یہ اس وقت لوگ تم میں اگر سے تھے
اور درخواستیں لیے پھر رہے تھے۔ (۲)

امام بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے یا وہ پارہ کوئی نہیں دیکھا
میں اور یہ علم میں ہوا کہ میں نے امام اعظم کی شان میں بھی امام اعظم کی محدثان شان کو
فرماتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بن مبارک سے قبل میں امام اعظم کا یہ مقام تھا۔
چنانچہ فرماتے ہیں

کطیران الصفور من المصیفة

روی الثارہ فاجاب فیہا

(۲) مناقب ذہبی، ص ۱۵

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۲

نبیوں سے آثار و روایت یا تو اس میں مدد پڑتی تھی جیسے آثار پر مدد
مقام سے اڑ رہے ہوں۔

ولم یکن له بالعراق نظیر ولا بالمشرقین ولا بالكوفة (۱)

عراق میں ان کی کوئی مثال تھی نہ مشرق و مغرب اور نہ کوئی میں

امام اعظم کے فقہ سے بارے میں عبداللہ بن مبارک کا جو تاثر ہوا وہ یہ تھا کہ
سید بن نصر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی تردید تھی کہ جو لوگ امام بن حنفیہ
نے بارے میں عبداللہ کی طرف مضمون لکھا تھا اسے سناتے رہتے تھے۔ فرماتے ہیں

لا تقولوا رای اہی حنیفة ولكن قولوا انه تفسیر الحدیث۔

اسے ابو حنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔ (۲)

اور یہ بھی عبداللہ بن المبارک ہی کا کہنا ہے کہ حدیث سے بحث چاہو اور حدیث کی
حاضر امام اعظم سے کیوں؟ اس کی وجہ بھی خود عبداللہ بن مبارک ہی فرماتی ہے

یعرف ثاویل الحدیث ومعناہ

اور خواہ ان مبارک کا اپنی ذاتی تربیت کے بارے میں امام اعظم سے تحقیق چاہیے
تھا کہ

لولا ان الله اعاننی باہی حنیفة ومفیان کنت بدعیاً۔

امام ابو حنیفہ کے علوم سے پورے طور پر سیراب ہونے کے بعد سفیان ثوری سے شر
کفہ حاصل کیا ہے۔ امام ذہبی نے اسے متصل نقل کیا ہے کہ:

ما لزمتم سفیان حتی جعلت علم اہی حنیفة بکذا و اشار بقضیہ بدہ۔

میں سفیان کے پاس اس وقت گیا جب میں نے ابو حنیفہ کے علم کو پورے طور پر
سمیٹ لیا۔ (۳)

ان کے زہد و تقویٰ اور پارسائی کا سامیہ تھا کہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ سے کہتے ہیں کہ

(۱) جامع السانید ج ۲ ص ۳۰۸ (۲) الجواہر المفیہ ج ۱ ص ۳۹۰ (۳) مناقب ذہبی ص ۴۵

آیا ہے ان میں کوئی طریق بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیحہ ہے۔
نظر سے پوست مار نہیں کریں اور مان میں کہ واقعی حضرت مہدیؑ نے یہ بات فرمائی ہے تو وہی
وجہ نہیں ہے کہ ہم اسے غلط سمجھنے پر نہ کر لوں وہی وہی اور اس کی روشنی میں کہ امام عظیمؑ
حدیث نہ آتی تھی۔ کیونکہ لفظ یتیم دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک غنی۔ اور دوسرے یتیم
کے اصطلاحی۔

لغت میں یتیم کے معنی صاحبِ قلوب سے نیک اور امداد سے محروم ہیں۔ البسہ لغویہ
و کمل شیبسی بصر نظیرہ۔ یگانہ اور ہم این چہ جو اندر میں ہو۔ بشری راقطاریں کہ دورہ
بیضہ بیت منیم اور حرمة بنمہ کے معنی رات بے مثال اور نار الوحد کے لیے ہو جاتے
ہیں۔ بچے بے باپ ہو کر فردہ جاتا ہے اس لیے وہ یتیم ہوتا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ امام عظیمؑ
حدیث میں دورۃ الدہر اور یتیم العظیم شخصیت میں اور ہے یہ بات ٹھیک۔ عبد اللہ بن المبارک
کے دوسرے بیان بھی اس کے مؤید ہیں۔

اصلاح محدثین میں یتیم وہ شخص کہلاتا ہے جو ایک حدیث و ماز کم ایک سوسندوں
سے روایت نہ کرے۔ چنانچہ مشہور محدث ابراہیم بن سعید جو ہری کہتے ہیں:

کل حدیث لم یکن عندی من مائۃ وجہ فانا فیہ یتیم۔

جو حدیث مجھے سوسندوں سے نہ ملے تو میں اس میں بچہ کو یتیم سمجھتا ہوں۔ (۱)

حافظ محمد بن ابراہیم الوریری نے بھی یہی بات ابراہیم بن سعید میں نقل کی ہے۔

انراں معنی کے لحاظ سے امام اعظم حدیث میں یتیم ہیں تو یہ بات نہ امام اعظمؑ
لیے قدر ہے اور نہ کسی کے لیے قابلِ مدح ہے۔ امام اعظمؑ کا یہ نہ شریعت کا راز نہ تھا اس
لحاظ سے تو سارے تابعین اور سارے صحابہ حدیث میں یتیم ہیں یونہی ہی اور تابعین میں کسی کو
بھی کوئی ارشاد نبوت سے سوا طرق سے معلوم نہ تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ حدیث تو ابراہیمؑ
بے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔ افعال۔ و اقوال کا۔ نہ کہ اشار طریق کا۔
اسلام کی زندگی میں مسائل کے لیے ضرورت کی چیز حدیث سے نہ طریق۔ اور امام اعظمؑ کو یہ چیز

وہی۔ میں قیصر تھا۔ آپ ان آیتوں میں امام اعظمؑ پر اور اس حدیث روایت کرتے تھے
اور یہ بھی آپ نے منہ سے نکالی تھی کہ حدیث میں ملتا تھا کہ چار بار یہی آیت تھی کہ بعد میں
یہ حدیث صحیحہ ہے۔ میں تیسری صدی میں چار بار یہی آیت تھی کہ حدیث صحیحہ ہے۔

اس فن کے مشہور محدث اسرائیل اس موقع پر بڑے سچے کی بات فرما گئے کہ
نعمان کیا ہی حیرے دار شخص تھے فقہ سے تعلق ہر حدیث ان کو خوب یاد تھی اس ن
سے حدیث تھی اور اس میں جو جملہ تھا اس کے خوب ہی عام تھے انوں سے
تھا۔ حدیثیں یاد تھیں اور خوب یاد تھیں اس لیے ان کی حدیثیں صحیحہ اور
ذرا سب عزت کرتے تھے۔ (۱)

یہاں عبد اللہ بن مبارک امام عظیمؑ کے تادم میں سے تھے حدیث صحیحہ میں
ساتھ ساتھ تھے ہیں۔ امام احمد بن حنبلہ تادم میں سے ہیں اور یہی دو حدیثیں شریعت
سے دور واقعتاً لی ہیں امام عظیمؑ سے چوٹی چوٹی شریعت تھی۔ جو امام تھانویؒ پائے
تھانویؒ کے پائے اور یہاں اقتدار سے دور۔ ابن و پے رقی سے یہ دونوں
دین کے معادلات میں جتنی اور وہ حدیث کا اظہار کیا۔ یہ تمام حدیثیں مہدی بن مبارک بن
ذات گرامی میں پائی جاتی تھیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

الامام ابراہیم بن طہمان:

حافظ ابی نے اس کا لحاظ حدیث کے چاروں حصے میں لیا ہے۔ امام ابو حنیفہؑ
سے مارنا نہ میں سے تھے۔ ان کے خ کے لیے یہ کافی ہے کہ خود امام احمدؑ نے
ہونے کے باوجود ان سے روایت لی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے

حدث عنہ من شیوخہ صفوان بن سلیم و ابو حنیفۃ الامام۔ (۲)

محدثین کے عرف میں اس حدیث کی روایت لا کبر عن الاصابع کہتے ہیں
اور ایک محدث کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے بالا اور کتر اور اپنے جیسوں
سے روایت کرے۔ علامہ ترمذی نے محدثین کو یہاں کا فیصلہ لکھا ہے کہ

لا یكون محدثا حتى یأخذ عمن فوقه و مثله و دوله۔

محدث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سے برتر کتر اور مثیل سے روایت لے۔ (۱)
اور اسی بنا پر محدثین نے اس کی عظمت شان اور جلالت قدر کا اقرار کیا ہے وہ

فرماتے ہیں

نوع مهم تدعو الیه الهم العالیۃ والا نفس الرکیۃ۔

بہر حال امام اعظمؒ نے استاد ہونے کے باوجود ابراہیم بن طہمان سے روایت لی

تہذیب میں حدیث قدسہ میں ہے کہ امام اعظمؒ نے ابراہیم بن طہمان سے روایت لی

محدثی ابو عامر العقدی محمد بن سابق بن ابی بکر کا نام لیا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو الحافظ

ذہبی کے سب سے بڑے مشہور محدث حلقہ میں روایت کیا ہے۔ ان سے روایت

میں تواتر سے بیحد ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔

ثابت کی منادی کی ہے۔ (۲)

افسوس ہے کہ ایسا باکمال اور بلند پایہ محدث بھی ارباب ظواہر کی فرقہ دارانہ چشمک

سے بے جا۔ اور چونکہ امام عظیمؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔

محدث بنوین ہیں اور انوں کا ختم مختلف ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔

تواتر ہے۔ یہاں بھی امام عظیمؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔

بتایا۔ لیکن ان کو پھر بلا خرمہ کی کھائی پڑی۔ اور حافظ ذہبی کو کہتا پڑا۔

فلا عبرۃ بقول مصنفہ

اس مضمود کے خلاف تمام ارباب صحاح ان کی حدیث سے احتجاج پر قنق ہیں اور

مشہور محدث اقرار کرتے ہیں کہ

انه حسن الحدیث یملئ شینا الی الارحاء فی الایمان حب اللہ حبہ

الی الناس۔ (۳)

(۱) شیخ زویٰ اعظم ص ۴۴۲ (۲) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۰۸ (۳) تذکرۃ الخطاط ج ۱ ص ۱۰۸

امام عظیمؒ جاتے اور میل میں نہ رہا۔ فی بیان کی حقیقت بھی گوشہ مدار فرما
تھے خود جلد سے محدث خطیب بغدادی کا کہ وہ اس مقدم پر ارباب کی حقیقت ابو الصلت کے
حوالہ سے یہ کہہ کر بے غتاب کر گئے۔

قال علی - قال ابو الصلت لم یکن ارجاء ہم هذا ولم یذهب الحدیث
الی الایمان فلول بلا عمل وان ترک العمل لا یصر بالایمان بل کان
ارجاء هم ایہم کانوا ارجحون لابل الکبار العفوان رد علی الحوارج
وعبرہم الدین مکھروں لاس بالدیوب فکانوا ارجحون ولا مکھروں
بالدیوب و معن کذا الک۔

اس کا ارجاء یہ مذہب تھی کہ ایمان قول جہ عمل سے آتا ہے۔ عمل سے ایمان
نہیں نکلتا ہے۔ بعد ان کا ارجاء تو صرف یہ تھا کہ اگر وہ کفاروں سے لیے امیدوار
معفیت تھے تو وہ ارجح کی تہذیب کرتے تھے جو انوں کو صرف کفاروں پر دہلیز میں
اور امام سے ان ایسے میں وہ خطیش کی امید کرتے تھے۔ ان سے روایت کیا ہے۔
سے کافر نہ کہتے تھے اور ہم بھی ایسے ہی ہیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ خطیب نے بتایا ہے کہ امام عظیمؒ نے حنابلہ اور غیور ثوری

جیسے محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

و ان من ارجاء کہتے ہیں۔ میں نے غیور ثوری سے بھی آخر میں یہی سنا ہے۔ وہ

فرماتے تھے کہ ہم سارے مسلمانوں کے لیے جو دہلیز بنا رہے ہیں

امیدوار مغفرت ہیں خواہ وہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ (۱)

اور تقدیر یہ ہے کہ امام عظیمؒ نے تھے شیخ محدثین فقہاء کی یہ تمہید سن کر نہ تھے۔

ایمان و عمل جدا جدا ہیں اور ان میں ایک کا ختم مختلف ہے۔ صرف یہ ایمان۔ ایمان و عمل جدا

ہو سمجھنا صحیح ہے۔ امام عظیمؒ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ امام عظیمؒ نے فرمایا ہے۔

صاف معلوم ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کیا ہے۔

ہو تو حاتم نے یہ کہہ کر ایک مجلس کے مال سے قید و نبوت پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اسے
کے دونوں بیٹے لائیں اور دو سو روپے انہوں سے لے کر جو آخرت کی باز پرس سے آزاد ہے لیکن
محققین میں اس حدیث جو اصل و جزا ایمان میں بتاتے ہیں سے مزید ایک گناہ مسلمان کا معاہدہ
اللہ سے نہ کہ فقیر میں ہے چاہے تو اپنے فضل سے بخش دے اور چاہے تو اپنے عدل کے
مطابق دے اور خود امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ بہر حال ابراہیم بن طہس کی
پرگزیدہ شخصیت اس سے برتر تھی۔

امام احمد بن حنبل کے مال میں ساری اس قدر قیمت تھی کہ ایک بار اس کی مجلس میں
ایک عورت کا ذکر ہوا تو امام احمد بخاری کی وجہ سے صاحب گائے بیٹھے تھے۔ اٹھ بیٹھے اور فرمایا:

لا ینفی ان یذکر الصالحون فینکاحا۔ (۱)

صالحین کا ذکر ہو تو وحاشا لکنا انما یجاء نہیں ہے۔

وہ مدت برکت میں ہو کر وفات ۱۵۳ھ میں حرمِ حرم میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔

الامام الحافظ کی بن ابراہیم:

حافظ انہی نے ان کا ذکر اس طرح شروع کیا ہے۔ الحافظ الامام شیخ خراسانی۔ اور
ان کے استادوں میں یزید بن ابی حید اور سنن بن قیس کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا بھی تذکرہ لیا ہے۔

حدث عن یزید بن ابی حید و جعفر الصادق و بہر بن حکیم و ابی
حنیفہ و ہشام۔

یہ بھی بن ابراہیم امام اعظم کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ صدر الامم رقمطراز ہیں
کہ بنی بن ابراہیم کوئی تھے۔ اور امام اعظم کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے اور
آپ سے فقہ حدیث حاصل کیا اور بکثرت روایتیں لیں۔ (۲)

یہ بھی امام حدیث میں بہت بڑے امام ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ ان کے
شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن یحییٰ اور امام بخاری نے ان کے سامنے رانوئے ادب

تہہ کیا ہے۔ خود امام بنی کا بیان ہے کہ میں نے سنا ہے کہ بنی بنی اس میں تکبر نہ تھا نہ ہوا نہ ہو
ہوں اور نہ ہونا یحییٰ سے حدیثیں بھی ہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ (۳) اچھے میں پیدا ہوا ہوں اور
سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل شروع کی۔ (۱) امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں یہ بھی ائمہ
کیا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی میری خدمت پیش آئے کی
تو میں سوائے تاحمین کے کسی سے بھی حدیث نہ لیتا۔ (۲) ان سے آثار میں، سنتوں میں
بڑے بڑے داروں کیونکہ اس وقت تک امام ابو حنیفہ نے ہی توجہ دیا تھا۔ چنانچہ امام
بخاری عبد الصمد بن فضل کی زبانی ان سے نقل ہیں کہ میں ۵۰ بار بار گیا تھا ایک بار امام حنبل
خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ تم تجارت کرتے ہو مگر تجارت میں علم کے فیہ نہ تارخ رہا ہی
خسارہ ہے۔ تم علم کیوں نہیں حاصل کرتے سو اور حدیث کیوں نہیں بیٹھتے۔ امام موصوف مجھے
برابر اس طرف توجہ دیتے رہے حتیٰ کہ میں نے اس میں قدم رکھا یہ در کتابت علم کی
طرف متوجہ ہو گیا اور اللہ سبحانہ نے مجھے علم کی دولت مرحمت فرمائی۔ اس لیے میں نہ رکا۔ نہ
اور جب بھی امام ممدوح کا ذکر ہوتا ہے تو ان سے حق میں اعلائے فیہ کرتا ہوں۔

لان اللہ تعالیٰ بہر کفہ فتح لی باب العلم۔

یونکہ آپ بنی کی برکت سے اللہ سبحانہ نے میرے لیے علم اور رزق کھول دیا۔ (۳)
خدا ہے کہ آپ امام اعظم سے چند سو سال کی عمر میں ۵۰ بار بار گئے۔ سب سے
ہوں گے اسی عمر کے نام کو علم کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ماں فیہ مال سوج یا میں مذراہ۔
بلکہ اگر آپ نے سو سال کی عمر میں علم حدیث کے طب علم کی حیثیت اختیار کر لی اور اس سلسلے میں
اولیں استاد آپ کے امام اعظم ہوئے اور آپ (۴) اچھے سے شہید تک امام اعظم کے علوم سے جو شہ
چھٹی کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ نے جنوں کے دولت سے اطمینان کیا ہے کہ آپ
نے سنا ہے کہ بنی بنی ہیں۔ اگر آپ کی وفات جیسا کہ محمد بن سعد نے بتایا ہے (۵) میں ہونی سے تو
جنوں کی یہ تعداد اسی طرح پوری ہو جاتی ہے کہ آپ کا پہلا بیٹا (۶) میں ہو۔

(۲) تہذیب المعادیل ج ۱ ص ۲۹۵

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۳

(۳) مناقب صدر الامم ج ۲ ص ۱۶۱

(۲) مناقب صدر الامم ج ۱ ص ۲۰۴

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲

وهوالدی اخذعه سہیاں علم ابی حبیہ و نسخ منه کہہ۔ (۱)

۱۰۔ میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں نے ایک نیا مکان خریدا ہے۔
کے ساتھ رہتا ہوں۔

معیار الثوری اکثر متابعه فی لابی حبیة- (۲)

علی بن مسرور آرمیا میں مدد سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قاضی کہلاتے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان کا شمار غلامانِ نبوی میں کیا ہے۔ انھیں غلامانِ نبوی میں دلتوں میں دلت علی۔ محدثین نے ان کی شہادت و بیانت اور امانت کے بہت کچھ گن گائے ہیں۔

الامام الحافظ حفص بن غياث:

حفص بن غیاث نام ابو عمر و کنیت "نسباً نضی اور وطناً کوفی ہیں۔ خطیب بغدادی نے
 اسے امام دین میں سے ایک ممتاز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبل نے
 بن معین، علی بن المدینی، زبیر بن حرب اور اسحاق بن راہویہ ہیں۔

اولا بغداد پھر کوفہ میں منصب قضا پر فائز رہے ہیں۔

اس میں کیا بات ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس کی ایک اور بات ہے۔ اس میں اس کی ایک اور بات ہے۔ اس میں اس کی ایک اور بات ہے۔

[illegible]

اور اولاد کا بار نہ ہوتا تو میں کبھی بھی یہ عہدہ قبول نہ کرتا۔ (۳)

[illegible]

ہاں حدیث دینی حدیث میں تحت و فوق و وسط و اطراف سب حدیثیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

دو تمام احادیث جو امام حفص بن غیاث نے کوفہ و بغداد میں بیان کی ہیں وہ سب روایتِ یحییٰ داشت نے روایت کی ہیں۔ یہ روایت حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں صحیح ہے۔

زبرد و پارسائی اور اس شانِ محمدانہ کے ساتھ آپ جذبہٴ سخاوت سے بھی مالا مال تھے۔ چنانچہ دواغٹر وندی سے نہ تو کئی حد تک سے دیا ہے اور اس سے نہ کاپہ سلطان بھی نقل کیا ہے۔

من لم يأكل من طعامي لا أحدك۔

[illegible]

محدثین میں ہشتم سے زیادہ میں نے ہند پایہ کوئی نہیں دیکھا ہے کچھ محدثین نے سفیان ثوری سے بھی برتر کہتے تھے۔ اے تسمیہ نے کہتے تھے عراق میں ان کے سوا کوئی محدث ہے وہ فرماتے تھے ہشتم سے بڑھ کر بھی عراق میں کوئی محدث ہے؟ (۱)

محدثین کے ساتھ امام احمد بن حنبل کو خاص مقام حاصل ہے اس لحاظ سے جیسے ہشتم اور ابو یوسف کا باہم رشتہ استاد و شاگرد ہونے کا ہے۔ ایسے ہی امام احمد کا رشتہ بھی ہشتم اور قاضی ابو یوسف کے ساتھ ہے۔ ان کے بارے میں آزاد پڑھیے۔ انہوں نے یہ تفصیل کا عمل نہیں ہے۔

بہر حال ہشتم بن بشر علم حدیث کے امام اور امام ابو حنیفہ کے تلمیذ ہیں۔ اخطیب نے

یہاں امام اعظم کے تمام کاغذ کا استحصاء مقصود نہیں ہے۔ ان کے حفاظ ہیں جن کے تراجم حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں۔ حافظ مسقانی نے امام اعظم کے کاغذ حدیث میں ذکر کیا۔

کے تمام کاغذ یہاں کریں تو ایک طویل طویل داستان ہو جائے گی۔ اس لیے ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نضر بن تھار غنی

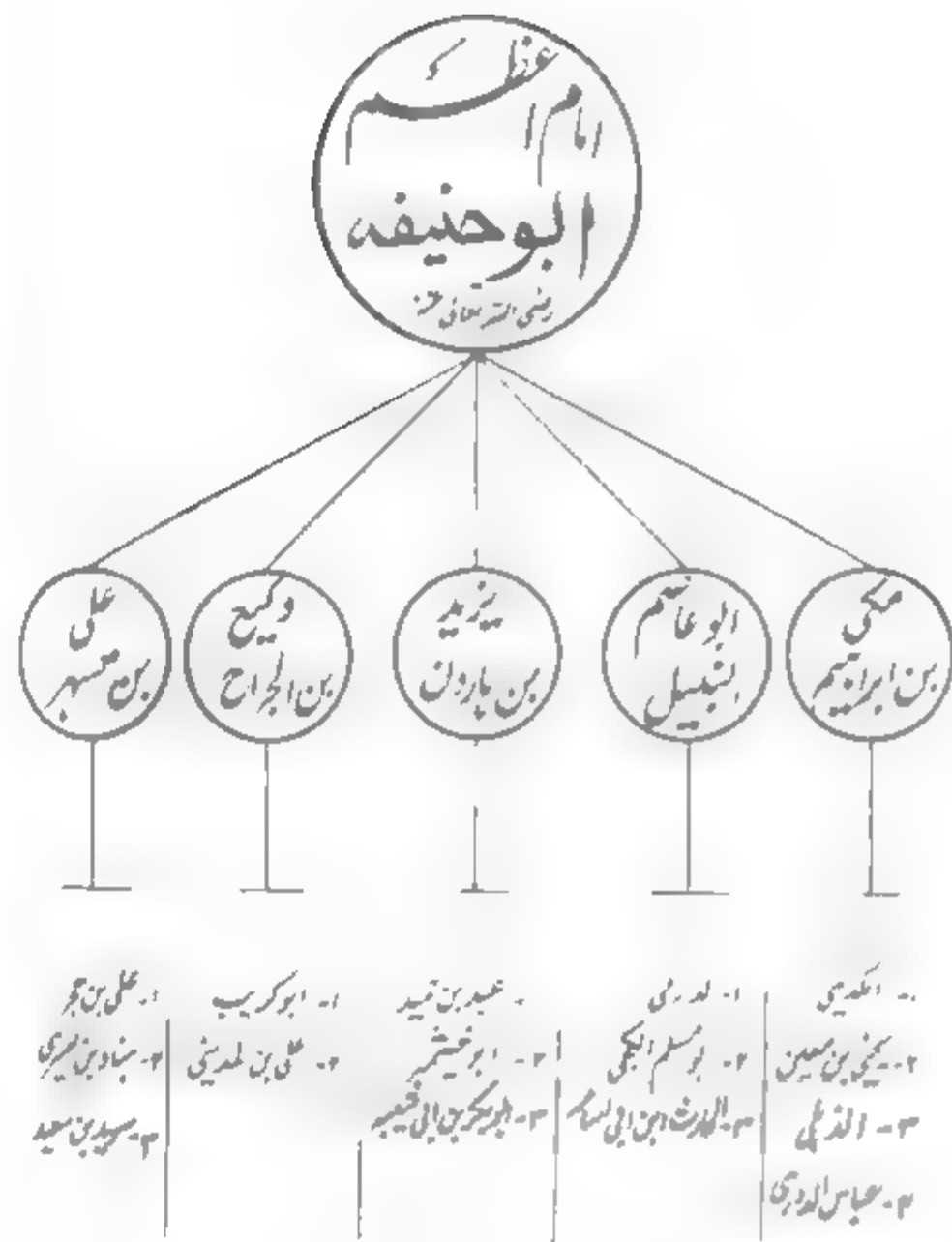
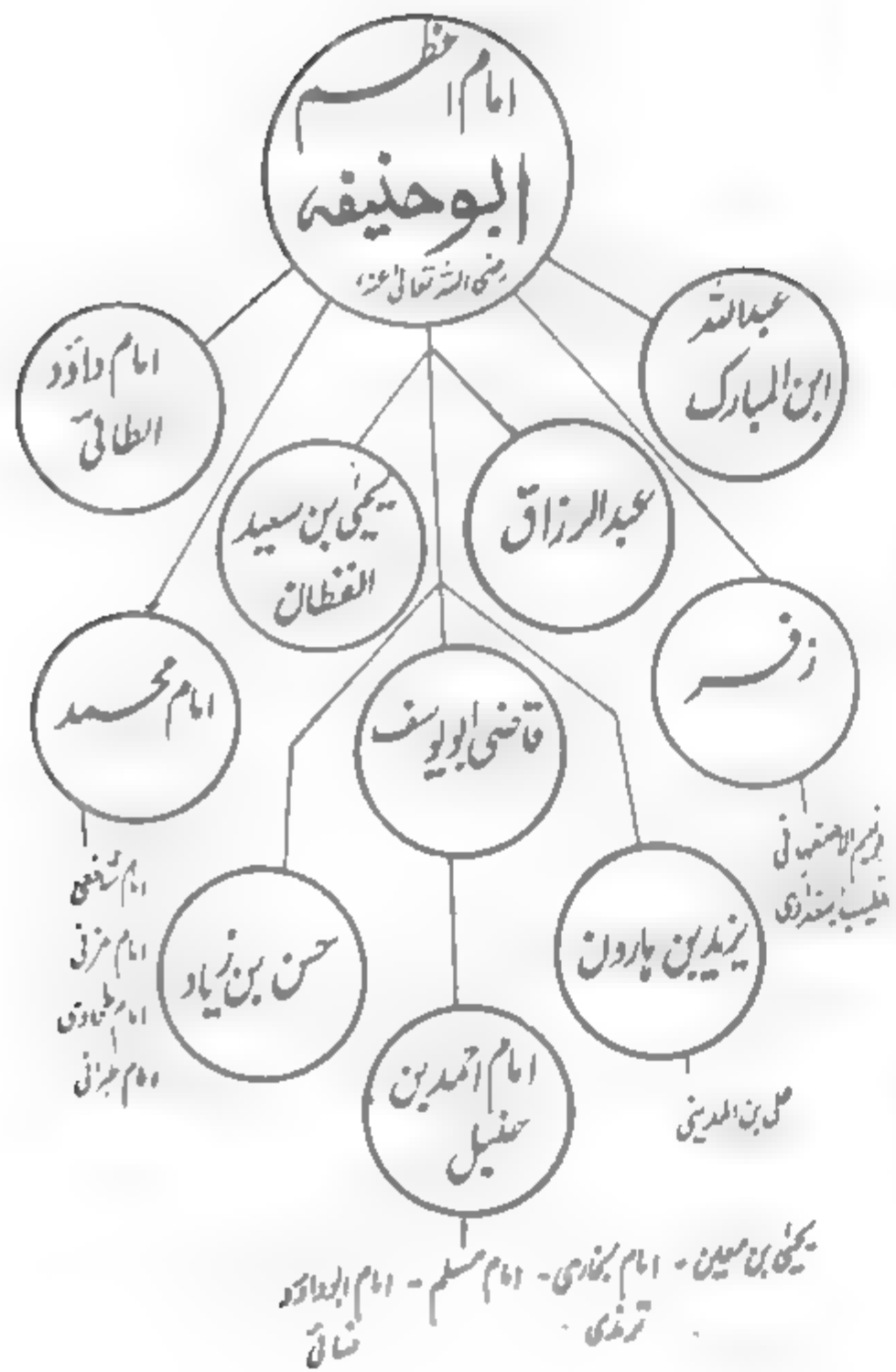
حفض بن غیاث
اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن مسلم، ابو داؤد، ترمذی
عثمان بن ابی شیبہ، ابو یعلیٰ، جعفر القریابی، نسائی، ابن ماجہ

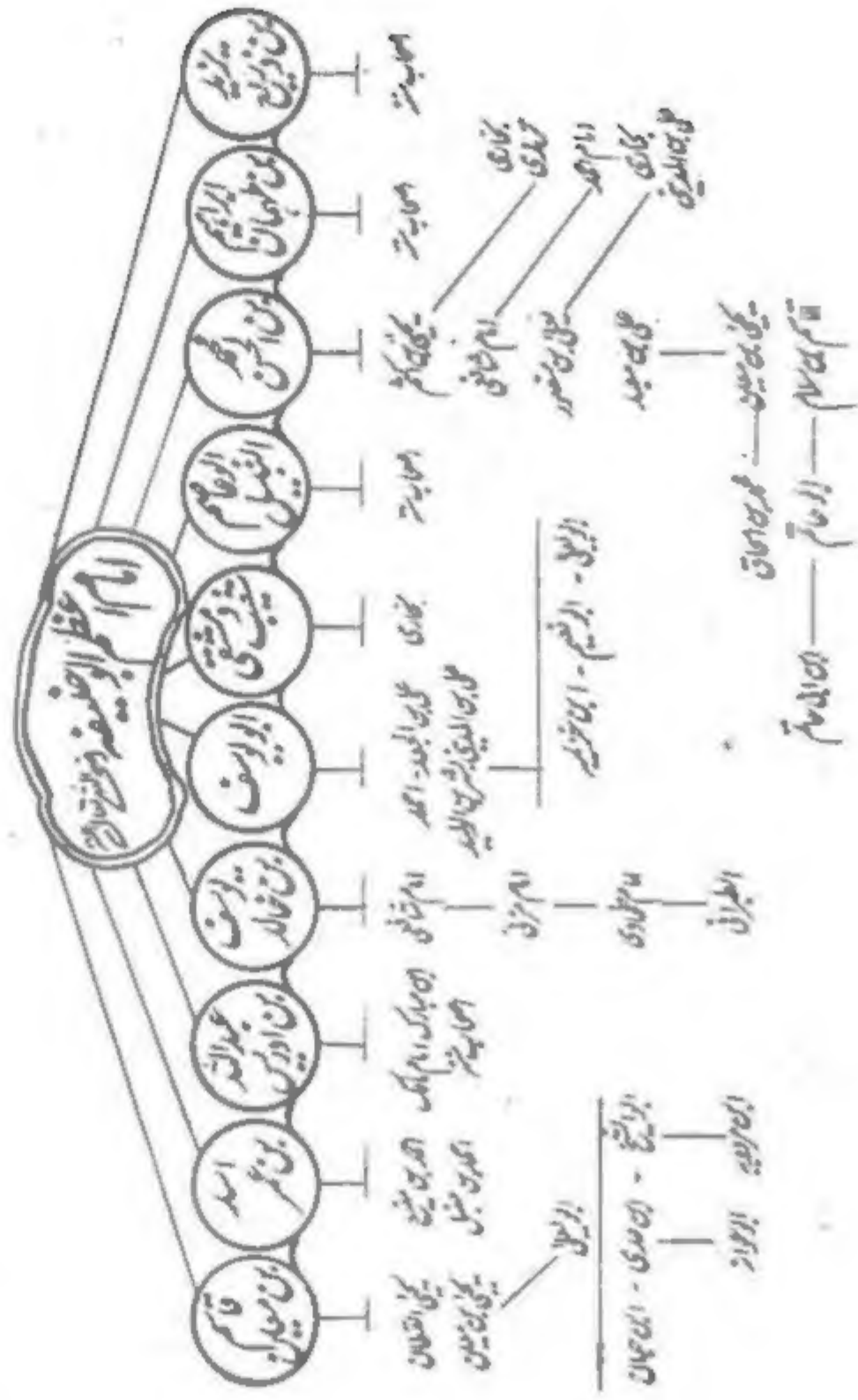
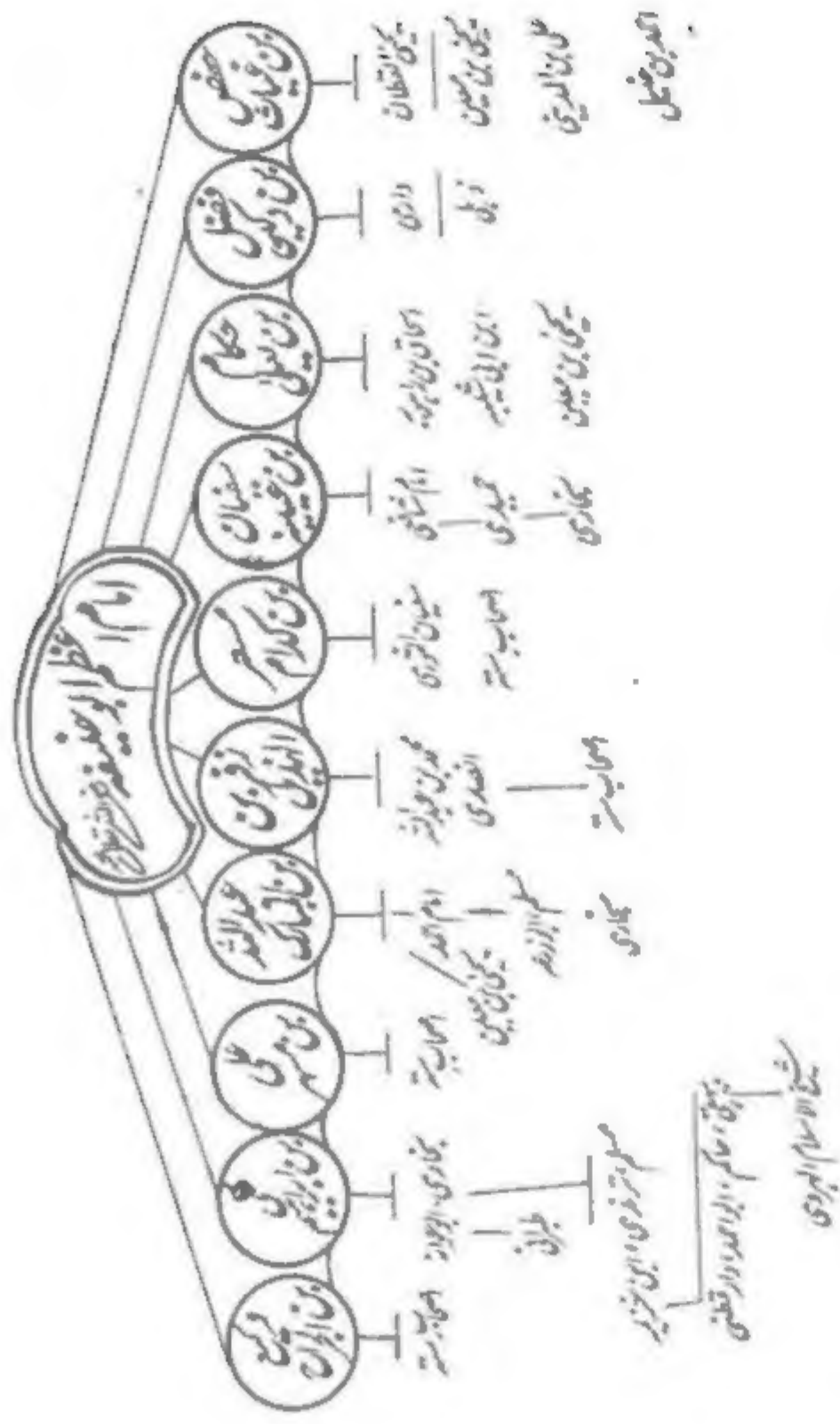
ابراہیم بن طہمان
بخاری، محمد بن نصر مزنی، بن خزیمہ، صالح بن جزیرہ
نسائی، ابو بشر الدولابی، ابو تقاسم الطبرانی

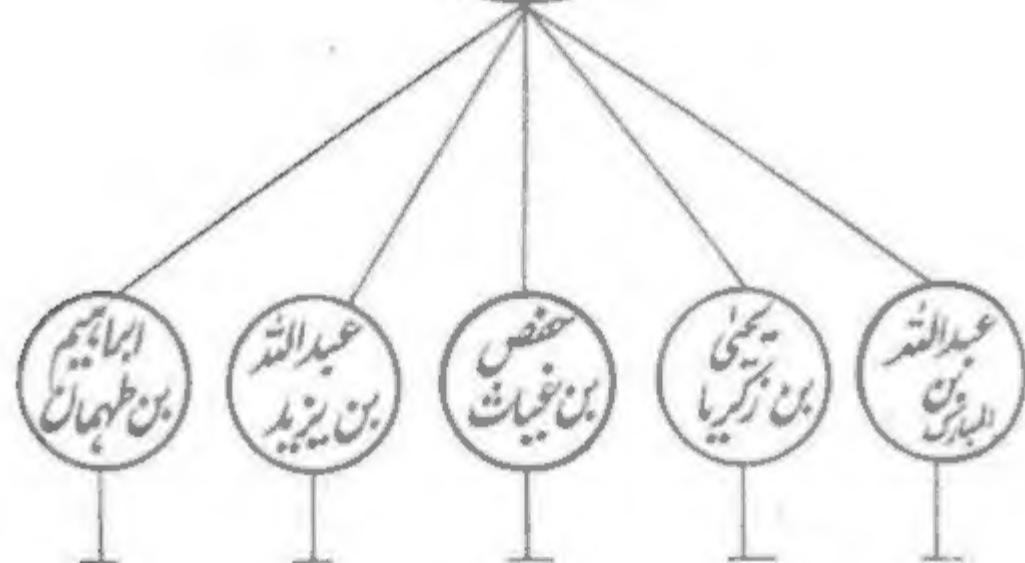
دیکھ بن الجراح
علی بن المدینی، ذہبی، بخاری، ابو یعلیٰ
ابو جریر بن ابی شیبہ، ابو زرہ، یحییٰ بن محمد، القریابی

علی بن مسہر
علی بن عمر، نسائی، مسلم، ترمذی، نسائی
ہناد بن السمری، ابو زرہ، ابو العباس، حبان

مسعر بن کدّام
یحییٰ بن آدم، احمد، اسحاق، عبد بن حمید، الحسن بن علی
ابو نسیم، محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، دارمی، التتات







۱- ابراہیم بن طہمان	۱- احمد بن حنبل	۱- اسحاق بن زہیر	۱- ابوالکریم	۱- ابو یوسف
۲- یزید بن عبد اللہ	۲- یحییٰ بن معین	۲- عثمان بن ابی شیبہ	۲- یعقوب	۲- یحییٰ بن معین
۳- طہمان بن ابراہیم	۳- المارث بن محمد	۳- علی بن المدینی	۳- ابراہیم بن موسیٰ	۳- ابوالکریم بن موسیٰ
۴- حنس بن غیاث	۴- اسحاق	۴- یحییٰ بن معین		۴- احمد بن حنبل
۵- ساقی				
۶- ابن ماجہ				

سکونِ قلب

مصنف

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ انعامیہ

دکان نمبر 24، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی

021-32216814, 0345-2151205

۱۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۲۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۳۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۴۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۵۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۶۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۷۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۸۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۹۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۱۰۔ عسائی دایگر مطبوعات